سائرسِ اعظم





سائنس اعظم

تالیف : تورا کینہ قاضی

شاہکار بُک فاؤنڈیشن
حاجی بلڈنگ ــ حسن علی آفندی روڈ ــ کراچی نمبرا

ناشر : سیّد عاصم محمود
شاہکار بک فاؤنڈیشن
حاجی بلڈنگ، حسن علی آفندی روڈ، کراچی نمبر ا
ٹیلیفون :- ۲۱۸۵۱۵

طابع :- انٹرنیشنل پریس - چندریگر روڈ کراچی

قیمت :- تیس روپے

سائرس اعظم

سائرس اعظم کے حالاتِ زندگی پر یہ اُردو کی پہلی کتاب ہے۔

سائرس کو عربوں نے خسرو بنا لیا اور اس کی ایک شکل کسریٰ ہے۔ سائرس اس نام کی یونانی شکل ہے۔ عبرانی میں اسے خورس کہتے ہیں۔

اُس نے ایران میں ہخامنشی سلطنت کی بنیاد ڈالی۔ یہ ایشیا کی پہلی بڑی شہنشاہی تھی۔ اس سے پیشتر دنیا کی تاریخ میں ایسی بڑی شہنشاہی کا سراغ نہیں ملتا۔

ایران قدیم کے بارے میں ہم اتنا جانتے ہیں کہ سمیریوں، اکادیوں اور عیلامیوں کے درمیان مسلسل لڑائیاں جاری رہیں۔ پہلے عیلامیوں پر دباؤ پڑا۔ پھر انھوں نے اکادیوں پر غلبہ حاصل کر لیا اور اُن کے مندر تباہ کر ڈالے۔ حمورابی نے بادشاہ کو معزول کر دیا۔ ۱۱۳۰ ق م میں بابل کے بادشاہ بخت نصر اوّل نے عیلامیوں کو شکست دی۔ پھر عیلام و بابل کے بادشاہوں نے مل کر ۷۲۱ ق م میں اشوری قوت کو کچل دیا۔ آخری دور میں بابلیوں کو دوبارہ خاصا عروج حاصل ہو گیا۔ یہاں تک کہ سائرس کا ظہور ہوا اور اُس نے ایرانی سلطنت کی بنیاد رکھی (جس کا ایک دارالحکومت سوس بھی تھا، جو عیلامیوں کا مرکز چلا آتا تھا)۔

مادی سلطنت کا آغاز ۸۳۵ ق م میں ہوا اور یہ ۵۰۷ ق م تک جاری رہی۔ پھر مادہ اشوریوں کے زیر اثر آگیا۔ ۶۲۵ ق م میں دوبارہ مادی سلطنت نے سنبھالا لیا اور بابلیوں کے ساتھ مل کر نینوا کو تباہ کیا۔

ہخامنشی سلطنت کا آغاز سائرس اعظم سے ہوا، جس نے ۵۵۰ ق م میں مادی بادشاہ اور اپنے نانا اسٹیاگس کو شکست دے کر مدائن کے تخت پر قبضہ کیا، ۵۴۶ ق م میں لیڈیا کو فتح کیا۔ ۵۳۸ ق م میں بابل کو، ۵۳۰ ق م میں افغانستان کے شمال میں ترکستانی قبیلوں سے لڑتا ہوا میدانِ جنگ میں مارا گیا۔

سائرس کی قائم کردہ سلطنت کا آخری بادشاہ دارا سوم تھا جس نے سکندر اعظم کے مقابلے میں شکست کھائی۔

یہ کتاب "سائرس اعظم" کے حالاتِ زندگی پر تفصیل سے روشنی ڈالتی ہے۔ تاریخ کے طلبا کے لیے تحفۂ خاص کہنا چاہیئے۔ اس کی تالیف محترمہ تورا کینہ قاضی نے خوبی اور خوش سلیقگی سے کی ہے، جن کی اکثر تالیفات شاہکار کے "داستان سیریز" کے تحت پہلے بھی شائع ہو چکی ہیں اور چند مزید تالیفات زیرِ طبع ہیں۔

سیّد عاصم محمود



دروازوں پر منڈلانے والے لڑکے

امریکیوں میں سائرس ایک جانا پہچانا نام سمجھا جاتا ہے۔ وہاں یہ نام صدیوں پرانا چلا آرہا ہے۔ مگر امریکہ والے بہت کم جانتے ہیں کہ ان میں یہ نام سائرس رکھنے کا آغاز کب ہوا تھا۔ سائرس کون شخص تھا جس کے نام پر انہوں نے اپنے بچّوں کے نام بھی سائرس رکھنے شروع کیے تھے۔ لیکن ایرانیوں کے نزدیک یہ نام کوئی اجنبی نام نہیں۔ یہ اس عظیم و باجبروت شہنشاہ کا نام ہے جس کے کارناموں اور فتوحات سے ایک دنیا واقف ہے۔ اس ایرانی شہنشاہ نے پہلی مرتبہ دنیا کی ایک عظیم الشان اور مکمل شہنشاہیت کی بنیاد رکھی تھی۔ اس کے دارالحکومت پرسی پولس یا تختِ جمشید کے کھنڈرات ڈھائی ہزار سال سے زیادہ مدت گزرنے کے باوجود اس شاندار و پُرشکوہ ہخامنشی عہد کی عظمت و جبروت کی کہانیاں سناتے معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن حیرت ناک بلکہ افسوس ناک بات یہ ہے کہ اس عظیم و باجبروت شہنشاہ کے حالات زندگی پُراسرار اور لاعلمی کے دبیز پردے پڑے ہوئے ہیں۔ آج کل کے زمانے میں بے شمار قدیم اقوام، قدیم تہذیبوں اور قدیم ملکوں کے حالات پر سے پردہ اٹھایا جا چکا ہے۔ وادیٔ سندھ کی تہذیب، اہرامِ مصر، پُراسرار حتّی اقوام، منوآن تہذیب، بحیرہ روم کے ساحلی علاقوں پر بسنے والی گمنام اقوام کے حالات اب کوئی راز یا ڈھکی چھپی چیزیں نہیں رہے۔ لیکن سائرس ہخامنشی کا تذکرہ پرانے تاریخی ریکارڈوں

یاہو دمنفیاں ۔ ہو نے کے باوجود اس کے اصل حالات اور کارناموں سے دنیا اب تک ناواقف ہے ۔ وہ ایک غیر معروف علاقے سے نکلا تھا اور اس نے دنیا کی سب سے پہلی منظم اور عظیم الشان سلطنت کی بنیاد رکھی ۔ وہ بابل ۔ اُر ۔ کالدیا ۔ اشوریا اور مصر کی حکومتوں کے مقابل حکمرانی کا ایک نیا نظریہ لے کر اٹھا تھا ۔ جس نے "تاریخ کا دھارا موڑ دیا اور قدیم حکومتوں اور بادشاہتوں کو ان کے انجام کو پہنچا دیا ۔ اس نے ایسا کیوں کیا تھا ؟ کیونکر کیا تھا ؟ کس مقصد کے لیے کیا تھا ؟ کن ذرائع سے کیا تھا ؟ وہ خود درحقیقت کون تھا ؟ کس قسم کا انسان تھا ؟ تاریخی شہادتوں کی مدد سے ان سوالات کا جواب دیا جانا ممکن نہیں ۔ ان سوالات کا جواب صرف ایک ہی طریقے سے دیا جا سکتا ہے یعنی ہمیں تاریخ کے اوراق واپس پلٹتے ہوئے اس زمانے سے اپنی تفتیش کا آغاز کرنا چاہیئے جب لائم سٹون کی بنی ہوئی قربان گاہوں میں مقدس آگ ہمیشہ روشن رکھی جاتی تھی ۔ جب ہاتھی کے دانت کی بنی ہوئی چھوٹی چھوٹی کرسیوں کی بجائے فرش پر گدیلے بچھا کر بیٹھا جاتا تھا اور ان پر ہی سویا جاتا تھا ۔ جب مکانات خطرناک اور پُر پیچ پہاڑی راستوں میں بنائے جاتے تھے اور ان کے باہر تنومند گھوڑے ہمیشہ تیار کھڑے ہوتے تھے ۔ سائرس اعظم اسی زمانے میں ہو گزرا تھا ۔

یہ چھٹی صدی قبل مسیح کا آغاز تھا ۔ جب مصر پر نیکو فرعون حکومت کر رہا تھا ۔ اس فرعون کو سات سال بعد کارشمس میں بابل کے عظیم و باجبروت بادشاہ بخت نصر نے شکست دے دی ۔ اس فرعون نیکو نے اپنی اس شکست سے پہلے عرم گدون کے مقام پر یہودیہ کے بادشاہ جوزیا کو شکست دی تھی ۔ یہودیہ کے اس بادشاہ کو بعد میں بخت نصر نے عبرتناک شکست دی ۔ اس نے یہودیہ کی اینٹ سے اینٹ بجا دی ۔ ہیکلِ سلیمانی کو پیوند زمین کر دیا اور ہزاروں یہودیوں کو غلام بنا کر بابل لے گیا ۔ اس زمانے میں مشرق میں سیازارس میڈیا کا حکمران تھا ۔ پہاڑی علاقے بہت دور

دراز میں واقع تھے اس لیے وہ مختلف حکمرانوں کے مابین لڑی جانے والی جنگوں کے اثرات سے محفوظ تھے۔ ایسے ہی ایک دور دراز کے پہاڑی علاقے میں سائرس ہخامنشی پیدا ہوا تھا۔

سائرس کا نام اس کے دادا کے نام پر سائرس رکھا گیا تھا۔ اس نام کا مطلب تھا گڈریا یا چرواہا۔ جسے ہخامنشی زبان میں کورش بھی کہتے تھے۔ مگر سائرس درحقیقت کوئی چرواہا یا گڈریا نہ تھا، نہ اسے بھیڑ بکریاں چرانے سے کوئی مطلب تھا۔ پہاڑوں کی ترائیوں میں جہاں پگھلتی ہوئی برف کا پانی بے شمار ندیوں نالوں کی صورت میں بہتا تھا ہزاروں بھیڑیں بکریاں گلّوں کی صورت میں چرتی پھرتی تھیں۔ ان کی نگرانی بوڑھے آدمی رکھوالی کے کتوں کی مدد سے کیا کرتے تھے۔

یہ محض ایک سادہ سی روایت ہی تھی کہ ایک حکمران یا بادشاہ کورش یا چرواہا ہی ہوتا تھا۔ وہ اصل چرواہے کی مانند اپنی رعایا کے کھانے پینے، حفاظت رہنے سہنے، دشمنوں سے اس کی حفاظت کرنے کا ذمہ دار ہوتا تھا۔ وہ اپنے لوگوں کو بیرونی دشمنوں سے بھی بچاتا تھا۔ خطرناک درندوں اور بھوتوں پریتوں سے بھی ان کی حفاظت کرتا تھا۔

سائرس کی ماں چونکہ اس کی پیدائش کے فوراً بعد ہی انتقال کر گئی تھی اس لیے اس کے خاندان نے اس سے یہ شگون لیا کہ سائرس کی جائے ولادت منحوس تھی، اس لیے انہیں جس قدر جلد ہو سکے اس منحوس جگہ سے ترک سکونت کر کے کسی اور سرسبز و شاداب جگہ کو اپنا ٹھکانہ بنا لینا چاہیے۔ لیکن سائرس کا باپ کی سس (کمبوجیہ) وہ جگہ چھوڑنے کے حق میں نہ تھا۔ کیونکہ وہ جگہ گھوڑوں کے لیے اچھی تھی۔ انسانوں کے لیے بھی بہترین تھی بالفاظ دیگر بالکل جنت تھی۔ کیمبی سس ایک مضبوط عزم و ارادے کا مالک ہٹّے کٹّے انسان تھا۔ وہ پارسیوں (ایرانیوں) کا ایک چھوٹے پیمانے کا بادشاہ تھا اور جس ادی

میں اس کا خاندان رہتا آرہا تھا وہ پہاڑوں کے درمیان خاصی بلند جگہ پر واقع تھی۔ وہاں سردی بہت پڑا کرتی تھی۔ البتہ موسم گرما کے وسط میں موسم کچھ خوشگوار ہو جاتا تھا۔ اس وادی کے شمال مغرب میں ایک بلند سلسلہ ہائے کوہ تھا جس سے ایک تیز و تند اور سرسراتی ندی منڑتی بل کھاتی پہاڑی غاروں اور دروں میں غائب اور نمودار ہوتی دور نیچے میدانوں کی سمت جا نکلتی تھی۔ اس شوریدہ سر ندی کے بہنے کی آواز بے حد بلند تھی اور ہمیشہ سنائی دیتی رہتی تھی۔ اس وادی کے رہنے والوں کو اس جلترنگ میں پہاڑوں کی مہربان دیوی اناہیتا کی سرگوشیاں سنائی دیتی تھیں۔ جب کبھی سس کے حکم سے اس ندی کے مخالف کنارے پر آگ کی دوہری قربانگاہیں کھڑی کی گئیں تو راتوں کو آتش مقدس کی روشنی دور دور سے دکھائی دینے لگی۔ کبھی سس کے خیال میں وہ وادی پارسیوں کے لیے ایک بہترین قدرتی پناہ گاہ بھی تھی۔ رفتہ رفتہ وہاں سے گزرنے والے تجارتی قافلوں نے اس جگہ کو پارس گرد کہنا شروع کر دیا۔ یعنی پارسیوں کا پڑاؤ۔ اس جگہ کی آبادی اتنی کم تھی کہ اسے بمشکل ہی دیہات یا قصبہ کہا جا سکتا تھا۔

نوعمر سائرس کو سب سے پہلے اس وادی کے باقی آبادیوں والے علاقوں کے مقابلے میں الگ تھلگ اور دور دراز میں واقع ہونے کا احساس ہوا تھا۔ وہ ان پہاڑی باشندوں کے درمیان پروان چڑھنے لگا تھا، جو اپنے آپ کو نیچے ترائیوں میں رہنے والوں کے مقابلے میں بہت ارفع اور اعلیٰ سمجھتے تھے۔ لیکن یہ احساس پہاڑی بلندیوں پر رہنے والے تمام لوگوں میں مشترک نہ تھا۔

پانچ یا چھ سال کی عمر میں سائرس نے گھڑسواری سیکھ لی۔ اس عمر میں نیچے میدانوں میں رہنے والے لڑکے مٹی کے کھلونوں سے کھیلا کرتے تھے۔ اپنے رشتے کے بہن بھائیوں کے ساتھ سائرس بالعموم گھوڑے کی برہنہ پشت پر سوار ہو جایا کرتا تھا۔ گرنے کے خوف سے وہ سب گھوڑے پر پیچھے ہوتے ایک دوسرے کو مضبوطی سے پکڑ لیا کرتے تھے۔ انہوں نے دیکھا تھا کہ صرف بوڑھے لوگ اور قیدی ہی پیدل چلا کرتے تھے۔ گھڑسواری نے انہیں طویل طویل سفروں اور پاپیادہ چلنے والے

لوگوں کو پہنچی نے کا مادی بنا دیا تھا۔

سائرس کی گھڑ سواری کے بارے میں اس کے ساتھ میں ایمبا کی، جو ہیرکا نیہ کا باشندہ تھا، آتے تھی کہ وہ کسی چھوٹے بادشاہ کی مانند اپنے باپ کیمبی سس کی مانند گھڑ سواری کیا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ اس نے سائرس سے یہ بات کہی تو سائرس نے اسے اپنی کلائی میں پہنا ہوا چاندی کا کنگن دکھایا۔ اس کنگن میں ایک بڑا سا ہیرا جڑا ہوا تھا۔ جس پر زمین سروں والے خدائے شر آزہی ضحاک کی شبیہہ کے اوپر دو پھیلے ہوئے پروں کی شبیہہ بنی ہوئی تھی۔

" ایمبا۔ اس نشانی کی رو سے میں ایک بڑے بادشاہ کا بیٹا ہوں۔ پھر تم میرے باپ کو ایک چھوٹا بادشاہ کیوں کہتے ہو ؟ "

ہیرکانی غلام نے جواباً اپنے ہاتھوں کو زور زور سے اپنے چمڑے کے پاجامے سے رگڑا اور بولا۔

" میں نے میڈیا کی سلطنت دیکھ رکھی ہے۔ میڈیا ایک بہت بڑا ملک ہے۔ اس میں مختلف اقوام کے لوگ آباد ہیں جو مختلف زبانیں بولتے ہیں۔ میڈیا کے مقابلے میں تمہارے باپ کی سلطنت کچھ بھی نہیں۔ وہ ایک چھوٹے سے علاقے میں لوگوں کی ایک چھوٹی سی تعداد پر حکمران ہے یہ لوگ ایک قوم ہیں اور ایک ہی زبان بولتے ہیں۔ اس طرح کیا کیمبی سس کو ایک چھوٹا بادشاہ کہنا مناسب نہیں ؟ "

ایمبا کی اس دلیل پر نوعمر سائرس بے حد متعجب ہوا۔ اس نے اپنے باپ کیمبی سس کو ایمبا کی باتیں بتاتے ہوئے اس سے درخواست کی کہ وہ اسے صحیح اور سچی باتیں بتائے۔

" یعنی میں تمہیں اپنے بارے میں صاف اور سچی باتیں بتاؤں ؟ " کیمبی سس مسکرا کر بولا۔ " کہ میری رعایا مجھے ایک بڑا بادشاہ اور باہر کے لوگ مجھے ایک چھوٹا بادشاہ کیوں سمجھتے ہیں ؟

" یہ ان کے انداز دل پر منحصر ہے۔ "

" لیکن خود آپ کا کیا خیال ہے ؟ "

اس کے اس سوال پر کمبی سس نے فوری طور پر کچھ نہ کہا۔ سائرس دم سادھے اس کے جواب کا منتظر رہا۔ پھر تھوڑی دیر بعد کمبی سس یوں گویا ہوا۔

" میں کمبی سس دیوتاؤں کے فضل سے پارس کا حکمران ہوں۔ دیوتاؤں نے مجھے بہترین آدمیوں پر حکمران بنایا ہے اور بہترین گھوڑوں کا مالک بنایا ہے۔ دیوتاؤں کا فضل و کرم میرے شامل حال ہے۔ انہی کی مہربانی سے میں پارس کا حکمران ہوں "

کمبی سس کے انداز میں خود کلامی کی جھلک تھی۔ اس کے جواب نے سائرس کو مطمئن کر دیا۔ آگے چل کر بھی اس نے محسوس کیا کہ اس کا باپ واقعی جو کچھ کہتا تھا ٹھیک ہی کہتا تھا۔ اس نے محسوس کیا کہ سچائی اور صداقت میں بڑی قوت تھی۔ اس نے ان اوصاف کو اپنا شعار بنا لیا اور اپنے ہم عمر ساتھیوں سے بھی یہی توقع رکھنے لگا کہ وہ صاف گو ہوں اور جھوٹ سے نفرت کریں۔ یہ سب نو عمر لڑکے ابھی اس قابل نہ ہوتے تھے کہ تلواریں سنبھال سکیں۔ ہر صبح موسم خواہ اچھا ہوتا یا بُرا یہ لڑکے کمبی سس کے محل کے باہر سیاہ پتھروں کے بنے ہوئے قدمچوں پر جمع ہو جایا کرتے تھے ان چوڑے قدمچوں کے دو رویہ کمبی سس نے دافع بلیات کے لیے نیک روحوں کے نئے مجسمے ایستادہ کر دار کھے تھے۔ اس کے علاوہ نیزہ برداروں کی ایک چھوٹی سی تعداد بھی وہاں پہرہ دیا کرتی تھی۔ ایسا بھی اسی جگہ ہر دم موجود رہتا تھا۔ وہ کمبی سس سے ملاقات کے لیے آنے والوں کے گھوڑوں کی رکھوالی کیا کرتا تھا۔ ملاقاتیوں کو گھوڑوں سے اتر کر کافی دور تک چناروں کے جنگل میں سے گزرنے والے راستے پر چلنا پڑتا تھا۔ پھر انہیں بادشاہ اپنے محل کے باہر مائیون کر چلّا چلّا کر ہدایات دیتا ہوا دکھائی دیتا تھا۔ دو دریاؤں کی سرزمین سے آنے والے معزز ملاقاتی جب پورٹ کو سہارا دینے والے درختوں کے دو موٹے موٹے تنوں کو دیکھتے تھے تو زیرِ لب مسکراتے تھے مگر کمبی سس کا کہنا تھا کہ اس کا گھر کوئی معبد تو تھا نہیں جس کے لیے چکنے دکنے منقش ستونوں کی ضرورت ہوتی۔ اسے پارس گرد میں تعمیر ہونے والے اپنے نئے محل کے لیے اس قسم کے ستونوں کی خواہش بھی نہ تھی۔

کیونکہ محل کے باہر سکول میں تعلیم پانے والے لڑکے تحریری اشارات کے بارے میں کچھ نہ جانتے تھے۔ اس لیے وہ اپنے اساتذہ کے منہ سے نکلے ہوئے الفاظ پر خاص توجہ دیا کرتے تھے۔ ان الفاظ کو سمجھنے میں معمولی سی غلطی بھی انہیں غلط سوچ عطا کر دیتی تھی۔ یوں کسی پتھر کی سلیٹ پر یا پیرس پر سیاہ سیاہی میں لکھنے کے قابل نہ ہو سکنے کے سبب انہیں تمام سنی سنائی کو اپنے حافظے میں محفوظ رکھنا پڑتا تھا۔ وہ لکڑی کی کھردری بنچوں پر بیٹھ کر شاعروں کی زبانی اپنے ایرانی اسلاف کے کارنامے اور اپنے اس پرانے وطن کے قصے سنا کرتے تھے جو آرین ویج کہلاتا تھا۔ اور وہ دور شمال مشرق میں واقع تھا۔ سائرس کو یہ بات ذہن نشین کرا دی گئی تھی کہ وہ ایک آریہ تھا۔ ایک شہ سوار تھا۔ ایک فاتح تھا۔ وہ سورج کی توصیف میں کہی ہوئی مناجاتیں سنا کرتا تھا۔ اور ان سات ستاروں کی حمد و ثنا سنا کرتا تھا جو شمالی آسمان کی نگہبانی کیا کرتے تھے۔ اس نے یہ بھی سنا تھا کہ ان جنگلوں بیابانوں میں بعض ایسی بوٹیاں پائی جاتی تھیں جن میں زخموں کو ٹھیک کر دینے کی جادوئی اثر صلاحیت موجود تھی۔ وہ ذہین و فطین بھی بہت تھا۔ وہ اپنی دماغی صلاحیتوں سے کام لے کر بڑے بڑے پیچیدہ معمے حل کر لیتا تھا اور بڑے بڑے سوالوں کو سلجھا لیا کرتا تھا ان لڑکوں میں جو لڑکے کچھ بڑی عمر کے تھے اور تلوار چلا سکتے تھے وہ اپنے استادوں کی باتوں کو توجہ سے سنا کرتے تھے۔ ان کے نزدیک بڑی بات صرف اتنی تھی کہ بہترہ گھڑ سواری اور شکار کھیلنا آتا ہو، اور سچائی سے محبت اور دروغ گوئی سے نفرت کی جائے۔

چونکہ سائرس اپنی ماں کی واحد اولاد تھا جو اسے جنم دیتے ہی مر گئی تھی۔ اس لیے اس کا اپنا کوئی اور بہن یا بھائی نہ تھا۔ البتہ اس کے سوتیلے بھائی اور رشتہ کے بھائی ضرور تھے جو اسے جنگلوں میں اڑانے پر تلے رہتے تھے۔ اکثر نوجوان جو جنگجو واقع ہوئے تھے اور مختلف قبائل کے سرداروں کے بیٹے تھے۔ تو عمر سائرس کو درخورِ اعتنا سمجھنے کو تیار نہ ہوتے تھے۔ کیونکہ وہ اپنے آپ کو اس سے کسی طور کمتر نہ سمجھتے تھے۔

دوپہر کے کھانے کے بعد مکتب کے لڑکے قریبی چراگاہوں میں گھڑ سواری کی مشق

فضا۔ سائرس کے پاس آ گیا۔

"تمہیں ڈر لگ رہا تھا؟"

"نہیں۔ ہرگز نہیں"

مہرداد کو سائرس سے بات کرتے ہوئے اپنے زرد سنہرے بالوں والے سر کو ایک مخصوص انداز میں جنبش دینے کی عادت تھی۔ اس نے سائرس کی کلائی مضبوطی سے تھام لی اور اس میں پہنے ہوتے شاہی کنگن کو روشنی میں کیا۔

"تم آژی ضحاک کی شبیہہ پہنے پھرتے ہو، لیکن کیا تم نے واقعی اس تین سروں والے دیوتا کو دیکھا ہے؟ نہیں؟ میں نے تو اسے دیکھا ہوا ہے۔ کیا تم اسے نہیں دیکھو گے؟ تم کیا اس کی جگہ کی طرف جانے کے خیال سے ڈرتے ہو؟"

نوعمر سائرس کو اس کی بات نے الجھن میں ڈال دیا۔ اسے خوف ضرور محسوس ہو رہا تھا مگر وہ اس کا اظہار نہ کرنا چاہتا تھا۔ اس نے منفی میں سر کو جنبش دی اور کہا۔

"میں اس جگہ جانے کے خیال سے خوف زدہ نہیں ہوں۔ میں تنہا وہاں جا سکتا ہوں"

"بہت خوب" مہرداد بولا۔ "ہم تمہیں وہ راستہ بتائیں گے جو تمہیں آژی ضحاک کے بھٹ تک لے جائے گا۔ جب تم اس راستے کے سرے تک پہنچ جاؤ، تو اندھیرا چھانے تک وہاں کھڑے رہو۔ ورنہ تم آژی ضحاک کے تین چہروں اور ان پر لپٹے سانپوں کو کبھی نہ دیکھ سکو گے۔"

پھر مہرداد اور سائرس گھوڑوں پر سوار ہو گئے۔ مہرداد سائرس کے آگے چل رہا تھا سائرس کے پیچھے پیچھے ایک اور نوجوان بھی گھوڑے پر سوار چلا آ رہا تھا۔ مہرداد کے ساتھ چلتے وقت سائرس نے اپنے کتے گور کو اس کے رکھوالے کے پاس ہی چھوڑ دیا تھا۔ وہ آگ کے الاؤ اور شوریدہ سر ندی کو پیچھے چھوڑ کر جھاڑ جھنکاڑ میں راستہ بناتے آگے بڑھتے رہے یہاں تک کہ ستاروں کی روشنی میں سائرس کو اپنے گرد و پیش کا ماحول اچھی طرح سے

کرنے اور قریبی تیز رفتار ندیوں میں تیراکی سیکھنے کے لیے چلے جایا کرتے تھے۔ اکثر وہ جراگاہوں میں تیر کمان چلانے کی مشق بھی کیا کرتے تھے۔ ساتریس گھڑسواری اور نشانہ بازی میں تو طاق تھا۔ مگر تیراکی میں وہ دوسروں کا مقابلہ نہ کرسکتا تھا جس پر اسے اپنے سے بڑی عمر کے لڑکوں کے طعنے اور طنزیہ و تمسخرانہ باتیں سننی پڑتی تھیں۔ ایک شام نوجوانوں کی ایک جماعت نے باہمی صلاح مشورے سے اسے اپنے ہمراہ تلواروں کے رقص میں چلنے کی دعوت دی۔ ساتریس کو اس دعوت پر بے حد مسرت ہوئی۔ ایک کھلی جگہ پر پہنچ کر ان نوجوانوں نے آگ روشن کی۔ اور اپنے جسم کے اوپری حصے کے لباس اتار دیے اور بڑے جوش و خروش سے کوامانشراب کے پیالے کے پیالے خالی کرنے شروع کر دیے۔ پھر بانسریوں اور طبلوں کی آوازوں کے ساتھ انہوں نے چمکتی دمکتی تیز دھار برہنہ تلواریں ہاتھ میں لے کر مجنونانہ رقص شروع کر دیا۔ وہ نعرے لگاتے، طرح طرح کی آوازیں منہ سے نکالتے تلواریں سونتے ایک دوسرے پر لپک رہے تھے۔ یہ رقص، رقص کم جدال و قتال کا منظر زیادہ دکھائی دے رہا تھا۔ تلوار بازوں کے زخموں سے خون بہہ رہا تھا۔ انہیں متواتر چھوٹے بڑے زخم لگ رہے تھے۔ مگر وہ ایک دوسرے کے مقابلے میں اس رقص کو بند کرنے کو تیار نہ تھے۔ انہیں اپنے زخموں یا زخمی ہوجانے کی بھی کوئی پروا نہ تھی۔

تلواروں کا یہ رقص نوجوانوں کے لیے ایک باقاعدہ رسم بن چکا تھا۔ یہ رقص اس زمانے سے تعلق رکھتا تھا جب آریا لوگ خانہ بدوشی کی زندگی بسر کرتے تھے۔ وہ گھوڑوں پر سوار ادھر ادھر آوارہ گردی کرتے پھرتے تھے۔ خیموں میں رہتے تھے اور راتوں کو الاؤ کے گرد بیٹھ کر قصے کہانیاں کہتے تھے۔ سات سالہ ساتریس تلوار بازی کے اس رقص کی تاریخ کے بارے میں کچھ نہ جانتا تھا۔ مگر یہ رقص اسے بہت ولولہ انگیز اور خون کی گردش رگوں میں تیز کر دینے والا معلوم ہوتا تھا۔

رقص ختم ہونے کے بعد ہی ایک دراز قد نوجوان مہرداد جو ایک ماپیدانی سردار کا بیٹا

دکھائی دینے لگ گیا۔ اسے یوں محسوس ہو رہا تھا گویا ان کے آگے دھند کا کوئی غبار ہو اس کے ساتھ ہی اس نے مسلسل سرگوشیاں کیے جا رہے تھے کہ وہ ہرگز نہ بولے۔ کوئی آواز بلند نہ کرے۔ سائرس کو ہوا میں نمکین پانی کی مہک محسوس ہو رہی تھی۔ شاید وہ غلیظ پانی کی جھیل تک پہنچ چکے تھے جس کے کنارے سرکنڈے اور نرسل اُگے ہوتے تھے۔ یہاں پہنچ کر مہرداد ان دو پتھروں کے قریب جا کر رک گیا جو نمک سے سفید ہو رہے تھے۔ اس نے سائرس کو گھوڑے سے اترنے کا حکم دیا اور سرگوشی میں اس سے کہا کہ وہ جھاڑیوں کے درمیان بنے ہوئے تنگ راستے پر چلتا ہوا اس بڑے سے پتھر تک پہنچ جائے۔ جب پر تین سر بنے ہوئے تھے۔ اس پتھر کے سامنے پہنچ کر وہ اس کے سامنے سجدہ ریز ہو جائے اور کچھ نہ بولے۔ نہ کوئی آواز نکالے۔ اس کے ایسا کرنے پر خدائے شر آژی ضحاک اپنے غار سے باہر نکلے گا اور اس سے ہمکلام ہو گا۔

یہ ہدایات دے کر مہرداد دوسرے نوجوان کے ساتھ گھوڑے پر سوار ہو کر واپس لوٹ پڑا۔ سائرس احتیاط سے جھاڑیاں ہٹاتا ہوا اپنا راستہ صاف کرتا ہوا اس جگہ کی سمت ہو لیا، جہاں وہ آژی ضحاک کا دیدار کر سکتا تھا۔ سیاہ دھند رفتہ رفتہ گہری ہوتی جا رہی تھی جس وجہ سے اسے صحیح راستے پر چلنے میں دشواری پیش آ رہی تھی۔ اس کے راستے میں نمک لگے ہوئے پتھر تاروں کی روشنی میں چمکتے دکھائی دے رہے تھے۔ جب کوئی پتھر اس کی ٹھوکر سے کسی دوسرے پتھر سے ٹکراتا تھا تو خوف کی ایک سرد لہر اس کے رگ و پے میں سرایت کر جاتی تھی۔ جھیل کے متعفن پانی کی بو سے اسے اپنا دماغ پھٹتا معلوم ہو رہا تھا لیکن بنا یا گیا تھا کہ آژی ضحاک کی سانسیں بھی بے حد بدبودار اور زہریلی تھیں۔ اس خدائے شر سے مڈبھیڑ ہونے کے خیال سے اسے شدید خوف بھی محسوس ہو رہا تھا۔ جب اس کا ہاتھ ایک بلند پتھر سے لگا تو اس کے حلق سے چیخ نکلتے نکلتے بچی۔ یہی وہ پتھر تھا جس پر آژی ضحاک کے تین سروں کی شبیہہ بنی ہوئی تھی۔ سائرس بے اختیار اس کے سامنے زمین بوس ہو گیا۔

ذرا خوف سے وہ کسی مجسمے کی مانند منجمد ہو چکا تھا۔ اس بڑے پتھر کے سامنے سجدہ ریز وہ چپ چاپ کچھ ہونے کا منتظر رہا۔ پھر اسے یوں محسوس ہوا گویا کوئی اسی راستے پر چلتا ہوا اس کے پیچھے پیچھے آرہا ہو۔ یہ شاید کوئی زندہ شے تھی۔ کیونکہ اس کے سانس لینے کی آواز سائرس کو سنائی دے رہی تھی۔ اس نے کپکپاتی انگلیوں سے اپنی عوتی میں پہنے ہوئے کنگن کو چھوا۔

" میں سائرس ہوں " اس نے سرگوشی کی " ایک عظیم ہخ منشی بادشاہ کا بیٹا میں آریائی نسل سے تعلق رکھتا ہوں "

وہ جانور اب چلتا چلتا اس کے کافی قریب تک آپہنچا تھا۔ اس نے سائرس کے قریب آکر اس کو سونگھنا شروع کیا۔ ایک خوف زدہ سی چیخ سائرس کے گلے میں گھٹ کر رہ گئی۔ لیکن یہ جانور اس کا اپنا کتا گورتھا۔ جواب اپنے جسم کو اس کے جسم سے رگڑنے لگا تھا۔ وہ اپنے رکھوالی کے لڑکے کے ہاتھوں سے آزاد ہو کر گھوڑوں کا تعاقب کرتے کرتے اپنے مالک کی تلاش میں اس جگہ آن پہنچا تھا۔ اس نے اپنے مالک کے گرد ایک چکر لگایا اور اس کے قریب ہی جھاڑیوں میں جا کر لیٹ گیا اور سو گیا۔ کتے کی موجودگی نے سائرس کا خوف بڑی حد تک دور کر دیا تھا اور اسے یقین ہو گیا تھا کہ اس کی موجودگی میں بدی کی قوتیں اسے کوئی نقصان نہ پہنچا سکیں گی۔ پھر ایک دم ہی کتے نے نیند سے بیدار ہو کر اپنے کان کھڑے کر لیے۔ دھند کی چادر میں سے کوئی آواز سنائی دے رہی تھی سائرس نے اس آواز کو توجہ سے سننے کی کوشش کی مگر اسے کچھ سمجھ نہ آسکی۔ گور نے ادھر ادھر زور زور سے کچھ سونگھا۔ پھر اپنی تھوتھنی اپنے پنجوں پر ٹکالی۔ شاید وہ اس آواز کو پہچانتا تھا اس لیے اس نے اس پر کسی رد عمل کا اظہار نہ کیا تھا۔ پھر ایک دم ہی ایک تیز اور کرخت آواز فضا میں بلند ہوئی۔

" اے شخص! تو خدائے شر، تین سروں والے آژدہی ضحاک کے حضور کونسا نذرانہ لے کر حاضر ہوا ہے؟ اپنا نذرانہ اس کے حضور پیش کر اور اس سے اپنی درازی عمر کا

طلب گار ہو۔"

یہ آواز سنتے وقت سائرس کتے کی طرف دیکھ رہا تھا۔ جو بالکل پرسکون انداز سے اپنی جگہ بیٹھا ہوا تھا۔ وہ آژی ضحاک کے حضور پیش کرنے کے لیے کوئی نذرانہ اپنے ہمراہ نہ لایا تھا۔ مگر اس پر اسے کوئی پریشانی نہ تھی۔ کتے گورنے اسے بڑی مصیبت سے بچا لیا تھا۔

جب صبح کی روشنی نمودار ہوئی تو سائرس اپنے کتے کے ہمراہ اس جگہ سے واپس لوٹ پڑا۔ جھیل کے کنارے مہرداد اپنے ساتھی اور تین گھوڑوں کے ساتھ اس کا منتظر تھا۔ ان دونوں نے گہری نظروں سے سائرس اور اس کے کتے گور کو دیکھا۔ پھر مہرداد نے سائرس سے پوچھا کہ آیا اس نے خدائے شر آژی ضحاک کی زیارت کی تھی۔ اس پر سائرس نے جواب دیا۔

"نہیں۔ میں نے اس جگہ ایک بڑا سا پتھر پڑا ہوا پایا تھا۔ جس پر دیوتائے شر کی شبیہ بنی ہوئی تھی۔ اور تمہاری آواز سنی تھی۔"

"میری آواز؟" مہرداد استعجاب سے بولا۔ "تم یہ کیوں کر کہہ سکتے ہو؟"

"اس لیے کہ مہرداد اور بھلا کون جان سکتا تھا کہ میں کہاں ہوں؟ اور میں کیا تمہاری آواز نہیں پہچانتا؟"

مہرداد نے غصّے سے سر جھٹکا اور گھوڑے پر بیٹھ کر اکیلا ہی اس جگہ سے روانہ ہو گیا۔ بعد میں اس نے اپنے ساتھی سے کہا تھا۔ "سائرس ہخامنشی پر نظر رکھو۔ وہ اپنی عمر سے بڑی باتیں سوچنے لگا ہے۔" مہرداد بعد میں سائرس کا اتنا دوست نہ رہا۔ گو وہ اسے کوئی نقصان پہنچاتے ہوئے ہچکچاتا تھا۔ سائرس نے بھی مہرداد کو سرد مہری اور نفرت کو محسوس کر لیا تھا۔ اس کے دل میں بھی اس کے لیے ناپسندیدگی اور نفرت کے جذبات پیدا ہوتے گئے۔ اس نے اب نوجوانوں کی جماعت سے الگ رہنا شروع کر دیا تھا۔ اس نے

تیز دھار دریا میں پیراکی سیکھ لی اور ایک ماہر پیراک بن گیا۔ وہ اکثر تیر کر دریا کے دوسرے کنارے پر چلا جاتا تھا اور پہاڑیوں پر چڑھتا اترتا ایک تنگ گھاٹی میں بنے ہوئے غار تک جا پہنچتا تھا۔ یہ غار بہت بلندی پر واقع تھا۔ وہاں سے پارس گرد کے جنگلات اور دوہری قربانگاہیں دکھائی دیتی تھیں۔ وہاں سے سائرس کو اپنے باپ کا محل بھی دکھائی دیتا تھا۔ وہاں چٹانوں کے درمیان لیٹے لیٹے وہ دیوی اناہیتا کی آواز سننے کی کوشش کرتا تھا۔ پہاڑوں اور بلندیوں کی یہ دیوی پہاڑی ندیوں اور چشموں کے پاس رہا کرتی تھی اور انسانوں کو کبھی کبھار ہی دکھائی دیتی تھی۔ یہ دیوی جب کھلنڈرے موڈ میں ہوتی تھی تو یہ پانی میں چھلانگیں لگاتی ہوئی قہقہے لگاتی اور گیت گایا کرتی تھی اچھلتے ہوئے پانی کے قطرات میں سورج کی دھوپ سے طرح طرح کے رنگ پیدا ہوا کرتے تھے۔ اکثر پانی کے بہنے کی آواز میں سائرس کو اناہیتا کی سرگوشیاں سنائی دے جاتی تھیں۔ غار میں بہتے ہوئے پانی میں یہ سرگوشیاں کچھ زیادہ ہی تیز اور بلند ہوتی تھیں۔ وہ غار اناہیتا کا غار تھا اور ایک مقدس جگہ تھی۔ آریا اس کے بہتے ہوئے پانی کو کبھی غلیظ نہ کرتے تھے۔ سائرس کو اس حسین دیوی سے اس وجہ سے بھی بے حد محبت تھی کہ وہ اسے اپنی نوعمر حسین ماں کا پرتو معلوم ہوتی تھی۔ جسے اس نے کبھی نہ دیکھا تھا اور جس کے بارے میں اسے صرف اتنا ہی معلوم تھا کہ اسے اناہیتا کے غار کے قریب ہی دفنایا گیا تھا۔ اسے اناہیتا اپنی ماں کی طرح مہربان اور نیک دل معلوم ہوتی تھی۔ وہ خطرات میں اس کی حفاظت کرتی تھی۔ اس کی رہنما اور رکھوالی تھی۔

"یہ لڑکا خوابوں کی دنیا کا باسی بنتا جا رہا ہے" مہرداد نے ایک مرتبہ سائرس پر تبصرہ کیا تھا "خواب ہم بھی دیکھتے ہیں، مگر وہ جو خواب دیکھتا رہتا ہے ان کے سحر سے آزاد نہیں ہوتا"

تیر جو جا کر لگا

دوسرے نوجوانوں کا بھی یہی خیال تھا کہ سائرس حقائق سے زیادہ خوابوں کی دنیا میں رہتا تھا۔ اسی زمانے میں وہ واقعہ پیش آیا تھا جب سائرس کا ایک چیتے سے ٹکراؤ ہوا تھا۔ اس وقت سائرس کی عمر دس سال تھی۔ اس نے نسایائی گھوڑوں کی سواری شروع کر دی تھی، جو بڑے منہ زور اور سرکش تھے۔ جن کی سواری بچوں کے لیے انتہائی خطرناک تھی۔

نسایائی گھوڑے ایرانیوں کی دور دراز کی چراگاہوں سے پکڑے جاتے تھے وہ قدیم لوگوں کے ٹٹوؤں کی طرح مضبوط قدم نہ تھے۔ وہ بھاری جسموں والے لمبی گردنوں اور لمبی ٹانگوں والے گھوڑے تھے۔ جو برق رفتاری سے دوڑتے تھے جنگ باز انہیں جنگوں میں استعمال کرتے تھے۔ جنگوں میں یہ گھوڑے اپنے مالکوں کی طرح دشمن پر حملہ آور ہوتے تھے۔ یہ دشمن سپاہیوں کو دانتوں سے بھنبھوڑ ڈالتے تھے اپنی دولتیوں سے ان کی تواضع کرتے تھے۔ ایک جنگجو کے لیے کسی نسایائی گھوڑے کی سواری بڑا پرلطف تجربہ ہوتی تھی۔ مگر سائرس نسایائی گھوڑوں کی سواری میں کوئی لطف یا جوش محسوس نہ کرتا تھا۔ اسے ان گھوڑوں کی سواری بے حد مشکل دکھائی دیتی تھی۔ ایک شام وہ نوجوانوں

کے ایک گروہ کے ساتھ ایک چیتے کا تعاقب کر رہا تھا۔ چیتا کسی غار یا کھوہ میں گھسنے کے لیے پہاڑیوں میں ادھر اُدھر بھٹکتا پھر رہا تھا۔ نوجوانوں کے نیزے اس تک پہنچنے میں ناکام ثابت ہو رہے تھے۔ اس تعاقب میں سائرس کے گھوڑے نے سرکشی دکھائی اور اسے اپنی پشت پر سے گرانے کی کوشش کی۔ ساتھ ہی وہ چیتے کی طرف دوڑ کھڑا ہوا۔ گرنے سے بچنے کے لیے سائرس نے اس کی ایال پکڑ لی۔ مگر جب گھوڑا چیتے کے سامنے جا کر بدک کر کھڑا ہو گیا تو سائرس زمین پر آ رہا اس نے خوف زدہ نظروں سے چیتے کی طرف دیکھا جو اس سے چند قدم کے فاصلے پر کھڑا تھا مگر یہ دیکھ کر اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی کہ چیتا اس پر حملہ کرنے کی بجائے مڑ کر وہاں سے بھاگ کھڑا ہوا۔ جب سائرس کے ساتھی اپنے گھوڑوں سے اتر کر اس کے پاس پہنچے تو اس وقت وہ خوف زدہ چیتے کو بھاگتے دیکھ کر مسرور انداز میں بے تحاشہ ہنس رہا تھا۔ کانٹوں پر گرنے کے سبب اس کے جسم کے اکثر حصوں سے خون بہہ رہا تھا۔

"چیتے اور دوسرے درندے میرے خاندان کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے" اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا۔ "میرے ہخامنشی آباؤ اجداد چیتوں کی کھوپڑیاں اپنے سروں پر اور ان کی کھالیں اپنے کندھوں پر پہنا کرتے تھے"

پھر اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ وہ انہیں بتا سکتا تھا کہ وہ چیتا کس غار میں جا چھپا تھا۔ جب اس کے ساتھیوں نے اس کی بات پر یقین کرنے سے انکار کر دیا تو اس نے انہیں اپنے ہمراہ لیا اور ایک چشمے کے گرد سے چکر لگا کر اس جگہ جا پہنچا جہاں ایک چٹان نے آگے کا راستہ بند کر رکھا تھا۔ اس جگہ چیتے کا کوئی نام و نشان نہ تھا۔ مگر اس چٹان پر بھاگتے ہوئے جانوروں اور گھڑ سوار جیالوں کی شبیہیں بنی ہوئی تھیں۔ سائرس کے ساتھی ان تصویروں کو بڑے غور سے دیکھنے لگے۔

"یہ کیا ہے؟" ان میں سے ایک نے استفسار کیا۔

" مجھ سے سنو " سائرس کسی شاعر کے سے انداز میں گویا ہوا " ہمارے اوّلین بزرگوں کے زمانے میں، جب انسانوں نے انسانیت کا جامہ پہن لیا تھا اور درندوں کی تقلید ترک کر دی تھی اور آگ کا استعمال سیکھ لیا تھا اور پانی پر پشتے باندھنا سیکھ لیا تھا اور اپنے بادشاہ کیومرث کے بنائے ہوئے قوانین کے مطابق زندگی بسر کرنا سیکھ لیا تھا اس وقت شمالی تاریکیوں سے آنے والے وحشیوں نے ان پر حملہ کیا۔ انھوں نے کیومرث کے بیٹے کو قتل کر دیا۔ اس پر کیومرث نے اپنے تمام بہادروں کو جمع کیا اور اپنے بیٹے کے قتل کا انتقام لینے کے لیے ان وحشیوں کے علاقے کی طرف روانہ ہو گیا کہا جاتا ہے کہ راستے میں بے شمار شیر اور چیتے بھی اس لشکر سے آن ملے۔ یہ درندے کیومرث کی طرف سے ان وحشیوں سے لڑے اور اسے ان کے خلاف جنگ میں شاندار فتح دلائی۔ اس طرح کیومرث نے اپنے بیٹے کا انتقام لے لیا۔

سائرس کے ساتھی شاعروں کی زبانی اس قصے سے پہلے ہی سے واقف تھے۔ مگر چیتے کے غائب ہو جانے اور چٹان پر کھدی ہوئی تصویروں کے نظارے نے ان پر عجیب ہی اثر کر ڈالا تھا۔ وہ نہ جانتے تھے کہ سائرس نے یہ تصویریں اس چٹان پر پارس گرد کے دوونگ تراشوں سے کھدوائی تھیں۔ یہ آریاؤں کا رواج چلا آرہا تھا کہ وہ اپنے کارناموں کی تصویریں پتھروں پر کھدوا دیا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ وہ اپنے دیوی دیوتاؤں کی شبیہیں بھی پتھروں پر کندہ کروایا کرتے تھے۔ بالخصوص جنگ کے دیوتا مہر کی۔ جب مہرداد ما پیبانی نے چیتے والے واقعے کے بارے میں سنا تو وہ غصّے سے بولا۔

" اگر تم اسی طرح سوچے سمجھے بغیر چرواہے (سائرس) کے پیچھے جاتے رہے تو ایک دن وہ تمہیں قندیز لے جائے گا۔"

قندیز ایک تصوراتی سرزمین تھی۔ جہاں آریاؤں کے خیال کے مطابق روحیں رہا

کرتی تھیں۔ مہرداد کے کہنے کا مطلب تھا کہ وہ سب بیک وقت ہی سائرس کے اشاروں پر ناچا کرتے تھے۔

اس مہینے سائرس کا اپنے حریف مہرداد سے ٹکراؤ ہوا۔ ہوا یوں کہ سائرس دوسرے لڑکوں کے ہمراہ اس میدان میں جہاں وہ سب مل کر نیزہ بازی، تیر کمان چلانے تلوار بازی اور گھڑسواری کی مشق کیا کرتے تھے، فنونِ حرب کی مشقیں کرنے کے بعد تھکا ہارا اپنی طاقت ور سندی کمان اپنے کندھے پر لٹکائے واپس آرہا تھا کہ اسے اس راستے میں مہرداد گھوڑے پر سوار اس طرف آتا دکھائی دیا۔ اب وہ ماپیبانی ایک مکمل سپاہی بن چکا تھا۔ اس نے کمر سے تلوار لٹکا رکھی تھی۔ اور کندھے پر ڈھال سجا رکھی تھی۔ سائرس کو پہچانتے ہی وہ درشتی سے چیخا۔

"میرے راستے سے ہٹ جاؤ لڑکے!"

لیکن جب سائرس اس کے راستے سے نہ ہٹا اور وہیں کھڑا رہا تو مہرداد نے اپنا نیزہ بلند کیا اور اپنے گھوڑے کو اس کی طرف بڑھا دیا۔ نسایانی گھوڑا بجلی کی سی تیزی سے سائرس کی طرف لپک پڑا۔ سائرس نے شدید طیش و غضب کی تیز و تند لہریں اپنے رگ و پے میں سرایت کرتے محسوس کیں۔ اس نے بلا سوچے سمجھے کمان اپنے کندھے سے اتاری اور اس میں تیر پھنسا کر چلا کھینچا۔ ایک تیز آواز کے ساتھ تیر اڑتا ہوا نسایانی گھوڑے کے کندھے میں پیوست ہو گیا۔ اس کے ساتھ ہی سائرس گھوڑے کی ٹکر سے بچنے کے لیے کود کر ایک طرف ہو گیا۔ مہرداد گھوڑے سے پھسل کر زمین پر آرہا اور چوٹوں کی تکلیف سے کراہنے لگ گیا۔ پھر اس نے زمین سے اٹھنے کی کوشش کی۔ مگر اسی وقت سائرس کا ایک تیر اس کی ران میں آ کر لگا۔ وہ دوبارہ زمین پر آرہا اور درد و کرب سے چیختے کراہتے ہوئے بے بسی سے سائرس کی طرف دیکھنے لگا۔ اس جگہ دور دور تک مہرداد کی بے بسی اور بے چارگی کا نظارہ کرنے والا کوئی نفس موجود نہ تھا۔ البتہ ایک ہخامنشی لڑکی ضرور وہاں

موجود تھی۔ جو اپنے سر پہ پانی کا گھڑا اٹھائے اپنے گھر جاتے ہوئے ٹھٹک کر یہ نظارہ دیکھنے رک گئی تھی۔ سائرس اس سیاہ بالوں والی خوبصورت لڑکی کو جانتا تھا۔ اس کا نام کسندان تھا۔ وہ اکثر تربیتی میدان میں آکر لڑکوں کو جنگی تربیت حاصل کرتے ہوئے دیکھا کرتی تھی اس نے کسندان کو ہدایت کی کہ وہ جا کر کچھ غلاموں کو اس طرف بھجوا دے تاکہ وہ مہرداد کو وہاں سے لے جائیں۔ پھر اس نے مہرداد کے گھوڑے کی لگامیں پکڑیں اور اچھل کر اس پر سوار ہو گیا۔

" سائرس!" اس لڑکی نے ملتجی لہجے میں اس سے کہا۔ "تم اپنے باپ کے پاس چلے جاؤ۔ جلدی کرو۔ جلدی۔"

مگر سائرس نے یہ کیا کہ گھوڑے کو سرپٹ دوڑاتا ہوا پارس گرد کی داخلی گھاٹی سے نکل کر ماسپیانیوں کے گاؤں میں داخل ہو گیا۔ وہ اس وقت بہت متفکر اور پریشان تھا۔ اسے ڈر تھا کہ کہیں یہ جھگڑا قبائل کے مابین خونریزی اور مناقشت کا دروازہ نہ کھول دے۔ مہرداد کے زخمی ہونے کی کہانی تمام ماسپیانی بہادروں تک لازماً پہنچ ہی تھی۔ اس لیے اس نے بہتر یہی سمجھا تھا کہ وہ خود ہی جا کر انہیں یہ کہانی سنا ڈالے۔ اس میں یہی کرداری خامی تھی کہ وہ بغیر اچھی طرح سے سوچے سمجھے اہم فیصلے فوراً کر ڈالتا تھا۔ وہ اس وقت گاؤں میں پہنچا جب شام کا جھٹپٹا پھیل رہا تھا اور چرواہے اپنے مویشی گھروں کو واپس ہنکاتے ہوئے لا رہے تھے۔ اس نے اپنے برق رفتار نسایائی گھوڑے کو درختوں کے جھنڈ میں پتھروں کے بنے ہوئے اس مکان کے سامنے لا روکا جہاں گاؤں کے زعما رہتے تھے اس نے گھوڑے سے اترتے وقت اس وقت تک کچھ کھانے پینے سے انکار کر دیا جب تک اس نے مہرداد کے اپنے ہاتھوں زخمی ہونے کا تمام قصہ نہ بیان کر دیا۔

" میں یہاں آیا ہوں۔" اس نے اپنے میزبانوں سے کہا۔ "کیوں کہ میری کمان سے نکلے ہوئے تیر نے مہرداد کو زخمی کر دیا ہے وہ جو تمہارے سردار کا فرزند ہے۔ میں نے

اس پروانستاگیر نہیں چھوڑا تھا۔ بلکہ یہ حرکت مجھ سے حفاظتِ خود اختیاری کے جذبے کے تحت سرزد ہوئی تھی۔ اس نے مجھ پر گھوڑا دوڑا دیا تھا اور مجھے اس کے سموں تلے پائمال کر ڈالنے کی مذموم جسارت کی تھی۔ اس لیے میں اپنی مدافعت پر مجبور ہو گیا۔ تم لوگ خود ہی انصاف سے کام لے کر بتاؤ کہ آیا میں مہرداد پر حملہ کرنے میں حق بجانب ہوں یا نہیں۔"

سائرس بالکل نہتا تھا۔ اس کا سراپا دھول میں اٹا ہوا تھا۔ اس نے سر پر ایک گول ٹوپی اوڑھ پہن رکھا تھا اس نے اپنے گھیرے دار لبادے پر پیٹی باندھ رکھی تھی اور چمڑے کا پاجامہ اور سواری کے جوتے پہن رکھے تھے اس نے اپنے میزبانوں سے اپنے اور مہرداد کے ٹکراؤ کی تمام تفصیلات کہہ سنائیں اور جو کچھ پیش آیا تھا بڑے محتاط طریقے سے بیان کر دیا۔ اس کی باتیں سننے کے بعد ماسپیائی زعماء نے باہم صلاح مشورہ کیا اور اس نتیجے پر پہنچے کہ اس معاملے میں انہیں کوئی فیصلہ کرنے کا اختیار نہ تھا۔ اس معاملے کو کاوس یعنی سرداروں کے پاس لے جانا چاہیے۔ اس پر سائرس نے اپنے میزبانوں کے لائے ہوئے کچھ پھل کھائے، پانی پیا اور وہاں سے رخصت ہو گیا۔

مہرداد کا زخم مہلک نہ تھا البتہ اس زخم نے اس کی ٹانگ میں لنگ پیدا کر دیا جس کی وجہ سے وہ کسی جنگی گھوڑے کی سواری اور اسوارن میں یعنی گھڑ سوار بہادروں کے دستے میں شامل ہونے کے قابل نہ رہا۔ وہ چھڑی کے سہارے چلتا پھرتا تھا۔ ماسپیائی سرداروں نے صورتحال کا علم ہونے پر مہرداد ہی کو قصوروار ٹھہرایا تھا اور کمبی سس کے خاندان سے کوئی تاوان نہ طلب کیا تھا۔

"تم سے وہ حرکت شدید اشتعال کے عالم میں سرزد ہوئی تھی۔" کمبی سس نے اپنے بیٹے سے کہا تھا۔ "تم نے ہوشیاری اور عقلمندی کا مظاہرہ بعد میں کیا تھا جب تم اس حادثے کی اطلاع دینے مہرداد کے رشتہ داروں کے پاس چلے گئے تھے لیکن مہرداد

ایک بہت کینہ پرور اور کمینہ شخص ہے۔ وہ اب ہر دم اس موقع کی تاک میں ہوگا کہ کسی نہ کسی طرح تمہیں قتل کردے۔" اتنا کہتے ہوئے کیمبی سس نے پُرسوچ انداز میں سر ہلایا تھا اور بولا تھا، "لیکن مجھے یقین نہیں کہ وہ اس کی جسارت کر بھی سکے گا۔ لیکن پھر بھی وہ تمہیں ایسی کوئی سزا ضرور دے گا جسے تم آسانی سے نہ بھلا سکو گے۔"

سائرس نے اپنے باپ کی باتوں کی سنجیدگی سے پروا نہ کی تھی۔ مگر بعد میں اسے محسوس ہونے لگا تھا کہ اس کے نرم دل اور حلیم الطبع باپ نے جو پیش گوئی کی تھی۔ وہ صحیح تھی۔ اس کے بے لگام غصّے نے واقعی عظیم خطرات کو سر اٹھانے کی دعوت دی تھی اس موسم خزاں میں جب فصل کی کٹائی کا جشن منایا جا چکا تھا۔ اس کے باپ نے لڑاکوں سے وفاداری کا حلف لیا تھا اور اس سے بھی یہ حلف اٹھوایا تھا۔ آگ کی دوسری قربان گاہوں کے سامنے اسے ایک لمبی تلوار دی گئی اور دوہری پیٹی اور لوہے کی ٹوپی بھی دی گئی۔ یہ ہتھیار اسواران کے بہادروں کے خصوصی امتیازات تھے۔ جب ملازموں نے دریا کے پانی میں اس کے ہاتھ دھلائے اور انہیں خشک کیا تو وہ وہیں دریا کے کنارے کھڑا ہو کر ان پجاریوں کو مقدس آگ کے سامنے مناجاتیں پڑھتے دیکھنے لگا جنہیں اپنے کام میں کوئی زیادہ دلچسپی نہ محسوس ہو رہی تھی۔ پھر یہ پجاری خاموش ہو کر تاروں بھرے آسمان پر نظریں گاڑے کوئی ایسا شگون تلاش کرنے کی کوشش کرنے لگے جو کیمبی سس کے بیٹے کے لیے مبارک اور سعد ثابت ہو سکتا تھا۔ انہیں ستاروں کے جھرمٹ میں کسی شہابِ ثاقب یا سنہرے سیل کے نمودار ہونے کا انتظار تھا۔ اس دوران سائرس یہ سوچ رہا تھا کہ تلوار آریائی کا ایک بہت پرانا ہتھیار تھی جو لمبے نیزوں اور نئی سندی تیر کمانوں سے زیادہ مؤثر تھی۔ پھر اسے یہ بھی یاد آیا کہ وہ اس بھیانک رات کو کس طرح ان دلدلوں میں آژی ضحاک سے ملاقات کرنے جا پہنچا تھا اور وہاں اسے سوائے مہرداد کی آواز کے کوئی آواز نہ سنائی دی تھی۔

اسے عجیب اتفاق ہی کہا جاسکتا تھا جو ہرداد جیسا بہادر اور طاقتور نوجوان اسواروں سے خارج ہوگیا تھا۔ حالانکہ وہ ایسا ہرگز نہیں چاہتا تھا۔ جب کہ وہ۔ سائرس ہخامنشی اس کی مرضی کے خلاف گھڑسوار بہادروں کی جماعت میں شامل ہوگیا تھا۔ اس نے کچھ سوچتی نظروں سے پہاڑیوں میں پوشیدہ اس گھاٹی کی طرف دیکھا جہاں انا ہیتیا کا غار واقع تھا جو اس کی ایک بہترین پناہ گاہ تھی۔ کیا واقعی یہ نظر نہ آنے والے دیوی دیوتا انسانوں کی تقدیر کے مالک ہوا کرتے ہیں ؟ سائرس کو اس بات پر کوئی یقین یا اعتقاد نہ تھا اس کی تقدیر اس کے اپنے ہاتھوں اور ذہن میں تھی۔ اس نے اس لمبی تلوار سے کوئی بڑی بڑی امیدیں بھی وابستہ نہ کر رکھی تھیں۔ جس کا استعمال وہ کچھ اچھی طرح نہ جانتا تھا اپاہج ہرداد سے اس کا دوسرا ٹکراؤ اصطبلوں کے قریب ہوا تھا۔ اس وقت وہی لمبی تلوار اس کے ساتھ تھی۔ ماسپیانی شہزادہ اس لڑکی کسندان کے کندھے پر جھکا ہوا تھا۔ سائرس پر نظر پڑتے ہی ہرداد لڑکی سے الگ ہوکر ایک طرف جانے لگا۔ اس کی نظروں میں سائرس کے لیے بے پناہ نفرت کی جھلک تھی۔ اس نے اس سے کوئی بات کرنے کی بھی کوشش نہ کی۔ اس کے جانے کے بعد سائرس بھی اپنے راستے پر ہولیا اور وہ لڑکی کسندان خاموشی سے اسے جاتا دیکھتی رہی۔

جب سائرس پندرہ برس کا ہوا تو اس کے باپ کمبی سس کو میڈیا کے بادشاہ کی طرف سے حکم ملا کہ وہ بہترین گھوڑوں کا تحفہ لے کر اس کی خدمت میں حاضر ہو۔ اپنے روانہ ہونے سے پہلے کمبی سس نے اپنے " قانون سازوں اور سرداروں کو جمع کرکے ان کے سامنے سائرس کو اپنا ولی عہد بنانے کا اعلان کیا وہ اس کی پہلی بیوی کا بیٹا تھا۔ اس لیے اس کا صحیح جانشین تھا۔ اس اعلان پر سائرس نے رواج کے مطابق گھٹنوں کے بل جھک کر اپنے ہاتھ اپنے باپ کے گھٹنے پڑے ہوتے ہاتھوں پر رکھ دیے اور قسم کھائی کہ وہ دل و جان سے پوری وفاداری اور سچائی سے بادشاہ کی خدمت کرے گا اور اس کے خلاف بغاوت

یا سرکشی کا خیال بھی کبھی دل میں نہ آنے دے گا اور کمبی سس شاہِ ذی شان کی خاطر جان تک قربان کر دے گا۔ یہ ایرانیوں کا ایک پرانا قانون تھا کہ جب بادشاہ اپنی سلطنت سے کہیں باہر جانے لگتا تھا تو وہ جانے سے پہلے اپنا جانشین مقرر کر جاتا تھا تاکہ اگر وہ دورانِ سفر مارا جائے تو اس طرح ایرانی سرداروں کو اس کے جانشین کے مسئلے پر کوئی پریشانی نہ اٹھانی پڑے۔ قانون سازوں نے کمبی سس کے اعلان کو سراہا۔ ان کے خیال میں اس طرح کے فیصلے کی بدولت تینوں قبیلوں میں اتحاد اور اتفاق قائم رہ سکتا تھا۔ اور یہ جانشینی کے سوال پر کوئی اختلافی مسئلہ کھڑا نہ کر سکتے تھے۔ لیکن کمبی سس کو اپنے سرداروں کی طرف سے پوری طرح سے اطمینان نہ تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اس کے بعض سرداروں کے دل میں یہ خواہش ضرور موجود تھی کہ وہ چاندی کے پروں والا عجیب سا تاج اپنے سروں پر سجا لیں۔

کمبی سس کی روانگی کا اعلان پارس گرد سے لے کر میڈیا تک تمام علاقوں میں کر دیا گیا۔ پہاڑوں کی چوٹیوں پر آگ روشن کی گئی اس آگ کے ذریعے گھڑ سوار جنگ جوؤں کو یہ پیغام دیا گیا کہ وہ میڈیا کے سفر کے لیے تیار ہو جائیں۔ جہاں انہیں جنگ لڑنی تھی۔ جن جنگ جوؤں نے ایسی جنگوں میں شرکت کی تھی۔ وہ خشترس یا سالار بن گئے تھے۔ ان کے تحت لڑنے والے میدانِ جنگ سے جو بھاری مالِ غنیمت لے کر آتے تھے وہ اس کا تیسرا حصہ بادشاہ کو ادا کرتے تھے۔ باقی سب کچھ اپنے لیے رکھ لیتے تھے اور وہ جو جنگوں میں مارے جاتے تھے انہیں ہیرو کی طرح ہمیشہ یاد رکھا جاتا تھا اور خاندانی اجتماعوں میں ان کی بہادری اور شہ زوری کے قصے بڑھا چڑھا کر سناتے جاتے تھے۔

کمبی سس جنگوں سے شدید نفرت کرتا تھا۔ وہ کہا کرتا تھا کہ مردہ بہادروں کی طرح ہمیشہ یاد رہنے سے بہتر تھا کہ انسان آرام سے اپنے گھر میں رہے۔ کھیتی باڑی کرے اور اس طرح اپنے ملک کے لیے کار آمد ثابت ہو۔ لیکن ہیر کانی ایسا کو کمبی سس کے ان خیالات سے پوری طرح اتفاق نہ تھا۔

" یہ جو میڈیا کا عظیم بادشاہ ہے۔" وہ کہتا تھا۔ "جس نے نیزہ باز کا لقب حاصل کر رکھا ہے۔ اس کے قبضے میں بڑی زرخیز زمینیں ہیں۔ بڑے امیر کبیر علاقوں پر اس کی حکمرانی ہے اس کے خدام ہر دم خوشبوؤں میں بسے رہتے ہیں۔ اور اس کے محل کی جو چھت ہے وہ سونے کی ہے۔ ہا! یہاں تمہارے گھوڑوں کی دیکھ ریکھ کرنے سے تو نیزہ باز کی مسند آرائی کرنا بڑی سہانی بات ہے!"

جب اپنے باپ کی غیر حاضری میں سائرس اس کی ہاتھی دانت کے کام کی کرسی پر بیٹھ کر کھانا کھاتا تھا تو اس کی میز پر مگس رانی کرنے والا کوئی نہ ہوتا تھا۔ کھانے کی میز اندرونی صحن میں بچھائی جاتی تھی۔ جہاں سنگِ مرمر کا ایک تخت بھی بچھا ہوتا تھا۔ اس جگہ ننھے ننھے پرندے ہمیشہ اِدھر اُدھر اڑتے رہتے تھے اور کھانے کی اِدھر اُدھر پھینکی گئی چیزوں پر لپکتے رہتے تھے۔ قانون کے مطابق ان پرندوں کو ہلاک کرنا جرم تھا۔

کھانے کی میز پر ملازم کھانے پینے کی چیزیں اس وقت لا کر رکھتے تھے جب تک سائرس ہخامنشیوں کی رسم ادا نہ کر لیتا تھا۔ وہ اپنے بازو بلند کر کے آسمان کے سامنے سر جھکاتا تھا اور آہستہ آواز میں یہ الفاظ ادا کرتا تھا۔ "ہم ان درندوں کی روحوں کو خوش آمدید کہتے ہیں جو محبوس ہیں اور وہ جڑی بوٹیاں جو صحت و تندرستی عطا کرتی ہیں۔ ہم ان مرد و عورتوں کو خوش آمدید کہتے ہیں جو راستی پر ہیں اور جن کے دل صاف ہیں۔" پھر وہ نیلا ٹرکوائیس کا ایک پیالہ ہاتھ میں لے کر بلند کرتا تھا۔ "ہم اس کے لیے قربانی دیتے ہیں جو ہمارا خالق ہے جو ہمیں آگ اور سورج کی روشنی عطا کرتا ہے، جس کے حکم سے چشمے اور دریا بہتے ہیں جو بارش برسانے والا ہے۔" اتنا کہہ کر وہ پیالے کا پانی زمین پر پتھروں پر چھلکا دیتا تھا جو پتھروں پر سے پھسلتا ہوا مٹی میں جذب ہو جاتا تھا۔

پھر جب شہد لگی ہوئی روٹی، پھلوں اور پنیر کے بعد کھانے پینے کا سلسلہ ختم ہو جاتا تھا تو کوئی بانسری بجانے لگ جاتا تھا اور ایک بوڑھا شاعر اپنی جگہ سے اُٹھ کر

اپنے ہاتھ سامنے کی طرف پھیلاتے ہوئے سائرس کے سامنے سر جھکا کر گنگناتے ہوئے شروع ہو جاتا تھا ” اے سائرس ۔ اے ہخامنشی بادشاہ کے فرزند ۔ سن “

یہ آوارہ گرد شاعر اور گویے یونہی اپنے میزبانوں کی خوشنودی کرنے کے لیے انہیں ان کے آباؤ اجداد کے کارناموں کی جھوٹی سچی کہانیاں سنایا کرتے تھے ۔ سائرس ہر گویے ہر شاعر کی زبانی یہ قصہ سن سن کر تنگ آ چکا تھا کس طرح اس کے مورث اعلیٰ ہخامنشی کی تلوار نے اس کے سارے دشمنوں کا سفایا کر دیا تھا ۔ اس نے تو تین سروں والے آژی ضحاک کے بھی تینوں سر اڑا دیے تھے ۔ کچھ شاعر کہتے تھے کہ اس نے یہ کارنامہ ایک ہی وار میں انجام دے دیا تھا اور کچھ شاعر کہتے تھے کہ اس نے تین واروں میں آژی ضحاک کے تینوں سر اڑا دیے تھے ۔ مگر سائرس جانتا تھا کہ برائی کے اس دیوتا کو ہرگز قتل نہیں کیا گیا تھا ۔ وہ فنا کے گھاٹ اتر ہی نہ سکتا تھا ۔ وہ ابھی بھی زندہ تھا اور اسے زندہ ہی رہنا تھا ۔ وہ ہخامنشی کے بارے میں بار بار سوچتا رہتا تھا ۔ پھر بالآخر وہ اس فیصلے پر پہنچا کہ تاریخ کا یہ جنگجو ہیرو اس وقت کی ایک بازگشت کے سوا اور کچھ نہیں جب آوارہ گرد ایرانی نسا یانی میدانوں میں پہنچے تھے اور وہاں انہوں نے بڑے شاندار اور مضبوط گھوڑے گھومتے پھرتے پائے تھے اور وہاں کے باشندوں کو لمبی لمبی تلواروں سے مسلح پایا تھا جو شمالی پہاڑوں کے لوہار تیار کیا کرتے تھے ان ایرانیوں نے ان نسایانی گھوڑوں کی سواری شروع کر دی تھی اور لمبی لمبی تلواروں سے مسلح ہو گئے تھے ۔ ان دو چیزوں کی بدولت ہی وہ اس قابل ہو گئے تھے کہ اپنے دشمنوں کو جنگ و جدل میں پچھاڑ سکیں ۔

پہلے سائرس نے جو کہ نوجوان سائرس کا دادا تھا ۔ ہیرکانیہ کے نمکین سمندر کے ساملوں پر وسیع و عریض باغات پر قبضہ جما لیا تھا ۔ اس علاقے کے بارے میں ایمبانے سائرس کو بتایا تھا کہ اب میڈیا کی سلطنت میں شامل تھا ۔

” میں اس علاقے کو اپنے قبضے میں کر لوں گا ۔ یہ علاقہ میرا ہے “ سائرس کہتا

تھا، کیا وہ علاقہ میرے کردار کی ملکیت نہیں تھا؟"

"ایک کتا ایک جنگلی بیل پر بے شک بھونک سکتا ہے۔"

جب سے سائرس کمبی سس کا جانشین بنا تھا اس کے دن کچھ سوچ و فکر میں غلطاں رہتے گزرنے لگے تھے۔ صبح سویرے سے لے کر رات سونے تک اسے مختلف تفریحات اور رسومات میں شرکت کرنی پڑتی تھی۔ وہ کمبی سس کا سایہ بن گیا تھا۔ اگر کوئی چرواہا اس کے دروازے پر یہ شکایت لے کر آتا تھا کہ اس کی کسی بھیڑ بکری کو پارس گرد کے کسی کتے نے ہلاک کر ڈالا تھا تو سائرس اس کی شکایت سن لیا کرتا تھا لیکن وادسی قانون بنانے والے ہی کیا کرتے تھے۔ اگر وہ کسی ایسے کسان کو جس کی فصل پالے نے خراب کر دی ہوتی تھی، سکوں کی صورت میں اس کی اشک شوئی کے لیے کوئی امداد دینا چاہتا تھا تو خزانچی اس پر اعتراض کرتا تھا کہ اسے کسی کو سکوں کی صورت میں کچھ دینے سے پہلے اپنے باپ سے اجازت تو لے لینی چاہیئے۔ بادشاہ کو جو تحفے تحائف بھیجے جاتے تھے۔ جن میں سونے چاندی کے ظروف، سجاوٹ اور آرائش کی چیزیں، سونے چاندی کے سکے وغیرہ ہوتے تھے۔ وہ سب بڑے بڑے صندوقوں میں چھوٹے صحن میں، جہاں کھانے کی میزیں سجائی جاتی تھیں۔ کھلے پڑے رہتے تھے۔ صرف رات کے وقت ہی یہ صندوق بند کر کے اندر پہنچا دیے جاتے تھے۔ سائرس جب اس پر اعتراض کرتا تھا کہ سجاوٹ اور آرائش کی چیزوں کو تو محل میں سجا دینا چاہیئے تو خزانچی یہ کہہ کر اس کا اعتراض مسترد کر دیتا تھا کہ پارس گرد کا رواج ہی یہی تھا۔

غرضیکہ سائرس بادشاہ کا محض سایہ ہی تھا۔ اس کے ہاتھ میں اپنا کوئی اختیار نہ تھا نہ وہ اپنی مرضی سے کوئی کام کر سکتا تھا۔ نہ دوسروں سے کروا سکتا تھا۔

سائرس کو کہا گیا تھا کہ وہ ایرانیوں اور میدیوں کے تمام قوانین یاد کرے۔ یہ قوانین کہیں بھی تحریری صورت میں موجود نہ تھے۔ جہاں تک خود اسے معلوم تھا یہ قوانین

بوڑھوں کو بغیر کسی تبدیلی یا غلطی کے از بر تھے اور صدیوں سے نسل در نسل از بر چلے آ رہے تھے۔ ایک طرح سے دیکھا جائے تو یہ قوانین بڑوں کی ایک ایسی جائداد تھے جو چھوٹوں کو قابو کرنے میں استعمال کی جا سکتی تھی۔ جب کوئی رسم بہت پرانی ہو جاتی تھی تو اسے قانون بنا لیا جاتا تھا۔ ایک مرتبہ اس نے سنا تھا کہ اگر قانون دانوں کو حکم دیا جاتا کہ وہ سارے قوانین میں تبدیلیاں پیدا کریں۔ اس کے اس حکم پر سارے قانون دان انگشت بدنداں رہ گئے تھے "وہ کون ہے جو ایرانیوں اور میدیوں کے قوانین تبدیل کرنے کی جرات کر سکتا ہے؟"

صدیوں سے قوانین مٹی کی تختیوں پر تحریر کیے جا رہے تھے۔ مگر قانون دانوں کو چھوڑ کر بہت کم لوگ تھے جو انہیں پڑھ سکتے تھے۔

پھر اس لڑکی کسندان نے بھی سائرس کو پریشان کرنا شروع کر دیا تھا۔ وہ مہرداد کے لیے پھل اور دوسرے تحفے لے کر جاتی تھی تو اسے بہت برا معلوم ہوتا تھا اور وہ یہ حرکت چوری چھپے نہ کرتی تھی بلکہ کھلے عام کرتی تھی۔ کسندان ہخامنشی خاندان سے ہی تعلق رکھتی تھی۔ اس کے باپ کے دریا کے کنارے چیری کے وسیع وعریض باغات تھے۔ اس کا سائرس کے خاندان سے قریبی رشتہ تھا۔ پہلے پہل سائرس نے اس لڑکی کی طرف توجہ دینے کی کوئی ضرورت نہ محسوس کی تھی جو اس کی رشتہ دار تھی۔ مگر اب وہ اسے آتے جاتے توجہ سے دیکھنے لگا تھا۔ اس لڑکی کے بال گھٹاؤں کی مانند سیاہ تھے اور لہروں کی صورت میں بکھرے رہتے تھے جب کہ سائرس کے بال بھورے سنہرے رنگ کے تھے۔

ایک دفعہ وہ دریا کے کنارے کنارے چلتا ہوا بہت دور تک اونچی سی جگہ پر نکل آیا تھا تاکہ وہاں سے کسندان کے گھر کو دیکھ سکے۔ یہ موسم گرما کے ابتدائی دن تھے اور چیری توڑنے کا وقت تھا۔ سائرس اوپر ہی اوپر چڑھتا، پتھروں پر رینگتا اس جگہ تک جا پہنچا جہاں ایک چھوٹا سا آبشار واقع تھا۔ دریا کا پانی بلندی سے ایک تالاب میں گر رہا تھا اور چکر کھاتا ہوا تیزی سے نیچے جا رہا تھا۔ اس جگہ سائرس کی محافظ دیوی اناہتیا رہتی تھی۔ اس

جگہ پانی کے چھینٹے اس حد تک بلند ہو رہے تھے کہ دریا کا دوسرا کنارہ دکھائی ہی نہ دیتا تھا جب وہ اس جگہ کھڑا یہ نظارہ کر رہا تھا تو اس کے کانوں میں کسی لڑکی کی ہنسی کی بلند آواز پہنچی۔ وہ لڑکی دوسرے کنارے پر کھڑی ہنس رہی تھی۔ نیز ہوا اس کے سفید لبادے کو اڑائے لیے جا رہی تھی۔ سائرس نے پہچان لیا کہ وہ کسندان ہی تھی۔ اس نے اپنے ہاتھ میں چیریوں سے بھری ٹوکری اٹھا رکھی تھی۔ جو وہ اسے تحفے کے طور پر پیش کر رہی تھی دریا کے تیز بہاؤ کے شور میں سائرس کے لیے اس کی آواز سننا مشکل تھا۔ وہ شاید اسے سنانے پر تلی ہوئی تھی۔ کیونکہ ان دونوں کے درمیان گرجتا برستا دریا حائل تھا۔ اس لیے وہ اس سے اس کا تحفہ وصول کرنے اس تک نہ پہنچ سکتا تھا۔ جیسا کہ اس کا خیال تھا۔

سائرس نے اپنا نیزہ ایک طرف پھینک دیا۔ اپنا لبادہ، پاجامہ اور بوٹ اتارے اور زیر جامہ پہنے پانی میں کود پڑا۔ جب اس نے دریا میں غوطہ لگایا تو اس میں پوشیدہ نوکیلی چٹانوں نے اس کا جسم جگہ جگہ سے چھیل گیا۔ وہ پانی کے تیز بپھرتے دھاروں سے دیوانہ وار لڑتا بھڑتا دوسرے کنارے پر جا پہنچا۔ یہ دیکھ کر لڑکی نے اپنی ٹوکری زمین پر رکھی اور وہاں سے بھاگ کھڑی ہوئی۔ وہ اس کے تعاقب میں دوڑا تھا۔ اسے اپنے پیچھے آتا دیکھ کر لڑکی درختوں کے جھنڈ میں گھس گئی۔ اس کے پیروں سے سینڈلیں نکل گئی تھیں۔ اور وہ گھنے درختوں کے درمیان گرتی پڑتی بھاگ رہی تھی۔ سائرس نے اسے پکڑ کر زمین پر گرا دیا۔ لڑکی کے گھنے سیاہ بال نقاب کی طرح اس کے خوبصورت چہرے پر پڑے ہوئے تھے۔ غصے اور نامعلوم سے جذبات سے سائرس کی حالت کچھ عجیب سی ہو رہی تھی۔ اس نے پوری قوت سے اسے خود سے لپٹا لیا۔ اس پر عجیب وحشت سی سوار ہو گئی تھی۔

پھر جب سائرس اس سے الگ ہوا تو وہ دیر تک گھاس پر لیٹے آسمان کی طرف

تکتی رہی۔ پھر اس نے سرگوشی کی "مجھے ڈر ہے۔ ہمیں اس حالت میں کسی نے دیکھ نہ لیا ہو؟"

پھر جب سائرس اس سے رخصت ہونے لگا تو کسندان نے اسے ایک بروچ تحفے کے طور پر دیا۔ یہ بروچ اس نے اپنے لباس پر ٹانک رکھا تھا۔ پھر جب اگلے دن سائرس اس سے ملا تو اس نے اسے اپنی تلوار کا ایک کلپ تحفے میں دیا جس پر چاندی کے پر بنے ہوتے تھے۔ کسندان یہ تحفہ پا کر بڑی خوش ہوئی اور بولی چونکہ انہوں نے تحفوں کا تبادلہ کر لیا تھا اس لیے اب وہ ایک دوسرے کے ساتھ بندھ گئے تھے اب اس نے ان خفیہ ملاقاتوں سے خوف زدہ ہونا بھی چھوڑ دیا تھا۔

اب جب کسندان شاہی محل کی ضیافتوں میں دوسری عورتوں کے ساتھ شریک ہوا کرتی تھی تو وہ سائرس کا دیا ہوا تحفہ پہنے ہوتے ہوتی تھی اس نے وہ کلپ اپنے سینے پر ٹانک رکھا ہوا تھا۔ سائرس کو اسے دیکھ کر عجیب غرور و فخر کا احساس ہونے لگتا تھا کیونکہ وہ حسین و ذہین لڑکی اس کی ملکیت تھی۔ ایک شام جب کمبی سس کھانے کی میز پر چڑھاوے پیش کرنے کو ہی تھا تو سائرس نے کسندان کا ہاتھ پکڑ لیا اور اسے عورتوں کے ہجوم سے نکال کر وسط ہال میں لے آیا اور بلند آواز میں سارے ہخامنشیوں کو مخاطب کر کے کہنے لگا کہ وہ گواہ ہیں کہ وہ کسندان دختر فارنسپس کو اپنی بیوی کی حیثیت سے منتخب کر رہا ہے اور کسندان اسی وقت حیران و پریشان کھڑے کمبی سس کے قدموں میں جھک گئی کمبی سس نے موقع کی نزاکت کا خیال رکھتے ہوئے اس کے سیاہ بالوں پر ہاتھ پھیرا۔ پھر اسے اٹھا کر اس کی پیشانی پر بوسہ دیا اور اس کے اپنی بہو بننے پر خوشی کا اظہار کیا۔ پھر اسے شراب کا ایک پیالہ دیا۔ جسے اس نے اور سائرس نے اکٹھے مل کر پیا۔ لیکن اس رات اس نے سائرس کو اپنی خواب گاہ میں بلوایا اور اپنے جھریاں پڑے ہوئے ماتھے پر ہاتھ پھیرنے اور داڑھی میں انگلیوں سے خلال کرنے کے بعد کہنے لگا "ہاں یہ ٹھیک ہے۔ وہ ایک

ہخامنشی خوبصورت لڑکی ہے۔ وہ تمہارے لیے بڑے خوبصورت بیٹے پیدا کرے گی۔"
اس نے ٹھنڈی سانس بھری۔"تمہاری ماں بھی ایسی ہی خوبصورت اور نوعمر دوشیزہ تھی جب وہ میری بیوی بنی تھی سات ستاروں کی قسم! مجھے اس کے نرم و گداز جسم کی حرارت آج تک نہیں بھول سکی۔ اس کے ملنے پر شکنیں پڑ گئیں۔" لیکن یہ شادی تم نے اپنی مرضی کی ہے۔ تم اگر دوسری شادی کرنا چاہو تو مجھ سے ضرور مشورہ لے لو۔ میرے خیال میں میڈیا کی شہزادی تمہارے لیے بحیثیت دوسری بیوی بہترین ثابت ہو سکتی ہے۔
سائرس خاموش ہی رہا۔ وہ کسنداں کے سوا اپنے پہلو میں کسی دوسری عورت کا تصور بھی نہ کر سکتا تھا چہ جائیکہ میڈیا کی کسی شہزادی کا۔
پس کسنداں نے اپنے حسین بال نہایت خوبصورت طریقے سے سجائے اور اپنے تاج میں سائرس کا دیا ہوا چاندی کے پروں والا کلپ لگایا اور نظریں جھکائے بڑے پروقار طریقے سے سائرس کی طرف بڑھ گئی اور اس کا ہاتھ ہمیشہ کے لیے اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ اس نے مردوں کے ہجوم کی طرف نظریں اٹھا کر بھی نہ دیکھا تھا اور نہ ہی مہرداد کی طرف دیکھا تھا جو شادی کی اس شاندار تقریب میں نجانے کیونکر موجود تھا۔ اس وقت اس کے دل میں سائرس کے خلاف شدید غصہ اور حسد کی کھولن ہو رہی تھی۔ کسنداں جہیز میں کڑھائی کیے ہوئے کپڑوں اور زیورات سے بھرے ہوئے صندوق لائی تھی۔ یہ سب صندوق صندل کی لکڑی کے بنے ہوئے تھے اس کے باپ نے اس کی خدمت کے لیے دو کپیپی کنیزیں بھی اس کے ساتھ کر دی تھیں اور دریا کے کنارے ایک مربع میل کے رقبے پر پھیلا ہوا باغ بھی اسے دے دیا تھا۔ محل کے بڑے کمرے میں پہنچ کر وہ آتش دان میں بھڑکتی آگ کے سامنے گھٹنوں کے بل جھک گئی۔ یہ ظاہر کرنے کے لیے کہ اب شاہی محل ہی اس کا گھر تھا۔ اس نے ہر طریقے سے اپنے آپ کو اپنی نئی ذمہ داریوں کی اہل ثابت کر دیا۔

"اب ـ" اس نے سائرس سے ــ ہ ــ ہے اس دوسری عورت سے کوئی خطرہ نہیں ـ"
اس پر سائرس نے جواب دیا "اس محل میں کسی دوسری عورت کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا ـ"

اب جب رات کے سناٹے میں دریا کے بہنے کی آواز کچھ تیز ہو جاتی تھی تو وہ بہت کم گہری نیند سو پاتا تھا۔ اب اسے خوابوں میں دیوی اناہیتا بھی نظر نہ آتی تھی۔ اس حسین دیوی نے اب کسنداں کا روپ دھار لیا تھا۔ جو اس کے پہلو میں محو خواب ہوتی تھی۔ کیا یہ نہیں تھا کہ اناہیتا انہیں اپنی مقدس جگہ کے سائے میں انہیں پہلی مرتبہ آزادانہ طور پر ملتے دیکھ چکی تھی۔ ان کی شادی کیا اس امر کی طرف واضح اشارہ نہ تھی کہ اناہیتا کی اس میں مرضی شامل تھی؟

کسنداں اپنے خیالات کو کبھی کسی پر عیاں نہ ہونے دیتی تھی اور اپنے تک ہی رکھتی تھی لیکن عملی باتوں میں جن کا تعلق سائرس سے ہوتا تھا وہ انہیں چھپاتی نہ تھی۔ ایک مرتبہ اس نے سائرس سے شکایت کی تھی کہ وہ ہر جگہ تنہا ہی چلا جایا کرتا تھا۔ اس کے ساتھ کوئی اس کے ساتھی یا محافظ نہ ہوتے تھے اور یہ صحیح تھا۔ سائرس کے ساتھ یا نگراں ہوتے تھے۔ یا ایبا۔ یا سدری والا کا بطور باڈی گارڈ ساتھ ہوتا تھا۔ اس کے سرداروں کو اپنے کام کرنے ہوتے تھے۔ جو زیادہ تر اسواران کے نوجوانوں کی تعلیم و تربیت سے متعلق ہوتے تھے جنہیں دور دراز کی میری جنگوں میں حصہ لینے جانا ہوتا تھا۔

"ہاں سائرس" کسنداں نے کہا تھا "جسے دوستی کہتے ہیں۔ وہ ان جنگجوؤں میں کہیں نظر نہیں آتی۔ ایرانی امیر ایک الگ جماعت ہیں۔ یہ باہم دوست ہیں۔ دوسرے سردار بھی اس دوستی میں شامل ہیں۔ لیکن تم نہیں"

"لیکن یہ لوگ میرے خیر خواہ ہیں۔ یہی کافی ہے"

"ہرداد تو نہیں ہے نا؟" کسنداں اصرار سے بولی تھی "دوسرے لوگوں کے

نزدیک تو تمہاری اہمیت نما سی ہے۔ کبھی کسی ان پڑھیکسوں کا بوجھ لاد کر انہیں پریشان نہیں کرتا۔ لیکن تمہارے باپ نے کسی نہ کسی دن مرنا تو ہے اگر وہ دن آنا ہے تو تم کیا اس قابل ہو گے کہ لوگوں کو اپنا وفادار بنانے میں کامیاب رہو اور ان میں ہر دلعزیز بن سکو۔ یہ یاد رکھو کہ تم نے ابھی تک کسی قسم کی جنگ میں کوئی شہرت حاصل نہیں کی ہے۔"

"لوگوں کو ؟ کن لوگوں کو ؟"

کسنداں نے بھرپور نظروں سے اس کی طرف دیکھا "سب سے پہلے ماسپیانی اور مراسپیانی ہیں جو الگ الگ قبیلے رکھتے ہیں۔ ان کے قبائل ہمارے ساتھ مل کر کل تین قبیلے بنتے ہیں اور دوسرے جیسا کہ تم مجھ سے بہتر جانتے ہو۔ صحرائے نمک کے کرانی ہیں اور آوارہ گرد لٹیرے ماردی ہیں جنہوں نے اپنے قصبے کو ایرانیوں کا شہر کا نام دے رکھا ہے۔ نہیں۔ میں نے یونانی تاجروں کو اس شہر کو تختِ جمشید کے نام سے یاد کرتے سنا ہے اور خانہ بدوش دیانیوں کو بھی۔ کیا تم ان سب کو اپنے جھنڈے تلے متحد کرنے کے متعلق کچھ سوچ سکتے ہو ؟"

سائرس نے اس بارے میں کبھی نہ سوچا تھا۔ اپنی بیوی کی باتوں نے اسے خاصا لطف دیا۔ وہ مزاحاً بولا کہ وہ پارس گرد کے سارے سرداروں کو اپنا وفادار بنانے کے لیے ان پر اپنے خزانے خالی کر دے گا لیکن کسنداں اس کے مذاق سے لطف اندوز نہ ہوتی اور بولی "چاندی ہر ایک کے لیے باعثِ کشش ہے لیکن ایرانی سردار سب کہتے ہیں کہ انہیں چاندی سے زیادہ شہرت درکار ہے۔ دور دراز کے علاقوں میں جنگیں اور فتوحات ان کی یہ خواہش بخوبی پوری کر سکتی ہیں" وہ گویا آتش دان میں بھڑکتی آگ سے مخاطب تھی "ہمارے آباؤ اجداد کے زمانے سے غیر ملکی فتوحات کو بادشاہوں کے لیے طرۂ افتخار سمجھا جاتا رہا ہے"

یہ پہلا موقعہ تھا جو کسنداں نے یہ بات کہی تھی۔ شاعر اور گویّے ہخامنشیوں کی شجاعت

اور دلیری کے قصے ہمیشہ الاپا کرتے تھے اور ان کی فتوحات اور جنگوں کی تفصیلات بڑے فخر کے ساتھ بیان کیا کرتے تھے۔ یہ ہخامنشیوں کے ابتدائی دور کی باتیں تھیں۔ بعد میں ہخامنشیوں کے جسم سے شاید سپاہیانہ روح ہی نکل گئی تھی اور ان میں جنگ و جدل کا ولولہ اور فتوحات کی امنگ مردہ پڑ چکی تھی۔ کسندان کی بات سائرس کو کسی طعنے کی طرح آکر لگی اس نے شدید غصّے کی تند و تیز لہریں اپنے رگ و پے میں دوڑتے محسوس کیں۔

" ابھی میرے ذہن میں کوئی خیال موجود نہیں کہ جب میرا باپ مرے گا تو میں کیا کروں گا ۔" وہ کھردرے پن سے بولا " جب وہ دن آئے گا تو دیکھا جائے گا ۔"

عام حالات میں وہ بڑے بڑے منصوبے سوچ کر ان پر عمل درآمد کروا سکتا تھا مگر ہنگامی حالات میں وہ سب کچھ کر گزرنے کی قدرت رکھتا تھا۔ کسندان سے اس کی شادی بھی ایسی ہی ایک مثال تھی۔ پھر جب وہ سائرس کے بیٹے کی ماں بن گئی تو اس نے اس کے ساتھیوں اور ماتحتوں کے بارے میں فکر مند ہونا چھوڑ دیا۔ اب بچہ ہی اس کی تمام تر توجہ کا مرکز بن گیا تھا۔ اس بچّے کا نام اس کے دادا کے نام پر کمبی سس رکھا گیا تھا۔

ماگی نے خبردار کیا

پھر ایک دن ایسا ہوا تھا کہ سائرس کا ٹکراؤ ماگیوں سے ہو گیا تھا وہ اپنے تجسس کی خاطر غاریں کھوجتا پھر رہا تھا وہ پہاڑی ندیوں کے کنارے کنارے ہوتا ہوا پہاڑوں کی بلند برہنہ چوٹیوں تک جا پہنچا تھا اور یونہی پہاڑوں میں ادھر ادھر چکرانے لگتا تھا۔ ایک مرتبہ وہ اسی طرح ایک پہاڑی ندی کے ساتھ ساتھ چلتا ہوا ایک بلند پہاڑ کی چوٹی تک جا پہنچا تھا کہ پاؤں رپٹنے کے سبب وہ ایک غار میں جا گرا۔ اس غار کے دہانے پر آئین کے درخت کثرت سے اُگے ہوئے تھے اور جھاڑیوں کی بہتات تھی۔ جس سبب غار کا دہانہ بالکل پوشیدہ ہو چکا تھا۔ سائرس نے دیکھا کہ اس جگہ برف کے پانی سے رواں ندیوں کی گزرگاہوں کی چٹانوں میں جگہ جگہ بڑے بڑے سوراخ موجود تھے۔ چٹانوں کے درمیان سوراخوں کا موجود ہونا قدرتی بات دکھائی دیتی ہے۔ لیکن جب سائرس نے ایک سوراخ میں رینگنے کی کوشش کی تو یہ دیکھ کر اسے بیحد حیرت ہوئی کہ وہ سوراخ کوئی چٹانوں کے درمیان بنا ہوا قدرتی سوراخ یا جوف نہ تھا۔ بلکہ ایک غار کا دہانہ تھا اور یہ غار انسانی ہاتھوں کا بنایا ہوا تھا۔ چٹان کے پہلوؤں کو کافی دور تک تراشا گیا تھا جس سے یہ غار ایک لمبے سے کمرے کا تصور پیدا کر رہا تھا۔ غار کا فرش مسلسل کگڑیاں

جلاتے جاتے رہنے کے سبب سیاہ ہو رہا تھا اور ادھر ادھر جلے ہوئے کوئلے بھی بکھرے نظر آرہے تھے۔ اس غار کا معائنہ کرنے کے بعد سائرس نے ان چٹانوں میں موجود دوسرے سوراخوں میں بھی داخل ہو کر دیکھا۔ وہ سب بھی ایسے ہی غار تھے۔ اور یہ سب اس امر کے گواہ تھے کہ کسی زمانے میں انسان وہاں رہتے رہے تھے۔ سائرس کا خیال تھا کہ شاید وہ لوگ کسی حکومت کے مجرم تھے یا اپنے علاقے پر کسی دشمن کے حملہ آور ہونے کے سبب پناہ لینے کے لیے ان غاروں میں آچھپے تھے۔ پارس گرد میں کوئی بھی ان پوشیدہ غاروں کے بارے میں کچھ نہ جانتا تھا لیکن سائرس نے یہ بات خاص طور پر نوٹ کی تھی کہ جب وہ اپنی بیوی سے ان پراسرار غاروں کی باتیں کرتا تھا تو اس کی کیسپینی کنیزیں بڑے غور سے اس کی باتیں سنا کرتی تھیں۔

اگر اس کی بیوی کی کیسپینی کنیزیں ان پراسرار غاروں کا بھید جانتی تھیں تو سائرس کو یقین تھا کہ وہ یہ بھید اسے کبھی نہ بتائیں گی۔

کیسپینی سفید فام اور کمزور سے لوگ تھے جو عظیم سطح مرتفع کے اصل باشندے تھے جب سائرس ایک نو عمر لڑکا تھا تو وہ کیسپینی لوگوں کو پرانے لوگ کہا کرتا تھا کبھی وہ انہیں زمین کے لوگ بھی کہا کرتا تھا۔ وہ لوگ زمین سے بے حد محبت کرتے تھے وہ زمین کی کھدائی کرتے تھے۔ اس میں بیج بوتے تھے فصلیں اگاتے تھے۔ مٹی کے دو برتن بناتے تھے۔ وہ مٹی کی اینٹیں بنا کر انہیں دھوپ میں سکھاتے تھے۔ کمبی سس نے انہیں بار ہا سمجھایا تھا کہ وہ اینٹوں کو دھوپ میں سکھانے کی بجائے انہیں آگ پر تپا لیا کریں تاکہ وہ پختہ اور مضبوط بن جائیں اور سیلابوں اور بارشوں میں نہ بہہ جائیں۔ مگر وہ لوگ اس کی بات نہ مانتے تھے۔ کمبی سس نے انہیں یہ بھی سمجھایا تھا کہ وہ درختوں کے بھاری لٹھوں اور بڑے بڑے پتھروں کے بند بنا کر خشک موسم کے لیے پانی ذخیرہ کرنے کی کوشش کریں۔

کیسپینی جو زبان بولتے تھے وہ کسی بھی مہذب زبان سے ملتی جلتی نہ تھی۔ دوسری

اقوام کی مانند ان کی کوئی بہادرانہ روایات بھی نہ تھیں۔ اس معاملے میں وہ اپنے فاتحین آریاؤں سے یکسر مختلف تھے۔ وہ ہتھیاروں سے میدانِ جنگ میں بہادری کے جوہر دکھانے کی بجائے چوری چکاری اور ڈاکہ زنی میں زیادہ مہارت رکھتے تھے۔ ان پر جب حملہ کیا جاتا تھا تو وہ اپنے قصبوں اور دیہاتوں سے نکل کر ادھر ادھر بھاگ کھڑے ہوتے تھے اور جنگلوں اور دلدلوں میں جا چھپتے تھے۔ پس جب سائرس نے وہ پوشیدہ غاریں دریافت کیں تو اس نے یہی خیال کیا تھا کہ بھگوڑے کیسپینی وہاں پناہ گزین ہوئے ہوں گے وہ غاریں بہت عرصہ پہلے کی استعمال شدہ لگتی تھیں۔ انہیں پھر کسی انسان نے استعمال نہ کیا تھا۔

ویسے بھی ایرانی مالکان کے اصل باشندوں کے ساتھ کم ہی روابط تھے وہ جن علاقوں کے مالک تھے وہاں کے اصل باشندوں کی جانب سے وہ ہمیشہ لاپروا رہا کرتے تھے اور ان سے میل جول کی کوئی ضرورت محسوس نہ کرتے تھے۔ اصل باشندوں سے ان کا ٹکراؤ کچھ اس صورت میں ہوتا تھا کہ کوئی مالک یا اس کا بیٹا شکار کی غرض سے جنگلوں یا کھیتوں میں جا نکلتا تھا اور وہاں ان کا سامنا کسی مقامی دوشیزہ سے ہو جاتا تھا۔ اور یوں ان کے درمیان تعاقب اور بھاگ دوڑ کا تماشہ شروع ہو جاتا تھا۔ غرضیکہ شریف اور اونچے درجے کے آریاؤں اور جاہل و پسماندہ کیسپینیوں میں ایک وسیع خلیج حائل تھی۔ ایرانی۔ جیسا کہ فارس کی سطح مرتفع کے آریائی باشندے کہلایا کرتے تھے نسایانی گھوڑوں کی سواری کرتے تھے جب کہ ان سے کم تر قوموں کے لوگ زیادہ تر ٹٹوؤں اور گدھوں پر سواری کرتے تھے یا پھر اپنا بوجھ اپنی پشت پر اٹھا کر چلا کرتے تھے۔ ان کے لوہار قیمتی دھاتوں پر کام کرتے تھے۔ لوہے اور کانسی کے ہتھیار اور اوزار ڈھالتے تھے یا گھوڑوں کے ساز تیار کرتے تھے جب کہ ایرانی نرم دھاتوں سے، مثلاً سونے اور چاندی سے کچھ اور ہی قسم کی چیزیں تیار کیا کرتے تھے اور جہاں

یک پالتو جانوروں کا تعلق تھا۔ فاتحین دودھ دینے والے مویشی اور بیل وغیرہ اپنے لیے رکھ لیتے تھے۔ جب کہ مفتوحین کے حصے میں بھیڑیں بکریاں آیا کرتی تھیں اور ان کی عورتیں ان بھیڑ بکریوں کی اون سے سرد موسم سے بچاؤ کے لیے اونی کپڑے تیار کیا کرتی تھیں اور جہاں تک ان کے معبودوں کا تعلق تھا کیمپینی انہیں خفیہ رکھے ہوتے تھے۔ وہ جنگلوں میں جا کر ان کے حضور قربانیاں اور چڑھاوے پیش کیا کرتے تھے۔ ہر چند کہ کوئی کیمپینی بجز اس کے کہ وہ غلام ہوتا، پارس گرد میں داخل نہ ہوتا تھا۔ سائرس نے محسوس کیا تھا کہ ان کی تعداد مسلسل بڑھتی ہی چلی جا رہی تھی۔ وہ اپنے کچے مکانات والے دیہاتوں میں خوب پھل پھول رہے تھے۔ اس نے اس امر کا ذکر جب اپنے باپ کمبی سس سے کیا تو اس نے صرف اتنا کہا کہ کیمپینیوں کی آبادی میں اضافہ ایک اچھی چیز تھی۔ کیوں؟ اس پر سائرس نے استفسار کیا تھا۔ یہ کیونکر اچھی بات ہو سکتی تھی کہ مٹھی بھر ایرانی اپنے سے کئی گنا زیادہ کیمپینیوں پر حکومت کریں۔

اس پر کمبی سس کا ردِ عمل حسبِ عادت کسی فلسفی کا سا ہو گیا تھا اور اس نے سائرس سے ایک سوال پوچھ ڈالا تھا۔ "بھلا بتاؤ تو وہ کونسی پانچ چیزیں ہیں جو ہم ایرانیوں کو زندہ رکھے ہوتے ہیں؟"

سائرس پانچ سے زیادہ چیزوں کے متعلق سوچ سکتا تھا۔ مگر وہ جانتا تھا کہ اس کا باپ اس سے وہی جواب چاہے گا جو اس سے متوقع ہوں گے۔ چنانچہ اس نے اپنے مکتب کے پڑھے ہوئے سبق کے مطابق اس کے سوال کا جواب دیا۔ "اناجوں کے بیج، انہیں زمین میں بونے والے ہتھیار، انہیں اگانے والا پانی، انہیں کاشت کرنے والے پالتو مویشی اور ان کی کٹائی کرنے والی انسانی محنت و مشقت۔"

کمبی سس نے اثبات میں سر کو جنبش دی۔ "اب ذرا سوچو ان پانچوں چیزوں میں سے ایک چیز بھی ہمارے پاس نہیں ہے۔ جب کہ کیمپینیوں کے پاس یہ تمام چیزیں

موجود ہیں۔ تم بخوبی جانتے ہو کہ وہ زمین پر رہتے ہیں اور ہم ان کے اوپر رہتے ہیں لیکن تم نے کبھی سوچا بھی ہے کہ اس کا کیا نتیجہ نکلا ہے ؟ وہ ہم سے نفرت کرتے ہیں اور ہم سے ڈرتے بھی ہیں۔ میں ان کے ذہن اپنی جانب سے نہیں بدل سکتا۔ لیکن اگر ان کے خاندان خوب پھولیں پھلیں گے اور بہت سے ہاتھ ان کی محنت میں حصہ بٹانے کے لیے پیدا ہوں گے اور انہیں پیٹ بھر کھانے کو ملنے لگے گا تو ان کی ہم سے نفرت بھی کم ہو جائے گی۔"

اس صبح والکا کے ہمراہ چیتے کے شکار کے لیے جاتے ہوتے سائرس کو اپنے باپ کی یہ سب باتیں یاد آ رہی تھیں۔ والکا نے اسے درختوں کے جھنڈ میں چھپے دیکھا تھا اور اسے وہاں سے باہر نکالنے کے لیے اس پر ایک تیر چھوڑا تھا۔ وہ دونوں اس وقت دیہاتی ٹٹوؤں پر سوار تھے اور اس وقت درختوں کی بے ترتیب قطاروں کے درمیان سے گزر رہے تھے ان کے سامنے چٹانی دیواریں تھیں۔ ایسی جگہوں پر ان کی آوازوں کی بازگشت یوں معلوم ہوتی تھی۔ گویا وہاں منڈلانے والی روحیں ان کی نقلیں اتار رہی ہوں۔ آوازوں کی بازگشت بسا اوقات ایسی بھیانک ہوا کرتی تھی کہ پارس گرد کے لوگ بہت کم ایسی جگہوں پر جانے کی ہمت کرپاتے تھے اور مقدس چوٹیوں کی طرف کا تو وہ رُخ ہی نہ کرتے تھے۔ مگر والکا ہموار میدانوں کا باشندہ تھا۔ اس لیے وہ پہاڑی روحوں یا بد روحوں سے کبھی خوف زدہ نہ ہوتا تھا۔ پھر اچانک ہی ٹٹوؤں کے ساتھ ساتھ دوڑتے ہوتے کتے ٹھٹک کر رک گئے۔ پھر کسی نامعلوم بو کی سمت ایک دم ہی بھاگ کھڑے ہوئے۔ کتوں سے یہ توقع نہیں کی جاسکتی تھی کہ وہ اپنے مالکوں کے بغیر کسی چیتے کے تعاقب میں بھاگ اٹھیں گے۔ اپنا نیزہ تانے ہوئے سائرس نے اپنے ٹٹو کو پوری رفتار سے کتوں کے پیچھے دوڑا دیا اور دیکھا کہ کتے ایک بوڑھے کپیسی سکن کے پیچھے پیچھے دوڑ رہے تھے۔ اس سے قبل کہ کتے اس لمبے لمبے سفید بالوں والے

کسان کی ٹانگیں جھنجوڑ ڈالتے۔ سائرس نے اپنے نیزے کے زور سے انہیں پرے ہٹا دیا۔ اس بوڑھے نے اپنے کندھے پر کپڑوں کی ایک گٹھڑی اٹھا رکھی تھی۔ سائرس نے اسے مجبور کیا کہ وہ اپنی گٹھڑی اسے کھول کر دکھاتے وہ یہ دیکھنا چاہتا تھا کہیں وہ اس گٹھڑی میں کچھ چرا کر تو نہیں لے جا رہا تھا۔ مگر اس گٹھڑی میں صرف تازہ پکی ہوئی روٹیاں کچھ انار اور سفید پنیر بندھے تھے۔ یہ عجیب بات تھی کہ گاؤں کا ایک ایسا بوڑھا شخص جو اپنے حلیے سے کوئی پجاری یا پروہیت دکھائی دیتا تھا۔ دن بھر کی خوراک اپنے ساتھ لے جاتے اور پہاڑ کی چوٹی پر بیٹھ کر اسے کھاتے۔ جب سائرس نے سر اٹھا کر اوپر دیکھا تو اسے ایک غار کا دہانہ دکھائی دیا۔ اس دہانے میں ایک اور شخص بھی لیے کھڑا نظر آیا۔ وہ کیپیسی نہ معلوم ہوتا تھا۔ وہ سائرس کو بڑی گہری نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

"مجھے خوشی ہے کہ کتوں نے میرے دوست کو چیر پھاڑ کر نہیں رکھ دیا۔" اس شخص نے اپنی جگہ کھڑے کھڑے ہانک لگائی۔ "کیا تم ہمارے ساتھ کھانا پسند کرو گے؟"

وہ شخص سائرس ہی کی عمر کا معلوم ہوتا تھا۔ وہ غیر مسلح تھا اور اس کا چہرہ دھوپ میں سنولایا ہوا تھا۔ اس نے اپنے لبادے پر بالوں کی بنی ہوئی پیٹی کس رکھی تھی اور وہ بجاتے سواری کے بوٹوں کے چپلیں پہنے ہوئے تھا۔ اس کا لب ولہجہ مشرق میں بسنے والوں جیسا تھا۔ اس نے کوئی ایسا زیور نہ پہن رکھا تھا جس سے اس کا عہدہ یا حیثیت معلوم ہو سکتی سائرس گٹھڑی اٹھا کر اس کی طرف بڑھ گیا۔ اس نے دیکھا کہ کتوں نے صرف ایک ہی بار اس اجنبی کو زور زور سے سونگھا پھر اس کی جانب سے لاتعلق ہو گئے۔ سائرس نے متجسسانہ انداز میں اس اجنبی سے اس کے خاندان کا اتا پتہ پوچھا۔ اور پوچھا کہ وہ کہاں کے سفر پر تھا اس نے محسوس کیا کہ اس کے سوالات پر اس نوجوان اجنبی اور بوڑھے کیپیسی کے درمیان معنی خیز نظروں کا تبادلہ ہوا۔ پھر نوجوان نے جواب دیا کہ اس کا کوئی خاندان یا گھر بار نہ تھا اور مسلسل

تھا ۔ کیا تم مجھ سے یہ توقع رکھتے ہو کہ میں گاؤں والوں کی ہخامنشیوں کے بارے میں کہی جانے والی ہر بات پر یقین کر لوں ؟" سائرس بولا۔

" گاؤں والے ہخامنشیوں سے گہری عقیدت رکھتے ہیں۔" ماگی بولا۔" انہوں نے ان کی شان میں ایک طویل قصیدہ بنا رکھا ہے جو کچھ اس طرح سے شروع ہوتا ہے ۔

پھر ماگی کسی شاعر کے سے انداز میں سائرس کے سامنے دہرانے لگا کہ کس طرح آریائی بہادروں نے ساری کیسپئی سرزمین کو اپنے گھوڑوں کے سموں تلے پامال کر ڈالا تھا اور اپنی تلواروں سے ہر جگہ خون کی ندیاں بہادی تھیں ۔ وہ جہاں جہاں سے گزرے تھے وہاں آگ کے شعلے اور دھوئیں کے مرغولے چھوڑ گئے تھے ۔ مگر جب وہ ہخامنشی بادشاہ کی سرزمین پر پہنچے تو ان کی خونخواری اور بربریت سب ختم ہو گئی اور وہ پرامن طریقے سے وہاں آبا د ہو گئے اور ہخامنشی بادشاہ کی رعایا بن گئے ۔

" تم جو ہخامنشیوں کے پرستار بنے پھرتے ہو ۔" ماگی چیلنج کرنے والے انداز میں بولا " کیا نیلے پہاڑوں کی جانب سے آنے والے مہاجرین کے بارے میں کچھ نہیں جانتے ؟ تم کیا ان لوگوں کے بارے میں کچھ نہیں جانتے جو شوشان کے موت کے گھر سے جانیں بچا کر ادھر ادھر بھاگتے پھر رہے ہیں ؟"

پھر اس نے سائرس سے معذرت چاہی کہ اس کا انداز گفتگو کچھ گستاخانہ رنگ اختیار کر گیا تھا ۔ اس نے سائرس سے درخواست کی کہ وہ اس کے ہمراہ دستر خوان پر بیٹھ کر اس کے ساتھ کھانے میں شرکت کرے ۔ سائرس نے چاہا کہ اس کی درخواست قبول کر لے ۔ مگر پھر اس نے انکار کر دیا ۔ وہ ایک بھگوڑے کے ساتھ شریک طعام ہو کر اس سے عہد دوستی استوار کرنا چاہتا تھا ۔ اس نے محسوس کیا تھا کہ بھگوڑا ماگی کسی اچھے خاندان کا شائستہ اور مہذب فرد تھا ۔ اس کے انداز و اطوار سے شائستگی اور خودداری جھلکتی تھی ۔ اس نے اسے ہاتھ کے اشارے سے الوداع کہی اور اس جگہ سے نیچے اتر کر والکا کے تعاقب

سفر کرتے رہنا اس کی عادت تھی۔

"سچ سچ کہو۔" سائرس سختی سے بولا۔ "شاید تم مشرق سے جلے ہوئے ایک بھگوڑے ہو اور اس پہاڑی گاؤں میں پناہ لیے ہوئے ہو۔ یہاں کے لوگ تمہیں خفیہ طور پر کھلاتے پلاتے رہتے ہیں۔"

نوجوان کی بھوری آنکھوں میں غصہ کی چمک ابھری۔ مگر دوسرے ہی لمحے اس کے چہرے پر ایک اداس سی مسکراہٹ ابھر آئی۔

"میرے نوجوان دوست تم اس امر سے بخوبی آگاہ ہو گے کہ سچائی نا قابل یقین ہوتی ہے جب کہ کار آمد دروغ گوئی قابل یقین سمجھی جاتی ہے۔ اگر تم میری زبان سے سچی بات اگلوانا چاہتے ہو تو سن لو۔ ایک ماگی کا کوئی خاندان یا قبیلہ نہیں ہوتا۔" اتنا کہتے ہوئے اس نے زمین پر کپڑا بچھا دیا اور خوراک کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ غار کے دہانے پر پانی سے بھرا ہوا مٹی کا ایک مٹکا رکھا تھا۔ اس کے قریب ہی ایک مٹی کا پیالہ بھی رکھا تھا۔ اس ماگی نے شاید کوئی طویل سفر طے نہ کیا تھا۔ کیونکہ اس کے ہاتھ پیر صاف ستھرے تھے۔

"میں واقعی بھگوڑا ہوں۔ میں موت کی گرفت سے بھاگ آیا ہوں۔ اس گاؤں کے باشندوں نے مجھے پناہ دی ہے اور مجھے بتایا ہے کہ یہاں مجھے وہ چیز مل جائے گی جس کا میں متلاشی ہوں۔"

وہ کسی شاعر کی مانند بول رہا تھا مگر ہر شاعر بادشاہ کے محل کا پھاٹک ہی تلاش کرتا تھا۔

"کونسی چیز؟" سائرس نے پوچھا۔

"ہنخامنشیوں کی امان۔" ماگی نے وضاحت کی اور پیالے میں صاف پانی انڈیلا معلوم ہوتا تھا وہ اجنبی اس بات سے ناواقف تھا کہ وہ بادشاہ کے بیٹے سے گفتگو

میں ہولیا۔ چلتے چلتے اس نے نظریں اٹھا کر اوپر دیکھا۔ گاؤں کا بوڑھا پروہیت اور ماگی بھگوڑا دونوں دستر خوان پر بیٹھے کھانا کھا رہے تھے۔ اوپر ایک بھوری چٹان اس طرح پھیلی ہوئی تھی۔ گویا ان پر سائبان کیے ہوتے ہو۔

سائرس کے لیے اچنبھے کی بات یہ تھی کہ ہر چند کر اس ماگی بھگوڑے نے ہخامنشیوں کی تعریف کی تھی۔ وہ پارسس گرد کے پھاٹک میں داخل ہونے سے مجتنب تھا۔

موت کا شہر

لیکن ان ماگی بھگوڑوں کے برعکس ایک پناہ گزین ایسا تھا جس نے سائرس کے دروازے میں داخل ہونے سے ہرگز گریز نہ کیا تھا۔ یہ شخص عبرانی یا یہودی تھا اور تاجر تھا۔ وہ اس کے ہمراہ گدھوں کا ایک قافلہ تھا۔ جن پر مالِ تجارت لدا تھا۔ اس یہودی کا جرباد شاہ تھا وہ اس وقت بابل کے بادشاہ کا قیدی تھا۔ بابل، جہاں ایسے دریا بہتے تھے جو پارس گرد کے صاف وشفاف پانی والے تیز دھار دریاؤں سے بالکل مختلف تھے اس بار ریشیں یہودی سوداگر نے نیم غلامی کی علامت کے طور پر اپنے ایک کان میں چاندی کا ایک بالا پہن رکھا تھا۔ اس نے کسندان کو تحفے کے طور پر خوشبو دار رتوں کا ایک ہار بنا کر دیا۔ اس کے بعد اس نے اسے اپنا مالِ تجارت دکھایا۔ اس کے پاس ارغوانی رنگ کی اون تھی۔ یہ ارغوانی رنگ انتہائی جاذبِ نظر اور حسین تھا۔ اس رنگ کے بارے میں اس سوداگر کا کہنا تھا کہ یہ عظیم سمندر کے گہرے عقبوں سے نکالا گیا تھا اور اس سے ہخامنشی شہزادی کے شایانِ شان تھا۔ کسندان نے قیمتی زربفت کا کپڑا بہت پسند کیا۔ ہر چند کہ یہ بہت مہنگا تھا اور فی گز دو شیکل اس کا بھاؤ تھا۔ سائرس نے اسے یہ کپڑا خریدنے کی اجازت تو دے دی۔ مگر ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ اس کی بجائے اگر وہ خام سونے

کے کنگرے جن پر بیلوں کی شبیہیں کھدی ہوئی تھیں، خرید لیتی تو زیادہ بہتر رہتا۔ پھر زیورات، بخا منشیوں میں کپڑے سے زیادہ اہم بھی تو سمجھے جاتے تھے۔

پھر جب تمام سودے پٹ چکے تو اس یہودی سوداگر نے اپنے ہم پیشہ سوداگروں کی مانند باہر کی دنیا کی خبریں انہیں سنائیں۔ اس کے بعد اس نے پارس گر کے گرد و نواح کی سیر کی۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے اسے کسی خاص چیز کی تلاش ہو۔

"یہاں تو کسی قسم کی فصیل موجود نہیں" اس سوداگر نے شام کے کھانے کے دوران بخا منشیوں سے شکایت کی: "یہ عجیب ہی بات ہے جو تم لوگ اپنے آپ کو فصیلوں کے بغیر محفوظ و مامون سمجھتے ہو۔"

اس نے انہیں بتایا کہ اس نے اپنی سیاحت کے دوران کوئی شہر ایسا نہیں دیکھا جس کی فصیلیں نہ ہوں۔ ویران و اجاڑ ہونے کے باوجود نینوا کی فصیلیں موجود تھیں اور بابل جہاں فصیلوں کے اندر عظیم بخت نصر نے انگور بیل اور نمینی بل کی فصیلیں بنوا رکھی تھیں۔ یہودی سوداگر نے اپنی داستان گوئی کا اختتام اس دعا کے ساتھ کیا۔ "یہوا اس جگہ کے رہنے والوں کو اپنی حفظ امان میں رکھے اور ان پر اپنی رحمتیں اور برکتیں بھیجتا رہے۔"

سائرس کسی خدا سے واقف نہ تھا۔ یہوا کا نام بھی اس کے لیے نیا تھا۔ اس نے یہی سوچا کہ یہ یہودی سوداگر کسی نامعلوم خدا کا پیروکار تھا۔

"اس سڑک پر شوشان میں بھی" کچھ دیر بعد یہودی سوداگر دوبارہ کہنے لگا۔ "پختہ جلائی ہوئی اینٹوں کی مضبوط فصیل بنائی جا رہی ہے۔"

اس پر سائرس کو یاد آیا کہ اس ماگی بھگوڑے نے اسے شوشان کے بارے میں کیا بتایا تھا کہ یہ جگہ تقریباً زمین کے پاتال میں واقع تھی۔ اس نے خود بھی کافی عرصہ پہلے اس جگہ کو اس وقت دیکھا تھا جب وہ اپنے ساتھی لڑکوں کے ساتھ

نایاب چراگاہوں سے راستہ بھٹک کر پہاڑوں اور میدان کے درمیان واقع عیلام کے کھنڈرات کی طرف جانکلا تھا۔ ان کھنڈرات سے اب بھی ان کی عظمتِ رفتہ کی شان جھلکتی تھی۔ اس نے دیکھا تھا کہ کس طرح اجڑے ہوئے کھیتوں میں جابجا خودرو پودے اور کانٹے دار گھنی جھاڑیاں اگ آئی تھیں اور جنگلات کس بے دردی سے کاٹ ڈالے گئے تھے۔ ٹوٹے ہوئے بندوں کا پانی بنجر و ویران زمین پر سیلاب کی صورت میں مسلسل بہتا چلا آرہا تھا۔ ویران اور جلی ہوئی عمارتوں میں گیدڑوں اور لومڑوں نے ڈیرہ ڈال رکھا تھا۔ عیلام کے پرشکوہ بادشاہ کے محل کے کھنڈرات میں چوروں اور لیٹروں نے اپنی پناہ گاہیں بنا رکھی تھیں۔ اس عظیم شہر کی بربادی کی وجوہات محل کے خالی پھاٹک کے قریب زمین پر گری پتھر کی ایک بڑی سی سل پر کھدی تھیں۔ ایک آوارہ گرد کاتب نے اس سل پر لکھا ہوا پڑھا تھا اور سائرس کو سنایا تھا جو سائرس نے ذہن نشین کرلیا تھا۔

"میں اشور بنی پال، ساری سرزمینوں کے عظیم حکمرانوں نے، ان تمام بڑے بڑے کمروں کا منقش سازوسامان نکال لیا ہے۔ میں نے زریں سازوں اور سونے کی رکابوں والے گھوڑے اور خچر اصطبلوں سے نکال لیے ہیں۔ میں نے کانسی کے کلسوں والے تمام مندروں کو آگ لگا دی ہے۔ میں عیلام کے معبود کو اس کے تمام خزائن کے ساتھ اشور پر اٹھا لے گیا ہوں۔ میں اپنے ہمراہ بتیس بادشاہوں کے سونے کے مجسمے اور سنگ سانڈوں کے وہ مجسمے بھی اشور لے گیا ہوں، جو عیلام کے دروازوں پر پہرہ دیتے تھے۔ میں نے عیلام کو تباہ و برباد کر دیا ہے اور اس کے باشندوں کو فنا کے گھاٹ اتار دیا ہے۔ میں نے ان کے تمام مقابر ڈھا لیے ہیں اور ان کے مردوں کی ہڈیاں اپنے ساتھ لے گیا ہوں۔ یہ سب لوگ میرے معبودوں اشور اور عشتار کو برا بھلا کہتے تھے اور ان کی شان میں گستاخی کیا کرتے تھے۔

اب ان تمام مرنے والوں کی روحوں کو کبھی چین نصیب نہیں ہوگا اور نہ ہی انہیں کوئی کھانا پانی پہنچائے گا۔"

پتھر کی اس سل پر کھدا ہوا یہ پیغام اس امر کی شہادت دیتا تھا کہ اشوریوں نے عیلام پر چڑھائی کی تھی اور اس کی اینٹ سے اینٹ بجا دی تھی۔ اس واقعہ کو تین صدیاں گزر چکی تھیں اور اب اشور بنی پال کا اپنا شہر نینوا بھی کھنڈرات میں تبدیل ہو چکا تھا۔ اور ان کھنڈرات پر سورج کی بے رحم کرنیں آگ بن کر برستی رہتی تھیں۔

"سوتم دیکھ لو" سائرس اپنی داستان سنا چکنے کے بعد بولا "کہ یہ عظیم اور بڑے بڑے شہر کس طرح آج بھوتوں اور بدروحوں کا مسکن بنے ہوتے ہیں۔

یہودی سوداگر نے اپنا تیل سے چپڑا ہوا سر ہلایا اور اپنے ہاتھ بلند کر لیے "بلاشبہ کمبی سس کا فرزند عقل و ذہانت میں یکتا ہے۔ تحقیق اس کی یادداشت ایک کتاب کی مانند ہے۔ تاہم وہ جان لے کہ شوشان کے بھوت اور بدروحیں مجھ سے کھیتی باڑی کے لیے بیج اور بیل خریدتے رہتے ہیں۔ انہوں نے ان چیزوں کی قیمت مجھے چاندی کے سکوں کی صورت میں ادا کی ہے جو بابل کے ایوان عجیبی نے رائج کر رکھے ہیں۔

اس رات خوابگاہ میں داخل ہوتے ہی کسندان نے سائرس سے یہودی سوداگر کی باتوں پر تبصرہ کیا۔ اگر شوشان کے کھنڈرات سے دوبارہ ایک شہر جنم لے رہا تھا، تو ظاہر تھا کہ اسے تعمیر کرنے اور آباد کرنے والوں کے پاس خاصا مال و دولت ہوگا اس لیے کیوں نہ وہ پارس گرد کی حکومت کو خراج ادا کیا کریں۔

"خراج؟ وہ کس لیے؟ میری حسین رفیقہ حیات۔" سائرس نے کاہلی سے پوچھا وہ حیران تھا کہ آخر وہ کس قسم کا ہل ہوتا ہوگا جو بیج بو سکتا تھا۔

"تحفظ کے لیے۔ کہ پارس گرد کا حکمران غیر ملکی حملہ آوروں کے خلاف ان کا

بچا وکرے گا۔ میری بات نہ ٹالو میرے کم ذہین شوہر۔ تم بخوبی جانتے ہو کہ ایک نئے شہر کو وحشی لیٹروں اور غیر ملکی حملہ آوروں سے بچانے کی ضرورت ہوا کرتی ہے۔ کیا یہ شوشان انشان کی حدود میں واقع نہیں ؟ اور اسے تحفظ دینے کے لیے ایرانی گھڑسوار نیزہ بازوں سے بڑھ کر اور بہادر لوگ بھلا کون ہو سکتے ہیں ؟"

اپنی بیوی کے ان دلائل پر سائرس مسکرا دیا۔ "لیکن یہ تو بتاؤ کہ اگر میں نے ان لوگوں سے خراج کا مطالبہ کیا تو میں کیا کہلاؤں گا۔ ایک لیٹرا یا ایک غیر ملکی فاتح ؟ میرا باپ کمبی سس بھلا کیا سوچے گا ؟"

وہ ہرگز نہ چاہتا تھا کہ اس کی بیوی کے کہے ہوئے کو پتھر کی لکیر سمجھ لیا جائے۔ "اپنے باپ کمبی سس کی بجائے تم اپنے بیٹے کمبی سس کے بارے میں سوچو۔" کسندان بولی۔

بالآخر یہ ہوا کہ سائرس گھوڑے پر سوار ہو کر بذاتِ خود شوشان روانہ ہو گیا۔ اسے ہر شکوک معاملے کا خود اپنی آنکھوں سے جائزہ لینے کی عادت تھی۔ اس کے ہمراہ اسوارن کے سینکڑوں سوار تھے۔ ان میں بہت سے ایسے کرمانی بہادر بھی تھے۔ جو میدیوں کی طرف سے جنگ کے لیے بلاوے کا کوئی پیغام نہ آنے کے سبب بے حد مایوس ہو چکے تھے اور ان کی تلواریں ان کے آتشدانوں کے اوپر لٹکے لٹکے سیاہ پڑتی جا رہی تھیں لمبی سڑک پہاڑوں میں مڑتی بل کھاتی نشیب و فراز طے کرتی ایک دروازے یا درے میں سے گزرتی مغربی میدان میں جا نکلتی تھی۔ ان کے اس دروازے تک پہنچتے ہی لیٹروں نے دیکھا کہ نووارد دنیز کمانوں اور نیزوں سے لیس تھے۔ وہ سرپٹ واپس بھاگ اٹھے۔ ایسے جیسے سہمی ہوتی بکریاں ہرد بڑا ہیں۔ کرمانیوں نے ان پر ایک تیر بھی ضائع کرنا فضول سمجھا۔ جب اسوارن پہاڑیوں سے اتر کر میدان میں داخل ہوا تو اسے شدید گرمی اور گرد و غبار کے طوفانوں نے آن لیا۔ انہوں نے بے تحاشہ گالیاں بکتے

ہوئے اپنے گردن کے کپڑوں کو اپنے چہروں پر کھینچ لیا۔ پہاڑوں پر بسنے والوں کے لیے ترائیوں کی گرمی اور گرد و غبار کسی عذاب سے کم نہیں ہوتے۔

پھر وہ پہاڑی راستہ دریائے شوشان کے کنارے کنارے آگے بڑھنے لگا سائرس نے بھورے میدانوں میں جگہ جگہ سبز مخملی ٹکڑوں کی مانند بکھرے ہوتے سرسبز کھیت دیکھے جن میں فصلیں لہلہا رہی تھیں۔ دور ترائی میں دریا کے موڑ پر ایک نسبتاً بلند قطعہ زمین پر شوشان واقع تھا۔ ٹوٹے ہوئے پل کو دوبارہ تعمیر کر لیا گیا تھا۔ واقعی بدرو جلیں اور بھوت کارآمد کام کر ڈالنے کی بھی صلاحیت رکھتے تھے۔ ان گھڑ سواروں کو دیکھتے ہی چرواہے دوڑ دوڑ کر اپنے مویشیوں کو اکٹھا کرنے لگے تاکہ انہیں کسی غار یا کسی اور محفوظ جگہ میں ہانک دیں۔ سائرس اپنے آدمیوں کو ساتھ لیے پل کی طرف بڑھ گیا۔ کرمانیوں نے بھگوڑوں اور لٹیروں کے دلوں پر اپنا رعب جمانے کے لیے تلواریں نکال لی تھیں۔ قلعے کی بلندیوں تک پہنچتے پہنچتے وہ مزاحمت کرنے والوں کی خاصی تعداد کو ہلاک کر چکے تھے جیسا کہ یہودی سوداگر نے بتایا تھا۔ کھنڈرات کے گرد ایک نئی پختہ فصیل کھڑی کر دی گئی تھی ان کے فصیل کے قریب پہنچتے ہی ڈھالوں اور نیزوں سے لیس بہت سے آدمی فصیل کے اوپر اور اس محراب میں جس میں ابھی کوئی دروازے وغیرہ نہ لگائے گئے تھے۔ نمودار ہو گئے۔ کرمانی بہادروں نے سائرس کو بتایا کہ شوشان کے سپاہیوں کی ڈھالیں چمڑے کی بجائے چمڑے کی تھیں۔ اگر وہ انہیں اجازت دے تو وہ اس قابل تھے کہ وہ شوشان کے ان سپاہیوں کو اپنے نیزوں سے چھیلنی کرتے ہوتے اس کے لیے قلعے میں محفوظ داخلے کا راستہ بنا سکتے تھے۔ اس طرح قلعہ فتح ہونے کے ساتھ ہی قیدی اور مال غنیمت بھی ان کے ہاتھ آ سکتے تھے۔

سائرس پانی سے سیراب کھیت میں پڑے ہل کو دیکھ رہا تھا جس کا مالک

اپنے بیل ہل سے الگ کر کے انہیں ساتھ لے کر کہیں بھاگ گیا تھا۔ اس ہل کے عمودی ڈنڈے کے اوپر ایک چھوٹا سا ڈبہ بنا ہوا تھا۔ جو شاید بیج رکھنے والا ڈبہ تھا اس ڈبے کے ایک کونے میں سوراخ تھا۔ تاکہ اس کے راستے بیج ہل چلنے کے دوران کھدی ہوئی زمین میں گرتے جائیں۔ اس طرح ایک کسان کھدی ہوئی زمین میں بعد میں بیج بونے کی زحمت سے بچ جاتا تھا۔ یہ ہل ایک نئی قسم کا ہل تھا۔ جب سائرس اس ہل کا اچھی طرح سے معائنہ کر چکا تو اس نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا کہ وہ قلعے کی دیواروں کے گرد پھیل کر ان کی مضبوطی کا جائزہ لیں اور اندر داخل ہونے سے پہلے اس کی حفاظت کے انتظامات کا جائزہ بھی لے لیں۔

لیکن اس سے قبل کہ سائرس کے آدمی اس کے حکم کی تعمیل کرتے۔ بڑے دروازے سے ایک آدمی نکل کر سائرس کی طرف بڑھ گیا۔ وہ تنہا تھا۔ اس کے ہمراہ کوئی محافظ وغیرہ نہ تھے۔ اس نے ایک لمبا چغہ نما لبادہ پہن رکھا تھا۔ جیسا کہ اہم اور اونچے درجے کے امراء سردار اور شہزادے پہنا کرتے تھے۔ مگر اس کے سر پر کوئی تاج نہ تھا۔ نہ اس کے ہاتھ میں کوئی عصائے شاہی تھا۔ البتہ اس نے اپنے سینے پر سونے کا ایک تمغہ ضرور سجا رکھا تھا۔ جس پر شوشینک کی شبیہہ بنی ہوئی تھی جو ایلامیوں کا سب سے بڑا معبود سمجھا جاتا تھا۔ سورج دیوتا کا مظہر اور عدل وانصاف کا دیوتا۔

وہ سپاہیانہ شان کے ساتھ سربلند کیے پُروقار قدموں سے چلتا ہوا سائرس کے قریب آ گیا۔ اس نے سائرس کے نسوانی گھوڑے کی لگامیں چھوتے ہوئے اس کے آگے تعظیماً سر خم کیا۔ "میں تمہارا دوست ہوں۔ کیمی سس کے بیٹے۔" وہ عمدہ فارسی میں گویا ہوا۔ "اگلی مرتبہ جب تم یہاں آنے لگو تو پہلے اپنے سواروں کا ایک دستہ ضرور اپنی آمد کے پیغام کے ساتھ میرے پاس بھیج دینا۔ میں پل پر پہنچ کر تمہارا استقبال کروں گا۔ میں گوبارو ہوں۔ شوشان سمندری ساحلوں اور تلخ پانیوں والے علاقوں کا

سردار۔"

عجیب بات تھی کہ گوبارو نے اپنے آپ کو کسی بادشاہ کا گورنر یا خود بادشاہ نہ کہا تھا۔ اس نے ہخا منشی شہزادے سے درخواست کی کہ وہ گھوڑے سے نیچے اتر آئے۔ اور اس نیم مکمل محل میں اپنے ساتھیوں کے ہمراہ اس کی ضیافت میں شریک ہو۔ جب ایرانیوں نے اس پر آپس میں معنی خیز اور مشکوک نظروں کا تبادلہ کرنا شروع کیا تو گوبارو فوراً بولا کہ اگر اس کے مہمان محل کے باہر ہی کھانا پینا پسند کرتے تھے تو اس کے ملازم ان کے لیے وہیں ضیافت کا سامان اٹھا لاتے ہیں۔ سائرس کو اس کھنڈر شہر کا یہ سردار ایک خطرناک شخص معلوم ہوا تھا۔ اس شخص کی ضیافت قبول کرنا خلافِ عقل تھا۔ اس نے اس سے کہا کہ کیوں نہ وہ قلعے سے اپنے تمام مسلح آدمیوں کو باہر نکال دے۔ تاکہ وہ اپنے آدمیوں کے ساتھ اندر جا کر اس کا جائزہ لے سکے۔

"تم جو یہاں تعمیراتی کام شروع کیے ہوئے ہو۔ اس بارے میں میں خاصا متجسس ہوں" سائرس نے اس سے کہا۔ "پچھلی مرتبہ جب میں یہاں آیا تھا تو اس جگہ گیدڑوں اور لومڑوں کی ہی حکمرانی تھی"

گوبارو نے اپنا خوشنما سر انداز تسلیم میں خم کرنے اور اس کی خواہش پوری کرنے کا اعلان کرنے سے پہلے تھوڑی دیر توقف کیا۔ پھر اس نے عیلامی زبان میں اپنے آدمیوں کو حکم دیا کہ قلعہ خالی کر دیا جائے۔ مسلح سپاہی مارچ کرتے ہوئے قلعے سے نکل کر باہر میدان میں قطار در قطار کھڑے ہو گئے۔ سائرس نے اپنے آدھے سواروں کو باہر چھوڑا اور باقی سواروں کو ہمراہ لیے اندر داخل ہو گیا۔ داخلی ہال میں نیلے رنگ کی ٹائلیں لگی تھیں۔ جو تازہ تازہ لگائی گئی معلوم ہوتی تھیں۔ وہاں ایک تالاب بھی تھا جس میں فوارہ چل رہا تھا۔ ں تالاب کے کنارے ایک نقاب پوش دراز قد لڑکی کھڑی تھی جس نے لباس فاخرہ زیب تن کر رکھا تھا۔ اس کے نقاب میں صرف اس کی آنکھیں جھلکتی دکھائی دے رہی

تھیں اور اس کے سرا پا سے ایک عجیب سحر کن خوشبو اٹھ رہی تھی۔ وہ سائرس کے سامنے آکر جھک گئی اور اپنے ہاتھ میں پکڑا ہوا طبق اس کے سامنے کر دیا۔ جس میں مختلف پھل اور شرابیں سجی تھیں۔ اس نقاب پوش لڑکی کو دیکھتے ہی سائرس کو کسندان یاد آگئی۔ اناہیتا کی آبشار کے قریب کھڑی ہنستی قہقہے لگاتی کسندان۔ اس نے اس لڑکی سے ملاقات کو اپنے لیے ایک اچھا شگون سمجھا۔ گوبارو نے اسے بتایا کہ وہ لڑکی اس کی بیٹی تھی جو بابل کی عیش و آرام کی زندگی کو ترک کر کے اس کے ہمراہ عیلام کے ان ویرانوں میں چلی آئی تھی۔ جہاں سے اس کے آباؤ اجداد کا خمیر اٹھا تھا۔

لگتا تھا جیسے ان لوگوں کے پاس کوئی اتنی دولت موجود نہ تھی کیونکہ عمارتوں میں جو ستون کھڑے کیے گئے تھے۔ وہ پام کے تنوں کے تھے۔ سائرس نے شراب کا پیالہ ہاتھ میں لیتے ہوئے تالاب کی تعریف کی اور عیلامی شہزادی کے حسن کو سراہا اس کا خیال تھا کہ گوبارو نے اس سے کوئی بات جھوٹ نہ کہی تھی اور جب تک اس کے بہادر عیلامی شہزادی کو اپنی تلواروں کے درمیان رکھے ہوتے تھے۔ اسے خوفزدہ ہونے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ گوبارو نے اسے بتایا کہ وہ عظیم بخت نصر کی فوج میں انجینئر تھا اور پانی کے مختلف کام اس نے اسی ملازمت کے دوران سیکھے تھے۔

اس نے سائرس کو بتایا کہ وہ کس طرح شوشان کے کھنڈرات کو دوبارہ زندہ کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ جب اشوریوں نے ان کے شہر کو جلا کر تباہ کر دیا تھا تو اس وقت کچھ عیلامی مشرقی پہاڑوں کی ہخا منشی حکومت کی پناہ میں بھاگ گئے تھے اور کچھ عیلامی جن میں گوبارو کے خاندان کے لوگ بھی تھے، بھاگ کر بابل کی عظیم سلطنت کی پناہ میں چلے گئے تھے۔ نینوا کی تباہی کے بعد اشوریوں کی طاقت خاک میں مل گئی تھی۔ اور بالکل ختم ہو گئی تھی اس لیے گوبارو نے مناسب سمجھا تھا کہ بخت نصر کی ملازمت ترک کر دے اور اپنے آبائی شہر چلا آئے جو کھنڈرات میں تبدیل ہو چکا تھا۔ اب وہ اس

تباہ و برباد شدہ شہر کو حیات نو بخشنے کی کوششوں میں مصروف تھا اور چاہتا تھا کہ اس کے ویران پڑے ہوئے کھیت پھر سے غلہ اگانے لگیں اور باغات پھر سے ہرے بھرے ہو جائیں۔ "اگر تمہارا شہر یار س گرد تباہ و برباد ہو کر کھنڈرات میں تبدیل ہو جاتے تو کیا تم اسے ہمیشہ کے لیے خیر باد کہہ دو گے؟ کیا تم اپنی آبائی سر زمین پر کبھی واپس نہیں آؤ گے؟ جہاں تمہارے باپ دادا کی ہڈیاں دفن ہیں؟" اس نے سائرس سے پوچھا۔

اس پر سائرس نے سوچا کہ اس کا شہر کوئی ایسا شاندار شہر نہ تھا کسی غیر ملکی حملہ آور کو وہاں تباہی و بربادی پھیلانے کے لیے کچھ نہ مل سکتا تھا۔ اس کے علاوہ وہاں دریا کے کنارے اس کے کسی بزرگ کی ہڈیاں دفن نہ تھیں اور نہ ہی کوئی مقبرہ وہاں کھڑا تھا۔ پھر بھی وہ سمجھ گیا کہ گوبارو کا کیا مطلب تھا۔ "ہاں" اس نے کہا۔ "تم ٹھیک کہتے ہو۔"

حیرت انگیز طور پر اس حسین لڑکی ایمیتس نے سکوت کو توڑا۔ اور سرگوشی میں بولی۔ اے عظیم بادشاہ کے فرزند۔ ہم پر رحم فرماؤ۔ تم نے ہماری غربت کا نظارہ اپنی آنکھوں سے کر لیا ہے۔"

جب شام ہوئی تو سائرس کے سردار اس کے گرد جمع ہو کر اس بات پر بحث کرنے لگے کہ انہیں رات کس طرح گزارنی چاہیے دن کی روشنی میں تو انہیں یہ فائدہ تھا کہ وہ عیلامیوں کو خود پر حملہ آور ہونے سے باز رکھ سکتے تھے مگر رات کو اس بات کا ڈر تھا کہ کہیں وہ عیلامیوں کا شکار نہ بن جائیں اور وہ انہیں سوتے میں موت کے گھاٹ نہ اتار دیں۔ سائرس نے انہیں حکم دیا کہ وہ قلعے کے دروازے کے باہر خیمے گاڑ دیں۔ اس طرح اگر باہر سے ان پر حملہ ہوا تو وہ قلعے میں پناہ لے سکیں گے۔ اگر ان پر اندر سے حملہ ہوا تو وہ بعجلت تمام گھوڑوں پر سوار ہو کر وہاں سے فرار ہو سکیں گے۔ اس نے گھوڑوں کے رکھوالوں کو حکم دیا کہ وہ سٹف کتوں کو بھی اپنے ہمراہ لے جائیں۔ پھر اس نے گوبارو سے وضاحت کی کہ اس کے تند خو اور وحشی گھڑ سوار قلعے کے کمروں میں زمونا

چاہتے تھے۔ پھر ان کی تعداد بھی بہت زیادہ تھی۔ اس لیے ان کے لیے باہر پڑاؤ ڈالنا ہی بہتر تھا۔ شوشان نے سردار سے کہا کہ وہ ہخامنشی شہزادے کی تشریف آوری اپنے لیے باعث مسرت وافتخار سمجھتا تھا۔ اس نے اپنے مطبخ کے ملازموں کو حکم دیا کہ وہ اس کی ضیافت کی تیاری کریں۔ انہوں نے جلد ہی سالم بھنے ہوئے دنبے اور ابلے ہوئے چاول جو پھلوں کے رس سے میٹھے کیے گئے تھے۔ بڑے بڑے تھالوں میں ان کے سامنے سجا دیے۔ گوبارو جانتا تھا کہ ایرانی شراب نوشی کا کوئی اچھا ذوق یا سلیقہ نہ رکھتے تھے جب ضیافت اپنے اختتام کو پہنچ چکی تو قدرے توقف کے بعد گوبارو اپنے سرداروں کے ساتھ سائرس کے پاس پہنچا اور اس سے اس کی آمد کی غرض وغایت دریافت کی۔

نوجوان آرین نے خیال کیا کہ یہ عیلامی بھی بڑی حد تک اس یہودی سوداگر ہی کی مانند تھے انہوں نے اپنی شائستگی اور خوش اخلاقی کے پردے میں اپنے خیالات و تفکرات پوشیدہ کر رکھے تھے۔ اسے ڈپلومیسی نہ آتی تھی اور نہ ہی وہ اس قسم کی عیارانہ تقریریں کر سکتا تھا۔ اس لیے اس نے ان سے صاف طور پر بات کی۔ اس نے ان کی عیلام کے کھنڈرات کو حیات نو بخشنے کی کوششوں کو سراہا۔ شوشان بہرکیف انشان کی حدود ہی میں واقع تھا اس لیے اس نے ان سے کہا کہ اگر وہ اس کے باپ کمبی سس کو سالانہ خراج ادا کرنے لگیں تو اس کی طرف سے انہیں ہر قسم کے تحفظ کی ضمانت دے دی جاتی ہے گی۔

یہ عیلامی ایرانیوں سے زیادہ قانون کا علم رکھتے تھے گوبارو نے سائرس سے پوچھا کہ کہیں وہ اس سے اس کا مطالبہ تو نہ کرے گا کہ وہ ہر سال پارس کو عمدہ قسم کے نسایانی گھوڑوں کی کھیپ پہنچا دیا کرے؟ سائرس نے اس سے کہا کہ ایرانیوں کا قانون اسے اس کی اجازت نہیں دیتا کہ وہ اس قسم کے گھوڑے کسی سے تحفتاً حاصل کرے یا کسی کو تحفتاً یا خراجاً دے۔ اس پر گوبارو مسکرایا۔ "پھر بھی کمبی سس اس نسل کی گھوڑیاں اور گھوڑے ہر سال میڈیا کے بادشاہ کو خراجاً دیا کرتا ہے۔"

"میرا باپ اپنے طورانشان پر حکومت کرتا ہے۔" سائرس خفگی سے بولا۔ "سفید گھوڑوں کا وہ تحفہ میرا باپ استیاگس نیزہ باز کو صرف اظہارِ دوستی کے طور پر دینا ہے۔"
سائرس نے محسوس کیا تھا جیسے گوبارو یہ چاہتا تھا کہ وہ ارانوں کی بجائے میدیوں کا باج گزار بن جائے۔ "اور ہم معزز اور فتح یاب ہم نشینوں کو صرف اپنی دوستی کی پیش کش کر سکتے ہیں۔" گوبارو نے کہا اور اس نے اپنی جیب میں سے سیاہ پتھر کی ایک چھوٹی سی تختی باہر نکال لی۔ اس پر کچھ الفاظ کھدے ہوتے تھے۔ اس نے ان پر انگلیاں پھیرتے ہوئے با نہیں پڑھا۔
"میں بخت نصر کلدانی ہوں۔ میرا انصاف وہاں تک پھیلا ہوا ہے جہاں تک سورج کی روشنی پہنچ سکتی ہے۔ تمام زبردستوں اور کمزوروں کو چاہیئے کہ وہ مجھ سے انصاف کے طلب گار ہوں۔ میں ان کے ساتھ پورا پورا انصاف کروں گا۔" پھر گوبارو نے سائرس کو بتایا کہ وہ عظیم بخت نصر کی اجازت ہی سے شوشان کے کھنڈرات کو حیاتِ نو عطا کرنے آیا تھا اور اس سلسلے میں اسے بخت نصر کا مکمل تحفظ اور حمایت حاصل تھی۔ بخت نصر یعنی بابل کے عظیم و باجبروت بادشاہ کی۔
اس پر سائرس نے محسوس کیا کہ اس کے پاس اب کہنے کو کچھ باقی نہ رہ گیا تھا۔ وہ صرف انکار کر سکتا تھا کہ صبح ہوتے ہی اسوارن کے بہادروں کو حکم دے کہ وہ شوشان میں لوٹ مار کا بازار گرم کر دیں۔ لیکن پھر اس کو اس حسین لڑکی کی التجا یاد آئی۔ اس نے فیصلہ کیا کہ اسے رحم و تلطف سے کام لینا چاہیئے۔ وہ اچانک ہی زور سے ہنس پڑا۔ اسے یوں محسوس ہوا جیسے اس کا دل ہلکا پھلکا ہو گیا ہو۔
"پھر ٹھیک ہے سردار گوبارو۔ ہمیں باہم دوست ہی بن جانا چاہیئے۔ تم اتنا کرو کہ مجھے ایک نیا ہل اور بیج فصل اگانے کے لیے تحفے کے طور پر دے دو۔"
ذہین و عیار گوبارو کو پہلی مرتبہ شدید تحیّر سے دوچار ہونا پڑا۔ "شوشینک کی قسم!

ایک ہخامنشی کے الفاظ پیغمبر پر کھدے ہوتے قرا بین سے زیادہ وزن دار ہیں۔
سائرس: میں نے تمہاری دوستی کی درخواست سن لی ہے۔"

اگلی صبح جب سائرس کا قافلہ وہاں سے رخصت ہونے لگا تو گوبارو نے ایک نیا بیل، بچوں، چاولوں اور مصالحوں کی کئی بوریاں سائرس کو پیش کیں۔ پھر وہ سائرس کو اس کے آدمیوں سے الگ اپنے ہمراہ لیے پل کی طرف بڑھ گیا۔ نیچے دریا کا بہاؤ اتنا تیز تھا کہ پانی کی گڑگڑاہٹ میں وہ ایک دوسرے کی باتیں ٹھیک طرح نہ سن سکتے تھے۔ شوشان کا سردار پل پر پہنچ کر بہتے ہوتے پانی کو اس طرح دیکھنے لگا گویا وہ خاموشی کی زبان میں اس سے کچھ کہہ رہا ہو۔ پھر اس کے چہرے کے تنے ہوتے عضلات ڈھیلے پڑ گئے۔

" رکھوالے" اس نے سائرس کو مخاطب کیا۔ اس کی آواز اتنی مدہم تھی کہ سائرس بمشکل ہی اسے سن سکا۔ " میں نہ تو یہودیوں کا کوئی پیغمبر ہوں اور نہ ہی انسانوں کی تقدیر کا مطالعہ کرنے والا ستارہ داں ہوں۔ میں ایک کلدانی ہوں۔ میری روح عیلام میں محصور ہے۔ اس عظیم معمار اور فاتح بخت نصر کلدانی کی میں نے پوری وفاداری اور جانثاری سے خدمت کی ہے۔ دیوتا اسے طویل عمر عطا کریں۔ لیکن بیماری کے سات شیطان بھی ضرور اس پر حملہ آور ہوں۔ جب تمہیں یہ خبر ملے کہ بخت نصر مر گیا ہے" اس کی آواز سرگوشی میں تبدیل ہو گئی۔ " تو تم بعجلت تمام گھوڑے پر سوار ہو کر یہاں میرے پاس آ جانا۔ ہم انتہائی ضروری باتوں پر تبادلہ خیالات کریں گے" وہ پانی کی طرف دیکھ کر مسکرایا۔ " تم بخیر و عافیت مجھ تک پہنچ جاؤ گے رکھوالے"

یوں گوبارو عیلامی نے ہخامنشیوں کے ساتھ اپنے دوستانہ تعلقات کی بنیاد رکھی۔ ایرانی گھڑ سوار شوشان کے گرد و غبار اور گرمی سے نجات پا کر بے حد مسرور تھے۔ وہ مکھیاں اڑا اڑا کر اور کیڑے مکوڑوں کے کاٹنے پر جسم کھجا کھجا کر تنگ آ چکے تھے۔ جب

سائرس پارس گرد واپس پہنچا تو اس نے اپنے خوشان پہنچنے اور گوبارو سے ملاقات کا تمام قصہ کمبی سس اور کسندان کو کہہ سنایا۔ صرف اس نے اپنی اور گوبارو کی آخری گفتگو انہیں نہ بتائی۔ کسندان کو یہ جان کر بہت افسوس ہوا کہ چرب زبان عیلامی نے اسے کس طرح اپنے دامِ فریب میں پھنسا لیا تھا اور خراج کا معاملہ دبا دیا تھا۔ البتہ کمبی سس عیلامی سردار کا تحفتاً دیا ہوا ہل دیکھ کر بے حد خوش ہوا۔ اس نے اس پر اظہارِ خیال کرتے ہوتے کہا کہ کیسپنیوں کو اس ہل کا استعمال سکھانا خاصا مشکل کام ثابت ہوگا۔

پھر سائرس نے فیصلہ کیا کہ اسے اپنے باپ کے ہمراہ میڈیا جانا چاہیئے۔ اس نے فیصلہ کیا کہ اگلے سال جب گھاس کٹ جائے گی۔ تب ہی میڈیا کا سفر کرے گا۔ وہ اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہتا تھا کہ آخر میڈیا کا باج گزار ہونے کا کیا مطلب تھا۔ اس نے اپنے ذہن میں کوئی صاف اور واضح منصوبہ بنانے کی ضرورت نہ محسوس کی۔ اگر وہ اس سفر کے بارے میں کچھ سوچ بچار کر لیتا تو شاید وہ آنے والے خطرات سے محفوظ رہ سکتا تھا۔

نینوی کی تباہی کا راگ

اگبتانا، اس بادشاہ کا شہر جو کئی بادشاہوں کا بادشاہ تھا، دور شمالی سرد علاقے میں واقع تھا۔ اس کے بھورے پتھروں سے بنی ہوئی فصیلیں گھنے پائن کے جنگلات سے ڈھکی بڑی بلندی پر برف پوش پہاڑی چوٹیوں کے دامن میں پھیلی ہوئی دکھائی دیتی تھیں۔ اس جگہ کے لغوی معنی تھے جلسے اجتماع۔ کیونکہ میدیوں کا خیال تھا کہ ان کے آباؤ اجداد نے اسی جگہ پہلی مرتبہ آوارہ گرد میدی قبائل کو متحد کیا تھا اور اسی مقدس کوہ الوان کے دامن میں انہیں ایک باقاعدہ قوم کی شکل دی تھی۔ ورنہ اگبتانا یا ہمدان کی اہمیت صرف اتنی تھی کہ یہ ہیرکانی سمندر کے قریب سے گزرنے والی تجارتی شاہراہ کے قریب جو مشرقی ممالک سے نینوی کی طرف جاتی تھی، ایک کاروان سرائے تھا یا مقام پڑاؤ تھا۔

میدی خود ایرانی النسل تھے اور فارسیوں کے خونی رشتہ دار تھے۔ جیسا کہ ان کا دعویٰ تھا۔ وہ اب بھی مختلف قبائل میں بٹے ہوتے تھے۔ میدی اور فارسی ایک ہی زبان بولتے تھے۔ مگر ہر چیز کو مختلف زاویے سے دیکھتے تھے۔ کیونکہ میدیوں نے بے شمار سرزمینیں فتح کر لی تھیں۔ جب کہ فارسیوں نے کچھ بھی فتح نہ کیا تھا۔ وہ تو نیم بر باد

شر شان کو بھی فتح نہ کر سکے تھے۔ میدی سیازارس جنگجو کے زمانے سے مسلسل فتوحات حاصل کرتے چلے آرہے تھے۔ جس نے پہلی مرتبہ اشوریوں کے طریقے سے میدی افواج کی تشکیل کی تھی۔ اس نے اپنی افواج میں گھڑ سوار دستوں کو ایرانی طریقوں سے منظم کیا تھا میدی سیازارس کو اپنی شہنشاہیت کا بانی کہتے تھے۔ حالانکہ وہ شہنشاہیت کے تصور سے بھی نابلد تھے۔ اشوریوں کے حکومتی طریقوں کی نقل کرنے سے انہیں اشوریوں کی فوج پر غلبہ پانا زیادہ آسان لگتا تھا۔

استیاگس نیزہ باز نے جو سیازارس کا بڑا بیٹا تھا۔ ایک چاندی کی پلیٹ تیار کروائی تھی جس پر اس نے اپنے تین بزرگوں کے کارنامے رقم کروائے تھے۔ یہ پلیٹ اس کے کمرہ طعام میں اس وقت لے جائی جاتی تھی جب اس کے مہمان کھانے کی میزوں کے گرد نائو نوش کے لیے جمع ہوتے تھے وہ اس پلیٹ کو ضرور دیکھتے تھے خواہ انہیں پڑھنا آتا ہو یا نہ آتا ہو۔ استیاگس انہیں اپنے خاندان کی تاریخ سناتا تھا جواسے ازبر ہوتی تھی۔ وہ بھی نہ بتاتا تھا کہ اس کے باپ سیازارس نے اپنی بیشتر عمر گھوڑے کی پشت پر گزاری تھی جب کہ وہ خود یعنی استیاگس اپنا زیادہ تر وقت نائو نوش کی محافل اور عورتوں کے ساتھ داد عیش دیتے ہوئے گزارتا تھا۔ اس کے محل میں گردو پیش کی ریاستوں کی بہت سی شہزادیاں جمع تھیں۔ ان میں ماندین بھی تھی جو عظیم بخت نصر کی بیٹی تھی استیاگس اپنی قوت اور شان و شوکت کو بخت نصر کے ہم پلہ سمجھتا تھا۔ ان دونوں نے برابری کی بنیاد پر باہم دوستانہ تعلقات قائم کر رکھے تھے۔ اس طرح اس خطے میں طاقت کا توازن قائم تھا۔ میدیوں کے پاس ایک بڑی بہادر لڑاکا فوج تھی۔ جب کہ کلدانیوں کے دفاعی انتظامات ناقابل تسخیر سمجھے جاتے تھے۔ سچی بات یہ تھی کہ استیاگس ایک قسم کے احساس کمتری میں مبتلا تھا۔ جس کی تسکین نت نئی فتوحات ہی سے ہو سکتی تھی۔ دوسری طرف بخت نصر جو عظیم فاتح اور جرنیل تھا۔ ایک بہترین معمار بھی تھا اس نے نہ صرف

اپنے ملک میں بہترین تعمیرات کی نقلیں بلکہ ذرائع نقل وحمل کو محفوظ بنانے کے انتظامات بھی کیے تھے۔ اور تو اور اس نے دریاؤں پر پل بھی تعمیر کروائے تھے۔

وہ آوارہ گرد یہودی سوداگر جس نے گویا روکے ہاتھ ہل اور بیج فروخت کئے تھے۔ استیاگس کے دربار میں بھی جا پہنچا تھا۔ جہاں اس نے اپنے قیمتی سامانِ تجارت بالخصوص اس اعلیٰ قسم کے ارغوانی زربفت کی نمائش کی تھی۔ میدی امرا مول تول کو نہ جانتے تھے کیونکہ وہ رموز تجارت سے قطعی نابلد تھے۔ لیکن جب وہ ناراض ہوتے تھے تو وہ سوداگروں سے ان کا سب کچھ چھین کر انہیں خونخوار کتوں کے حوالے کر دیتے تھے۔ اس یہودی سوداگر نے انہیں اپنے تجارتی سفروں کے حالات خوب مرچ مصالحے لگا کر سنائے تھے۔ اس نے نجا منشی شہر کا تذکرہ بڑے محتاط انداز میں کیا اور اسے ایک باغ بہشت سے تشبیہہ دی۔ وہ یہودی تاجر ہر قسم کی زبانیں فوراً سیکھ جانے کی صلاحیت رکھتا تھا۔ اس لیے اس نے ایک حسین باغ کے لیے فارسی کا لفظ "فردوس" استعمال کیا۔ فردوسِ آدم، کا مطلب یہ لیا جاتا ہے کہ ایک ایسا باغ جس میں انسان سب سے کٹ کر الگ تھلگ رہتا ہو۔ پھر یہ ہوا کہ یہودی سوداگر جو بابل میں اپنے سفروں کے قصے سناتے پھرتے تھے۔ یہ بیان کرنے لگے کہ یہوا نے مشرق کی طرف ایک ایسا قطعہ بہشت پیدا کر رکھا تھا جسے بجا طور پر آدم کی جنت کہا جا سکتا تھا۔ ان کے انبیاء ان سے اکثر اس قسم کی سرزمینوں کی باتیں کیا کرتے تھے مگر ایسی بہشتوں میں ان کا داخلہ صرف ایسی صورت میں ممکن ہو سکتا تھا جب دنیا تباہ ہو جاتی۔ کائنات ریزہ ریزہ ہو جاتی۔ یعنی ما بعد یوم القیامت۔

چنانچہ عیسائیوں کے اس زمانے کے کیلنڈر کے حساب سے کمبی سس اور سائرس ۵۶۳ ق م میں اگبتانا کے سفر پر روانہ ہوئے۔ اس وقت بخت نصر زندہ تھا۔ اور یہودیوں کا بادشاہ یہویاکم بے شمار یہودیوں کے ساتھ بابل کی جیل میں ٹھنسا ہوا تھا۔

سائرس کو پارسہ گرد کی وادی کوئی اتنی دلفریب اور حسین نہ معلوم ہوتی تھی جب وہ

اس گھاٹی میں داخل ہوئے جو شمال کی طرف جانے کا دروازہ کہلاتی تھی۔ تو سائرس اپنے گھوڑے کی لگامیں کھینچ کر پیچھے دیکھنے لگا۔ اس کے سامنے نیچے دور تک ہرے بھرے میدان پھیلے ہوئے تھے جن میں چشمے اور ندی نالے اٹکھیلیاں کرتے بہہ رہے تھے اور ان میدانوں میں ہر سو لالہ کے سرخ پھول بہاریں دے رہے تھے۔ اس وادی کو چھوڑتے ہوئے مجھے ایسی ہی تکلیف محسوس ہو رہی ہے جیسی کہ کسی زخم کی ہوتی ہے۔" اس نے کہا۔

" اگر تم ایسا محسوس کرتے ہو میرے بیٹے۔ تو پھر کیوں اس جگہ سے رخصت ہو رہے ہو" کمبی سس نے اسے سرزنش کی۔ " یہ تمہاری محافظ روح ہوگی جواب بول رہی ہے۔ کہ ہر گز اس قانون کا تذکرہ نہ کرو جس کی رو سے تمہیں میرے ہمراہ سرحد کے اس پار جانا منع ہے۔ گزشتہ شب کا ہی ذکر ہے میں نے خواب دیکھا تھا کہ آزی ضحاک کے زہریلے سانس تمہارے جسم پر پڑ گئے ہیں اور تم دوران سفر بیمار پڑ گئے ہو۔" کمبی سس کو جب کبھی کسی آسان اور اپنے مطلب کی تعبیر کی ضرورت محسوس ہوا کرتی تھی تو وہ اپنے خوابوں کو اسی طرح بیان کر دیا کرتا تھا۔ سائرس چاہتا تھا کہ وہ فوراً ہی واپسی کے لیے مڑ جائے۔ گو وہ اپنے باپ کے خواب کی تعبیر کو سچ ثابت کر دکھانے کو ہرگز تیار نہ تھا۔ " اور میں نے خواب دیکھا ہے۔" وہ ہنستے ہوئے بولا۔ " کہ جونہی میں اکبتانا کے دروازے میں داخل ہوتا ہوں۔ لوگوں کا ایک ہجوم میرے سامنے سجدہ ریز ہو جاتا ہے۔"

" یہ دیکھنے سے پہلے تم اپنے جسم کے ٹکڑے اڑوا لوگے۔ اگر تم نے اپنی محافظ روح کی باتوں پر کان نہ دھرا تو تمہیں بد روحوں میں سے ایک جو ہر دم تمہارے ساتھ رہتی ہے تمہاری زندگی کو ہلاکت میں ڈال دے گی۔"

" نہیں؟ یہ تمہیں بد روحیں کیا ہیں۔؟"

" یہ نہیں بد روحیں دراصل تین بلائیں ہیں۔" کبھی سس کا انداز کسی فلاسفر جیسا ہو گیا " یہ ہیں غصہ۔ ایک انجانی عورت اور اندھی جرأت۔" جب سائرس نے کوئی جواب نہ دیا تو کبھی سس اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا۔" ان تینوں میں آخری بلا سب سے بری ہے ایک عقلمند جنگجو اپنے ہتھیار کو دیکھتے ہوئے اپنے دشمن سے بہتر طریقے سے جنگ لڑنے کی سوچتا ہے مگر ایک احمق جنگجو کچھ بھی سوچنے کی ضرورت نہیں سمجھتا اور اس کی اندھی جرأت اسے لے بیٹھتی ہے۔"

اس پر سائرس نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور آگے بڑھ گیا۔ کیا یہ واقعی سچ تھا۔ کہ اس کی تقدیر پر نحوست کے سائے منڈلا رہے تھے! اسے محسوس ہو رہا تھا کہ اس کے باپ کی باتیں خاصی وزن دار تھیں۔ جب وہ نسایانی چراگاہوں میں پہنچے تو انہوں نے دو سفید گھوڑوں اور بیس گابھن گھوڑیوں کو منتخب کیا تاکہ وہ انہیں استیاگس کے حضور بطور خراج پیش کر سکیں۔ میدی افسران محصولات گابھن گھوڑیوں کو اس وقت تک شاہی اصطبل میں نہ بھیجتے تھے۔ جب تک وہ بچے جن کر فارغ نہ ہو جاتی تھیں۔ سائرس نے محسوس کیا تھا کہ وہ چند گھوڑے جوان کے ہاں سے میڈیا لے جاتے جاتے تھے میدیوں کے نزدیک کوئی اتنی اہمیت نہ رکھتے تھے۔ وہ بس اتنا سمجھتے تھے کہ انہیں ایرانیوں سے اس قسم کے گھوڑے جبراً لینے کا بھی حق حاصل تھا۔ پھر جب وہ اگبتانا کے محل میں داخل ہوا تو اس پر اور بھی نئے معلومات کے دروازے کھلے۔ وہاں اس عظیم بادشاہ سے ملنے کے لیے بھانت بھانت کے مہمان آئے ہوتے تھے۔ ان مہمانوں کے انبوہ کثیر میں کبھی سس اور سائرس گم ہو کر رہ گئے۔ کبھی سس نے استیاگس کے دربار میں حاضری دینے سے پہلے اپنا سفری لباس تبدیل کر لیا۔ اس نے اپنے سر پر اپنا پروں والا تاج سجایا اور کتان کا سفید براق لبادہ زیب تن کیا۔ ان کے محافظ سدری والے کلائی میں اپنی کلائیوں میں سونے کے کنگن پہن لیے۔ البتہ سائرس نے استیاگس کے دربار میں جانے

کے یے تبدیلیٔ لباس کی طرف کوئی توجہ نہ دی اور وہ بدستور اپنے سواری کے بوٹ اور اونی ٹوپی پہنے رہا۔

جب وہ دربار کے داخلی دروازے تک پہنچے تو وہاں کھڑے لوہے کے خود پہنے تلوار بکمر سے لٹکائے محافظوں نے اپنے نیزے ان کی طرف تان دیے۔ پھر ایک چیمبرلین جس کے عصا پر شیر کا سر بنا ہوا تھا آگے بڑھا اور ہنامشی بادشاہ اور شہزادے کو خوش آمدید کہی۔ محافظوں نے والکا کو حکم دیا کہ وہ اپنی کمان اور ترکش اتار کر دروازے پر رکھ دے۔ والکا نے مشاملانہ ان کے حکم کی تعمیل کی۔ اور اپنے مالکوں کے پیچھے اندر داخل ہو گیا۔

وہ بڑا ہال جہاں دعوت کا انتظام کیا گیا تھا شور وغل سے گونج رہا تھا۔ دعوت کے شرکا خواہ وہ کھڑے تھے یا بنچوں پر بیٹھے تھے۔ خواہ وہ گوشت کے پارچے بھنبوڑ رہے تھے یا مٹھائیوں سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ باآواز بلند مختلف زبانوں میں آپس میں باتیں کرنے میں مصروف تھے۔ انگیٹھیوں میں خوشبوئیں جل رہی تھیں۔ ہال کی فضا دھوئیں اور طرح طرح کی خوشبوؤں سے لبریز تھی۔ دھوئیں کی چادر میں سے ارغوانی قبائیں اور سونے چاندی کے زیورات جھلک مار رہے تھے۔ ہال میں ایک بلند چبوترے پر انستیاگس اپنے مرمریں تخت پر رونق افروز تھا۔ اس نے اپنے سر پر نیلے اور سنہرے رنگ کا تاج سجا رکھا تھا۔ اس کی داڑھی چھوٹی اور نوکیلی تھی۔ اس کا چوڑا چکلا چہرہ زرد پڑا ہوا تھا۔ اس کے تخت کے دو رویہ میدی سردار کھڑے تھے جن کے سینوں پر لگے ہوئے تمغے اور دوسرے زیورات ان کے عہدوں اور مرتبوں کا اعلان کر رہے تھے۔ سائرس حیرت بھری نظروں سے انستیاگس کو دیکھ ہی رہا تھا کہ چیمبرلین نے، جو اس کے قریب ہی کھڑا تھا، اسے کہنی ماری ”اس طرح مت گھورو! اس نے سرگوشی میں کہا۔ وہاں شاہی خواتین بھی کھڑی ہیں۔“

تخت کے پیچھے بلندی پر ایک گیلری بنی ہوئی تھی۔ جس پر ہاتھی دانت کا منقش کام کیا گیا تھا۔ اس گیلری پر باریک پردہ پڑا ہوا تھا۔ اس پردے کے پیچھے سائرس کو خواتین کی ہلکی سی جھلک دکھائی دے رہی تھی۔ وہ اس گیلری میں پوشیدہ دعوت کا نظارہ کر رہی تھیں۔ بادشاہ کے قدموں میں ایک شاعر بیٹھا تھا۔ جو اس کی شان میں بلند آواز سے قصیدہ گوئی کر رہا تھا۔ اسنیاگس کی نظریں اپنے مہمانوں کا جائزہ لے رہی تھیں۔ جونہی اس کی نظر کمبی سس کے پروں والے تاج پر پڑی اس نے ہاتھ کے اشارے سے شاعر کی قصیدہ گوئی روک دی اور چلاّ کر شور و غل کو بند کروا دیا اور تخت پر سے اٹھ گیا۔ "دیکھو! وہ ہے میرا عزیز شاہ انشان!" اور یہ اس کا بیٹا!"

سائرس کو حیرت ہوئی کہ استقبال کی یہ رسم اسی وقت ختم ہو گئی اور چیمبرلین نے چھڑی کے اشارے سے انہیں اس میز کی طرف بڑھنے کی ہدایت کی جو استیاگس کے تخت والے چبوترے کے نیچے شاعر کے قریب ہی بچھائی گئی تھی۔ وہاں کمبی سس اور سائرس ایک دوسرے سے کچھ فاصلے پر بنچ پر بیٹھ گئے۔ چیمبرلین نے سائرس کے بیٹھنے کی جو جگہ بنائی تھی۔ وہ ایک عموری سردار اور ایک خاموش طبع کلدانی کے درمیان واقع تھی۔ عموری سردار سے اونٹوں کی بو آ رہی تھی۔ کلدانی نے اپنی تھوڑی پر نقلی لہردار داڑھی لگا رکھی تھی اور اپنے گلے میں بہت سے ہار پہن رکھے تھے تاکہ وہ محترم و معزز معلوم ہو۔ شاعر کی انتھک آواز برابر میدی بادشاہ کی شان میں قصیدے الاپ رہی تھی۔

"۔۔۔ اور نینوا کی گلیوں میں خون ہی خون بہہ رہا تھا۔ وہ فاتح میدیوں کے گھوڑوں کے پیٹ تک پہنچ رہا تھا۔ ساٹھ ہزار سے زیادہ اشوری میدیوں کے فاتح بادشاہ کے سامنے قیدی بنا لیے گئے۔ سونے سے لدے رتھوں، خچروں، مویشیوں اور گدھوں کی تعداد کا ٹھکانا ہی کیا۔ اشوری عورتوں اور بچوں کے رونے، ماتم و زاری کرنے کی آوازیں میدیوں کے عظیم بادشاہ کے نزدیک ایسی تھیں جیسے شہنائیوں کی آوازیں۔ میدیوں کا

بادشاہ جو بڑا عظیم و باجبروت بادشاہ ہے۔ جو کئی بادشاہوں کا بادشاہ ہے۔"
ضیافت کے شوروغل میں شاعر کے الفاظ کبھی سنائی دیتے تھے کبھی دب جاتے تھے۔ نینوا کی تباہی کی داستان سائرس کو اس داستان کی مانند معلوم ہو رہی تھی جو اس نے شوشان میں ایک سنگی تختی پر کھدی دیکھی تھی۔ جس میں نینوا کے بادشاہ اشور بنی پال نے اپنے ہاتھوں علیام کی تباہی کا پُر فخر تذکرہ کر رکھا تھا۔ سائرس نے محسوس کیا تھا کہ اس کے باپ کے رویے میں کچھ سرد مہری کی جھلک دکھائی دے رہی تھی۔ اس لیے اس نے کچھ پُر وقار اور سنجیدہ رویہ اختیار کیا اور اپنے میز کے ساتھیوں سے مخاطب ہو کر بولا۔
" وہ پتھر کی عورت ہے۔ وہ بھی کیا نینوا کے مال غنیمت میں شامل تھی؟ استیاگس کے تخت سے کچھ فاصلے پر دیوار کے ساتھ ایک سرخ رنگ کا ہموار پتھر لگا کھڑا تھا جس پر ایک حسین عورت کی شبیہہ بنی ہوئی تھی۔ وہ عورت سفید لبادہ پہنے تھی اور اس کے سر پر تاج سجا تھا وہ ایک دھاڑتے ہوئے شیر پر سوار تھی۔ اس کے سر کے اوپر ستارے چمک رہے تھے اور ہاتھ میں ایک نیزہ تھا۔ عوری نے گردن گھما کر اس پتھر کی طرف دیکھا اور بولا۔
" وہ عورت؛ شاید وہ کوئی دیوی ہے جو ایک غضب ناک شیر پر سوار ہے۔"
" وہ دیوی عشتار ہے۔" کلدانی نے وضاحت کی۔" یہ دیوی سلامتی اور ہلاکت دونوں کی دیوی ہے۔ یہ دیوی ہماری ملکہ ماندین کی محافظ ہے۔ بابل کی عظیم شہزادی اپنی دیوی کا یہ مجسمہ اپنے ساتھ بابل سے لائی تھی۔"
" میں نے سنا ہے کہ اس دیوی کو بابل کی عظیم کسبی بھی کہتے ہیں۔" عوری بولا۔ کلدانی عوری کی بات پر کسی بدکے ہوئے گھوڑے کی طرح ہنہنایا۔" عشتار کی شان میں گستاخی کرنے سے پہلے دو مرتبہ سوچ لیا کرو۔ اس دیوی کا ستارہ وینس ہے

اور یہ کئی دیوتاؤں کی منظورِ نظر ہے۔ ایک مرتبہ عیلامیوں نے اپنی فتح کی نشانی کے طور پر اس کا مجسمہ اٹھوالیا تھا اور اپنے ساتھ لے گئے تھے۔ اس پر دیوتاؤں نے ناراض ہو کران پر ہلاکت اور تباہی نازل کی تھی۔ اس کے بہت سے نام ہیں۔ کیونکہ وہ ہر جگہ موجود ہے۔ وہ عورتوں کی محافظ دیوی ہے اور ان مردوں کو ہلاک کر دیتی ہے جو اس کی زیرِ حفاظت عورتوں کو نقصان پہنچانے کے درپے ہوتے ہیں۔" اس نے سائرس کی طرف دیکھا اور اپنی آواز مدہم کرلی۔" کچھ کھانا پینا شروع کرو، انشان کے شہزادے۔ شاہ استیاگس دو مرتبہ تمہاری طرف دیکھ چکا ہے۔"

دفورِ جوش میں سائرس کو کھانے پینے سے کوئی رغبت محسوس نہ ہو رہی تھی۔ بھوک سے بے تاب والکا اس کے کان میں کئی بار سرگوشی کر چکا تھا۔ اس نے جلدی سے بھیڑ کی بھنی ہوئی ران تھال میں سے اٹھائی اور والکا کو دے دی۔ اسی وقت اس نے شاہ استیاگس کی آواز سنی۔

" ہماری غذا کیا ایسی ہی قابلِ نفرت ہے سائرس۔ جو تم اسے کھانا نہیں پسند کرتے۔ شاید تمہیں یہ ڈر بھی ہے کہ کہیں اس میں زہر نہ ملا دیا گیا ہو۔"

ہال میں ایک دم ہی سکوتِ مرگ کی سی خاموشی چھاگئی۔ استیاگس سائرس کو تیز نظروں سے گھور رہا تھا۔ کمبی سس پریشان ہو کر اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ ایک بڑے بادشاہ کی ضیافت میں کچھ کھانے پینے سے مجتنب رہنا گستاخی کی انتہا تھی۔ اس کا مطلب تھا۔ سائرس کو استیاگس کا مہمان بننے سے نفرت تھی۔ پھر بھی اس کا دل نہ چاہا تھا کہ کچھ کھاتے پیتے۔ یہ کہنا کہ وہ بیمار تھا۔ جھوٹ ہی ہوتا۔ وہ معذرت کا کوئی بہانہ سوچ ہی رہا تھا کہ ایک بھاری ہاتھ نے اس کا کندھا جکڑ لیا اور اسے تالیوں کی طرف دھکیلا۔ یہ استیاگس کا ایک مسلح سپاہی تھا جو اس کو تہذیب سکھانے پر تل گیا تھا۔

پھر چند ہی لمحات میں سب کچھ ہو گیا۔ غصے سے پیچ و تاب کھاتے ہوئے سائرس

نے اس سپاہی کو پرے دھکیل دیا۔ والکانے اسے اٹھا کر سر سے بلند کیا اور فرش پر دے مارا۔ اس پر دو سپاہی نیزے تانے آگے بڑھے اور والکا کو چھید ڈالا۔ سائرس اچھل کر تخت سے اترا اور اپنی تلوار بے نیام کرکے والکا کے دونوں تاتاری اجنبیوں کی گردنیں اڑا دیں ان کے بے سر لاشوں سے خون ابل ابل کر زمین کو رنگین کرنے لگا۔ میدی سپاہیوں کی ایک قطار اپنی ڈھالیں سامنے کیے سائرس کو گھیرے میں لینے کے لیے آگے بڑھنے لگی۔ سائرس پیچھے ہٹتے ہٹتے دیوار سے جا لگا۔ ان سپاہیوں کے نیزے کسی وقت بھی اس کا جسم چھید سکتے تھے۔ اس کا یہ قصور کچھ معمولی نہ تھا کہ اس نے ایک بادشاہ کی ضیافت میں قتل کا ہنگامہ کھڑا کیا تھا۔ اس طرح اس نے شاہی ادب آداب کا مذاق اڑایا تھا۔ اس نے ہاتھ میں پکڑی تلوار کو تیزی سے حرکت دی اور اپنی طرف تنے ہوئے نیزوں کو کاٹ دیا۔ استیاگس خاموشی سے یہ سارا تماشا دیکھ رہا تھا۔

پھر ہال کی پُرسکوت فضا میں ایک عورت کی نغمہ بار آواز بلند ہوئی "یہ میں ماندین کہہ رہی ہوں۔ یہ بہادر ہخامنشی شہزادہ اب میرا بیٹا ہے۔ اسے کوئی نقصان نہ پہنچے۔"

ملکہ خود گیری کے پردے کے پیچھے پوشیدہ رہی۔ تاہم اس کے حکم کی تعمیل استیاگس نے فوراً کروائی۔ سائرس کو کوئی ہوش نہ تھا کہ اس نے تلوار استعمال کر کے اپنے آپ کو کن انجانے خطرات کی آغوش میں ڈال دیا تھا۔ اس نے تلوار اپنے ہاتھ سے گرادی۔ میدی سپاہیوں نے والکا کی لاش اٹھائی اور ہال سے باہر نکل گئے سائرس بھی ان کے پیچھے ہولیا اور کسی اندھے کی مانند محل کی غلام گردشوں میں چکرانے لگا۔ اسے باہر نکلنے والے راستے کی تلاش تھی۔ پھر ایک غلام گردش میں چکراتے ہوئے ایک دم ہی بھڑکیلے لباس میں ملبوس ایک خواجہ سرا اس کے قریب آگیا "سردار سائرس" اس نے اس سے سرگوشی میں کہا "آپ بڑے خطرات

میں گھر چکے ہیں۔ لیکن یہ ملکہ کا دل ہے۔ جو آپ کی ماں ہیں۔ انہوں نے حکم دیا ہے کہ آپ رات کو دروازے بند ہونے تک ایک محفوظ جگہ پر پوشیدہ رہیں۔ آیئے۔ میں آپ کو اس محفوظ جگہ پر لے چلتا ہوں۔"

اتنا کہہ کر ماندین کا یہ ملازم گربہ قدمی سے کسی سائے کی مانند سائرس کے آگے آگے ہو لیا اور سائرس اس کے پیچھے پیچھے چل پڑا۔

بڑی دیوی کی مہربانی

میدیں بادشاہ کے محل کی غلام گردشوں میں گزرتے ہوئے سائرس کو اپنی محافظ روح کی موجودگی محسوس ہو رہی تھی۔ یہ "فراواشی" یا فرشتہ غیر مرئی طور پر اس کے دائیں طرف چل رہا تھا۔ اس نے اسے سنائی نہ دینے والی آواز میں خبردار کیا کہ ان دیکھے خطرات اس کی تاک میں تھے۔

اب تک سائرس اپنے پہاڑوں میں ایسے محفوظ تھا جیسے کوئی بچہ شکمِ مادر میں محفوظ ہوا کرتا ہے۔ اپنے پہاڑوں میں وہ جہاں چاہتا تھا گھوڑا دوڑاتا پھرتا تھا۔ اسے کوئی نقصان پہنچانے والا نہیں تھا اور اب وہ ان دیکھے خطرات میں گھر چکا تھا۔ اس کی محافظ روح اسے ہدایت کر رہی تھی کہ وہ بلا توقف دوڑتا ہوا اصطبلوں کی طرف چلا جائے اور ایمبا کے ہمراہ گھوڑے پر سوار ہو کر اپنی جائے امان پارس گرد کی طرف روانہ ہو جائے۔ مگر وہ فراواشی کی ہدایت پر کان دھرنے کی بجائے پھولی سانسوں کے ساتھ خواجہ سرا کے پیچھے دوڑتا رہا۔ اس وقت اس کے ذہن میں یہ خیال تھا کہ اجنبی دشمنوں کے نرغے سے بچنے میں اس کی عقل و خرد اس کی مدد کرے گی۔ یوں بھگوڑا بن کر وہ اپنے لڑکپن کو ہمیشہ کے لیے پیچھے چھوڑ آیا۔

خواجہ سرا اسے اپنے ہمراہ لیے ایک دروازے میں سے گزر کر انگوروں کی بیلوں والے ایک باغ میں داخل ہو گیا اس کے آخری سرے پر ایک باڑ لگی تھی جس میں ایک سنگی دروازہ نصب تھا جس پر استیاگس کی شبیہہ کھدی ہوئی تھی جس میں اسے ایک ببر شیر کو ہلاک کرتے دکھایا گیا تھا۔ اس منظر نے سائرس کو کچھ اتنا متاثر نہ کیا۔ ایک جگہ پہنچ کر خواجہ سرا نے ادھر ادھر دیکھا۔ پھر کھمبوں کی باڑ میں بنے ہوتے ایک دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ یہ دروازہ بند تھا۔ مگر خواجہ سرا نے اسے کسی ترکیب سے کھول ڈالا' اور سائرس کو اندر داخل ہونے کا اشارہ کیا۔

" اس جگہ تمہیں کوئی تلاش کرنے نہ آئے گا " اس نے باغ کے عقب میں ایک بھوری دیوار کی طرف اشارہ کیا جس کی بلندی پر ایک چبوترہ بنا ہوا تھا جس پر ایک خیمہ نما چھت سائبان کیے ہوتے تھی " وہ ماندین کا محل ہے۔ وہاں مسلح محافظ ہر دم پہرہ دیتے رہتے ہیں۔ اس نے تمہارے لیے حکم بھیجا ہے کہ جب آسمان پر تارے پوری آب و تاب کے ساتھ جگمگانے لگیں تو تم اس کی تلاش میں اس کے محل میں داخل ہو جاؤ۔ اگر تم ہمت سے کام لے کر ماندین تک پہنچ گئے تو سمجھ لو کہ تم اب محفوظ ہو گئے ہو۔"

جب سائرس دروازے میں سے گزر کر باڑ کے دوسری طرف پہنچ گیا تو پیچھے سے دروازہ بند کر دیا اور اس کی زنجیر چڑھا دی۔ پھر اس نے تمسخرانہ مسکراہٹ کے ساتھ نوجوان مہنمشی کو دیکھا۔ اس کی سیاہ آنکھوں میں لطف اندوزی جیسی کیفیت تھی۔ دوسرے ہی لمحے وہ اندھیرے میں تحلیل ہو گیا۔ سائرس نے پہلے زمین پر گھوڑوں کے سموں کے نشانات کو دیکھا۔ پھر اس نے اپنے ارد گرد پھیلے جھاڑ جھنکار پر نگاہ کی۔ اس جگہ کو ایک چھوٹا سا جنگل کہا جا سکتا تھا۔ وہاں ہر قسم کی جھاڑیاں' پودے اور درخت بے تحاشہ اگے ہوتے تھے۔ جونہی وہ صنوبر کے درختوں کے ایک جھنڈ کی طرف بڑھا

دہاں چھپا ہوا ہرنوں کا جوڑا خوف زدہ ہو کر وہاں سے بھاگ کھڑا ہوا۔ ایک جنگلی گدھے نے بھی اپنا سر جھٹکا اور ان کے پیچھے بھاگ اٹھا۔ سائرس پہاڑوں میں رہنے کے سبب جانوروں کی عادات اور رویوں کا علم رکھتا تھا، سمجھ گیا کہ وہ جگہ کوئی باغ وغیرہ نہیں تھی بلکہ شکار گاہ تھی۔ استیاگس کے حکم سے وہاں درندے لا کر چھوڑے جاتے تھے۔ جن کا وہ اسی طرح اپنے محل میں بیٹھے بیٹھے شکار کھیلا کرتا تھا۔ سائرس صنوبر کے ایک درخت کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھا ہی تھا کہ ایک قوی الجثہ نوجوان شیر وہاں آنکلا اور دروازے کے آس پاس کی زمین سونگھتا ہوا وہاں چکر لگانے لگا۔

ہر چند کہ سائرس کے پاس کوئی ہتھیار نہ تھا۔ تاہم وہ اس شیر سے ہرگز خوفزدہ نہ تھا۔ ایک جنگلی بیل یا سؤر سے اسے واقعی خطرہ لاحق ہو سکتا تھا۔ کیونکہ یہ جانور ہر حالت میں انسانوں پر حملہ آور ہو جاتے تھے۔ مگر یہ جانور اس جگہ موجود نہیں تھے شاید انہیں زندہ سلامت پکڑ کر اس جگہ نہ لایا جاتا ہو گا۔ البتہ ایک شیر جب تک زخمی نہیں ہوتا یا بھوکا نہیں ہوتا انسانوں پر حملہ نہیں کیا کرتا اور اس شیر یعنی شہنشاہ جنگل کی، جیسا کہ شہر کے لوگوں نے اس درندے کو خطاب دے رکھا تھا، توجہ اس جگہ پھنسے ہوئے انسان کی بجائے دروازے پر مرکوز تھی۔ کچھ دیر تک وہ دروازے کے پاس چکر لگاتے رہنے کے بعد شیر زمین پر پھیل کر بیٹھ گیا اس کا منہ دروازے ہی کی طرف تھا۔ سائرس اپنی جگہ ساکت بیٹھا سورج کے برفانی پہاڑوں کے عقب میں ڈوبنے کا انتظار کرنے لگا۔ اسی وقت بیرونی باغ میں مسلح محافظ دو دو کے گروہوں میں چلتے ہوئے نمودار ہوئے، انہوں نے اپنے کندھوں پر نیزے تان رکھے تھے۔ وہ باڑے کے قریب پہنچ کر شکار گاہ کی طرف دیکھنے لگے۔ پھر سائرس نے انہیں بلند آواز میں ہنستے سنا۔ اسی وقت اس پر یہ حقیقت آشکارا ہوئی کہ وہ پہلے ہی جانتے تھے کہ وہ اس وقت شکار گاہ میں چھپا ہوا تھا۔ شاید اس خواجہ سرا نے انہیں اس کے

بارے میں بتا دیا تھا۔ اب یہ ہو گا کہ محل کے لوگوں کو اس کا مذاق اڑانے کا اچھا موقع مل جائے گا۔ اس کے لیے تاریکی میں بھی ان مسلح محافظوں کے درمیان سے گزر جانا بعید مشکل کام تھا جنہیں اس کی آمد کے بارے میں پہلے ہی سے خبردار کر دیا گیا ہو گا۔

انہی پریشان خیالوں کے درمیان سائرس کو وفادار والکا کی افسوسناک موت کا منظر یاد آ گیا۔ اس نے اپنے دل میں اپنے اس وفادار محافظ کے لیے بے حد رنج اور غم محسوس کیا۔ وہ سوچنے لگا کہ اسے والکا کی لاش کے پیچھے ہال سے باہر نکل آنے کی بجائے وہیں رہ کر استیاگس کے آدمیوں کو لڑنے کے لیے للکارنا تھا اور اس طرح اپنے وفادار خادم کی موت کا بدلہ لینا تھا۔ مگر اس نے اپنی عقل استعمال نہ کی تھی اور اب اس خواجہ سرائے اسے اس خطرناک جگہ پر لا چھوڑ کر اس کے لیے استیاگس کے محل میں واپسی کا راستہ بند کر دیا تھا۔ سائرس اس بارے میں نہ سوچنا چاہتا تھا کہ آخر ماندین کس قسم کی عورت ہو گی۔ وہ آخر کیوں اس پر اچانک مہربان ہو گئی تھی۔ وہ بابل کی اس شہزادی کے بارے میں ویسے بھی کچھ نہ جانتا تھا۔

اس نے سوچنا شروع کیا کہ وہ آخر کس طرح مسلح محافظوں کی نظروں سے چھپ کر ماندین کے محل میں داخل ہو۔ اس کے لیے بہترین طریقہ یہ تھا کہ ان کی توجہ کسی اور طرف مرکوز کر دی جائے۔

جب سورج برف پوش پہاڑوں کے عقب میں غروب ہو گیا اور تاریکی کی چادر دبیز سے دبیز تر ہونے لگی اور آسمان پر ستارے جھلملانے لگے تو سائرس اپنے منصوبے کو عملی جامہ پہنانے پر تیار ہو بیٹھا۔ تھوڑی دیر بعد دو مسلح محافظ ٹہلتے ٹہلتے دروازے کے قریب آ کر کھڑے ہو گئے۔ سائرس نے اپنی جگہ سے حرکت کی اور گربہ قدمی سے دروازے کی جا کر چپکے سے اس کی زنجیر گرا دی اور پھرتی سے ایک طرف ہٹ گیا۔ شیر نے جو دروازے کو کھلتے دیکھا تو وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر اس میں سے گزر کر دوسری

طرف انگوروں کے باغ میں چلا گیا۔ جونہی وہ مسلح محافظوں کو دیکھ کر بڑے غضب ناک طریقے سے دھاڑا۔ وہ چیختے چلاتے سر پر پیر رکھ کر وہاں سے بھاگ اٹھے۔ اب یہ لازم تھا کہ شور و غل سے گھبرا کر شیر باغ میں چکراتا ہوا باہر نکلنے کا کوئی راستہ تلاش کرتا۔ سائرس نے اندھیرے میں دوڑتے ہوئے دیوار تک پہنچنا عقل کے منافی سمجھا اور محتاط قدموں سے چلتا ہوا اس کے قریب جا پہنچا۔ اس نے دیوار کے پاس پہنچ کر ہاتھوں سے اس کی کھردراہٹ کو محسوس کیا۔ یہ دیوار سیمنٹ اور پتھروں سے بڑے بھدے طریقے سے کھڑی کی گئی تھی۔ وہ ابھرے ہوئے پتھروں کو گرفت میں لیے ان پر تیزی سے چڑھتا ہوا اوپر جانے لگا۔ اس کے نیچے باغ میں محافظ مشعلیں لیے ادھر ادھر دوڑتے ہوئے شیر کو تلاش کر رہے تھے جب کہ اس کے اوپر چبوترے کی گیلری سے بہت سی عورتیں نیچے جھانکتی ہوئی یہ تماشا دیکھ رہی تھیں۔ ان عورتوں نے نقابیں نہ اوڑھ رکھی تھیں۔ اس لیے سائرس سمجھ گیا کہ وہ کنیزیں ہی ہوں گی۔ جوں ہی وہ دیوار پر چڑھتا ہوا ان کے سامنے گیلری میں نمودار ہوا وہ چیختی ہوئی وہاں سے بھاگنے لگیں۔

سائرس تیزی سے چبوترے پر اتر آیا اور ان عورتوں کا تعاقب کرنے لگا۔ وہ عورتیں ہلتے ہوئے پردوں کے پیچھے جا کر اس کی نظروں سے اوجھل ہو گئیں۔ سائرس ایک پردے کو ہٹا کر جونہی اندر داخل ہوا تیز روشنی سے اس کی آنکھیں چندھیا گئیں۔ وہ ایک کمرے میں کھڑا تھا۔ جس کی دیواروں پر سفید حریری پردے تنے تھے۔ ان پردوں کے عقب میں ان گنت چراغ جل رہے تھے جن کی روشنی پردوں سے چھن چھن کر آتی ہوئی کمرے کو منور کر رہی تھی۔ اس کمرے میں سامنے کے رخ ایک مرمریں تخت بچھا تھا جس پر ایک عورت کسی مجسمے کی مانند ساکت و جامد بیٹھی تھی اس کے پاؤں سنگ مرمر کے بنے ہوئے دھاڑتے شیروں کے دوسروں پر رکھے تھے۔ پہلی نظر میں وہ کسی دیوی

کا مجسمہ معلوم ہوتی تھی۔ اس کے کمان ابروؤں کے نیچے اس کی آنکھیں البتہ ایک زندہ عورت کی آنکھیں معلوم ہو رہی تھیں۔

وہ کنیزیں اس عورت کے تخت کے دونوں طرف جا کر مودبانہ کھڑی ہوگئیں۔ باہر تاریکی میں شیر کی غضیلی دھاڑیں سنائی دے رہی تھیں۔ سائرس سمجھ گیا کہ شیر زخمی ہو چکا ہے۔ اب محافظ ضرور اسے ہلاک کر دیں گے۔ تخت نشین عورت کی آنکھیں کچھ کشادہ ہوگئیں اور سائرس نے اسے کہتے سنا۔ "میرے اس خادم کو لوہا چھید رہا ہے جس نے انسانوں کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا۔" پھر اس کی آنکھیں سائرس پر مرکوز ہوگئیں۔ "اپنے آپ کو صاف ستھرا کر لو۔" اس نے حکم سے کہا۔ دو کنیزیں فوراً آگے بڑھیں اور سائرس کو بازوؤں سے تھامے ایک بغلی کمرے میں لے گئیں۔ وہ مہکتے پانی کا ایک تالاب تھا۔ اس تالاب کے قریب ہی دیوار پر کتان کے کپڑے ٹنگے ہوئے تھے۔ ان کنیزوں نے تیزی سے سائرس کا میلا کچیلا لباس اتارا اور اسے تالاب کے مہکتے پانی میں غسل کرایا۔ اس کے بعد انہوں نے اس کے جسم پر مختلف پھولوں کی خوشبو والا سنوف ملا۔ پھر انہوں نے اس کے بالوں میں کنگھی کی۔ ان کی ہر حرکت میں تیزی مگر وقار تھا جس سے ثابت ہوتا تھا کہ وہ کوئی ایسی گری پڑی کنیزیں نہیں تھیں۔ ان کے چھوٹے چھوٹے نرم ہاتھ تیزی سے اس کے جسم پر حرکت کر رہے تھے وہ اس کی طرف دیکھ کر دوشیزانہ انداز میں مسکرا رہی تھیں۔ ان کی اس مسکراہٹ سے سائرس کا تناؤ کم ہوتا جا رہا تھا۔ ماندین نے واقعی اپنی کنیزوں کو بڑی اچھی تربیت دے رکھی تھی۔ ہر چند کہ اس نے ہلاک شدہ شیر کو اپنا خادم کہا تھا درحقیقت شیر دیوی عشتار کی سواری کا جانور تھا اور اس دیوی کی آواز ملکہ ماندین کی آواز تھی۔

جب وہ سفید پردوں والے کمرے میں واپس آیا، اس کے قدموں تلے مخملے

ہوتے قالینوں کی وجہ سے اس کے قدموں کی کوئی آواز نہ بلند ہو رہی تھی۔ کمرے کی تمام روشنیاں گل کر دی گئی تھیں۔ صرف ایک پردے کے عقب سے ہلکی ہلکی روشنی چھن رہی تھی۔ ساتھ ہی وہاں سے خوشبو دار دھوئیں کے مرغولے بلند ہو رہے تھے۔ سائرس کو یہ خوشبو بڑی مسحور کن معلوم ہوئی۔ ماندین بدستور اپنے تخت پر نقاب اوڑھے بیٹھی تھی۔ یہ نقاب ایک جھالر دار سکارف کی صورت میں اس کے سر پر سے ہوتا ہوا آنکھوں کو چھوڑ کر باقی چہرے کو ڈھانپتا ہوا کندھوں پر سے ہوتا ہوا اس کے جسم پر پھیلا ہوا تھا۔ جھالر دار ساق پوشش نے اس کے گھٹنوں کو چھپا رکھا تھا۔ سائرس نے محسوس کیا کہ ماندین واقعی ایک بے حد حسین عورت تھی مگر وہ اس کی عمر کا کوئی اندازہ نہ لگا سکا اور نہ یہ اندازہ لگا سکا کہ وہ آخر کیا چاہتی تھی۔

اس کے تحیر زدہ سکوت سے ماندین کو لطف آرہا تھا۔ سائرس میرے قریب بیٹھو۔" وہ بالآخر بول اٹھی۔ "میں نہیں جانتی کہ آخر تمہیں وہاں ضیافت گاہ میں مسلح سپاہیوں کے چنگل سے نکالنے کے لیے کیوں تل گئی تھی۔ شاید اس لیے کہ تم اپنی جرات رندانہ میں مجھے ہی ان سے گھلے لمبے بیٹھے تھے اور میرا کوئی اور بیٹا نہیں ہے۔ تاہم اب ہمارے درمیان ایک اشارہ پیدا ہو گیا ہے اور تمہارے آنے کے وقت بیٹر کی موت پر میں یہ دیکھتی ہوں کہ یہ اشارہ تمہاری روحانی ماں، عظیم دیوی کی طرف سے ہے۔" ماندین خاموش ہو کر کسی سوچ میں گم ہو گئی۔ اس نے دیوی کا سا انداز اختیار کرنے کی کوئی کوشش نہ کی تھی۔ "میری خواہش ہے کہ اس اشارے کا مطلب واضح طور پر سمجھ جاؤں۔ یقیناً وہ عظیم قوت ہمارے درمیان اس رشتے کو قائم ہوتا دیکھ رہی ہے۔ معلوم یہ ہوتا ہے جیسے یہ عظیم طاقت ہم دونوں کی حفاظت کرے گی۔"

سائرس کو یہ دیکھ کر بے حد حیرت ہوئی کہ ماندین نے اس کا کوئی تذکرہ نہ کیا تھا کہ شاہ استیاگس عینی اس کا خاوند اس کا دشمن بن چکا تھا۔ وہ ایک سیاسی دلہن تھی۔

جس کا تعلق بابل کے شاہی خاندان سے تھا۔ اسی لیے شاید اس کے سوچنے کے لیے اپنے خاندان کے علاوہ بھی بہت سی باتیں موجود تھیں نیم تاریکی میں اس کی آنکھوں سے جھلکنے والے تاثرات دیکھنا ممکن نہ تھا اس کے علاوہ کمرے میں چکراتے ہوئے خوشبودار دھوئیں سے سائرس کو اپنا گلا گھٹتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ ماندین کی حرکات کسی ایسی بچیارن جیسی تھیں جو کسی شگون کے طور پر کسی شکار کی قربانی ان دیکھی قوتوں کے سامنے پیش کرنے والی ہو۔ سائرس کو اچانک یاد آ گیا کہ اس نے ابھی تک اس کا شکریہ ادا نہیں کیا تھا۔

" میری والدہ میری پیدائش کے فوراً بعد انتقال کر گئی تھیں " اس نے ماندین سے کہا " اس لیے میں تمہیں اپنی ماں سمجھتے ہوئے تمہارے حضور آدابِ فرزندی پیش کرتا ہوں۔ تم جو میدیوں کی عظیم اور شاندار ملکہ ہو "

ساتھ ہی اسے یوں محسوس ہوا جیسے وہ اس کی بات سن کر آہستہ سے ہنسی ہو۔ حقیقت یہ تھی کہ اس نے احمقانہ سی بات کہی تھی۔ ماندین نے اپنا سر زور سے جھٹکا سکارف اس کے سر سے پھسل گیا اور اس کا سفید رنگ حسین چہرہ بے نقاب ہو گیا۔ "ننھے منے نوجوان۔ کیا تم کبھی اپنے پہاڑوں سے نیچے میدانوں میں اترے ہو؟ کیا تم نے کبھی کسی جنگ میں حصہ لیا ہے؟ تم صرف شوشان تک ہی پہنچ سکے ہو؟ وہ جگہ تو ایک بالکل بے کار اور فضول سی جگہ ہے۔ میں چاہتی ہوں کہ تم دور دراز کے بڑے بڑے شہروں کے سفر کرو۔ اسی طرح ہی تمہاری تقدیر تمہیں عظمت کی بلندیوں پر پہنچا سکتی ہے ورنہ تم ہمیشہ وہی رہو گے جو کہ اب ہو۔ پھر بھی۔ تم میرے بیٹے، ہو یہ میرے لیے خوشی کی بات ہے " اس نے اس کی طرف جھک کر اس کی کلائی میں پڑے ہوئے کنگن کو چھوا " تم یہ کنگن پہنے پھرتے ہو جس پر برائی کے دیوتا کی شبیہہ بنی ہوئی ہے؟ اور اس شبیہہ کے اوپر پر بنے ہوئے ہیں؟ نہیں لاؤ میں ذرا اسے ٹھیک طرح سے

دیکھوں ۔ مجھے تو یہ بچوں کا کوئی کھلونا معلوم ہوتا ہے۔ ان پروں میں بھلا آسمانوں سے کون سی طاقت اتر کر بھر گئی ہے ؟ اور یہ پر بھلا برائی کے دیوتا کا کیا بگاڑ سکتے ہیں جو ہماری زمین پر انتہائی طاقتور سمجھا جاتا ہے ؟"

وہ کنگن بجز ایک خاندانی یادگار کے اور کچھ نہ تھا۔ اور اس کی دادی کی محافظ دیوی انا ہتیا صرف ندیوں نالوں کے یخ بستہ پانیوں میں ہی اپنا جلوہ دکھایا کرتی تھی۔ ماندین کے سیاہ لہردار بال اس کے چہرے کو چھو رہے تھے۔ اس کے بال انتہائی سیاہ اور خوبصورت تھے "معزز خاتون" اس نے کہا "میں نے بدی بہت دیکھی ہے۔ قحط اور خشک سالی کی صورت میں ۔ بھوک اور مہلک بیماری کی صورت میں ۔"

اس کے علاوہ اور کسی صورت میں نہیں سائرس میرے بیٹے " ماندین ایک مرتبہ پھر اس کے انتہائی قریب ہوتے ہوئے خیالوں ہی خیالوں میں بہت دور چلی گئی " معزز و محترم خاتون کا خطاب صرف ایک ہی عورت کو سزاوار ہے۔ عظیم دیوی کو۔ اس دیوی کو مردوں کی نسبت عورتیں زیادہ اچھی طرح سے جانتی ہیں۔ کیونکہ صرف نامرد قسم کے مرد ہی اس کی قربانگاہ کی خدمت کر سکتے ہیں اگر وہ دوسرے آدمیوں کا خون قربانی کے لیے لے لیتی ہے اور اکثر اوقات وہ ان کا مادۂ تولید ان کے جسم سے نکال کر ان مردوں کے جسم میں داخل کر دیتی ہے جو زرخیز نہیں ہوتے ۔ وہ پیدائش اور زرخیزی کی دیوی ہے۔ کیونکہ وہ یعنی عشتار، جیسا کہ اسے بابل میں کہا جاتا ہے۔ آرالو کی سیر کو جاتی ہے۔ یعنی دوزخ کی سیر کو۔ جہاں تمام برائیوں کا سرچشمہ نرگال حکومت کرتا ہے۔ پھر سورج کیوں ہماری زمین کو جھلسائے دیتا ہے ؟ فصلیں کیوں تباہ ہو جاتی ہیں ؟ پانی کے سوتے کیوں خشک ہو جاتے ہیں ؟ اور مٹی کی زرخیزی کیوں جاتی رہتی ہے جیسا کہ تم دیکھتے ہو ؟"

ماندین اپنے سونج ذکر میں بہت دور جا پہنچی تھی۔ اس کی نرم نغماتی آواز اب اسے
بتا رہی تھی کہ کس طرح حسین عشتار تن تنہا دوزخ کے سات دروازوں میں سے گزر کر نرگال
کے تخت تک جا پہنچی تھی جو جانے کتنے طویل عرصہ سے زمین کی موت اور دوزخ کی فتح
کا انتظار کر رہا تھا۔ دوزخ کے ساتوں دروازوں کے محافظوں نے اسے داخلے سے روکا
تھا اور حسین عشتار نے ان میں سے ہر محافظ کو دروازے میں داخل ہونے کے لیے
رشوت دی تھی۔

"پھر تو وہ بڑی عالی حوصلہ خاتون ہوگی" سائرس بڑبڑایا۔

"نہیں۔ بلکہ اس میں عقل و ذہانت تھی جس سے اس نے کام لیا۔ پہلے دروازے
کے بھیانک صورت پہریدار کو اس نے اپنا جواہرات سے مرصع تاج پیش کیا تھا۔
دوسرے کو اس نے اپنے کانوں کے کانٹے دے دیئے۔ تیسرے کو اس نے اپنا
موتیوں کا ہار دیا۔"

سائرس کو اپنی رگوں میں خون کی گردش تیز ہوتی محسوس ہو رہی تھی کیونکہ ماندین
اسے یہ کہانی سنانے کے ساتھ ساتھ عملاً بھی ایسا کرتی جا رہی تھی۔ اس کے سیاہ لہر دار بال
اس کے مرمریں شانوں پر بکھر گئے تھے اور جونہی اس نے اپنے گلے سے موتیوں کا ہار اتارا
تھا۔ لبادہ اس کے بند سے آزاد ہو کر نیچے قالین پر جا گرا تھا۔

"چوتھے پہریدار کو اس نے طلائی کام سے مرصع اپنی سینے کی پٹی پیش کی۔ پانچویں
کو اپنی کلائیوں اور پیروں کے کنگن" ماندین اپنے پیروں کی طرف جھک گئی "چھٹے پہریدار
کو اس نے بچے کی پیدائش کے موقع پر پہنی جانے والی جواہرات جڑی پیٹی پیش کی۔
اور ساتویں پہریدار کو اس نے اپنا زیریں لباس پیش کیا۔"

لبادہ اس کے جسم سے اتر چکا تھا اس نے پنجوں کے بل کھڑے ہو کر سائرس کے
گلے میں بازو ڈال دیے۔ اس کے حسین و گداز جسم کی گرمی نے سائرس کے جسم میں جیسے بجلی

دوڑادی ۔ اس نے مضبوطی سے اسے اپنے بازوؤں میں لے لیا۔ اس کی خوبصورتی نے اسے مسحور کر دیا تھا۔

کافی رات گزرنے کے بعد ماندین نے اپنے جسم کے گرد لبادہ اوڑھ لیا اور اپنی کنیزوں کو پکارے بغیر دوسرے کپڑے بھی پہن لیے ۔

جب وہ سائرس کا ہاتھ تھامے چبوترے پر پہنچی تو کائنات پر تاریکی کی چادر پھیلی ہوئی تھی ۔ سائرس خواب کے سے عالم میں ماندین کے ساتھ چل رہا تھا۔ جب اس نے بولنے کی جرأت کی تو اس کے منہ سے انتہائی احمقانہ سا سوال نکلا ؛ جب وہ معزز خاتون بالآخر نرگال کے تحت تک پہنچ گئی تو پھر آگے کیا ہوا ؟ "

ماندین نے اس کا ہاتھ تھامے گہری سانس لی ؛ سائرس میرے بیٹے ۔ تمہیں ابھی بہت کچھ سیکھنا ہے ۔ ایک عورت کو اپنے بازوؤں میں سمیٹنے کا سلیقہ بھی۔ کیوں، اگر تم جاننا ہی چاہتے ہو کہ عشتار جب بالآخر برہنہ تن نرگال کے سامنے پہنچی تو آگے کیا ہوا۔ تو ہوا یہ کہ اس وقت نرگال کی ملکہ بھی اس کے پہلو میں بیٹھی تھی ۔ اس نے شدید حسد اور رقابت کی آگ میں جل بھن کر چیخیں ماریں اور شکاری کتوں کی مانند اس پرانی ساحری کے واہیات فقرے شروع کر دیے ۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ دیوی عشتار جہنم میں اسیر ہو کر رہ گئی ۔ وہ اس وقت تک وہاں قید رہی جب تک آسمانوں کے دیوتاؤں نے یہ نہ دیکھ لیا کہ کس طرح زمین خشک سالی کا شکار ہو رہی تھی کس طرح پانیوں کی روانی رک گئی تھی اور وبائیں اور بیماریاں ہر جاندار کو ہلاکت و تباہی سے دوچار کرنے لگی تھیں ۔ انہوں نے دوزخ یعنی تحت الثریٰ میں جادوئی پانی کا ایک ترتن عشتار پر انڈیلے جانے کے لیے بھیج دیا ۔ اور ایک فانی انسان کو قربانی کے لیے منتخب کیا ۔ اس طریقے سے ہی اسے دوزخ سے نکال کر دوبارہ زمین پر لانا ممکن ہو سکا تھا ۔ پھر زمین دوبارہ سرسبز و شاداب ہو گئی پانیوں کے سوتے پھر رواں ہو گئے تھے ۔ اور وباؤں اور بیماریوں کا خاتمہ ہو گیا تھا ۔

سائرس کے لیے یہ اندازہ کرنا مشکل تھا کہ آیا اس عورت نے جو اس کے پہلو میں کھڑی تھی اسے سچی کہانی سنائی تھی یا محض اس کے دماغ کی ایجاد کردہ کوئی کہانی تھی۔ بعد میں اسے معلوم ہوا تھا کہ بابل کی شہزادی نے اسے واقعی ایک سچی کہانی سنائی تھی۔ اسے سچ بولنے ہی کی تربیت دی گئی تھی۔ وہ چاہتی تھی کہ عشتار پر کسی انسانی جان کو ضرور قربان کرنا چاہیئے اور اس وقت وہ یہ بھی سمجھ رہی تھی کہ وہ جان کس کی ہونی چاہیئے۔

پھر جب وہ سائرس کو رخصت کرنے لگی تو اس کی آواز کا بوجھل پن رخصت ہو گیا "سائرس۔ چونکہ میرا ذہن اب صاف ہو گیا ہے۔ میں اب شیر کی ہلاکت کے شگون کا مطلب اچھی طرح سے سمجھ گئی ہوں۔ تم بہت دور دراز کے سفر کرو گے۔ بہت سی تکلیفیں اور سختیاں جھیلو گے۔ اس وقت تک جب تمہیں شاہانہ شان و شوکت حاصل نہیں ہو جاتی۔ اس وقت تم مجھ سے ملنے یہاں ضرور آؤ گے۔"

اس کے باپ کی عادت تھی وہ ہمیشہ شگونوں کو اپنے حق میں اپنے مطلب کے لیے استعمال کیا کرتا تھا۔ مگر ماندین اور طرح کی عورت تھی۔ اس نے شیر کی ہلاکت کے شگون کا کوئی اور ہی مطلب اخذ کیا تھا اور یہ بات بھی بڑی سرور انگیز تھی کہ اسے ایک نہ ایک دن تنہا اس محل میں اس کے پاس آنا تھا۔ بشرطیکہ اس کے باپ کبھی سس اور استیاگس اس میں مزاحم نہ ہوتے۔

"ہاں۔ اس نے کہا "میں ضرور آؤں گا۔"

ماندین نے سر ہلایا جیسے اسے اس کی بات کا یقین تھا۔ "تم کو اب یہ کرنا ہے کہ تم اس شیر کی مانند جسے تم نے کھلا چھوڑ دیا تھا۔ اپنی زندگی بچانے کی کوشش کرو۔" اس نے کہا۔ ساتھ ہی اس کے لہجے میں تیزی اور کھردراہٹ پیدا ہو گئی۔ "ہخامنشی نوجوان! اب خوابوں کی دنیا سے باہر آؤ۔ اور یہ سنبھالو۔"

تاریکی میں ماندین نے اسے چمڑے کی میان میں رکھا ہوا ایک خنجر تھما دیا۔ اس کے

دستے پر شیر پر سوار ایک عورت کی شبیہہ بنی ہوئی تھی۔ سائرس نے دھات کی چمک اور نرمی سے اندازہ لگایا کہ اس خنجر کا دستہ سونے کا بنا ہوا تھا۔ ماندین نے اسے ہدایت کی کہ وہ یہ خنجر اس کی نشانی کے طور پر اپنی پیٹی میں لگالے۔ یہ میدیوں کی ملکہ کی طرف سے محبت بھرا تحفہ تھا۔ ہر چند کہ حفاظتی ہتھیار کے طور پر وہ خنجر اتنا کارآمد ثابت نہ ہو سکتا تھا۔

"اب جاؤ، میرے بیٹے۔ اس آدمی کی طرف جاؤ جو تمہیں یہاں سے بخیر و عافیت نکال کر لے جائے گا۔ اس کا نام ہارپیگ ہے وہ تمام مسلح افواج کا کمان دار ہے بادشاہ کے بعد وہی سب سے با اختیار اور طاقت ور شخص گنا جاتا ہے۔ ہارپیگ کو دھوکہ دینے کی کوئی کوشش نہ کرنا سائرس۔ ہر چند کہ یہ تمہیں ایک بیل کی دم یا کان مروڑنے سے زیادہ آسان کام معلوم ہو گا۔"

جب سائرس نے کوئی جواب نہ دیا تو اس نے اپنا سر اس کے شانے پر رکھ دیا" جاؤ۔ اور یہ سوچو کہ تمہیں ایک فاتح کی حیثیت سے یہاں آنا ہے۔ میں اس وقت کا بڑی شدت سے انتظار کروں گی۔"

سائرس مینار کے پاس سے گزرتا ہے

جب ماندین نے سائرس کو تاریکی میں آگے دھکیلا تو اس وقت اس کا ذہن نیم غنودگی کی حالت میں تھا۔ اس کے خیالات منتشر تھے اور جسم اینٹھا ہوا تھا ایک کنیز نے اس کا ہاتھ پکڑا اور اسے ساتھ لیے سیڑھیاں اتر کر، جو ایک چراغ کی روشنی سے ہلکی ہلکی روشن ہو رہی تھیں۔ نیچے آ گئی جہاں ایک خواجہ سرا بیٹھا اونگھ رہا تھا۔ اس کے عقب سے ایک گٹھے ہوئے جسم والا آدمی برآمد ہوا اور اپنی گھنی بھنوؤں سے ڈھکی تیز آنکھوں سے سائرس کو گھورنے لگا۔ اس نے چمڑے کا کھردرا سا لبادہ پہن رکھا تھا جس پر اس نے پیٹی باندھ رکھی تھی۔ اس نے گلے میں سونے کا بھاری ہار ڈالا ہوا تھا۔ اس کے چوڑے چکلے چہرے پر تھکاوٹ کے اثرات تھے۔ اس نے خواجہ سرا کے کندھے پر ہاتھ مارا۔ اس نے چراغ اٹھا لیا اور باغ میں داخل ہو گیا۔ اس سردار نے اپنا خود سر پر جمایا اور اپنے چوڑے شانوں پر ایک کشیدہ کاری کیا ہوا لبادہ ڈال لیا۔ اس نے سائرس کی گردن کا کپڑا اس کی ٹھوڑی تک اوپر کھینچ دیا۔ اس کے بعد وہ سردار جو ظاہر ہے کہ ہارپیگ ہی تھا اسے اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کرتے ہوئے آگے چل پڑا۔ سایوں سایوں میں چلتے ہوئے وہ ایک صحن میں جا نکلے۔ جہاں ایک رتھ کھڑا تھا۔ اس میں جتے سفید

سفید نخچر اس وقت کھڑے اونگھ رہے تھے ان کے آتے ہی رتھ بان کود کر اپنی جگہ پر جا بیٹھا اور نخچروں کی راسیں تھام لیں۔ سائرس نے آسمان پر جھلملاتے ستارے دیکھ کر اندازہ لگایا کہ صبح ہونے میں اب تھوڑی ہی دیر باقی رہ گئی تھی۔ سرد ہوا نے اس کی تمام سستی اور اضمحلال دور کر دیا تھا۔ اب وہ اپنے آپ کو پوری طرح بیدار اور چاک و چوبند محسوس کر رہا تھا۔ پہاڑوں میں وہ لوگ ہرگز اس قسم کے رتھ اور نخچر استعمال نہ کرتے تھے

"جانتے ہو یہ پہیوں والی چیز مجھے کہاں لے جائے گی؟" اس نے استفسار کیا۔ سردار ہارپیک کی ناک اس کی داڑھی پر خم ہو گئی۔ اس نے غصے سے ایک طرف تھوکا۔

"یہ چیز تمہیں کہاں لے جائے گی؟" اس نے اپنی انگوٹھی پوش انگلیوں سے سائرس کے ہاتھ میں پکڑے ہوئے خنجر کو چھوا۔ اس پر سائرس نے ایک دم اسے اپنی بیٹی میں اڑس لیا اور ایسی غصے بھری آواز میں جیسے کوئی تلوار ڈھال سے ٹکراتی ہے کہا۔

"سردار ہارپیک۔ میں اپنی مرضی کا مالک ہوں جہاں چاہوں چلا جاؤں۔ ایسی صورت میں تم صرف اتنا کر سکتے ہو کہ مجھے اپنی مرضی سے کہیں جانے سے روکنے کے لیے میرے پیچھے اپنے سینکڑوں سپاہی لگا سکتے ہو۔ تمہیں معلوم ہی ہو گا کہ میرا باپ اور میں تمہارے بادشاہ کے دربار میں مہمانوں کی حیثیت سے داخل ہوتے تھے مگر ہم سے کتوں جیسا سلوک کیا گیا۔ تم بتاؤ کیا میں قیدی ہوں؟"

"نہیں" ہارپیک نے پہلی مرتبہ سائرس کو بھرپور نظروں سے دیکھا۔ "سائرس۔ انشان کے شہزادے۔ تم آزادانہ اپنے باپ کے پاس جا سکتے ہو جو تمہاری طرف سے متفکر و پریشان بیٹھا اپنی داڑھی چبا رہا ہے۔ وہ تمہیں اپنے ساتھ لے جائے گا۔ یا پھر تم یہ پسند کرو گے کہ صبح ہوتے ہی اسنیاگس کے حضور پیش ہو جاؤ اور اس سے اس کے ہال میں خون بہانے اور اس کی عورتوں کے محل میں جا گھسنے کی معافی مانگو۔ ہاں تم ان دو راستوں میں سے ایک راستہ چن سکتے ہو۔

استیاگس یہ کرے گا کہ تمہارے جھکے ہوئے شانے پر تھپکی دے۔ اور اپنے معاف کر دینے کا اعلان کرے۔ یعنی اس نے انشان کے گھوڑوں کے وارث کو از راہِ تلطف معاف کر دیا ہے۔ پھر سائرس وہ تمہیں اندر ہی اندر مار تا رہے گا۔ تمہاری روح کو بیمار کرتا رہے گا کیونکہ تم نے جو جرم کیا ہے وہ قتل یا زناکاری سے زیادہ بھیانک جرم ہے۔ تم نے اپنی جسارتِ رندانہ سے اس کے وقار کو شدید مجروح کیا ہے اور اگبتانا کے عظیم دربار کی شان و تمکنت کی دھجیاں اڑائی ہیں۔"

سائرس جو اتنی دیر سے غصہ ضبط کیے کھڑا تھا پھٹ پڑا۔

" اگبتانا کی شان و تمکنت ایسے الفاظ ہیں جن کی ادائیگی بے وقوفوں کی زبان سے ہی بھلی ہوتی ہے۔ یہ الفاظ کسی شراب کے پیالے سے اڑتی جھاگ کی مانند ہیں۔ بالکل فضول اور مہمل۔ کیا شان و شوکت ڈر اور خوف اور اس طرح ڈھانپ سکتی ہے جیسے تمہارے قیمتی ملبوسات تمہارے جسموں کی میل کو ڈھانپ دیا کرتے ہیں۔ انسان پتھر کی بنی، سوتی بلند و بالا فصیلوں کے سایے میں کیا اس وقت تک پناہ لیتے رہیں گے جب تک حملہ آوروں کا خوف باقی رہے گا؟ یہ محافظ جو تمہارے پھاٹکوں پر تعینات ہیں غیر ملکی ہیں جنہیں چاندی دے کر خرید لیا گیا ہے یا کرایہ پر حاصل کر لیا گیا ہے۔ استیاگس میری روح کو بیمار نہیں بنا سکتا۔ یہ شدید نفرت وحقارت کے جذبات سے پہلے ہی مردہ پڑی ہوئی ہے۔"

ہارپیگ نے تھوڑی دیر کے لیے کچھ سوچا۔ اس کی نیم کھلی آنکھوں کے اوپر شکنیں نمودار ہو گئیں۔" تمہاری باتیں خاص وزن دار اور سچی معلوم ہوتی ہیں۔" بالآخر اس نے پر رشک لہجے میں کہا۔

" پھر تم مجھے ایک ہزار سپاہیوں پر مشتمل ایرانی اسواروں کی کمان سونپ دو۔ میں تمہاری نیزہ باز فوج کو چٹکیوں میں اڑا دوں گا اور تمہارے شاہی خاندان کو اس کے محل میں

محسوس کروں گا۔"

ہارپیگ کی واڑھی ہنسی سے ہلنے لگی۔" میں تمہیں ایک ہزار کے ایرانی اسوارن کا کمان دار بنانے ہی لے جا رہا ہوں ہخامنشی نوجوان!"

حیرت زدہ ساہو کر سائرس اسے وضاحت طلب نظروں سے دیکھنے لگا۔ ہارپیگ نے اسے بتایا کہ ملکہ ماندین چاہتی تھی کہ سائرس نہ تو استیاگس کے رحم و غصہ کا طلب گار ہو اور نہ ہی اپنے باپ سے کوئی امداد طلب کرے۔ وہ امان و تحفظ کی طرف لے جانے والے ان دو راستوں میں سے کسی بھی راستے کا انتخاب نہ کرے بلکہ اپنے طور پر ایک تیسرا راستہ منتخب کرے۔ لیکن یہ تیسرا راستہ کیا تھا؟

" میرے خیال میں" ہارپیگ بولا" تم اپنے ہم وطنوں میں بالکل محفوظ و مامون ہو گے۔ وہ بلاشبہ اسی جوش و خروش اور مسرت سے تمہارا استقبال کریں گے جس کے تم عادی ہو۔ اور تمہارے حکم پر وہ ہر دشمن کا مقابلہ کریں گے جو تمہارے درپے آزار ہے۔ یہاں تک سب ٹھیک ہے لیکن سردار سائرس تم یہاں اگبتانا کے دروازے پر بڑا ؤ ڈالے نہیں بیٹھے رہ سکتے" اس کی سیاہ آنکھوں میں ایک انوکھی چمک پیدا ہو گئی" جیسا کہ تم نے شوشان میں کیا تھا۔ اس اسوارن کے ساتھ تم نے میدانِ جنگ کا رُخ کرنا ہے۔ صبح ہوتے ہی یہ سب مسلح ہونا شروع ہو جائیں گے۔"

" کہاں جانے کے لیے؟"

ہارپیگ نے شمال کی طرف انگلی سے اشارہ کیا" وہاں۔ وہ جگہ برف پوش پہاڑوں کے سلسلے کو عبور کرنے کے بعد آتی ہے۔ وہاں تہذیب کی روشنی سے دور نمک کے سمندر کے کنارے بے شمار وحشی قبائل آباد ہیں۔ تم انہیں مطیع و منقاد بنا کر بڑی عزت و شہرت حاصل کر سکتے ہو۔ کیونکہ ان قبائل پر آج تک کسی نے حملہ نہیں کیا۔ ان کی شوریدہ سری اور آزادروی مسلم ہے۔ تمہاری ان پر فتوحات استیاگس،

شاہ میڈیا کی شان و عظمت میں بھی اضافہ کریں گی۔ اس طرح اس کی سلطنت کی حدود اور بھی وسیع ہو جائیں گی۔ ان فتوحات کا سہرا بہر طور تمہارے ہی سر ہو گا اور اسی طرح ایک سال یا اس سے زیادہ عرصہ میں لوگ تمہاری شاہی دربار میں خون بہانے کی حرکت کو بھول جائیں گے اور شاہی خواتین کے محل میں جانکلنے کی گستاخی کو بھی نظرانداز کر دینے پر مجبور ہو جائیں گے۔ اب کہو کیا کہتے ہو کیا تمہیں یہ منظور ہے ؟"

سائرس اپنے دائیں طرف فراواشی کی خبردار کرتی ہوئی آواز سن رہا تھا۔ ہارپیگ کی پیشکش اسے کوئی انوکھی نہ معلوم ہوئی تھی۔ بلکہ ماندین نے پہلے ہی اس کے نانا کی حیثیت سے واپس آنے کا تذکرہ کیا تھا۔ کیا ان دونوں نے آپس میں طے کر لیا تھا کہ اسے کس طرح اپنی قسمت آزمانی چاہیئے ؟ یقیناً وہ یہ بات پہلے سے ہی طے کر چکے تھے۔

" اگر تمہیں میرے کہنے پر کوئی شک و شبہ ہے " ہارپیگ تیزی سے بولا " تو میں تمہیں سیدھے ایرانیوں کے پڑاؤ کی طرف لے چلتا ہوں۔ میرا بیٹا پہاڑوں میں سے گزرنے والے درّے ہی میں تم سے ملے گا "

سائرس نے یہ سوچنے کی زحمت گوارا نہ کی کہ اس نے آخر ایسے کیوں کہا تھا۔ اس کا دماغ پیچیدہ قسم کے منصوبوں کے بارے میں سوچنے سے ہی تھکنے لگتا تھا۔ دور دراز کے پہاڑوں کے تذکرے نے اس کے دل میں بے پناہ تجسس اور اشتیاق پیدا کر دیا تھا اسے اپنی مہمات کے خیال سے کسی قسم کا خوف بھی محسوس نہ ہو رہا تھا۔

" بہتر ہے۔ میدیوں کے کماندار " اس نے جواب دیا " میں تیار ہوں " سائرس اچھل کر گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ رتھ بان نے لگاموں کو جھٹکا دیا۔ آسمان پر ہلکی سی روشنی نمودار ہونے تک وہ محل سے دور سے دور ہوتے گئے اور ایک طویل ڈھلوان راستہ طے کرنے رہے۔ بائیں ہاتھ، جو برائی کا پہلو کہلاتا تھا، سورج کی ایک کرن الوند کی برف پوش چوٹی سے ٹکراتی ہوئی اسے خون کی مانند سرخ رنگ عطا کر رہی تھی سائرس

نے اس نظارے سے کوئی شگون لینے کی ضرورت محسوس نہ کی۔ کیونکہ وہ ابھی تک مادین کے نرم وگداز جسم کے کیف آور تصور میں کھویا ہوا تھا اور نہ ہی اس نے واچ ٹاور کو دیکھ کر ہی کسی قسم کا شگون لیا۔

یہ مینار شالی دروازے تک پہنچ کر پوری طرح سے نظروں کے سامنے آجاتا تھا اگبتانا میں صرف میدیوں ہی کو بیرونی دیوار کے اندر رہنے کی اجازت تھی۔ باقی لوگوں نے باہر اپنے قصبے، کیمپ اور کارواں سرائیں قائم کر رکھی تھیں۔ وہ مینار اس لیے تعمیر کیا گیا تھا کہ استیاگس کی عظمت و شوکت کی علامت ثابت ہو۔ استیاگس جو سیاخارس کا فرزند تھا۔ حالانکہ یہ مینار بابل کے اس عظیم زیگورات کی نقل کے طور پر تعمیر کیا گیا تھا جس کی بلند آسمانوں کو چھوتی معلوم ہوتی تھی۔ جسے مینارۂ بابل کہا جاتا تھا۔ جس کا مطلب تھا دیوتاؤں کا در۔ اس کی پہلی منزل اسفالٹ کی بنائی گئی تھی اور اس کی بنیادیں بڑی مضبوط اور مستحکم تھیں۔ اس کی دوسری منزل میں سفید پتھر استعمال کیا گیا تھا جس سے بے حد چمک پیدا ہوتی تھی۔ تیسری منزل سرخ پتھروں کی بنائی گئی تھی۔ یہ پتھر انسانی خون کی مانند انتہائی سرخ تھے۔ چوتھی منزل کا رنگ ارغوانی تھا اور آسمان کے مشابہ تھا۔ پانچویں منزل گہرے قرمزی رنگ کی تھی جب کہ چھٹی منزل کا رنگ چاندی کے رنگ ایسا چمکدار تھا۔ اس مینار کی چوٹی سونے کی تھی اور استیاگس کے مینار پر ہنوز ایسی چوٹی تعمیر نہ کی گئی تھی۔

اس وقت بانسوں کے ڈھانچوں اور چبوتروں پر کوئی راج مزدور نہ دکھائی دے رہا تھا۔ البتہ ایک الگ تھلگ سی جگہ پر ایک شخص سورج کی طرف منہ کیے بے حس و حرکت کھڑا تھا۔ وہ شاید کوئی زائر تھا جو سورج دیوتا کی عبادت میں مصروف تھا۔ اس شخص کے پاس پہنچ کر ہارپیگ نے رتھ رکوا دیا۔ جب کہ فصیل پر متعین مسلح محافظ اپنے کماندار کے لیے پھاٹک کھولنے دوڑ اٹھے۔ سائرس کی سمجھ میں نہ آرہا تھا کہ آخر وہ اس رنگ برنگے آسمان کی طرف بلند ہونے والے اس اینٹ گارے

اور لکڑی کے ڈھانچے کو کیا نام دے جو اس کے بائیں ہاتھ کھڑا تھا۔
" اس مینار کی بلندی پر چڑھنے میں تو خاصا وقت صرف ہوگا " اس نے تبصرہ کیا۔
" تاہم یہ ہر اس شخص کو جو یہاں آتا ہے " ہارپیگ وضاحت کرتے ہوئے کہنے لگا " شاہِ میڈیا کی عظمت اور شان و شوکت کا احساس دلاتا ہے۔ جب اس مینار کو سونے کی چوٹی کا تاج پہنا دیا جائے گا تو میدیوں کی شہنشاہیت کی قوت و عظمت ہر جگہ مسلم سمجھی جانے لگے گی "
اس لمحے سورے لبادے میں ملبوس وہ زائران کی طرف مڑا۔ اس نے اپنے ہاتھ بدستور سر سے بلند کر رکھے تھے۔
" جب چوٹی کو سونے کا تاج پہنایا جائے گا " وہ چلا کر بولا " تو میدیوں کی سلطنت ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گی اور اس کا وجود مٹ جائے گا! "
" تم اس طرح کہتے ہو؟ "
" زرتشت نے اسی طرح کہا تھا "
اسی لمحے سائرس اسے پہچان گیا۔ یہ وہی نوجوان ماگی تھا جو پارس گرد کے باہر ایک پہاڑی غار میں آکر پناہ گزین ہوا تھا۔ اسی دم ہارپیگ نے بلند آواز میں فصیل کے سپاہیوں کو پکارا۔ وہ سب اپنے سردار نیزے اپنے کمانداروں کے احترام میں نیچے کیے دوڑتے ہوئے آئے۔ ہارپیگ نے انہیں حکم دیا کہ وہ اس بدزبان ماگی کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیں۔ وہ اس کے بازو رسیوں سے باندھ کر رسیاں ایک رتھ کے ایک عقبی حصے سے باندھ دیں اور رتھ کو دوڑا دیں۔ بدزبان ماگی اس وقت تک زمین پر پیٹ کے بل گھسٹتا رہے جب تک اس کے جسم کا جوڑ جوڑ الگ نہیں ہو جاتا۔

" یہ زرتشت سرپھروں اور شوریدہ سروں کا پیغمبر تھا" اس نے سائرس کو بتایا۔
" سرکشوں باغیوں اور شریروں کا پیغمبر"

یہ یاد آنے پر کہ ماگی نے کس طرح ہخامنشی گھرانے کا مہمان بننے سے انکار کیا تھا، سائرس اسے مخاطب کرنے سے مجتنب ہی رہا۔ جب سپاہی ملنے اپنے کامنار کے حکم کی تعمیل کے لیے بڑی بے دردی سے گھسیٹتے ہوئے لے گئے تو اس نے تبصرہ کیا "اگر میں استیاگس کی جگہ ہوتا تو حکم دیتا کہ اس آوارہ گرد کو میرے سامنے حاضر کیا جائے۔ پھر میں اس سے پوچھتا کہ آخر اسے میری حکومت کے خلاف ہرزہ سرائی کرنے پر کس چیز نے اکسایا تھا؟"

جب سپاہیوں نے ماگی کے دونوں بازو رسیوں سے باندھ دیے اور اس کی گردن میں ایک بھاری جوا ڈال دیا تو اس نے اپنی سیاہ مگر بے تاثر آنکھوں سے سائرس کی طرف دیکھا۔ مگر کہا کچھ نہیں۔

" تم استیاگس نہیں ہو" ہارپیگ بولا اور سپاہیوں کو رتھ چلانے کا اشارہ کیا۔

سائرس نے اس نظارے سے سبق لینا چاہا تھا۔ مگر وہ یہ سمجھے ہوتے تھا کہ اس کا باپ کمبوجیہ پہاڑوں کا بادشاہ تھا اس لیے ہر کسی کو اسے تحفظ دینا لازم تھا اس نے محسوس کیا تھا کہ میدی ضرورت پڑنے پر جھوٹ کو اپنے حق میں استعمال کر لیتے ہیں۔ ماندین نے بھی شاید کسی نسوانی جذبے کے تحت اسے اپنی مرضی کے مطابق استعمال کرنے کی کوشش کی تھی۔ ہارپیگ اس کے بارے میں جانتا تھا۔ مگر سب کچھ چھپا رہا تھا۔ اس نے اس سے الٹ کر بھی اس کے باڈی گارڈ والکا کی موت کا ذکر نہ کیا تھا اور نہ ہی اس موضوع پر مزید کوئی بات کی تھی کہ اسے کس طرح اپنے باپ سے ملوانے بغیر اگبتانا سے باہر اجنبی پہاڑی علاقوں اور وحشی قبائل کے

گھاس کے میدانوں میں بھیجا جا رہا تھا جو دنیا سے بالکل کٹے ہوئے تھے۔ جن کے متعلق کوئی نہ جانتا تھا۔

اپنی اس مہم سے ظاہر تھا سائرس ہخامنشی نے میڈیا لوٹ کر نہ آنا تھا۔ کینہ پرور بوڑھے استیاگس نے اسے نرم مزاج اور اطاعت شعار کیبی سس کا غیر موزوں وارث قرار دیتے ہوئے اس کی موت کا حکم سنا دیا تھا۔ وہ سائرس کی بجائے اس کے نوعمر بیٹے کو اب کیبی سس کا جانشین دیکھنا چاہتا تھا۔

جب سائرس نیزہ بردار اشتہ سواروں کے پڑاؤ پر پہنچا تو اس کی ساری غلط فہمیاں دور ہو گئیں۔ بار برداری کے جانوروں کے شور و غل اور نسایائی گھوڑوں کی ہنہناہٹوں کی آوازوں نے گویا اسے اپنے پہاڑوں میں پہنچا دیا۔ ایرانی جنگجو دوڑتے ہوئے اس کے رتھ کے قریب جا پہنچے۔

" دیکھو دیوتاؤں کی مہربانی! رکھوالا آن پہنچا ہے!"

سب سے پہلے گھوڑوں کا نگران ایبا دوڑ کر رتھ کے قریب پہنچا اور زمین پر گھٹنے ٹیک کر سائرس کے پاؤں کو پکڑ لیا۔ وہ آدمی جو کسی خطرے کے خیال سے نیزے تانے گھوڑوں پر جا بیٹھے تھے۔ اب نیزے پھینک کر گھوڑوں سے اتر آئے تھے۔ ان کی ملاقات بلاشبہ دوستانہ اور نیک جذبات والی تھی۔

" اب شاید تمہیں میری خیر خواہی کا یقین آ گیا ہو گا" ہارپیگ چلا کر بولا " شمال میں میرا بیٹا اپنے محافظوں کے ساتھ تم سے آن ملنے کا منتظر ہے۔ عشتار اور شامش تم دونوں کے حافظ و نگہبان ہوں" اتنا کہنے کے ساتھ ہی وہ موقع محل کا اندازہ لگا کر فوراً ہی وہاں سے رتھ میں بیٹھ کر کھسکتا بنا۔

پس یوں ہوا کہ سائرس نے اپنی کمر سے تلوار باندھی اور اس سفر پر چل پڑا جو میڈیا کے لیے جنگ بھی تھا۔ ہر چند کہ اس کا پیمانہ محدود تھا۔ وہ ماندین کا دیا

ہوا خنجر ہر وقت لگائے رکھتا تھا۔ کیونکہ ہر جنگجو اس کی تعریف کرتا تھا۔

پھر دوران سفر راستے میں اسے ایک خوشخبری ملی۔ اگبتانا سے ایک قاصد اس کے لشکر میں پہنچا۔ وہ شاہ استیاگس کی مبارک بادیں اور سائرس کے ہاں ایک اور بیٹے کی ولادت کی خبر لے کر آیا تھا۔ سائرس کی عمر اب تیس سال ہو چکی تھی جب پارس گرد میں اس کا یہ دوسرا بیٹا پیدا ہوا تھا۔ اس کی بیوی کسندان نے اس بیٹے کا نام باردیہ رکھا تھا یعنی بار آور۔ سائرس کو یہ نام پسند نہ آیا تھا۔ مگر وہ اسے تبدیل کرنے کے لیے کچھ نہ کر سکتا تھا۔

جب سردیوں کے طوفانوں نے دروں کو پیش قدمی کرتے ہوئے جنگجوؤں کے لیے بند کر دیا تو سائرس کو شہروں میں مزید خبریں پہنچنا بھی بند ہو گئیں۔ وہ سڑک پر راستہ ٹٹولنے والے کسی اندھے کی طرح ہو گیا۔ اسے یہ اطلاع بھی نہ مل سکی کہ بابل کا عظیم و باجبروت فرمانروا بخت نصر انتقال کر گیا تھا اور یہودیوں کا بادشاہ یہو یاکم بابل کے قید خانے سے رہا ہو گیا تھا۔ بخت نصر کی موت کے بعد گوبارو کا خوشنان سے سائرس کو خبرداری کا پیغام کبھی کسی نے اس وقت وصول کیا جب اپنے باغ میں پودوں کی دیکھ بھال میں مصروف تھا۔ بابل کے عظیم بادشاہ کی موت کے بعد چونکہ استیاگس نے اپنی طاقت بڑھانی شروع کر دی تھی اس لیے سائرس کی طرف سے مایوس ہونے کے بعد ان گوبارو نے حالات کا رخ دیکھتے ہوئے پانی کے چند مٹکیزے اور مٹی کی چند بوریاں اس کے پاس بھیج کر اگبتانا کی اطاعت قبول کر لی۔

بابل میں مردوک کے پجاریوں اور گزرے ہوئے بادشاہ کے جانشینوں کے درمیان محاذ آرائی کی کیفیت جاری تھی۔ یہودیوں کے ایک نبی یسعیاہ نے جو اس نام کے دوسرے نبی ہو گزرے ہیں۔ اس موقع پر اپنی آواز بلند کی "چیخو چلاؤ اے لوگو! کہ جس دن کی طرف خدا نے اشارہ کیا تھا وہ اب قریب آن پہنچا ہے۔ ہر آدمی اپنی قوم کی طرف پلٹ

جاتے اور ہر شخص اپنے وطن کو لوٹ جاتے ۔ پھر بابل جو سلطنتوں کی سرتاج سلطنت اور کلدانیوں کا فخر و غرور ہے اسی طرح تہہ و بالا ہو جائے گا جیسا کہ سدوم اور عمورہ تہہ و بالا اور ملیا میٹ ہوئے تھے ۔"

بابل کی گلیوں میں یسعیاہ نبی کی باتوں پر کان دھرنے والے چند ایک لوگ ہی تھے وہ اس طرح بولتے تھے گویا خود یہواہ ان کے اندر اتر کر بول رہا ہو ۔" میں میدیوں کو ان کے خلاف لا کھڑا کروں گا ان کی تلواریں مرد عورت اور بچے سب تہہ تیغ کریں گی اور کسی کا لحاظ نہ کریں گی ۔" یسعیاہ نے لوگوں کو پکار کر کہا کہ وہ شمال کی طرف دیکھیں اور پہاڑوں کی آواز سنیں ۔" ان لوگوں کا شور سنو جو پہاڑوں میں بستے ہیں جن کی تعداد بلاشبہ بہت بڑی ہے ان سلطنتوں کی آواز سنو جو اکٹھی ہو گئی ہیں ۔ خدا نے اپنے دشمنوں کے مقابلے میں دشمن کھڑے کر دیے ہیں ۔"

استیاگس کی قوت بخت نصر کی موت کے بعد بہت بڑھ گئی تھی اس کی سلطنت کی حدود پھیلتے پھیلتے پہاڑی علاقوں کو اپنے دامن میں سمیٹتی ارارات کو عبور کر کے وہاں تک جا پہنچی تھی جہاں ارارتین ، مانی اور سدی علاقے واقع تھے ۔

پھر پارسی گرد میں کمبی سس کا انتقال ہو گیا ۔ وقتِ رحلت اس کے سرہانے اس کا بیٹا نہیں بلکہ کم سن پوتے کھڑے تھے ۔

سائرس کا حلف ۔ اوہاؤ کی ریت

مختلف اقوام کے لیے پہاڑ محفوظ پناہ گاہیں ثابت ہوا کرتے تھے۔ اب سائرس کو اس کا یقین آچکا تھا۔ دور شمال میں نیلے پہاڑوں میں رہنے والوں کے لیے اپنے پہاڑ ایسی ہی محفوظ پناہ گاہ تھے جیسا کہ پارس گرد میں بسنے والے لوگوں کے لیے اپنے پہاڑ، جنگیں، وبائیں اور ہجرتیں ان لوگوں کو ایک جگہ سے دوسری جگہ اسی طرح منتقل کیا کرتے تھے جیسا کہ میدان میں بہنے والا دریا اکثر اپنی گزرگاہ تبدیل کیا کرتا ہے۔ اور ویسے میدانوں میں اپنی گزرگاہ بنانی پسند کرتا ہے جو سمندر سے نسبتاً کم فاصلے پر واقع ہوتے ہیں۔ شہروں میں بھی اسی طرح تہذیب ترقی و ترویج کی مختلف منزلیں طے کیا کرتی ہے اور اس کے لیے نئی راہیں تلاش کیا کرتی ہے ان سڑکوں کی مانند جو کبھی کبھی کہیں بنائی جاتی ہیں اور اپنی آمد و رفت کے راستے تبدیل کرتی رہتی ہیں جب لوگ شہروں کے ہنگاموں جنگ و جدل اور قتل و غارت جیسے تماشوں سے عاجز آجاتے تھے اور انہیں اپنے لیے کسی محفوظ جائے پناہ کی ضرورت محسوس ہوتی تھی جہاں وہ امن و چین سے زندگیاں گزار سکیں اور اپنے دشمنوں سے محفوظ رہ سکیں تو وہ پہاڑوں کا رخ کرتے تھے۔

نیلے پہاڑوں کے علاقے میں پہنچ کر سائرس کو یوں محسوس ہوا جیسا وہ تہذیب و تمدن کی دنیا کو بہت پیچھے چھوڑ آیا تھا۔ ان نیلے پہاڑوں کی چوٹیاں اتنی بلند تھیں کہ جب انہیں دور سے دیکھا جاتا تھا تو وہ آسمان سے باتیں کرتی دکھائی دیتی تھیں۔ ان ویران کوہستانوں میں جہاں کوئی سڑکیں وغیرہ نہیں تھیں، جب سائرس اپنی فوج کے ساتھ پہنچا تو اس نے بڑی دیوی ماں کی شبیہہ دیکھی جو لے اور اس کے سواروں کو ایک تنگ سی گھاٹی میں سے گزرتے ہوئے ایک چٹانی سائبان تلے ایک بڑے سے سفید پتھر پر کھدی ہوئی دکھائی دی تھی۔ وہاں چٹانی دیواروں پر دوسرے مختلف دیوی دیوتاؤں کی شبیہیں کھدی ہوئی تھیں۔ یہ پہاڑوں کے دیوی دیوتا تھے اور ان کی کنیزیں اور غلام تھے جو ان کے ساتھ دکھائے گئے تھے یہ دیوی دیوتا اور ان کی کنیزیں اور غلام ایک جلوس کی صورت میں ایک ایسی دیوی کے پیچھے چل رہے تھے جس نے اپنے سر پر تاج سجا رکھا تھا اور ایک شیر ببر پر سوار تھی۔ سائرس اسے پہچان گیا کہ یہی بڑی دیوی ماں یعنی بابل کی عظیم دیوی عشتار تھی جو اس وقت ایک مختلف روپ میں دکھائی دے رہی تھی۔ وارتان نے سائرس سے کہا کہ وہ ان دیوی دیوتاؤں کے بارے میں کچھ نہ جانتا تھا۔ کیونکہ وہ بہت قدیم لوگوں کے دیوی دیوتا تھے۔ وہ قدیم لوگ اب اس جگہ سے غائب ہو کر جانے کہاں چلے گئے تھے۔ ان قدیم لوگوں کو حتی کہا جاتا تھا۔ یا پھر حتی تس۔ وہ اس جگہ سے جاتے وقت محض اپنا نام اور اپنے مضبوط قلعے کے کھنڈرات پیچھے چھوڑ گئے تھے۔ وارتان ایسے دیوتاؤں کے متعلق کوئی اچھی رائے نہ رکھتا تھا جو اپنے پجاریوں کو ریت کے ذرات کی مانند ادھر ادھر منتشر کر دیا کرتے تھے۔ پھر بھی اس نے اعتراف کیا کہ شاید حتیوں کے دیوی دیوتا ان سے ناراض ہو گئے ہوں گے اسی وجہ سے حتی وہ جگہ چھوڑنے پر مجبور ہو گئے ہوں گے۔ ویسے بھی حتیوں کے دیوی دیوتاؤں کو خوش کرنا آسان کام نہ تھا۔ بڑی دیوی ماں کو

خوش کرنا تو انتہائی مشکل کام تھا ۔ وہ بہت طاقتور تھی اور اس کے ہاتھ ہر جگہ پہنچے ہوئے تھے ۔ ہر جگہ اس کے ماننے والے موجود تھے ۔

" تم بھی سردار سائرس ہخامنشی ۔ وہ خنجر اپنے ہمراہ لیے پھرتے ہو جس پر اس کی شبیہہ بنی ہوئی ہے ۔"

وارتان ہارپیگ کا بیٹا تھا ۔ وہ ایرانی سواروں کے نیلے پہاڑوں کے قریب پہنچتے ہی ان سے آن ملا تھا ۔ اس نے سائرس کو بتایا تھا کہ اس کا باپ ہارپیگ آرمینیا کا باشندہ تھا اور وہ ارمنی نسل سے تھے ۔ اس کا مطلب تھا کہ میدی افواج کی کمان ایک غیر قوم کے فرد کے ہاتھ میں تھی ۔ اپنے باپ کی مانند وارتان بھی اپنے خیالات دوسروں سے چھپائے رکھتا تھا اور زیادہ سے زیادہ سنجیدہ نظر آنے کی کوشش کرتا تھا جب وہ عشتار کے ہر جگہ موجود ہونے کی وضاحت کر رہا تھا تو اس کا ماتھا تیوریوں سے اٹا ہوا تھا : عشتار کی پراسراریت سے مرد نہیں بلکہ عورتیں بخوبی واقف ہیں ۔ عورتیں بہت کم کسی بادشاہ کی وفادار ثابت ہوئی ہیں ۔ ان کی قوم وملت سے وفاداری ہمیشہ مشکوک سمجھی جانی چاہئیے ۔ اگر کوئی سرزمین فتح کر لی جاتی ہے تو اس کے تمام مردوں کو فنا کے گھاٹ اتار دیا جاتا ہے مگر عورتوں کو زندہ رکھا جاتا ہے اور انہیں فاتح مردوں میں تقسیم کر دیا جاتا ہے ۔ ان کے گھروں میں وہ ان کی کنیزیں بن کر رہتی ہیں ۔ تمام گھریلو کام کاج کرتی ہیں اور ان کے بچوں کی مائیں بنتی ہیں ۔ مگر موقع پانے پر وہ اپنے ان نئے شوہروں یا مالکوں کو زہر دے دینا یا خنجر سے موت کے گھاٹ اتار دینا نہیں بھولتیں اور خود زندہ رہتی ہیں ۔ اس لیے میں کلدانیوں کے مقبوضہ ارض سے کسی سامری لڑکی کو کنویں سے پانی بھرتے دیکھ کر ذرا بھی حیرت زدہ نہیں ہوتا ۔ میرا خیال ہے شاید ان کاموں میں بڑی دیوی ماں کی کوئی مصلحت پنہاں ہے ۔ میں نے سنا ہے کہ سفید پہاڑوں کے عقب میں جہاں سٹیپ کے میدان واقع ہیں ۔ عورتوں کا ایک پورا

قبیلہ آباد ہے جنہیں شاید اپنے شوہروں کے مقبروں پر جاکر ماتم کرنے کے لیے زندہ چھوڑ دیا گیا تھا۔ حقائق میں زیادہ اچھی طرح نہیں جانتا۔ مگر میرا اعتقاد ہے کہ بڑی دیوی ماں اس شخص پر ہرگز رحم نہیں کھایا کرتی جو اسے ناراض کرنے کی گستاخی کرتا ہے۔"

مگر صاف معلوم ہوتا تھا کہ وارتان خود بڑی دیوی ماں سے کم ہی ڈرتا تھا۔ اہل آرمینیا نے چند صدیاں قبل پہلے پہاڑوں پر حملہ کیا تھا اور وہ اب تک اپنی زیر کاشت زمینوں پر رہنے کے لیے پتھر کے بلند مینار بناتے چلے آرہے تھے۔ وہ بڑے بہادر اور جفاکش لوگ تھے جو زیادہ تر پیدل پیش قدمی کے عادی تھے۔ وہ لوہے کے بہترین ہتھیار استعمال کرتے تھے مگر تیر و کمان کبھی استعمال نہ کرتے تھے۔ بہت سے فوجی دستے خوشی خوشی وارتان کی قیادت میں اس سطح مرتفع سے گزرتے تھے جہاں قدیم لوگ ایک سفید رنگ تنہا پہاڑ ارار توبا ارارات کی عبادت کیا کرتے تھے۔ ارارات کی برف سے ڈھکی ہوئی چوٹی سے دھواں کسی مشعل کے دھوئیں کی مانند چکراتا بلند ہوتا یا بادلوں میں داخل ہوتا رہتا تھا حالانکہ پہاڑ کی چوٹی پر کوئی انسان آگ نہ جلاتا تھا۔ پھر بھی ارمنی ان قبائل کے خلاف جنگ کرنے کو تیار نہ تھے جو پہاڑ کے عقب میں آباد تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ وہ گروہ بہت غریب اور نادار لوگ تھے ان کے پاس کوئی مال و دولت نہ تھی۔ اس لیے ان کے خلاف فوجی کارروائی کرنا احمقانہ فعل تھا۔

ہارپیگ نے سائرس کو حکم دیا تھا کہ وہ شمالی جانب گھاس کے سمندر کی طرف پیش قدمی کرتے ہوئے راستے میں مزاحم ہونے والے تمام مفسد اور فتنہ پرداز قبائل کی سرکوبی کرتا جائے۔ وارتان کو شاہی افواج کے اتنے دور دراز کے علاقوں میں بھیجے جانے کا کوئی فائدہ اس وقت تک دکھائی نہ دیتا تھا اگر اس کو اس کا یقین نہ ہو کہ وہاں سے خاصا مالِ غنیمت ہاتھ آنے کی توقع تھی۔ مالِ غنیمت سے اس کی مراد قیمتی پتھر،

سونا اور قیمتی لوہا ہوتے تھے جو وحشی اقوام کے ساتھ تجارت میں بڑا فائدہ دیتے تھے کیونکہ وہ لوگ انہیں بہت کارآمد اشیا سمجھتے تھے اس کا استدلال تھا کہ اگر اس طویل سفر سے انہیں حاصل کچھ نہ ہونا تھا تو بہتر تھا کہ سارے جنگجوؤں کو زمین کاشت کرنے کے کام پر لگا دیا جاتے کیونکہ انہیں کسی بھی کام سے تھوڑا بہت فائدہ اٹھانا تو ضروری ہی تھا۔

اس وقت سائرس کو معلوم ہوا کہ ارمنی استیاگس کے بس زبانی کلامی اطاعت گزار ہی تھے۔ دل سے وہ اسے ناپسند کرتے تھے۔ وہ بظاہر اس کی اطاعت اپنا فریضہ سمجھے ہوئے تھے مگر حقیقت اس کی عظمت وقوت میں اضافہ کرنے سے انہیں کوئی دلچسپی نہ تھی۔ اسے حیرانی ہونے لگی کہ ان حالات میں آخر ہارپیگ استیاگس کی ملازمت کیوں کیے جا رہا تھا۔

"تمہارے باپ نے" اس نے کہا "مجھے جو حکم دیا ہے وہ بجا لانے کی میں ہر ممکن کوشش کروں گا"

اس کے اپنے بہادر اس کے ہمراہ خوشی خوشی شمالی جانب پیش قدمی کر رہے تھے کیوں کہ وہ گرمیاں ختم ہوتے ہی شکار کا موسم شروع ہونے والا تھا اور انہیں بہترین شکار حاصل ہونے کی توقع تھی۔ سائرس نے دیکھا تھا کہ بلند وادیوں میں دور دور تک پھیلی ہوئی چراگاہوں میں موٹے موٹے ہرن دوسرے جانور چرتے دکھائی دیتے تھے اس نے جلد ہی سمجھ لیا کہ فتوحات کے کام سے زیادہ یہ کام اہم تھا کہ گھوڑے صحت مند اور چاک و چوبند حالت میں رہیں۔ سامانِ رسد میں کوئی کمی نہ واقع ہونے پائے یہ کام تلواریں لہرانے اور نعرے مارتے پھرنے سے زیادہ اہم تھے۔ یہ بھی ممکن تھا کہ جب کبھی جنگ کا مرحلہ پیش آتا تو اس کے تجربہ کار کماندار یہ سوچتے ہوتے کہ نوجوان رکھوالا میدانِ جنگ کے اسباق کا کوئی علم نہیں رکھتا تھا، فوج کی کمان اپنے

ہاتھ میں لے لیتے اور سائرس ایسا نہ چاہتا تھا، ہر چند کہ وہ خود جانتا تھا کہ اسے میدانِ جنگ کا کوئی تجربہ نہ تھا مگر پھر بھی وہ اپنی فوج کی کمان خود کرنا چاہتا تھا۔

وہ اپنے افسروں اور وارتان سے اپنے جس ٹکراؤ کے متعلق سوچ رہا تھا کہ کبھی نہ کبھی اس کی نوبت ضرور آئے گی وہ بالآخر کھلی سرزمین میں داخلے کے وقت دریا کو پار کرتے وقت پیش آ ہی گیا۔ اس کی فوج نیلے پہاڑوں کے پن دھارے کے قریب آ پہنچی تھی۔ اس جگہ سے بہت سے ندی نالے شمالی سمت رواں تھے۔ یہاں پائن کے درختوں کے گھنے جنگلات کا سلسلہ پھیلا ہوا تھا۔ اس سلسلے کے نیچے کو کھلی سرزمین واقع تھی۔ یہ ایک گہری وادی تھی جس میں صرف ایک ہی دریا بہتا تھا۔ یہاں کچی ہوئی گندم کے سنہرے خوشے لہلہاتے تھے۔ دیہاتوں کے درمیان مرغزاروں میں بھیڑ بکریاں چرتی دکھائی دیتی تھیں۔ اس گہری وادی کے عقبی حصے سے بلند پہاڑوں کا سلسلہ شروع ہو جاتا تھا جن کی برف پوش چوٹیاں آسمان کو چھوتی معلوم ہوتی تھیں۔

جب حملہ آور ایک پگڈنڈی پر چلتے ہوئے دریا کے ایک پایاب مقام پر پہنچے تو انہوں نے دریا کے دوسرے کنارے پر وہاں کے باشندوں کو ہتھیار ہاتھوں میں لیے اپنی آبادی کی حفاظت کے لیے کمربستہ کھڑے دیکھا۔ وہ اپنی شکل و صورت سے وحشی جنگجو دکھائی دیتے تھے۔ انہوں نے بھیڑ کی کھال کے لباس پہن رکھے تھے اور ہاتھوں میں شکاری نیزے تھام رکھے تھے ان کے پاس ڈھالیں نہیں تھیں۔

سائرس نے دیکھا ان آدمیوں کے عقب میں عورتیں بھی کھڑی تھیں جنہوں نے ہاتھوں میں چاقو تھام رکھے تھے۔ اس کا مطلب تھا کہ اس وادی کے لوگ دریا کے کنارے جوان کی آبادی کی سرحد تھا مدافعانہ جنگ لڑنے کا تہیہ کیے ہوئے تھے۔ پایاب مقام سے دریا بڑے بڑے پتھروں سے ٹکراتا ہوا تیزی سے دوسری طرف مڑ جاتا تھا۔ وارتان نے سائرس کو بتایا کہ وہ لوگ ابیری چرواہے تھے جو خوف اور دہشت سے کسی

چیز سے آشنا نہ تھے۔ انہوں نے اس دریا کو رکھوالے کا نام دے رکھا تھا۔ کیونکہ اس کی بدولت ان کے مویشی پلتے رہتے تھے۔

ایرانی کمان دار گھوڑے پر سوار ہو کر دریائی روک کا جائزہ لینے کے لیے آگے بڑھ گیا۔ پھر اس نے ارمنی افسروں سے مشورہ کیا کہ انہیں کس طرح اور کس راستے سے دریا پار کر کے دوسرے کنارے پر پہنچنا چاہیئے۔ جب وہ ایک فیصلے پر متفق ہو گئے تو انہوں نے وارتان سے کہا کہ وہ اپنے ارمنی سپاہیوں کو حکم دے کہ وہ پایاب جگہ سے دریا کو عبور کرنے کی کوشش کریں۔ اس دوران ماروی اور وایانی سپاہی تیزی سے ایک دوسری پایاب جگہ سے دریا پار کرنے کی کوشش کریں گے۔ ایبریوں کی توجہ چونکہ ارمنی سپاہیوں کی طرف ہو گی اس لیے وہ ماردیوں اور وایانیوں کی طرف دھیان نہ دے سکیں گے۔ اس طرح وہ آسانی سے دوسرے کنارے پر پہنچ جائیں گے۔ ایرانی ایبریوں پر تیروں کی بارش برساتے رہیں گے جس کے سائے میں ارمنی اپنی ڈھالیں تانے دریا پار کر لیں گے۔ ایبری دو طرف سے حملے کا مقابلہ نہ کر سکیں گے۔ اور جلد ہی مغلوب ہو جائیں گے۔

سائرس کو یہ منصوبہ موثر معلوم ہوا تھا۔ مگر اس میں شدید خونریزی کا خدشہ بھی موجود تھا۔ خونریزی سے بچنے کے لیے وہ بڑی تیزی سے حرکت کرنا چاہتا تھا۔ کیونکہ سپاہی سب اس منصوبے پر عملدرآمد کے لیے تیار تھے اور جنگ پر تلے ہوئے تھے۔

"یہ ایک شگون ہے!" وہ چلا کر بولا۔ سب اسے گھورنے لگے۔ "یہ دریا میرا نام اختیار کیے ہوتے ہے اور اس نے مجھے حکم دیا ہے۔ وہیں کھڑے رہو جہاں کھڑے ہو!"

سپاہیوں میں بے چینی پھیلنے لگی۔ ماروی کمان دار جسے اپنی شجاعت و تہور پر بڑا ناز تھا۔ اپنے گھوڑے کو دوسری طرف موڑ لیا۔ اس کا گھوڑا کچھ لنگڑاتا ہوا چل

سرزمین کے لوگ اس کی باتیں سننے اسکے گرد جمع ہو گئے۔ دریا کے دوسرے کنارے پر ارمنی اور ایرانی بہادر بے حس و حرکت اور خاموش کھڑے تھے۔ تھوڑی دیر بعد وارتان کی کوشش سے ان کے درمیان ایک عارضی صلح نامہ طے پایا گیا جس کی رو سے ابیرلوں نے سائرس کی فوج کے لیے خوراک اور گھوڑوں کے لیے چارہ مہیا کرنا منظور کر لیا۔

" میں غلطی پر تھا" سائرس نے بمسرت تبصرہ کیا " ان لوگوں سے بات چیت کے لیے بغیران پر حملہ کرنا واقعی ایک شدید غلطی ہوتی " پھر وہ ہنسا " ساتھ ستاروں کی قسم! ہم خوش قسمت ہیں "

وارتان نے فلسفیانہ انداز میں اپنا سیاہ بالوں والا سر ہلایا " ہاں ہاں واقعی " اس نے سائرس کی پیٹی میں اڑسا ہوا مادین کا خنجر ہاتھ سے چھوا " اسے اٹھاؤ۔ اور تم دیکھو گے "

حیرت زدہ ہو کر سائرس نے سونے کے دستے والا وہ خنجر اونچا کیا۔ تمام ابیرلوں کی نگاہیں ایک دستے پر جم گئیں۔

" یہ لوگ بھی بڑی دیوی ماں کے ماننے والوں میں ہیں " وارتان مسکرا کر بولا۔ سائرس کو اس پر غصہ آگیا۔ اس نے چاہا کہ اس ملعون خنجر کو اپنے ہم نام دریا کے پانیوں کے سپرد کر دے۔ وہ ہرگز نہ چاہتا تھا کہ اس کی اطاعت اس لیے کی جائے کہ اس کے پاس عشتار کی شبیہہ والا خنجر موجود تھا۔ پھر اسے خیال آیا کہ اس کی بدولت وہ اپنے سپاہیوں کو بخیر و عافیت دریا پار کروانے میں کامیاب ہوا تھا۔ چنانچہ اس نے خنجر نیام میں ڈال لیا۔

جب اسوارن کے کماندار دریا پار کر کے اس کے پاس پہنچے تو انہوں نے اس سے شکایت کی کہ وہ انہیں چھوڑ کر تن تنہا ہی دریا کے پار چلا آیا تھا۔ اس پر سائرس نے ان سے وعدہ کیا کہ آئندہ وہ ان کے مشورے کے بغیر کوئی قدم نہ اٹھائے گا۔

رہا تھا۔ اس امر نے سائرس کی توجہ اپنی طرف مبذول کی۔ اس نے گھوڑے کی لگامیں کھینچ لیں اور جھک کر اس نمایاں گھوڑے کے اگلے سموں کو دیکھا اور جیسا کہ اسے توقع تھی۔ اس کی نعل ایک جگہ سے ٹوٹی ہوئی تھی۔ اس نے سوار کو حکم دیا۔

" تم کیا لنگڑے گھوڑے پر سواری کرتے پھرتے ہو۔ اترو نیچے "

وہ آدمی ہنسا۔" نہیں سائرس۔ پھر میں کیا پیادہ لڑوں ؟"

" ہاں جیسا کہ میں کیا کرتا ہوں۔ دیکھو!" وہ دوسروں کی طرف مڑا جو اسے حیرت بھری نظروں سے دیکھ رہے تھے " یہ میرا حکم ہے۔ سائرس ہخامنشی کا !"

پھر وہ دریا کی طرف بڑھ گیا۔ اس نے اپنی تلوار والی بیٹی اور اوپر کا لباس اتار دیئے یہ بحث دیکھیں کا کوئی وقت نہ تھا۔ بلکہ یہ عملی طور پر کچھ کر دکھانے کا وقت تھا۔ یوں غیر مسلح وہ پانی میں اتر گیا۔ جو اس کی کمر تک پہنچتا تھا۔ اسے یقین تھا کہ وہ جو کچھ کر رہا تھا ٹھیک ہی کر رہا تھا۔ اس کا فرادا شی اسے آگے بڑھنے کی ہدایت کر رہا تھا اس کے پیچھے پیچھے وارتان بھی پانی میں داخل ہو گیا۔ تیز دھار پانی میں مضبوطی سے قدم جماتا ہوا سائرس دوسرے کنارے پر اتر گیا۔ جہاں وحشی ابیری نیزے سنبھالے کھڑے تھے۔ انہیں دو آدمیوں کا دریا پار آنا، جو نہتے تھے کوئی خطرناک نہ معلوم ہوا تھا۔ جب سائرس ایک بڑے پتھر پر بیٹھ گیا تو وہ اپنے داڑھیوں والے چہرے اس کے قریب لا کر اسے بغور دیکھنے لگے۔

" میری بات سنو" سائرس ان سے بولا " ہمارے درمیان محاذ آرائی کی نوبت ہرگز نہ آنی چاہیئے۔ میں تمہارے علاقے میں شاہ استیاگس کی افواج کے پڑاؤ ڈالنے کے بارے میں تم سے بات کرنا چاہتا ہوں "

وہ لوگ شاید اس کی باتیں نہ سمجھے تھے اس لیے انہوں نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس پر وارتان جو سائرس کے قریب آکر کھڑا ہو گیا تھا۔ ان سے مخاطب ہو گیا اور کھلی

اس وقت سے اس نے زمامِ فیصلہ اپنے ہاتھ میں لے لی۔ میدانِ جنگ میں بھی اور خیمہ گاہ میں بھی۔ ہمیشہ کے لیے۔

کھوکھلی سرزمین

سائرس نے ایبری سرداروں کی دوستی کو مضبوط کرنے کے لیے انہیں اپنے سامان کی گاڑیوں سے چمکدار دھات کے پیالے جن میں انگور کی شراب پی جاتی تھی اور اس شام کی ضیافت میں روشنی کرنے کے لیے نقرئی شمعدان تحفے میں دیے۔ اس ضیافت کے موقع پر ایبریوں نے اپنے مہمانوں کو ہر طرح سے لطف اندوز کرنے کی کوشش کی۔ انہوں نے لکڑی کی بانسریوں پر گیت سناتے اور ان کے نوجوانوں نے ڈھالیں ہاتھ میں لیے اچھل اچھل کر اپنا رقص دکھایا۔ ان وحشی لوگوں سے کچھ بعید نہ تھا کہ یہ دوستی کی فضا کو دشمنی میں بدل ڈالتے اور وہیں جدال وقتال برپا کر دیتے اس لیے سائرس نے اپنے بہادروں کو سمجھا دیا تھا کہ وہ چوکنے رہیں اور ایبریوں کی دوستی کو دوستی کے معنوں میں نہ لیں۔ مگر پھر بھی اتنا ضرور کریں کہ اپنے ہتھیار بے نیام نہ کریں۔ اس نے اس مارنی سردار کو، جس کا گھوڑا لنگڑا ہو گیا تھا، یہ ہدایت تمام لشکر میں پھیلانے کا حکم دے دیا تھا۔

ایسا کرنا مشکل نہیں تھا۔ اس علاقے میں ہر سو پکی ہوئی فصلیں لہلہا رہی تھیں۔ سوروں اور دوسرے جنگلی جانوروں کے غول شکاریوں کو دعوتِ شکار دیتے ادھر ادھر گھومتے پھرتے دکھائی دے رہے تھے۔ اس کے علاوہ ایبری عورتیں تھیں، جو

حسین چہرے اور دلکش جسم رکھتی تھیں۔ اس استقبالیہ ضیافت میں یہ عورتیں سائرس کے ڈیرول کے قریب کھسک آئیں اور ان کی قمیصوں پر کئے ہوئے کشیدہ کاری کے کام پر انگلیاں پھیر کر اس کی خوبصورتی کو سراہنے لگیں۔ ہرچند کہ طرفین ایک دوسرے کی زبانیں نہ جانتے تھے بعض شوخ چشموں نے مہمان بہادروں کو اپنے ساتھ اپنے گھروں میں چلنے کی بھی دعوت دی۔ بعض جنگجوؤں نے ان حسیناؤں کی اس دعوت پر لبیک کہی اور ان کے ساتھ ہولیے۔ اپنے گھروں میں داخل ہوتے ہی ان عورتوں نے ان مہمان بہادروں سے ان کی کمانیں لے کر دیواروں پر ٹانگ دیں۔ انہوں نے بہادروں کو کسی بُری نیت سے نہتا نہ کیا تھا کیونکہ جب تک ان کی کمانیں دیوار سے لٹکی رہتیں۔ ان کے شوہر اپنی بیویوں کی مصروفیات کو سمجھتے ہوئے اس ضیافت ہی میں بیٹھے رہتے۔ پھر سائرس نے دیکھا کہ حسین ایبری عورتیں اپنے گھروں سے اس حال میں برآمد ہوئی تھیں کہ ان کی کلائیوں میں اس کے بہادروں کے دیے ہوئے کنگن پڑے تھے۔

دوسری طرف ارمنی اس ضیافت میں شدید بے چینی محسوس کر رہے تھے۔ انہیں ایبری عورتوں یا شکار کے جانوروں کی ہنہنات سے کوئی دلچسپی محسوس نہ ہو رہی تھی۔ ان کا دل چاہ رہا تھا کہ کاش اس وقت وہ ایبریوں کے اس پہاڑی علاقے میں پتھر کے بنے ہوئے مکانوں کی بجائے اپنے گھروں میں ہوتے۔ وارتان خاموشی سے گھر کے انگارہ دان کو گھورے دیا گیا تھا۔ گھورتا ہوا کسی گہری سوچ میں غرق تھا۔ "سائرس" اس نے انداز فلسفیانہ میں کہا "مجھے بتایا گیا ہے کہ ایرانی ہمیشہ سچ بولتے ہیں۔ تم ایرانی ہونے کے ساتھ ساتھ ہخامنشی بھی ہو۔ جو ایرانیوں کی محترم ترین اور قابل فخر نسل سمجھی جاتی ہے نہ صرف ہخامنشی بلکہ ایک بادشاہ کے فرزند بھی ہو۔"

سائرس نے اثبات میں سر ہلایا اور اس کے مزید کچھ کہنے کا منتظر رہا۔ اسے معلوم تھا کہ ارمنی کبھی صاف اور واضح طور پر وہ بات نہیں کہا کرتے جو ان کے ذہن میں ہوتی

ہے۔
" اب اگر تم اگبتانا واپس جاکر یہ کہو گے کہ تم نے ایبریوں کا علاقہ فتح کرکے استیاگس کی قلمرو میں شامل کر لیا ہے تو یہ ایک جھوٹ ہوگا۔ کیوں کہ تم نے ایسا نہیں کیا۔"
" ہاں۔ میں نے واقعی اس علاقے کو فتح نہیں کیا۔"
" تم نے ان ایبریوں کی دوستی اپنے لیے جیتی ہے۔ میدیوں کے بادشاہ کے لیے نہیں۔"
" ہاں یہ بھی صحیح ہے۔"
وارتان کے ماتھے کی شکنیں گہری ہو گئیں۔ " کیا تم مجھے اجازت دو گے کہ میں تم سے اس کی وجہ دریافت کر سکوں؟"
سائرس نے اس کی اس چبھتی ہوئی پرسش کا کوئی اثر نہ لیا۔ " میدیوں کا قانون صرف ان کی سرحدوں تک ہی کارآمد ہے اور مجھے یہ دکھائی دیتا ہے کہ یہ سرحدات بھی کوئی مضبوط اور واضح نہیں بلکہ مشکوک اور غیر واضح ہیں۔ تاہم ہم یہ جانتے ہیں یہ سرحدات مقدس پہاڑ الارات تک جا پہنچتی ہیں۔ سرحدات سے باہر مختلف قسم کے قوانین کی حکمرانی ہے انہیں بادشاہ کے قوانین کہا جاتا ہے۔ اگر تمہارا بادشاہ استیاگس کبھی اپنے دارالحکومت سے باہر نکلنے کی تکلیف کرے۔ یعنی یہاں گھاس کے سمندر تک آنے کی زحمت گوارا کرے تو وہ اپنے تخت پر بیٹھ کر انہی قوانین کی بات کرے گا جسے بادشاہ کے قوانین کہا جاتا ہے۔ اب میں یہاں تنہا موجود ہوں۔ لیکن کمبی سس کے فرزند کی حیثیت سے مجھے ان باتوں کے متعلق سوچنا ہے جن سے میرا واسطہ پڑنے والا ہے۔ اس لیے اس تہذیب و تمدن کی روشنی سے محروم سرزمین پر میں اپنے فیصلے خود کرنے کا مجاز ہوں گا۔ اور ان کی روشنی میں جو قدم اٹھاؤں گا اس کے متعلق اگبتانا والوں کو بتاؤں گا اور یہ سب سچ ہی ہوگا۔" سائرس نے ارمنی کا ہاتھ چھوا۔ " میں پوچھتا ہوں آخر کونسی بات تمہارے

ذہن کو تکلیف پہنچا رہی ہے ؟"

سردی کا موسم" دارناں نے کہا۔ انہیں اس کو کسی سرزمین میں محصور کردے گا جب تمام پہاڑی درّے اور گزرگاہیں برف سے بند ہو جائیں گی۔ ایسی صورت میں اس کے بہادروں کے لیے سوائے اس کے کوئی راستہ نہ رہے گا کہ وہ ان وحشی ایبریوں کے علاقے میں ریچھوں کی مانند اگلی گرمیاں شروع ہونے تک گرم گپھیں ڈھونڈتے پھریں۔

سائرس سمجھ رہا تھا کہ ارمینوں کو اس بات کا رنج تھا کہ اس نے انہیں اس وادی میں لوٹ مار کرنے کی اجازت کیوں نہ دی تھی۔ ان کی تعداد بھی اتنی زیادہ تھی کہ ایبریوں کے لیے انہیں تمام سردیاں بٹھاکر کھلانا مشکل تھا " پھر بہتر یہی ہے کہ یہ لوگ اپنے دیہاتوں میں " اپنے خاندانوں میں واپس چلے جائیں " سائرس نے فیصلہ دیا۔

اگر دارناں کے ذہن میں ایسا کوئی خیال موجود ہوتا کہ وہ اس وادی پر اپنا دعویٰ کرتا تو سائرس ہرگز اس سے متفق نہ ہو سکتا تھا۔ دارناں حسب عادت گہرے سکوت و فکر میں ڈوب گیا۔ اس کے گھٹنوں پر سائرس کا شکاری نیزہ رکھا تھا جس سے وہ بے دھیانی کے عالم میں کھیل رہا تھا۔ انہوں نے اپنی پہلی ملاقات کے وقت ایک دوسرے کی دوستی اور خیر خواہی کی علامت کے طور پر آپس میں اپنے نیزے بدلا لیے تھے۔

" سائرس " بالآخر اس نے کہا " تم یا تو بے وقوف ہو جو ایک خواب کے راستے پر چلے جا رہے ہو۔ یا ایک بہت ہی عقلمند اور زیرک انسان ہو اگر تم واقعی فاترالعقل اور احمق انسان ہو جیسا کہ مجھے یقین ہے تو میں یہ کروں گا کہ تمہارے مردہ جسم کو اچھی طرح سے حنوط کروا کر اعزاز کے ساتھ پارسی گرد روانہ کر دوں جہاں اسے ہخامنشی مقبرے میں دفن کر دیا جائے گا۔

سائرس نے قہقہہ لگایا " اور اگر میں عقلمند ثابت ہوا تو ؟"

دارناں نے انگارہ دان میں جلتے کوئلوں کو پرسوچ نگاہوں سے گھورا۔

پھر یہ میرے لیے انتہائی حیرت کی بات ہوگی ۔" اس نے اعترافاً کہا ۔

اگلی صبح اس نے اپنے سپاہیوں کو اکٹھا کیا اور انہیں اپنا سازوسامان باندھنے کا حکم دیا ۔ پھراس نے انہیں بالائی پانیوں کی طرف روانہ کر دیا ۔ ان کے چہرے ان کے گھروں کی طرف تھے ۔ اپنے گھروں میں واپس پہنچنے کی خوشی میں وہ تیزی سے دریا عبور کرتے ہوئے دوسرے کنارے پر اترنے لگے ۔ وارتان ان واپس جانے والوں میں شامل نہیں تھا ۔ اس کے ساتھ اس کا ذاتی خدمت گار اور اس کے گھوڑے کا رکھوالا بھی وہیں رک گئے تھے ، اس کے علاوہ نصف درجن سدی نیزہ بردار بھی وہیں رہ گئے تھے جو دوران سفر سب سے الگ تھلگ ہی رہے تھے ۔

" میں تمہارے ساتھ ساتھ رہوں گا ۔" وارتان نے سائرس سے کہا ۔" کیا ہم نے دوستی کی علامت کے طور پر آپس میں نیزے نہیں تبدیل کیے ؟ "

" اور یہ سدی ؟ " سائرس نے سدیوں کی بابت استفسار کیا ۔

یہ رہنمائی کرنے کے لیے ان کے ہمراہ بھیجے گئے تھے ۔ وارتان نے سائرس کو بتایا کہ استیاگس نے سٹیپ کے علاقوں میں ان کی رہنمائی کے لیے ان سدیوں کو ان کے ہمراہ کیا تھا ۔

" تمہاری طرح مجھے بھی تعمیل حکم کی عادت ہے سائرس ۔ مگر ایک مختلف طریقے سے ۔ سائرس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ ان حالات میں اسے کیا کرنا چاہیے ۔ جن سدیوں کو استیاگس نے ان کے ہمراہ کیا تھا ۔ وہ دوسرے سدی وحشیوں کی مانند تھے ۔ وہ اپنا وقت اپنے تیز رفتار گھوڑوں کی دیکھ بھال میں اور ان کے ساز وغیرہ درست کرنے اور چرانے میں صرف کرتے تھے ۔ جب کبھی انہیں فرصت میسر آتی تو وہ کئی دنوں تک پڑاؤ سے غائب رہتے تھے ۔ شاید وہ سیروشکار کے لیے دور دراز کے گھنے جنگلات میں نکل جایا کرتے تھے ۔ مگر وہ بخیروعافیت ایرانیوں کے پڑاؤ میں پہنچنے میں کامیاب ہو جاتے

تھے۔ سائرس کے ملازم ایمبا کا کہنا تھا کہ وہ گھاس کے سمندر تک پہنچنے کے لیے دن گن کرتے تھے۔ اگر وا لکہ زندہ ہوتا تو شاید وہ ان شکاریوں کے متعلق کچھ اور ہی تبصرے کرتا مگر بدقسمتی سے وہ اسٹیاگس کے دریا میں مارا جا چکا تھا۔

سائرس کو اس جگہ کسی زنجیر کی مانند گرم چشمیں تلاش کرنے کی کوئی ضرورت پیش نہ آئی۔ کیونکہ بجائے اس کھلی سرزمین میں دلچسپی اور توجہ کے کئی خوشگوار پہلو دکھائی دیے تھے۔ اسے یقین نہ تھا کہ اس دریا کا نام اس کے نام پر ہونا کوئی عین اتفاق ہو سکتا تھا۔ اس کے خیال میں شاید کسی زمانے میں وہاں سے گزرنے والے آریائی حملہ آوروں نے اس دریا کا نام رکھوا رکھا ہو گا۔ جیسا کہ اسے شک تھا۔ ابیریوں نے اسے بتایا تھا کہ کئی صدیاں پہلے ان کی سرزمین آریہ حملہ آوروں کی تاخت کا نشانہ بنی تھی اور بری طرح تباہ و برباد ہوئی تھی۔ اسے سنبھلنے میں طویل مدت لگی تھی۔

اس نے اس وادی کے سرسبز و شاداب اور زرخیز ہونے کی وجوہات معلوم کرنے کے لیے اس کی تفصیلی سیاحت کی۔ وہاں کوئی غلام نہ تھے جو زمینوں میں ہل چلاتے دیکھے بھی اس زمین کو کھیتی باڑی کے لیے ہل کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ یہ زمین بے حد ہی زرخیز تھی اور اسے کسی قسم کی بیماری کی لاحق نہ تھی۔ سائرس کو یہ سرزمین عیلامی سرزمین سے بے حد مختلف دکھائی دی۔ عیلامی سرزمین بھی زرخیز اور سرسبز تھی۔ البتہ اشوریوں نے اسے بنجر بنانے کی جو کوشش کی تھیں۔ ان کی کچھ نشانیاں ابھی تک وہاں باقی تھیں۔ یہاں زمین مردہ نہ پڑ رہی تھی۔ ابیریوں کی انگوروں کی بیلیں بھرپور فصلیں دے رہی تھیں۔ وہ انگوروں کی شراب بناتے تھے اور شراب نوشی کا جشن مناتے تھے۔ سائرس جان گیا تھا کہ ان کے پہاڑ کیسے ان کی حفاظت کرتے چلے آ رہے تھے۔ وہ اکثر سوچا کرتا تھا کہ وہ ابیریوں اور پہاڑوں پر بسنے والے دوسرے لوگوں کو ایرانی یا میدی حکومت کے زیرِ سایہ متحد کر دے۔ لیکن ایسی سوچوں کے باوجود اسے ابیریوں کی فلاح و بہبود کا خاص

خیال تھا۔ جو خالقِ ارض و سما کی عطا کی ہوئی نعمتوں کا لطف اٹھا رہے تھے۔ جو سائرس کے خیال میں سورج کی حرارت، صاف اور تازہ پانی، زرخیز زمینیں اور مویشیوں کی بہتات تھیں۔

وارتان کو شکایت تھی کہ ایبری اپنے گھروں میں نچلے حصّوں میں اپنے جانوروں کو رکھتے تھے اور خود اوپر کی منزل کے کمروں میں سوتے تھے اور اسے اس حالت میں نیند ہی نہ آتی تھی جب اس کے نیچے سؤر شور مچا رہے ہوں۔ اس نے سائرس کو یہ بھی بتایا کہ ایبریوں کے پاس تجارت کرنے کے لیے بہت کم چیزیں موجود تھیں۔ ان کے پاس زیادہ تر کھالیں تھیں اور تھوڑی سی مقدار میں جست کی دھات تھی جس کا مصرف انہیں معلوم ہی نہ تھا انہوں نے آمد و رفت کی سہولتوں کے لیے کوئی سڑکیں وغیرہ تعمیر نہ کر رکھی تھیں۔ نہ ان کے ہاں شہر تھے نہ معبد۔ ان کی عقلمند سے عقلمند عورتوں کے دماغوں میں بھی جتنی عقل موجود تھی اس سے زیادہ عقل دریائی بھینسوں کی کھوپڑیوں میں تھی۔

وارتان کو ہرگز یقین نہ تھا کہ ایبری عورتیں بڑی دیوی ماں کی کوئی خدمت یا عبادت کرتی ہوں گی۔ اس کے حضور کبھی کوئی چڑھاوا نہ چڑھایا جاتا تھا نہ کوئی قربانی دی جاتی تھی۔ شاید عورتیں سائرس کے خنجر کے دستے کو صرف اس لیے گھورتی تھیں کہ وہ خالص سونے کا بنا ہوا تھا۔ ایک مرتبہ جب وارتان نے ان سے سوال کیا کہ سونا کس جگہ پایا جانا ممکن تھا تو انہوں نے سادگی سے مغرب کی طرف اشارہ کر کے کہا "وہاں"۔

وارتاں کی سنہری اُون

پھر ایسا ہوا کہ جونہی موسم بہار کے آغاز کے ساتھ برف کے پگھلاؤ کا عمل شروع ہوا سائرس اپنے دستوں کے ہمراہ مغرب کے سفر پر چل پڑا۔ وہ وارتاں کو مطمئن کرنا چاہتا تھا مگر اس مہم سے اس کا اصل مقصد اس دریا کا سرچشمہ تلاش کرنا تھا جو اس کا ہم نام تھا۔ چلتے چلتے وہ ایک بہت وسیع وعریض علاقے میں جا نکلے۔ وہ برف پوش چوٹیوں کے نیچے ہی نیچے اس وقت تک چڑھتے اترتے رہے جب تک انہوں نے اپنی آنکھوں سے نیا سمندر نہ دیکھ لیا۔ اس سمندر کے ساحل کا نام کولچس تھا۔ وہاں کے باشندے آنے والوں کو دیکھتے ہی سہمی ہوتی جیسے بکریوں کی طرح اپنے گھروں سے بھاگ کھڑے ہوتے۔ گھڑسوار پہاڑوں میں ان کا تعاقب نہ کر سکتے تھے۔ ساکن پانی کی سطح پر غروب ہوتے سورج کا نظارہ بے حد ہی عجیب وغریب تھا۔

اس جگہ انہوں نے دو عجیب چیزیں ملاحظہ کیں۔ کم گہری مگر تیز رفتار ندیوں میں بھیڑوں کی کھالیں اس طرح قالین کی مانند تیرائی جاتی تھیں کہ ان کا روئیں والا حصہ اوپر کی طرف ہوتا تھا۔ اس جگہ ایرانی اسواروں نے جہاز دل کا نظارہ بھی کیا۔ لکڑی کے بنے ہوئے چھوٹے چھوٹے مال بردار جہاز جن کے ستونوں پر خیموں کے کپڑے چڑھے ہوتے تھے ہوا کے

بھیڑوں کی مدد سے سمندر میں تیرتے تھے۔ بعد میں جب سپاہیوں نے اس جگہ کے بزدل اور شرمیلے لوگوں کو بلطف و کرم اپنے پاس آنے پر مجبور کیا اور انہیں اپنے لیے سامانِ خوراک مہیا کرنے پر آمادہ کیا تو اس وقت انہیں معلوم ہوا کہ وہ جہازیے تاجروں کے تھے جو ایک اجنبی زبان بولتے تھے۔

سائرس ان جہازیوں کو گلدان بنانے والے کہنے لگا تھا۔ کیونکہ وہ کوکھینیوں کو سینے کے عوض ایسے مرتبان دیتے تھے جن پر گل بوٹے بنے ہوتے تھے۔ گلدان بنانے والوں کی داڑھیاں گھنگھریالی رنگ سانولے اور چہرے عیار آدمیوں کے چہرے تھے ان سے تعوں کے تیل کی بو آرہی تھی۔ وہ اپنے مالِ تجارت کو کھینی تاجروں کے مالِ تجارت کے مقابلے پر لا کر ان پر حاوی ہو گئے تھے۔ انہوں نے ان میں سے بیشتر کو غلام بنا لیا تھا اور اپنے جہازوں میں بٹھا کر نامعلوم سرزمینوں کی طرف نکل گئے تھے جب ہوا نہ چل رہی ہوتی تھی تو گلدان بنانے والے اپنے جہازوں کو چپوؤں کی مدد سے کھینچتے تھے۔ وہ مزاج کے تیز اور ذرا ذرا سی بات پر کٹ حجتی کرنے والے لوگ تھے۔ وہ آریائی نسل کے معلوم ہوتے تھے۔ کیونکہ وہ اپنے آپ کو اکائی کہا کرتے تھے جن کا تعلق سپارٹا اور ملی تس جیسے شہروں سے تھا اور سپارٹا والے بہترین تاجروں کی بجائے بہترین جنگجو زیادہ تھے۔ جب سائرس کو یہ معلوم ہوا کہ سپارٹی جنگ میں گھوڑوں کی سواری نہ کرتے تھے تو اسے ان میں کوئی دلچسپی باقی نہ رہی۔ اسے ان مغربی تاجروں سے ویسے بھی نفرت تھی۔ کیوں کہ وہ جہاں کہیں بھی جاتے تھے اپنی منڈیاں قائم کر لیتے تھے جہاں مال کی خرید و فروخت کی بجائے یہ لوگ اپنی ہر چیز کا مول تول کرنے دنگا فساد گرما گرم بحث و تمحیص اور لڑائی جھگڑے میں الجھے رہتے تھے۔ اس کے بعد یہ لوگ اپنی طبیعتیں بشاش کرنے کے لیے شراب پیتے تھے اور آپس میں نامعلوم دیویوں اور مختلف شہروں کی حسین دوشیزاؤں کے تذکرے کرتے تھے۔ انہی کی زبان سے نکلنے والی ایک بات

کی بھنک وارتان کے کانوں میں بھی پڑ گئی۔

ان آوارہ گرد تاجروں نے سنہری اون کا تذکرہ کیا تھا۔ جب وارتان نے ان سے اس کی بابت استفسار کیا تو انہوں نے ان کو پچینوں کی طرف اشارہ کیا، جو اس جگہ سے کافی فاصلے پر ایک بڑی سی کانسی کی دیگ کے اوپر بیٹھے اون کی خشک کھالیں جھٹک رہے تھے یہ نظارہ دیکھ کر وارتان کو وہ کھالیں یاد آگئیں جو تیز رفتار، کم گہری ندیوں میں ڈالی گئی ہوتی تھیں۔ انہیں ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک جوڑ جوڑ کر باندھا گیا ہوتا تھا اور ندیوں کا تیز رفتار پانی تیزی سے ان پر سے گزرتا ہوا انہیں لہراتا جاتا تھا۔ وہ نظارہ یاد کر کے وارتان کو احساس ہوا کہ کو پچینی اس طریقے سے ان کھالوں کو محفوظ رکھتے تھے جب کبھی انہیں ان کی فروخت کی ضرورت پڑتی تھی تو وہ انہیں ندی سے نکال کر سکھا لیتے تھے اور بیچ ڈالتے تھے۔ یہ کھالیں بہت مہنگی فروخت ہوتی تھیں۔ یعنی ان کے نزدیک سونا تھیں۔ یہ معلوم ہونے پر اس کے دل میں اونچی ترائیوں میں واقعی ندیوں کی طرف جا کر وہ کھالیں اکٹھی کرنے کی خواہش پیدا ہونے لگی۔

ایمپانے سائرس سے درخواست کی کہ اسے مغرب کی بجائے مشرق کی طرف پیش قدمی کرنی چاہیئے۔ یہ دیوہیکل ہیرکانی اس سمندر کے کنارے پیدا ہوا تھا جسے بحر ہیرکانیہ کہا جاتا تھا۔ اس نے کو پچینی سمندر کا پانی چکھ کر اعلان کیا تھا کہ یہ ہرگز اس کے اپنے سمندر کا پانی نہ تھا۔ اس نے سائرس کو قصہ سنایا کہ اس کے وطن ساحلوں میں عجیب و غریب دیوتا زمین کو آگ سے جھلسا دینے کے لیئے تحت الثریٰ سے باہر نکلا کرتے تھے اور یہ کہ ان کی لگائی ہوئی آگ اکثر مقامات پر ابھی تک کبھی نہ بجھنے والے شعلوں کی صورت میں جل رہی تھی۔

چنانچہ سائرس اپنے بہادروں کے ہمراہ مشرق کی سمت روانہ ہو گیا اس امید پر کہ وہ شاید اس جگہ اپنے ہم لقب دریا کا سرچشمہ تلاش کرنے میں کامیاب ہو جائے۔

راستے میں دارزمان نے ندیوں میں پڑی ہوئی کھاد میں سونا پوشیدہ ہونے کی افواہوں کی تصدیق کے لیے ایک ندی سے ساری کھاد باہر نکالی لیکن ۔ گرچھان پھٹک کرنے پر اسے محض سونے کی چھوٹی سی ڈلی ہاتھ آئی ۔

" تم اس کا کیا کرو گے ؟" سائرس نے اس کی جھلاہٹ اور مایوسی سے لطف اندوز ہوتے ہوئے استفسار کیا ۔

" زیادہ سونا حاصل کرنے کے لیے دوسروں کو دے دوں گا " دارزمان نے جواب دیا ۔

موسم گرما کے باقی دنوں میں سائرس کے بہادر ان لوگوں سے لڑتے بھڑتے آگے بڑھتے رہے جو ایبریوں سے زیادہ تند خو اور کوہیتوں سے زیادہ وحشی اور غیر مہذب تھے ۔ مشرق کی جانب پیش قدمی کے دوران سائرس کا سب سے بڑا مسئلہ اپنے بہادروں کے لیے سامانِ خوراک اور باربرداری کے گھوڑوں کے لیے گھاس اور چارے کا حصول بنا رہا وہ ہر قسم کی مشکلات سے نمٹتے تکالیف اور سختیاں جھیلتے مشرق کی جانب مسلسل آگے بڑھتے رہے یہاں تک کہ انسانی آبادی ختم ہوگئی اور جنگلی جانور پرندے چرندے بھی خال خال ہی نظر آنے لگے ۔ تیز ہواؤں کے جھکڑ آسمانی آفات کی مانند پورے غیظ و غضب سے ان پر حملہ آور ہونے لگے اور انہیں گرد و غبار میں ڈھانپنے لگے ۔ بحرِ ہیرکانیہ کے قریب پہنچنے تک آندھیوں اور گرد و غبار کے طوفانوں میں بھی شدت آ گئی ۔ اس جگہ زمین کا رنگ زرد ہو گیا ۔ زرد رنگ کا خشک سفوف زمین سے اڑ اڑ کر ان کی سانسوں کے ذریعے ان کے پھیپھڑوں میں داخل ہوتے ہوئے انہیں شدید کھانسی میں مبتلا کر دیتا تھا ۔ انہیں اپنا گلا گھٹتا ہوا محسوس ہوتا تھا ۔ اس زمین کے زرد ہونے کی وجہ اس میں گندھک کی آمیزش تھی اور اس کی تیز بو انہیں صاف سنگھائی دے رہی تھی ۔ اس کے علاوہ زمین پر سیاہ رنگ لاوے کی تہوں کی تہیں

بجھی ہوئی تھیں۔ جن پر گھوڑوں کے پاؤں رپٹ رپٹ جاتے تھے۔ دور دھوئیں کے غبارات ہوا میں چکراتے بلند ہوتے دکھائی دے رہے تھے۔ دھوئیں کے ان مرغولوں کے نیچے سرخ سرخ آگ مسلسل بھڑکتی دکھائی دے رہی تھی۔ اسوارن کے بہادر بادلِ نخواستہ آگے بڑھ رہے تھے۔ انہیں بحر ہیر کانیہ کا یہ ساحل پاتال کی دنیا کا داخلی دروازہ دکھائی دے رہا تھا جہاں کی آگ بھی ملعون و منحوس تھی۔ انہیں یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ غیر محسوس طریقے سے فدائے شر آژی ضحاک کی کچھار میں داخل ہو رہے ہوں ایما نے واقعی انہیں صحیح بات بتائی تھی۔

جب زمین سے گھاس کم ہوتے ہوتے غائب ہو گئی۔ تو سائرس نے گھوڑوں کی زندگی کی خاطر اپنے بہادروں کو واپسی کا حکم دیا۔

" یہ سفر ہمارے لیے کسی خوش بختی کی علامت ثابت نہیں ہو سکا" اس نے کہا۔ " ہمیں اس گھاس کے سمندر سے ہٹا کر کسی ایسی جگہ لے چلو جہاں ہمیں اپنے زندہ ہونے کا احساس ہو اور ہمارا سفر بخیر و خوبی تکمیل کو پہنچے۔"

اس پر دارتان نے سدی بدر قوں کو بلایا۔ اس کا حکم پا کر وہ خاموشی سے ایک ایسی گھاٹی میں داخل ہو گئے۔ جو شمالی جانب جا نکلتی تھی۔ کئی دنوں تک مسلسل چلتے رہنے کے بعد انہیں ایک مرتبہ پھر پہاڑی بلندیاں چڑھنی پڑیں۔ یہاں پگھلتی برف کے سبب کچھ ہریالی تھی۔ جو گھوڑوں کے چرنے کے لیے کافی ثابت ہوتی۔ ان کے سروں پر برف پوش چوٹیاں بادلوں کی چھتری سے چھنتی سورج کی کرنوں سے جگمگا رہی تھیں۔ جب شمالی جانب بادل چھٹ گئے۔ تو سدیوں نے اپنے گھوڑے روک لیے اور سامنے کی طرف اشارہ کیا۔ ان کے سامنے دور نیچے ہموار سبز چادر پھیلی ہوئی تھی۔ جو سمندر نہیں بلکہ زمین تھی۔

(اس امر کی واضح شہادت موجود ہے کہ سردیوں میں سائرس نے جس جگہ پر پڑاؤ

ڈالا تھا وہ کاکاسس کا جنوبی حصّہ تھا۔ اس جگہ ایک وادی تھی جہاں آج کل جدید طفلس واقع ہے اس جگہ اب بھی وہ دریا بہتا ہے جسے کورا دریا کہا جاتا ہے۔ اپنی مغرب کی جانب پیش قدمی میں سائرس بحیرۂ اسود کے ساحل تک جا پہنچا تھا۔ جہاں آیونی یونانی تجار نے اپنی تجارتی منڈیاں قائم کر رکھی تھیں۔ مشرقی جانب سے ایرانیوں کی اس غیر متوقع یلغار نے انہیں بنجر و ویران نیل سے لتھڑے اس ساحل کی طرف دھکیل دیا جہاں آج کل جدید باکو آباد ہے۔ یہ ساحل بحر ہیر کانیہ کا ساحل تھا جسے آج کل کیسپئین کہا جاتا ہے۔ اس ساحل کی سطح پر صدیوں سے زمین سے تیل رس رس کر جل رہا تھا۔ پھر سائرس نے شمالی جانب پیش قدمی کی اور ان سرد لق و دق صحراؤں میں جا نکلا جو آج کل روس میں شامل ہیں۔ یعنی سائبیریا کے برفانی صحرا۔

ایک سدّی مقبرہ

اس عظیم میدان میں گھوڑے دوڑلنے کے پہلے چاند کے وقت ایرانیوں کو محسوس ہونے لگا کہ ان کی پیش قدمی کے ساتھ ہی اس عظیم میدان میں بسنے والے لوگ ان کے ان کی رہائش گاہوں کے قریب پہنچنے سے پہلے ہی اپنا مال اسباب سمیٹ کر وہاں سے بھاگ لیتے تھے۔ اس لیے وہ جب کسی خیمہ بستی میں پہنچتے تھے تو وہ اسے خالی پڑا ہوا دیکھتے تھے۔ وہاں اکثر آگ جل رہی تھی اور اس کے آس پاس مویشیوں کے قدموں اور چکروں کے بہتیوں کے نشانات جو تازہ ہوتے تھے۔ بکھرے دکھائی دیتے تھے۔ گویا وہاں بسنے والے اپنے مال مویشی سمیٹ کر بڑی عجلت میں وہاں سے فرار ہوئے ہوتے تھے۔ کسی جگہ بھی مقامی باشندوں نے اپنی بستیوں میں ترک کر ان کا استقبال کرنے یا ان پر حملہ کرنے کی کوشش نہ کی تھی۔

ایک خیمہ گاہ میں چولہوں میں ابھی تک انگارے دہک رہے تھے اور چمڑے کے تھیلے اور مٹی کے پیالے اور گرے ہوئے خیموں کے سرخ بال دار کپڑے افراتفری کے عالم میں بکھرے دکھائی دے رہے تھے۔ اس جگہ سائرس نے پتھر کا ایسا ہتھیار گرا ہوا پایا۔ جس کے دستے پر سونے کا کچھ کام کیا گیا تھا۔ یہ ہتھیار دیکھ کر اس نے اندازہ

لگایا کہ اس جگہ کے فرار ہونے والے باشندے ضرور سدی خانہ بدوش ہوں گے۔ جو اس کے لشکر کی آمد کی خبر پاتے ہی بدحواسی کے عالم میں اپنی اس خیمہ گاہ سے فرار ہو چکے ہوں گے۔ البتہ اس کے سدی گائیڈوں نے حسبِ معمول خاموشی سادھے رکھی اور اسے کچھ بھی نہ بتایا۔ انہوں نے اسے صرف اتنا ہی بتایا کہ تھوڑی دور چلنے کے بعد اسے ایک بادشاہ کی ریاست کے آثار ملیں گے۔ وہاں اس بادشاہ کا مقبرہ بھی موجود ہوگا۔ جو چاروں طرف سے بند ہوگا۔

جب سے ان لوگوں نے پہاڑوں سے نکلنے والے آخری دریا کو پیچھے چھوڑا تھا انہیں کوئی پختہ مکان دکھائی نہ دیا تھا۔ ظاہر تھا کہ گھاس کے سمندر یا بحر گیاہ میں بسنے والے تمام لوگ خانہ بدوش تھے جو کہیں بھی پکے مکان بنا کر نہ رہتے تھے۔ اسوارن والوں کے حوصلے بہت بڑھے ہوتے تھے۔ انہوں نے ایسی گھاس کے میدان کبھی نہ دیکھے تھے۔ یہ لمبی گھاس ان کے گھٹنوں تک پہنچتی تھی اور اس میں بے شمار شکاری جانور مثلاً خرگوش، بارہ سنگھے اور ہرن موجود تھے۔ ہلکی ہوا میں یہ گھاس کھڑے پانی کی مانند ہلکوروں کی صورت میں ہلتی تھی۔ گوشت کی فراوانی تھی اور نسایانی گھوڑوں کے لیے گھاس کی بھی کوئی کمی نہ تھی۔ پھر بھی انسان اور گھوڑے دونوں عجیب بے چینی سی محسوس کر رہے تھے۔ اسوارن والے باہم مذاق کرتے تھے کہ وہ ایک نئی قسم کی جنت میں نکل آئے تھے۔ جس کی انتہا معلوم نہ تھی۔

سائرس نے جب اپنے لشکریوں کے اس مذاق کے بارے میں سنا تو اسے اپنی پریشانی کی وجہ معلوم ہوگئی۔ وہ صحیح طور پر نہ بتا سکتا تھا کہ اس وقت کہاں تھا۔ اپنے وطن کے پہاڑوں میں اسے ہر جگہ ہر مقام کی نشانیاں معلوم تھیں مگر یہ جگہ اس کے لیے قطعاً اجنبی تھی۔ آخری دنوں میں تو سفید پہاڑوں کی برف پوش چوٹیاں بھی میدان کے عقب میں غائب ہوگئی تھیں۔ ہر شام سات رہنما ستاروں کے مطالعے سے اسے

صرف اتنا ہی معلوم ہو پاتا تھا کہ وہ شمال مغربی سمت کی طرف جا رہے تھے۔ روایات کہتی تھیں کہ آریاؤں کا اصل گھر شمال مشرقی سمت واقع تھا مگر وہ جگہ کتنی دور تھی؟ سدی گائیڈ اس بارے میں کچھ نہ بتا سکتے تھے۔ سائرس کی جبلت اسے مشرقی سمت مڑنے پر اکسا رہی تھی اور دائیں ہاتھ کی طرف مڑنا ایک اچھا اشارہ تھا۔ لیکن یہ سدی گائیڈ انہیں مغربی سمت کیوں لے جا رہے تھے؟ شاید اس لیے کہ اپنے ان جانے بھیجا نے علاقوں میں پہنچ کر وہ موقع پا کر انہیں چھوڑ جاتے؟ اگر واقعی ایسا ہو گیا تو وہ لوگ ان اجنبی میدانوں میں واپسی کا راستہ کیوں کر تلاش کر سکیں گے؟

"تم پریشان کیوں ہوتے ہو؟" وارتان نے اس سے کہا۔ "سفید پہاڑ اگر تم واپسی کے لیے مڑو گے تو تمہاری راہنمائی کے لیے موجود ہوں گے۔ یہ اندھا دھند پیش قدمی تمہارے لیے مہلک ثابت ہو گی۔ میرا خیال ہے ہمارے لیے واپس پلٹ جانا ہی بہتر رہے گا۔ ہم استیاگس کو یقین دلا سکتے ہیں کہ ہم سدیوں کے عظیم میدان کو اپنے گھوڑوں کے سموں تلے پامال کر آئے ہیں اور وہ خوش ہو کر اس بحر گیاہ کو اپنا مقبوضہ علاقہ قرار دے کر اپنی قلمرو میں شامل کر لے گا۔"

اس کے الفاظ میں کچھ ایسی بات تھی جس نے سائرس کی پریشانی میں اور بھی اضافہ کر دیا۔ وارتان یوں لاپروایانہ انداز میں باتیں کر سکتا تھا کیونکہ وہ مسلسل پیش قدمی کی یکسانیت سے اکتایا ہوا تھا۔ مگر سائرس پر اپنے آدمیوں کی ذمہ داریاں تھیں۔ اسے اب معلوم ہوا تھا کہ جب تک وہ اپنے لشکر کی کمان کرتا رہے گا فکر و پریشانی سے ہرگز آزاد نہ ہو گا۔

پھر انہیں ایک خطرے سے دوچار ہونا پڑ گیا۔

شام ڈھلتے ہی اسوارن والے ایک چشمے کے قریب ایک صاف جگہ پر گاڑیوں سے سامان اتارنے میں مصروف تھے اور سائرس ایبا اور چند سپاہیوں کے ہمراہ قیمتی

نسایائی گھوڑوں کے لیے ایک مناسب جگہ تلاش کرتا پھر رہا تھا کہ کہیں سے چند تیر سنسناتے ہوئے ان کی طرف آئے۔ ایک تیر سائرس کے بازو میں چبھتا ہوا سا گزر گیا۔ باقی اِدھر اُدھر گر گئے۔ یہ تیر بلوط کے درختوں میں گھرے ہوئے ایک بلند ٹیلے کی جانب سے ایرانیوں کے سامنے کی طرف سے آئے تھے۔ وہ حیرت سے چلا اٹھے۔ سائرس نے وہ تیر اٹھا لیا جس نے اسے زخمی کر دیا تھا اور تیزی سے گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ اس نے دیکھا ایمبا اور دوسرے لوگ ان نامعلوم حملہ آوروں کو جنگل میں تلاش کرنے کے لیے گھوڑوں پر سوار ہو رہے تھے۔ اس نے انہیں ایسا کرنے سے روک دیا۔ وہ اس وقت جب کہ رات کی تاریکی پھیل رہی تھی انہیں اس خطرناک جنگل میں، جہاں نامعلوم حملہ آور ان کی تاک میں تھے، گھسنے کی اجازت دینا مہلک ثابت ہو سکتا تھا۔ اس رات اس نے نسایائی گھوڑوں کو ایک محفوظ مقام پر کھڑا کیا اور پہرہ داروں کی بھاری نفری ان پر بٹھا دی۔

اس کھلے میدان میں کہر یا دھند کبھی نہ پیدا ہوئی تھی۔ بلند ہوتے سورج نے جلد ہی چھوٹے بڑے تمام سائے مٹا دیے۔ پوری طرح روشنی پھیلتے ہی سائرس نے جنگجوؤں کے دو دستے دو اطراف سے ان نامعلوم حملہ آوروں کی تلاش میں جنگل میں داخل کر دیے اور خود بھی ایک دستے کے ساتھ ہو لیا۔ اس بلند ٹیلے کے عقب میں پہنچتے ہی وہ اپنے ہتھیار سنبھالے اچانک آ پڑنے والے دشمنوں کے مقابلے کے لیے تیار ہو گئے۔ انہیں یہ بھی خطرہ تھا کہ کہیں کوئی جنگلی درندہ ان پر حملہ آور نہ ہو جائے۔ مگر کسی درندے کی بجائے چھریرے جسموں والے چند گھڑ سوار درختوں کے ایک جھنڈ سے نکل کر ان کے سامنے سے بھاگ کھڑے ہوتے۔ چند بہادروں نے ان کا تعاقب کیا۔ برق رفتار نسایائی گھوڑوں نے جلد ہی باز کی سی تیزی سے جھپٹ کر انہیں جا لیا۔ انہیں گھیر کر انہیں رسیوں سے باندھ دیا گیا۔ ہر چند کہ وہ چاقوؤں اور دانتوں سے بہادروں کی گرفت سے آزاد ہونے کی کوشش کرتے رہے۔ تاہم انہیں باندھ کر غیر مسلح کر دیا گیا۔ یہ قیدی شکل و صورت کے حسین، قد دں

ئں چھوٹے اور لمبے بالوں والے تھے انہوں نے سیاہ اون کے بنے ہوئے چست لباس پہن رکھے تھے۔ سائرس کے آدمیوں کو ان کی جسمانی ساخت سے معلوم ہو گیا کہ ان کے قیدی دراصل مرد نہیں بلکہ عورتیں تھیں۔ سائرس نے ان کے ترکشوں میں موجود تیروں کو نکال کر دیکھا۔ ان کے معائنے سے اسے معلوم ہوا کہ ان عورتوں کے تیر اس تیر سے مختلف تھے جو اسے آکر لگا تھا۔ یہ عورتیں بے وقوف نہیں جو تمام رات جنگل میں رک کر ان پر نظر رکھے رہی تھیں۔ اس کے ہمادروں کو حیرت تھی کہ آخر وہ کون سا قبیلہ تھا جس کے مردوں نے خود میدان میں اترنے کی بجائے اپنی عورتوں کو اس طرف بھیج دیا تھا۔

"ہو سکتا ہے کہ ان عورتوں کے کوئی شوہر وغیرہ نہ ہوں" دارنان نے تبصرہ کیا۔

اس نے ہرگیاہ میں بسنے والے ایک ایسے قبیلے کے بارے میں سن رکھا تھا جو صرف عورتوں پر مشتمل تھا۔ جو اس طرف آ نکلنے والے مردوں کو ان کے گھوڑوں سمیت مار ڈالتی تھیں۔ شاید اس طرح وہ اپنی بڑی دیوی کے حضور قربانی پیش کرتی تھیں سدی گائیڈ اس پر اصرار کر رہے تھے کہ تیر انداز عورتیں ایک ایسے قبیلے سے تعلق رکھتی تھیں جو ان کا حریف تھا یعنی شاہی سدیوں کے قبیلے سے۔

سائرس نے صورت حال پر کچھ سوچ بچار کرنے کے بعد ان قیدی عورتوں کو اپنے سامنے بٹھایا اور انہیں کھانے پینے کی چیزیں پیش کیں۔ مگر انہوں نے انہیں ہاتھ بھی نہ لگایا۔ وہ خوف زدہ ہرنیوں کی مانند دکھائی دے رہی تھیں۔ اس نے پھر ان سے اشاروں میں پوچھا کہ وہ کس طرح سفید پہاڑوں تک پہنچ سکتے تھے۔ کیونکہ وہ اب اس میدان سے واپس ہو لینا چاہتا تھا۔ وہ شاید اس کا سوال سمجھ گئیں۔ انہوں نے مشرق کی طرف اشارہ کیا۔ اس پر نجانے کیوں سدی گائیڈوں نے سائرس سے التجائیں کرنی شروع کر دیں کہ وہ ان قیدی عورتوں کو رہا کر دے۔ مگر ایسا کرنے کی بجائے سائرس نے اسواروں کے ساتھ

مشن کا سفر شروع کر دیا۔

"کیا تمہارے فراداشی نے تمہیں یہ راہ اختیار کرنے کا مشورہ دیا ہے؟" دارتان اس کے اقدام پر انتہائی متحیر تھا۔ "یا پھر سائرس سردار ہخامنشی کو مزید جنگجو عورتوں کی تلاش ہے؟ ذرا دیکھو۔ نہ تو ہمارے قیدی نہ ہمارے بدرقہ تمہاری اس حرکت سے خوش دکھائی دے رہے ہیں۔"

"اپنے دشمنوں کی توقعات کے برعکس کر بیٹھنا ہی عقلمندی کہلاتا ہے۔" سائرس نے جواب دیا۔

پھر ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔

دوپہر ہونے تک وہ لوگ صحرا میں بنے ہوئے ایک عجیب و غریب سے ٹیلے کے قریب پہنچے۔ یہ ٹیلا کسی پیالے کی مانند گول تھا۔ اس کے گرد سیاہ رنگ کے کچھ اجسام بکھرے ہوئے تھے ان کے قریب پہنچتے ہی ان اجسام سے چند بڑے پروں والے پرندے نکل کر ہوا میں بلند ہو گئے۔ ان اجسام کو غور سے دیکھنے پر معلوم ہوا کہ وہ دراصل گھڑ سوار سپاہی تھے۔ جو پہریداری کے فرائض انجام دے رہے تھے۔ سائرس نے کچھ کرنے سے پہلے اس ٹیلے کا چکر لگایا۔ اس وقت اس پر ایک افسوس ناک حقیقت منکشف ہوئی کہ وہ گھڑ سوار سپاہی مردہ آدمی تھے۔ جنہیں مردہ گھوڑوں پر بٹھایا گیا تھا اور انہیں لکڑی کی موٹی چھڑیوں کی مدد سے اس طرح کھڑا کیا گیا تھا کہ گر نہ سکتے تھے مردہ سپاہیوں کے جسموں پر باقاعدہ ہتھیار سجے تھے ان کی ڈھالوں سے گھنٹیاں بندھی ہوئی تھیں۔ جو تیز ہوا سے بجنے لگتی تھیں۔

ان سپاہیوں کو شاید برسوں پہریداری کرتے ایک مدت گزر چکی تھی۔ سائرس کو حیرت تھی کہ آخر وہ کون لوگ تھے جنہوں نے مردہ گھڑ سواروں کو اس ٹیلے کی چوکیداری کے لیے کھڑا کر رکھا تھا اور کیوں؟ پھر دارتان جوش سے چلایا اور اسے ہمراہ لیے ان مردہ

پہریداروں کے درمیان سے گزرتا ہوا گھاس سے ڈھکے ہوئے ٹیلے کی چوٹی پر چڑھ گیا۔ نیچے دیکھنے پر انہیں معلوم ہوا کہ اس جگہ کی گھاس میدان میں بے تحاشا اُگی ہوتی گھاس سے مختلف تھی اور اس جگہ بڑے گنبد کے ارد گرد چھوٹے چھوٹے ٹیلے بکھرے ہوئے تھے۔

"یہ ایک سدی مقبرہ ہے؟" وارتان چلایا "اس کے طول و عرض سے میں اندازہ لگا سکتا ہوں کہ اس کے اندر دفنائے جانے والے سردار کے ساتھ ہی بے حساب مال و زر بھی دفن ہوگا۔"

سائرس نے صحرا میں نظریں دوڑائیں۔ دور دور تک کوئی ذی روح دکھائی نہ دے رہا تھا مگر تجربے کی بنا پر وہ کہہ سکتا تھا کہ اس وقت ہر درخت ہر جھاڑی کے پیچھے سے بے شمار پوشیدہ آنکھیں ان کی نقل و حرکت کا جائزہ لے رہی تھیں۔ چنانچہ اس نے چند پہریداروں کو اس مقبرے کی چوٹی پر متعین کر دیا اور وارتان کے ہمراہ نیچے اتر آیا۔ وارتان فوراً ہی چند گاڑی بانوں اور ملازموں کے ہمراہ مقبرے کی کھدائی میں مصروف ہو گیا۔ انہوں نے پہلے جھاڑ جھنکار صاف کی اور گر بنا اینٹ کی ایک بڑی سی سل تک پہنچ گئے۔ وارتان نے سائرس کو بتایا کہ اس میدان میں اس قسم کی سلیں کہیں نہ پائی جاتی تھیں۔ اس لیے ظاہر تھا کہ یہ سل اس سدی مقبرے کی داخلی راہ بند کرنے کے لیے کسی اور جگہ سے وہاں لائی گئی ہوگی۔ بانسوں اور رسوں کی مدد سے اس سل کو اپنی جگہ سے ہٹا دیا گیا۔ اس کے بعد نیچے کی طرف کھدائی شروع کر دی گئی۔ اسوار ان کے بہادر وہاں جمع ہو کر بڑی دلچسپی سے یہ کام دیکھ رہے تھے وہ صرف لڑاکا سپاہی تھے اس لیے وہ بیلچوں کو ہاتھ نہ لگا سکتے تھے۔ پھر جلد ہی لکڑی کے لٹھوں کا بنا ہوا ایک بھاری دروازہ نمودار ہو گیا۔ اسی وقت مقبرے کے اوپر کھڑے پہریداروں نے چلا کر انہیں خبردار کیا۔ سائرس نے جنگجو عورتوں کو جنگل سے نمودار ہوتے دیکھا۔ وہ سینکڑوں کی تعداد میں گھوڑوں میں سوار اس ٹیلے کی طرف بڑھی چلی آ رہی تھیں۔ ان کے ہاتھوں میں کمانیں اور نیزے تھے۔ مگر سائرس اپنے بہادروں کو عورتوں کے مقابلے پر کھڑا کرنا

باعثِ شرم سمجھتا تھا اس لیے وہ اپنی جگہ کھڑا انہیں آتے دیکھتا رہا۔

پھر ایک عورت اس سے کچھ فاصلے پر آ کر رک گئی۔ اس نے اپنے بالوں میں گندم کے سنہرے خوشے لگا رکھے تھے۔ اس کی ڈھال پر ایک بارہ سنگھے کی شبیہہ بنی ہوئی تھی۔ وہ چیتے کی کھال کا چست لباس پہنے ہوئے تھی۔ جس کا رنگ نیلا تھا وہ لگ بھگ سائرس ہی کی عمر کی دکھائی دیتی تھی۔ پھر جب اس نے بولنا شروع کیا تو سائرس اس کی زبان سمجھ نہ سکا۔ اس نے ایک سدی گائیڈ کو ترجمانی کا حکم دیا۔ اس گائیڈ نے اس عورت کی بات سن کر سائرس سے کہا کہ وہ عارضی صلح کی درخواست پیش کر رہی تھی۔ اس کا نام تانی میرس تھا وہ سرماتی سدیوں کے بادشاہ گیسر کی بیٹی تھی اور وہ اس وقت سرماتی سدیوں کی سرزمین پر موجود تھے۔ اور وہ مقبوضہ اس کے باپ کا تھا جہاں وہ اپنے دوبارہ زندہ ہونے کا انتظار کر رہا تھا۔

" عارضی صلح کی درخواست تو میں مانے لیتا ہوں " سائرس بولا " مگر وہ اور کیا چاہتی ہے ؟"

اس پر تانی میرس نے اپنا سر پیچھے کی طرف جھٹکا اور کسی تیز رفتار ندی کی مانند روانی سے بولنے لگی۔ ترجمان سدی نے سائرس کو بتایا کہ وہ اپنے حالاتِ زندگی سنا رہی تھی۔ اس نے بتایا کہ اس کی ماں بھی اسی مقبرے میں اس کے باپ کے ہمراہ دوبارہ زندہ ہونے کا انتظار کر رہی تھی۔ اس کا باپ گیسر سفید پہاڑوں سے لے کر سرخ ریگستانوں تک کے علاقے پر اس وقت تک حکومت کرتا رہا تھا جب تک شمالی سدیوں نے ان پر یلغار نہ کر دی۔ کافی عرصہ تک سرماتی ان شاہی سدیوں کے حملوں کو مردانہ وار روکتے رہے۔ پھر شمالی سدیوں نے صلح کی درخواست کی اور اس صلح اور باہمی امن و دوستی کی فضا قائم ہو جانے کی خوشی میں انہوں نے سرماتیوں کی بہت بڑی ضیافت کی۔ اس ضیافت میں انہوں نے گیسر کو قتل کر دیا اور اس کے بے شمار رفقاء اور سپاہیوں کو بھی موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اس واقعے کے بعد

اس جگہ سے سراتی سدیوں کی حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔ بربریوں نے اپنے شوہروں کی لاشوں کو حنوط کیا اور انہیں مقبروں میں دفنا دیا۔ اب اس جگہ صرف عورتیں ہی باقی رہ گئی تھیں جو وہاں رہ کر مقبروں پر نظر رکھتی تھیں۔ انہیں اس وقت کا انتظار تھا جب ان کے شوہر باپ بھائی اور بیٹے دوبارہ زندہ ہو کر ان سے آملیں گے۔

سائرس کو اس وقت معلوم ہوا کہ واقعی یہی وہ عورتوں کا قبیلہ تھا جس کے بارے میں اس نے سن رکھا تھا۔ جو اپنی سرزمین پر کسی بیرونی حملہ آور کا وجود برداشت نہ کر سکتا تھا یہ کام قابل تعریف ضرور تھا مگر سائرس کو یقین نہ تھا کہ نوجوان تائی میرس اور اس کی ساتھی عورتیں وحشی حملہ آوروں سے مدافعانہ جنگ لڑنے کی اہلیت بھی رکھتی تھیں۔

اگر وہ خود سراتی شہزادی سے بلاس و بیش اور ترجمان کے بغیر گفتگو کر سکتا تو شاید نتائج مختلف ثابت ہوتے۔ کچھ سوچ بچار کے بعد بالآخر اس نے استفسار کیا کہ سراتیوں کا وطن کہاں واقع تھا۔ اس پر تائی میرس نے جواب دیا کہ سرخ ریگستانوں کے عقب میں۔ چڑھتے سورج کے نیچے۔

" تو انہے بتا دو۔" سائرس نے کہا " کہ وہ اپنی ساتھی عورتوں کو ساتھ لے کر وہاں چلی جائے کیونکہ یہ سب عورتیں کسی مرد کی محافظت کے بغیر یہاں نہیں رہ سکتیں۔"

یہ سن کر تائی میرس ایک مرتبہ پھر بڑی روانی سے اپنی زبان میں بولنے لگی۔ وہ ایسا ہرگز ہرگز نہ کرے گی۔ جب تک وہ مقبرے ڈھانہیں دیے جاتے اور ان میں مدفون لوگ دوبارہ زندہ نہیں ہو جاتے۔ ایک خالی گھر کی چوکیداری کرنے کا آخر فائدہ کیا تھا؟ وہ سائرس کے قریب آ گئی اس کی آنکھیں شعلے برسا رہی تھیں۔

" ہخا منشی !" وہ چلا کر بولی " یہ بچ ہے کہ تم طاقتور ہو اور میں کمزور ہوں۔ میں یہاں تمہاری مخالفت نہیں کر سکتی۔ اگر تم نے میرے باپ کے مقبرے کو توڑ ڈالا اور اندر داخل ہو گئے تو میری بددعا تمہیں کہیں کا نہ رکھے گی۔ یہ تمہارے حسین جسم کے ساتھ کسی سائے

کی مانند لگی رہے گی۔ مجھے معلوم ہوتا رہے گا کہ تم کہاں ہو گے اور اپنی نیند میں ہی تم کو شدید نقصان پہنچانے والے عمل کروں گی۔ میں تمہارے دشمنوں کی دوست ہوں گی اور دوستوں کی دشمن۔ میں اس وقت تک تمہارے سامنے نہیں آؤں گی جب میں تمہارے جسم کو اپنے بازوؤں سے لپیٹے ہونے تمہاری روح کو اس سے جدا ہوتے نہیں دیکھ لیتی۔"

پھر اس نے اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں سے پیٹ ڈالا اور گھوڑے کی ایال پر جھک کر رونے لگی۔ اس سے قبل کہ سائرس اس سے مزید کچھ کہتا وہ ایک دم گھوڑا موڑ کر وہاں سے بھاگ کھڑی ہوتی۔ دوسری گھڑ سوار عورتوں نے بھی اس کی تقلید کی اور جنگل میں جا کر غائب ہو گئیں۔ قیدی عورتیں بھی ان کے پیچھے بھاگ اٹھیں۔ سائرس نے ان کے تعاقب کی کوئی ضرورت نہ محسوس کی۔

سائرس جانتا تھا کہ نخرے بازیاں اور آنسو سے بہانا عورتوں کے پرانے ہتھیار ہوا کرتے ہیں۔ جن سے وہ اس وقت کام لیتی ہیں جب ان کی کوئی بات نہ مانی جائے۔ تاہم اس عورت کی دلیری کا وہ معترف ہو گیا تھا۔

وارتان اور اس کے آدمیوں نے لکڑی کا دروازہ کاٹ ڈالا تھا اور اب مشعلیں جلائے اندر کمرۂ تدفین میں داخل ہو رہے تھے۔

" میں یہ پسند نہیں کرتا؟" اس نے کہا۔ اسے ایک دم ہی شوشان کے کھنڈرات میں اشور بنی پال کی کندہ کی ہوئی تختی یاد آگئی تھی۔ اس علاقے کو اشوریوں نے بُری طرح تباہ و برباد کر دیا تھا اور عیلامیوں کے مقابر تک کھود ڈالے تھے تاکہ مرنے والوں کی روحوں کو بھی کبھی چین نصیب نہ ہو۔

" یہ تمہاری ایرانی سپاہیانہ شرافت بول رہی ہے۔" وارتان کے دانت اس کی جھاڑ جھنکاڑ داڑھی میں چمکے۔" لیکن اس ٹیلے کے اندر کیا ہے۔ صرف ڈھانچے اور خزانے؟ وہ وہی الاعتقاد وحشیوں نے دفنائے ہوئے ہیں۔ تم شاید اس حسین

سرماتی لڑکی کی دھمکیوں سے خوف زدہ ہو گئے ہو جو تم اپنے آدمیوں کو دولت منہ بننے سے روکنا چاہتے ہو؟"

"نہیں" سائرس نے اعتراف کیا۔

اس پراسرار ن کے کچھ بہادر بھی وار تان اور اس کے ساتھیوں کے پیچھے مقبرے میں رینگ گئے وہ جا سے مدفن ایک بہت بڑا سا کمرہ تھا۔ اس کی چھت شہتیروں کی بنی ہوتی تھی اور اسے سب حد احتیاط اور توجہ سے تعمیر کیا گیا تھا۔ وار تان اور دوسرے لوگوں کو سب سے پہلے اعلیٰ نسل کے گھوڑوں کے ڈھانچے ملے۔ جن پر قیمتی ساز سجے ہوتے تھے ان ڈھانچوں پر ان کے سواروں کے ڈھانچے سوار تھے۔ اس کے علاوہ کمرے میں ملازموں کے ڈھانچے بھی موجود تھے جن کے ہاتھوں میں چاندی کے سینگ تھے ایک بلند چبوترے پر کبیر کا جسم پڑا تھا اس کی داڑھی زرد رنگ کی تھی۔ اس کے سر پر تاج سجا تھا۔ وہ شاہانہ لباس پہ جڑاؤ پیٹی باندھے ہوتے تھا اس کے جسم پر تمام ہتھیار سجے تھے۔ اس نے جو خود پہن رکھا تھا۔ وہ خالص سونے کا تھا اور اس پر بارہ سنگھے کے سینگوں جیسے سونے کے سینگ بنے ہوتے تھے۔ اس کے قریب ہی ضروری اشیاء دھری تھیں۔ جن میں شکاری بوٹوں سے لے کر سونے کے دستے والا چابک بھی شامل تھے۔ سائرس کا خیال تھا کہ شاید گیبر کے ساتھ ہی سرماتیوں کا تمام خزانہ اس مقبرے میں دفن کر دیا گیا تھا۔ اس کی بیٹی تانی میرس نے کوئی سونے کا زیور نہ پہن رکھا تھا۔

مقبرے میں چونکہ باسی ہوا کی بدولت انہیں سانس لینے میں دقت پیش آ رہی تھی اس لیے وار تان اور مزدوروں نے تیزی سے قیمتی چیزیں سمیٹ سمیٹ کر کانسی کی بنی ہوتی ایک بڑی سی دیگ میں ڈالنی شروع کر دیں۔ یہ دیگ اتنی بڑی تھی کہ اس میں ایک سالم بھیڑ ابالی جا سکتی تھی۔

سرماتی کے دائیں ہاتھ ایک عورت کا جسم پڑا تھا جو شاید اس کی بیوی ہو گی۔ اس نے

شاہانہ پوشاک زیب تن کر رکھی تھی۔ اس کے قریب چاندی کا ایک لیمپ اور ایک آئینہ رکھے تھے۔ لگتا تھا اس نے اپنے شوہر کے ساتھ اس مقبرے میں دفن ہونے کے لیے خودکشی کی تھی۔ یہ ملکہ تاتی میرس کی ماں تھی۔ سائرس نے حیرت بھری آواز کے ساتھ کانسی کا بنا ہوا وہ آئینہ اٹھا لیا۔ اس کے دستے پر جو سونے کا تھا، ببر شیر پر سوار ایک عورت کی شبیہہ بنی ہوئی تھی۔ یہ بڑی دیوی ماں کی شبیہہ تھی ایسی ہی شبیہہ اس کے خنجر کے طلائی دستے پر بھی بنی ہوئی تھی۔

جب وارتان مقبرے کی ہر چیز لوٹ کھسوٹ کر دیگ میں بھر چکا تو اس کے لیے وہاں سے دیگ باہر نکالنی مشکل ہوگئی۔ کچھ ایرانیوں نے اس سے بڑا شگون لیا۔ سائرس کے پاس ماندین کا خنجر اب بھی موجود تھا۔ کسی اندرونی تحریک سے اس نے وہ خنجر اپنی پیٹی سے نکالا اور اسے سدیوں کے خزانے پر پھینک دیا۔ خزانے کی ہر چیز بڑی خوبصورت تھی اور ماہر ہاتھوں کی تیار کی ہوئی تھی۔

شام ہوتے ہوتے وارتان اس دیگ کو سرنگ سے نکالنے میں کامیاب ہوگیا اس نے اسے اپنے خیمے میں رکھوا دیا۔ سائرس نے اس شام گھوڑوں کے محافظوں کی تعداد دگنی کردی۔ ممکن تھا کہ رات کو صحرائی عورتیں کچھ شرارت کرنے کی کوشش کرتیں۔ تاتی میرس سے تو اس کی توقع کی جاسکتی تھی کہ وہ اپنی جنگجو عورتوں کی مدد سے اسواران کے بہادروں کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرتی۔

اس رات وہ آرام سے سویا۔ صبح ہوتے ہی اس نے اپنی عبا کے بند کسے اور باہر صبح کی ٹھنڈی ہوا میں نکل آیا۔ ایسا خیمے کے دروازے کے قریب پڑا خراٹے لے رہا تھا۔ خیمے سے باہر نکلتے ہی اسے کسی چیز سے ٹھوکر لگی۔ یہ وہی کانسی کی دیگ تھی۔ اس کے اوپر وارتان کا سر رکھا تھا۔ اس کے چمکتے دانت اس کی داڑھی سے جھانک رہے تھے۔ دیگ میں سے سارا خزانہ، سونا، جواہرات سب غائب تھے اس کی بجائے وارتان

کا ٹکڑے ٹکڑے کیا ہوا جسم دیگ میں پڑا تھا۔ سائرس نے فوراً ہی رات کو چوکیداری کرنے والے سپاہیوں کو بلوا بھیجا اور ان سے پوچھا کہ آیا انہوں نے خیموں میں کسی کو آتے جاتے دیکھا تھا۔ اس پر انہوں نے جواب دیا کہ رات کو باہر کا کوئی شخص ان کی خیمہ گاہ میں داخل نہ ہوا تھا۔ البتہ ان کے سدی گائیڈ اپنے سامان کے ساتھ گھوڑوں پر سوار ہو کر خیمہ گاہ سے نکل کر کسی نامعلوم منزل کی طرف چلے گئے تھے۔

بات صاف ہو گئی تھی۔ تائی میرس اور اس کی ساتھی عورتیں مقبرے کی بے حرمتی کا ان سے خود کوئی بدلہ نہیں لے سکتی تھیں۔ اس امر نے سدی گائیڈوں کو غصہ دلایا تھا۔ شاید تائی میرس اور ان گائیڈوں کے درمیان ان کی زبان میں کوئی معاملہ طے پا گیا تھا اور انہوں نے تائی میرس سے وعدہ کیا تھا کہ وہ اس مقبرے کا خزانہ اس تک پہنچا دیں گے۔ سائرس کو اس وقت ان کی زبان نہ جاننے پر خاصا افسوس ہوا۔ اگر وہ ان کی زبان سے واقف ہوتا تو گائیڈوں اور تائی میرس کے درمیان ہونے والی باتوں کو سمجھ سکتا تھا اور وارتان کی زندگی بچانے کے لیے بھی کچھ کر سکتا تھا۔

سائرس اور اس کے سرداروں میں بڑی بحث ہوئی۔ بہت عرصہ بعد سائرس کو یہ راز معلوم ہوا کہ ان سدیوں کو دراصل استیاگس نے اس لیے اس کے ساتھ کیا تھا کہ موقع پا کر اس کا کام تمام کر دیں۔ بھر گیا ہی ان کے لیے صرف ایک تیر سائرس کو ہلاک کرنے کے لیے کافی ہوتا لیکن پھر شاید نقتے یا لالچ نے انہیں وارتان کو قتل کرنے کی طرف متوجہ کر دیا۔ اس قتل سے انہیں اس سے زیادہ بھاری انعام مل سکتا تھا جو استیاگس انہیں دیتا۔

اب سائرس اس تباہ شدہ مقبرے کے پاس بغیر کسی راہنما اور مخلص ساتھی کے رہ گیا تھا۔ اسے وارتان کا جسم ہارپیگ کو پہنچانا تھا تاکہ وہ اس کے کفن دفن کا انتظام کرتا اور اس کی لاش پر مقبرہ تعمیر کرواتا۔ یہ یاد آنے پر کہ وارتان نے ایسے ہی کچھ اس کے ساتھ کرنے کی بات کی تھی سائرس نے یہ سوچنے کی زحمت گوارا نہ کی کہ اگبتانا واپسی پر استیاگس اس

کے ساتھ کیسا سلوک کرے گا۔ اس وقت جنوب سے جس قسم کی خبریں آ رہی تھیں انہوں نے دوسرے تفکرات کو اس کے ذہن سے نکال دیا تھا۔

(اس زمانے میں مشرق سے طرح طرح کی خبریں مغرب میں یونانی شہروں میں پہنچ رہی تھیں۔ یونانی تاجر اور جہاز راں لوگوں کو گولچینوں کو سنہری اون کا حال سناتے پھر رہے تھے وہ اپنے ہموطنوں اور مغرب میں بسنے والے دوسرے لوگوں کو بحر گیاہ کی حکائیتیں بھی سناتے تھے۔ جہاں خانہ بدوش گھوڑوں کی پشت سے کبھی کبھار ہی اترتے تھے۔ ان قصے کہانیوں میں سب سے زیادہ مشہور عورتوں کے اس قبیلے کی کہانی تھی جو مردوں کے خلاف جنگیں کیا کرتا تھا یعنی "امیزون" تھا۔ ایک صدی بعد ایتھنز کے ایک مصور نے ایک ایسی تصویر بنائی جس میں عورتوں اور مردوں کو جنگ لڑتے دکھایا گیا تھا۔ مگر اس سے بہت عرصہ پہلے تائی میر میں اور دوسری عورتیں جو اپنے مردوں کے مقابر کی حفاظت کے لیے بحر گیاہ میں رہ رہی تھیں۔ مشرق کا سفر اختیار کر چکی تھیں۔ اور بحیرۂ ہیرکانیہ کے عقب میں اپنے وطن واپس پہنچ چکی تھیں)

پارس گرد واپسی

راستے میں انہیں ایرانی قاصد آکر ملے ۔
جیسا کہ سائرس نے وعدہ کیا تھا کہ وہ اپنے کمانداروں سے ہر معاملے میں صلاح مشورہ کیا کرے گا۔ اس نے انہیں اپنے خیمے میں جمع کیا اور ان کے سامنے یہ سوال رکھا کہ اب انہیں کیا کرنا چاہیئے ۔ سب اس امر پر متفق تھے کہ گھاس کا سمندر یا بحر گیاہ ایک بے حد منحوس و ملعون علاقہ تھا اور ان میں سے کوئی بھی وہاں مزید چکر لگاتے رہنے کو پسند نہ کرتا تھا۔ اس لیے انہیں جلد سے جلد اس جگہ سے نکل جانا چاہیئے۔ سائرس کو بھی احساس ہونے لگا تھا کہ جس وقت سے اس نے ماندین کا خنجر سدیوں کے خزانے میں پھینکا تھا، ان کی بدقسمتی کا آغاز ہو گیا تھا۔ چنانچہ اس نے اپنے کمانداروں سے پوچھا کہ وہ اس بھیانک صحراسے باہر نکلنے کے لیے کون سے راستے تجویز کرتے تھے۔ ان سب نے مختلف راستے تجویز کیے۔ ہر آدمی نے اپنے اندازے کے مطابق وہ راستہ تجویز کیا جہاں سفید پہاڑوں کی طرف جانے والا دریا مل سکتا تھا۔ سائرس نے اپنے طور پر راستہ تلاش کرنے کے لیے ہر شام کو نظر آنے والے سات ستاروں کی رہنمائی حاصل کی ۔ اور ذہن پر زور دیتے ہوئے ان راستوں کو یاد کیا جن پر سے گزرتے ہوئے وہ لوگ بحر گیاہ میں داخل ہوتے

تھے۔ اس نے پھر کافی غور و فکر کے بعد سفید پہاڑوں تک پہنچنے کا ایک راستہ چنا۔ چنانچہ اس کا لشکر اس رستے پر ہو لیا۔

اس کا لشکر تیزی سے جنوب کے مشرق کی طرف سفر کر رہا تھا کہ انہیں اپنے عقب میں گرد اڑتی دکھائی دی۔ زمین خشک تھی اور سردیوں کی آمد آمد تھی۔ ایرانی اپنے ہتھیار سنبھالنے اور آنے والے حملہ آوروں سے نمٹنے کے لیے تیار ہونے لگے۔ پھر جلد ہی چند گھڑ سوار جن کی تعداد دس سے زیادہ نہ تھی۔ ان کے سامنے نمودار ہو گئے۔ ان سواروں نے ایرانیوں جیسے چمڑے کے چست پاجامے اور گردن تک پہنچنے والی ٹوپیاں پہن رکھی تھیں۔ ان کا لیڈر ایک نوجوان ہخامنشی تھا۔ اس نے لشکر کے قریب آکر مسرت بھری آواز کے ساتھ اپنا گھوڑا روک دیا۔ اس کی آنکھیں لمبی لمبی تھیں اور اس کا چہرہ دھول میں اٹا ہوا تھا۔

" مقدس آتش کے اوپر چمکنے والے سورج کی قسم۔" وہ بولا " تم نے اپنے پیچھے اس طرح پگڈنڈی بنائی ہے جیسے کوئی سانپ اپنے سوراخ میں جا رہا ہو۔ تاہم ہم لوگ تم لوگوں تک پہنچنے میں کامیاب ہو ہی گئے ہیں۔ ہم دو چاندوں سے تمہاری تلاش میں تھے تم جو دو سالوں سے مسلسل سفر کر رہے ہو۔ میں پارس گرد سے آیا ہوں۔"

پھر سائرس پر نظر پڑتے ہی وہ گھوڑے سے اتر کر اس کے سامنے زمین بوس ہو گیا " سائرس، کیمبی سس کے بیٹے! میں تمہارے پاؤں پر اپنی جبیں رگڑتا ہوں۔ اے شاہِ انشان!"

سائرس کے حکم پر وہیں پڑاؤ ڈال دیا گیا۔ پھر اس نے اس قاصد کی زبانی تمام حالات سنے۔ کیمبی سس کا انتقال ہو چکا تھا اور وہ دریا کے اوپر پہاڑ پر بنے ہوئے مقبرے میں ابدی نیند سو رہا تھا۔ اگتبانا سے پارس گرد یہ خبر پہنچائی گئی تھی کہ سائرس ایک معرکے میں لڑتا ہوا کام آ چکا تھا مگر کسندان نے اس خبر پر یقین نہ کیا تھا اس نے کہا تھا کہ اس نے خواب میں سائرس کو پارس گرد واپسی کا سفر کرتے دیکھا تھا۔ اس پر مہرداد لنگڑے نے بھی اس کی تائید کی تھی۔

اور کہا تھا کہ وہ کمبی سس کے بیٹے کو اشان کا جائز حکمران سمجھتا تھا۔ ہخامنشی اور ماپیپانی دونوں سائرس کو شاہِ انشان قرار دے رہے تھے اس پر ماپیپانی سردار بھی اس کے حامی بن گئے۔ اب تینوں قبیلے سائرس کی واپسی کا انتظار کر رہے تھے اور دوسرے ایرانی قبائل بھی اس کی پارس گرد واپسی کے منتظر تھے۔ لہٰذا اب سائرس کو استیاگس کے حکم کے مطابق صحراؤں میں یوں بھٹکتے پھرنے کی بجائے پارس گرد واپس لوٹ چلنا چاہیے۔ قاصد نے کہا۔

اس پر سائرس ہخامنشی نے ایک بادشاہ کی حیثیت سے اپنا پہلا فیصلہ دیا۔ وہ تینوں قبیلوں کے بہادروں کو اپنے ساتھ پارس گرد لے جائے گا۔ جب کہ فوج کے باقی سپاہی وارتان کی لاش کے ساتھ کھلی سرزمین اور آرمینیا کے راستے آگتبانہ چلے جائیں گے۔ وارتان کی لاش کے ٹکڑوں کو صاف ستھرا کر کے مصالحے وغیرہ لگا کر محفوظ کر لیا گیا تھا۔ اس وقت اس کے لیے یہی کیا جا سکتا تھا۔

اب سائرس تیزی سے پارس گرد کی طرف روانہ ہو گیا۔ اس کے ساتھ ہی شدید سردی کا موسم شروع ہو گیا اور پہاڑوں پر برف باری شروع ہو گئی اس پر اسے اور اس کے لشکریوں کو پہاڑی وادیوں کے دھانوں سے برف پگھلنے تک ان کے باہر رہ کر انتظار کرنا تھا۔ مگر سائرس پارس گرد پہنچنے میں دیر نہ کرنا چاہتا تھا۔ اس نے ایبا اور دس آدمیوں کو اپنے ہمراہ لیا اور برف پوش پہاڑوں پر چڑھتا اترتا آگے بڑھ گیا۔

وہ اپنی وادی میں اس وقت داخل ہوا جب گھاس کاٹنے کا موسم آن پہنچا تھا۔ اس کی وادی ویسی ہی تھی جیسا وہ اسے چھوڑ کر گیا تھا۔ جب وہ اپنے محل کی سیڑھیوں کے قریب جا کر گھوڑے سے اترا تو اس نے دیکھا کہ وہاں کمبی سس کے کھڑے کیے ہوئے محافظ مجسمے اب نظر نہیں آ رہے تھے۔ پتھر کے محل کے صحن میں اس نے کسندان کو اپنے دونوں بیٹوں کے ساتھ اپنا منتظر پایا۔ اس کے بچے اب تندرست و توانا لڑکے بن چکے تھے۔ کسندان نے ایک نیا ارغوانی رنگ کا لبادہ پہن رکھا تھا۔ جس پر ہخامنشیوں کے شاہی

بروں والا بر پپ لگا تھا۔ وہ اس کے قریب آ کر جھک گئی۔

"تم نے ایک نہایت اچھا خواب دیکھا تھا" سائرس نے اس سے کہا۔ "اور نہایت اچھے وقت پر۔"

تنہائی میں جب وہ اپنے آتش دان کے پاس بیٹھے تو کسندان کو اپنی باتیں کہنے کا موقع ملا۔ اس کی حسین آنکھیں آنسو بر سانے لگیں۔ "تمہارے دشمنوں نے تمہارے ساتھ کیا کیا ہے میرے سرتاج۔ تم کتنے کمزور سانولے اور تھکاوٹ زدہ دکھائی دے رہے ہو اور یہاں کس حال میں پہنچے ہو۔ سفروں کی گرد سے لٹے ہوتے پھٹے حالوں میں۔"

سائرس نے اپنی بیوی کو یقین دلایا کہ وہ کبھی اپنے آپ کو بہتر محسوس نہیں کر رہا تھا۔ وہ صرف میدانوں کے لیے نئی جنگیں لڑنے اور فتوحات حاصل کے لیے، جیسا کہ وہ چاہتی تھی، اتنے عرصہ تک سختیاں اور مصیبتیں جھیلتا رہا تھا۔ پھر اپنے بستر پر سونے سے پہلے سائرس نے کسندان کو اپنی فوجی مہم کی تمام تفصیلات کہہ سنائیں۔ اس پر وہ بے حد رنجیدہ خاطر ہوئی اور بولی "اس سے نہیں بھلا کون سی شہرت مل گئی ہے؟ تم نے کوئی شہر یا آبادی فتح نہیں کی۔ نہ کسی دشمن سے جنگ لڑی ہے۔ تم نے استیاگس کو اپنا دشمن بنانے کے ساتھ ہی سدیوں کا خزانہ بھی ہاتھ سے کھو دیا ہے اور صرف دس آدمیوں کے ساتھ پارس گرد واپس آ گئے ہو!" اس نے ٹھنڈی سانس بھری پھر بولی "اب میں چاہتی ہوں میرے سرتاج کہ تم کبھی سس جیسی عقل و فہم اور دوراندیشی سے کام لو۔ ورنہ تمہاری قوم کو ہلاکت سے کوئی نہ بچا سکے گا۔"

سائرس کو اگلے چند سالوں تک جن مصائب اور مشکلات کا سامنا کرنا

پڑا ان کی ایک وجہ یہ تھی کہ وہ اگبتانا واپس لوٹنے میں ناکام رہا تھا ایک یہ اور دوسری وجہ اس کی اپنی ضد اور ہٹ دھرمی تھی ۔

استیاگس کا حلم

سائرس کی عمر اڑتیس برس تھی جب شاہانشان کی حیثیت سے اس کی تاج پوشی کی رسم ادا کی گئی۔ مگر اس کی بادشاہت محض تین قبیلوں کی حکمرانی تک ہی محدود تھی۔ جو پارسں گرد کے آس پاس آباد تھے۔ اس نے اناہتیا کے نئے معبد میں بادشاہ کی حیثیت سے حلف اٹھایا۔ اس مرتبہ پھر سے احساس ہوا کہ بہتا ہوا پانی اس کا دوست تھا۔ اور اناہتیا ایسے مخلص دوست کی مانند تھی جو دوستی کا رشتہ ایک بار استوار کرنے کے بعد کبھی دھوکہ نہ دے سکتی تھی۔ جب تمام سردار اور پجاری سفید سنگِ مرمر سے تعمیر کیے ہوتے تہہ خانے میں جمع ہو گئے تو سائرس نے ان کے ساتھ مل کر وہ چیزیں کھائیں جو وہ اس موقع کے لیے ساتھ لائے تھے۔ انجیر، انگور اور ترش دودھ۔ یہ ایک قدیم آریائی رسم تھی جس کا مقصد اسے یہ یاد دلانا تھا کہ وہ اپنے ان کسانوں سے ہرگز ارفع اور برتر نہ تھا جو زمینوں پر محنت کرتے تھے۔ اس کے بعد قانون برداروں نے اس سے حلف کی رسم ادا کروائی کہ وہ اپنے قول اور فعل کا سچا ثابت ہونے کی کوشش کرے گا۔ اپنے اخلاق و کردار سے اپنی رعایا کے لیے قابلِ تقلید ہونے کی کوشش کرے گا۔ اپنے دوستوں کا دوست ثابت ہوگا۔ کمزوروں اور مظلوموں کی داد رسی کرے گا اور اپنے

مفاد پر رعایا کے مفاد کو ترجیح دے گا۔ اس وقت سائرس کو احساس ہوا کہ یہ سیدھے سادے سے وعدے عملی طور پر نبھانے کس قدر مشکل ثابت ہو سکتے تھے۔ اب ایک نئے بادشاہ کی حیثیت سے کافی عرصہ تک اسے صرف اپنی رعایا کی فلاح و بہبود پر ہی توجہ دینی تھی۔ بیرونی امور پر توجہ اس کے بعد آتی تھی۔

جب اس نے رسم تاج پوشی کے موقع پر آئے ہوئے سرداروں کو چاندی کے توڑے تحفوں کے طور پر عطا کیے تو خاموش طبع مہرداد نے اعتراض کیا کہ اس طرح وہ ملپنے باپ کا خزانہ خالی کر رہا تھا۔ سائرس نے تھوڑی دیر کے لیے کچھ سوچا پھر اپنے اس پرانے حریف کو خزانچی بنا دیا۔

" تم کیا واقعی مجھے خزانچی بنا رہے ہو؟" لنگڑے ماپیپانی نے حیرت سے کہا۔ سائرس نے یہ نہ کہا کہ وہ اسے اس لیے یہ عہدہ سونپ رہا تھا کہ اس نے بچپن میں شدید غصے میں آ کر اسے لنگڑا کر ڈالا تھا۔ جس پر اسے پشیمانی تھی۔ کیوں کہ اس نے اسے ہمیشہ کے لیے گھڑسواری سے معذور کر دیا تھا۔

" اس لیے کہ تم مجھ سے نفرت کرتے ہو" اس نے مہرداد سے کہا " تاہم تم ملپیانی لوگوں کو میرا وفادار بنائے رکھنے کا فریضہ بخوبی انجام دے سکتے ہو۔ اس لیے مجھے اس عہدے کے لیے سوائے تمہارے کوئی اور شخص نہیں دکھائی دیا۔"

برسر اقتدار آنے والے دوسرے شہزادوں کی مانند اب سائرس کو بھی اپنے لیے ایک نیا محل بنانے کی فکر ہوئی۔ ایسا محل جو اس کے باپ کبی سس کے دیہاتی وضع کے بڑے سے مکان سے یکسر مختلف ہو۔ وہ چاہتا تھا کہ اپنے پاس آنے والے مہمانوں کو بجتے شور مچاتے کووں کی آوازوں سے گونجتے صحن کی ایک شاندار ہال میں ٹھہرایا کرے۔ اس نے جب ایسے محل کی تعمیر کے سلسلے میں بابل اور ممفس کے ماہرین تعمیرات سے بات چیت کی تو انہوں نے کہا کہ نئی بنیادیں ڈالے بغیر نئے محل کی تعمیر

ممکن نہ تھی اور بنیادیں ڈھانے کے لیے پرانی عمارت کو ڈھانے کی ضرورت بھی تھی۔ سائرس اس پر تیار ہو گیا۔ اس نے ان سے کہا کہ نئی بنیادیں سنگ مرمر کی ڈالی جائیں اور ستون بھی سنگ مرمر کے بنائے جائیں۔ یہ ستون موٹے نہیں بلکہ پتلے ہونے چاہئیں۔ درختوں کے تنوں کی مانند پتلے اس پر ماہرین نے کہا کہ پتلے ستون ہموار چھت کا وزن نہ سہار سکیں گے۔ اس پر سائرس نے کہا کہ محل کی چھت ہموار نہیں بلکہ ڈھلوان ہو گی تاکہ برف آسانی سے پگھل سکے۔ ان ماہرین تعمیرات نے، جو میدانی علاقوں سے آئے تھے برف کے بارے میں کبھی سوچا ہی نہ تھا۔

نئے محل کی تعمیر کے وقت ظاہر تھا کہ سندان پرانے محل میں نہ رہ سکتی تھی۔ چنانچہ سائرس نے حکم دیا کہ اس کے لیے ملی ہوئی بجنۂ انیمبزل کا ایک الگ محل پرانے محل سے چار سو گز کی دوری پر تعمیر کرایا جائے۔ ایک طرح سے اس کے لیے اپنے خاندان کو درباری مصروفیات سے دور رکھنا اچھا بھی تھا۔ چنانچہ نئے محل میں کسندان کسی ملکہ کی سی شان سے اس طرح رہنے لگی جیسے میڈیا کی کوئی ملکہ اپنے محل میں رہتی تھی۔ اس کے علاوہ ایرانیوں میں یہ رواج تھا کہ وہ قیمتی چیزیں کبھی ایک ایک کی تعداد میں اپنے گھروں میں نہ رکھتے تھے بلکہ ہر چیز دو کی تعداد میں بنتے تھے۔ چنانچہ سائرس کے حکم پر نئے محل کی ٹیرس پر دو آگ سے روشن مینار تعمیر کیے گئے اور دوسری سجاوٹ کی اشیاء بھی دو دو کی تعداد میں سجائی گئیں۔ آریاؤں میں جو ہر چیز کے دو ہونے کے بارے میں عقیدہ چلا آرہا تھا۔ اس کے تحت ہر ایرانی کو حق حاصل تھا کہ وہ دو بیویاں رکھے۔ سائرس کو اس موقع پر اپنے باپ کمی سس کی بات یاد آرہی تھی کہ اسے دوسری شادی ضرور کرنی چاہئے اور ایسی عورت سے کرنی چاہئے جو غیر ملکی ہو اور جس کی رگوں میں شاہی خون دوڑ رہا ہو۔

اب اس کے سامنے اپنی سلطنت کا دورہ کرنے کا کام تھا۔ اس نے دس وفادار بہادروں کو بلوایا۔ یہ وہی بہادر تھے جو بحر گیاہ میں اس کے محافظوں کے فرائض انجام دیتے

رہے تھے اور پارسی گروک کے سفر میں بھی اس کے ساتھ رہے تھے اس نے ان دس بہادروں میں سے ہر ایک کو حکم دیا کہ وہ اپنے طور دس دس بہادروں کا انتخاب کرلیں تاکہ جب وہ گھوڑے پر سوار کسی جگہ کا دورہ کرنے لگے تو وہ سب اس کے محافظوں کے فرائض انجام دے سکیں۔ (یہ ایک سو بہادر آگے چل کر تعداد میں ایک ہزار بن گئے۔ انہیں ناقابل تبدیل ہزار بہادر کہا جانے لگا۔ بعد میں یونانیوں نے انہیں "ایرانی بادشاہ کے لافانی محافظ" کا لقب دے دیا۔)

یوں ایک سو محافظوں کے ہمراہ سائرس بڑی شان سے اپنی سلطنت کے گوشے گوشے کا دورہ کرنے لگا۔ تین قبیلوں کے ہر دیہاتوں میں اور کیسپینوں کے علاقوں میں امراء اور سرداراس کا شایان شان استقبال کرتے تھے اور پھل اور دوسری چیزیں مثلاً کشیدہ کاری کئے ہوئے عمدہ اور قیمتی پارچات اور قیمتی اشیاء اس کی نذر کرتے تھے۔ ان کے بدلے سائرس ان کی عورتوں کو لیڈیا کے کروئی سس کے سونے کے سکے دیتا تھا۔ سونے کے ڈھلے ہوئے یہ سکے ان پہاڑوں میں خال خال ہی دیکھنے میں آتے تھے۔

سائرس تین قبیلوں کی حدود سے باہر کی بستیوں میں بھی چلا جایا کرتا تھا۔ وہاں کے لوگوں کے نزدیک وہ ایک وجیہہ وحسین فرمانروا ہونے کے ساتھ ہی گفتگو اور تقریر کے فن میں بھی طاق گنا جاتا تھا۔ وہ ان سے کسی قسم کا مطالبہ نہ کرتا تھا۔ سوائے اس کے کہ وہ "بادشاہ کے وفادار دوست" بن جائیں۔ وہ ان سے رخصت ہوتے وقت مزاحاً چھوٹی سی تقریر کر ڈالتا تھا۔ "پالتو مویشی جو مختلف مالکوں کی ملکیت ہوتے ہیں اور مختلف چراگاہوں میں چرتے پھرتے ہیں خطرے کی بو سونگھتے ہی ایک ہو جاتے ہیں اور اپنے میں سے کسی طاقتور جانور کو اپنا سردار بنا لیتے ہیں۔ کیا ہم بھی خطرے کی صورت میں ان مویشیوں کی تقلید نہیں کرسکتے؟ اگر تم لوگوں کو کسی قسم کا خطرہ درپیش ہو تو تم مجھ سے آکر مدد مانگنا۔ میں تمہاری حفاظت کے لیے جو کچھ بن پڑا کروں گا۔

تمام ایرانی اقوام میں ہیرانی یا کرمانی سب سے زیادہ وحشی اور تند خو لوگ سمجھے جاتے تھے ۔ وہ عظیم صحرائے نمک کے کنارے سرخ بلندیوں پر بہت دور کے علاقے میں آباد تھے (ان بلندیوں کو آج بھی کرمان کہا جاتا ہے) ان کا سردار تابال تھا ۔ تابال بڑا مغرور اور خود پسند حکمران واقع ہوا تھا جس نے سائرس کی تاج پوشی کے موقع پر پارس گرد جانے کی کوئی ضرورت محسوس نہ کی تھی ۔ اس کا کہنا تھا کہ وہ کوئی ہخامنشیوں کا باجگزار تو تھا نہیں جو وہاں جاتا ۔ وہ تو ایک آزاد اور خود مختار حکمران تھا ۔ پھر جب سائرس بنفسِ نفیس اس کے شہر کے نیچے نمودار ہوا ، جو ایک دریا کے حصے کا وپر ایک بلند چیلی ہوئی چٹان پر واقع تھا تو تابال نے نیچے اتر کر اس کا استقبال کرنے کی کوئی ضرورت محسوس نہ کی ۔ وہ شہر کے بند پھاٹک کے مینار پر کھڑا خاموشی سے سائرس کو آگے بڑھتے دیکھتا رہا ۔ پھاٹک کے اندر کئی ہزار کرمانی بہادر اس کے اشارے کے منتظر کھڑے تھے

سائرس کے آگے گھڑ سوار بہادروں کی کئی قطاریں تھیں ۔ اس کے بعد تو نا بردار اونٹ کی قطار آتی تھی ۔ سائرس کے پیچھے کئی سو جنگجو پوری طرح سے مسلح اس کے حکم کے منتظر کھڑے تھے ۔ گرد و پیش کی پہاڑیوں کا جائزہ لینے کے بعد سائرس نے اپنے گھوڑے کی لگامیں کھینچ لیں ۔ پھر ایک پایاب جگہ سے دریا پار کر کے دوسرے کنارے پر آ گیا اور تابال کو با آواز بلند مخاطب کرتے ہوئے بولا ۔

" یہ تم اوپر کیوں چڑھے بیٹھے ہو ۔ نیچے کیوں نہیں اترتے ؟ "

تابال نے اس کے عقب میں دیکھا ۔ اس کے عقب میں صرف ملازمین اور بار برداری کے جانور ہی تھے ۔

" اس لیے کہ میں نہیں جانتا کہ مجھے کیا کرنا چاہیئے " وہ نیچے منہ کر کے چلّایا ۔ سائرس نے اس سے کہا کہ اس نے سنا تھا کہ تابال اپنے آپ کو کرمانی بہادروں کا کمانڈر نہیں بلکہ ان کا بادشاہ کہلواتا تھا ۔

"ہاں، یہ صحیح ہے۔"

"تو آذ اپنی آزمائش کرواؤ۔ خود پر مقدمہ چلواؤ۔"

"وہ کس لیے؟"

"تاکہ یہ دیکھا جائے کہ آیا تم واقعی کرمانیوں پر حکومت کرنے کے قابل ہو یا نہیں۔"

تابال نے تھوڑی دیر کے لیے کچھ سوچا۔ وہ خوف زدہ ہرگز نہ تھا۔ مگر وہ سائرس کا مقصد نہ سمجھ سکا تھا۔

"لیکن مجھ پر مقدمہ کون چلائے گا؟" اس نے پوچھا۔

"وہ جو تمہیں بغیر مقدمے کے بھی سزا دے سکتا ہے۔"

"وہ کون ہے؟"

"میں۔ سائرس ہخامنشی۔ ایرانیوں کا بادشاہ۔"

اس جواب پر تابال نے محسوس کیا جیسے وہ الجھنوں کے گرداب میں پھنس کر رہ گیا تھا۔ ایک حکمران کی حیثیت سے وہ مقدمے کو ٹال سکتا تھا۔ کچھ دیر سوچنے کے بعد وہ گھوڑے پر سوار ہو کر ایک سو سواروں کے ساتھ نیچے اتر آیا۔ اس کے قانون بردار اور کونسلر بھی اس کے ہمراہ ہو لیے۔ انہوں نے دریا کے کنارے عدالت جمائی۔ سائرس نے ایک چٹان پر اپنی جگہ سنبھال لی تھی۔ تابال ایک تجربہ کار سپاہی تھا۔ اسے اب سائرس کے سامنے اپنی صفائی میں دلائل دینے تھے۔ ایرانیوں کے قانون کے مطابق مجرم کو اپنے بہترین کارناموں کی شہادت فراہم کرنے کا اختیار حاصل تھا۔ اگر اس کے بہترین کارناموں کا پلڑا اس کے برے کاموں کے مقابلوں میں زیادہ وزنی ہوتا تو اسے باعزت بری کر دیا جاتا تھا۔ تابال میدانِ جنگ میں اپنے بہادرانہ کارناموں اور لیڈرشپ کے بارے میں بہت کچھ بتا سکتا تھا۔ اور یہ بھی فخریہ بتا سکتا تھا کہ اس نے میدانِ جنگ میں کتنے لوگوں کی زندگیاں بچائی تھیں۔

" میں نے تمام شہادتیں سن لی ہیں" سائرس نے سامع عدالت سے کہا۔ " تابال کابریل کے کمانداری نے کوئی برا کام نہیں کیا۔ تاہم ایک حکمران کی حیثیت سے وہ خاصے جرائم کا مرتکب ہوا ہے۔"

تابال اسی جگہ سے اچھل ساپڑا۔ "وہ جرائم کون سے ہیں ؟"

سائرس نے انہیں انگلیوں پر گننا شروع کیا۔ "تم کسانوں، برتن سازوں، ماہی گیروں جولاہوں، لوہاروں، گلہ بانوں، تاجروں اور کمیپنیوں کے حق میں ہرگز اچھے حکمران ثابت نہیں ہوتے ہو۔"

تابال کے چہرے پر پریشانیاں پھیلنے لگیں۔ وہ جانتا تھا کہ اس نے ان لوگوں کے لیے کچھ نہ کیا تھا۔ کمیپنی اس کی لاپرواہانہ پالیسیوں سے تنگ آ کر اس کا شہر چھوڑ گئے تھے۔ سائرس یہ بات بخوبی جانتا تھا۔ وہ اس کی باتیں صبر کے ساتھ سنتا رہا۔ پھر جج کی حیثیت سے اس نے فیصلہ سنایا۔ " ایک ماہر جنگجو کی حیثیت سے تابال پر کوئی الزام نہیں۔ لیکن ایک عوامی حکمران کی حیثیت سے وہ اپنی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے میں ناکام رہا ہے۔ یہ اس کی حماقت تھی جو وہ عوام کی فلاح وبہبود کے لیے ایسے طریقے اختیار کرنا چاہتا تھا جن سے انہیں فائدے کی بجائے الٹا نقصان پہنچتا تھا۔ عوام نے اس کے ہاتھوں بہت مصیبتیں اٹھائی ہیں۔"

سامع قانون برداروں نے سائرس کے فیصلے پر کوئی اعتراض یا تابال کے حق میں اپیل نہ کی۔ سائرس نے پھر وہ طریقے بتائے جن سے کسان خوشحال ہو سکتے تھے جن سے پیداواروں میں اضافہ ہو سکتا تھا۔ اس نے دریاؤں سے نہریں نکالنے کے طریقے اور جدید طریقوں سے کھیتی باڑی کرنے کا بھی بتایا۔ اس کے علاوہ وہ اور بھی دوسرے ہنر پیشہ لوگوں کی فلاح وبہبود کے طریقوں پر لیکچر دیتا رہا۔ جب اس نے کہنا ختم کیا تو تابال ایک بالکل بدلا ہوا انسان بن چکا تھا۔ اس نے سائرس کو اندر اپنے محل میں چل کر کھانا کھانے کی

دعوت دی۔ وہ چاہتا تھا کہ ہخامنشی بادشاہ اسے یہ بتاتے کہ اس کے ذہن میں کیا کیا باتیں تھیں۔ اس واقعے کے بعد سائرس کو ہر جگہ "عوامی بادشاہ" کہا جانے لگا۔

مختلف علاقوں کے دوروں کے دوران سائرس ہر سردار سے پوچھتا تھا کہ آخر وہ ہر سال گھوڑوں اور جنگجوؤں کی ایک مخصوص تعداد خراج کے طور پر میدیوں کے بادشاہ استیاگس کے پاس کیوں بھجواتا تھا؟ ایرانی آخر میدیوں کے غلام کیوں بنے رہیں؟ بہتر ہے کہ وہ میدیوں کی غلامی کا طوق اپنی گردنوں سے اتار پھینکیں۔ اور آزاد اور خودمختار قوم کی حیثیت سے جینا شروع کردیں۔

پھر سمندری ساحلوں سے لے کر صحرائے تک تک تمام علاقوں میں یہ خبر اڑنے لگی کہ سائرس نے نسا یانی گھوڑوں اور ہیں قبائل کے بہادروں کی ایک مخصوص تعداد بطور خراج اکتبانا بھیجنے سے انکار کر دیا تھا۔

" وہ جو حکومت کرتا ہے " اس نے مہرداد سے تلخی سے کہا " اپنے آپ کو حکومت کے اہل اس وقت تک نہیں ثابت کرسکتا جب تک وہ اپنے مقاصد کی تکمیل نہ کرلے۔ "

" تمہارا باپ اس سے بخوبی آگاہ تھا۔ جب وہ اپنے باغ میں کام کرتے ہوئے یوں ظاہر کرتا رہتا تھا جیسے وہ استیاگس سے خوف زدہ تھا۔ اس نے اپنے آپ کو بیرونی حملہ آوروں کی طرف سے اپنی رعایا کے لیے ایک ڈھال بنا رکھا تھا۔ کیا تمہارے مقاصد اسی طرح مبنی برعقل ہیں جیسا کہ اس کے تھے؟ "

سائرس نے سوچا کہ مہرداد اپا بیج ہونے کے باوجود بڑی گہری عقل کی باتیں کرتا تھا۔ ساتھ ہی اسے یہ بھی محسوس ہوا کہ مہرداد کی وفاداریاں اس کے ساتھ نہیں بلکہ ایرانی روایات کے ساتھ تھیں۔

اس کے بعد ہر سال انشان کا نیا بادشاہ استیاگس کے حضور نسا یانی گھوڑوں اور

جنگجوؤں کا خراج بھیجنے سے انکار کرتا رہا۔ اس نے اپنے انکار کے مقصد کو چھپانے کی کوشش بھی نہ کی۔ اس کا خواب تھا کہ وہ ایرانیوں کو بیرونی طاقتوں کا باجگزار بنے رہنے سے روکے اور انہیں ایک جھنڈے تلے متحد کر دے۔ اس نے مختلف ایرانی قبائل کی طاقتوری کا اندازہ لگا لیا تھا جو استیاگس کے غلام بنے ہوئے تھے۔ وہ ان بہت سے طاقتور اور تنومند گھوڑوں کی مانند تھے جنہیں ایک رتھ میں جوتا گیا تھا جس کی لگام کمزور تھیں اگرچہ لگامیں ٹوٹ جائیں!

پھر نسان کے مہینے میں، جب مرغزاروں میں نئی نئی گھاس اگا کرتی تھی استیاگس کا بھیجا ہوا قاصد پارس گرد کے دروازے پر پہنچا۔ جہاں سائرس نے چونے کے پتھر کی دو سلیں کھڑی کر رکھی تھیں۔ ان سلوں پر اس نے محافظ روحوں کی شبیہیں کندہ کرائی تھیں یہ محافظ روحیں اس کے محل کی حفاظت کرتی تھیں۔ قاصد کا نام ابرادات تھا۔ وہ چیپٹ آف نسل تھا۔ وہ اپنے ہمراہ تحفوں کی بجائے دو کاتبوں کو لایا تھا جن کی لمبی لمبی داڑھیاں تھیں تاکہ وہ نام کی جانے والی باتوں کو لکھ لیں۔ اس نے ہاتھ میں جو چھڑی پکڑ رکھی تھی۔ اس پر سونے کا عقاب بنا ہوا تھا۔ جوانوں کو پُر تول رہا تھا اس نے صاف اور واضح طریقے سے سائرس کو اول اپنا پیغام دیا۔

"آج نسان کے پہلے دن" اس نے دہرایا "اس عظیم بادشاہ کے الفاظ جو حکمران ہے بہت سی سرزمینوں کا، میدی قبائل کا، آریانا کا، ہیرکانیہ کا، مانینہ کا، اراتیوں اور عیلامیوں کا؟"
ابرادات نے ان اقوام اور قبائل کی تعداد گنائی جو استیاگس کی رعایا تھے۔ اس کے بعد اپنا پیغام سنایا۔ "یہ الفاظ سائرس، شاہ انشان کے لیے ہیں۔ جو نسان کے مہینے کے پہلے دن شاہ استیاگس کی جانب سے بھیجے گئے ہیں۔"

جب کاتبوں نے یہ باتیں لکھ لیں تو نوجوان قاصد سائرس کے تخت کے قریب کھسک آیا۔ یہ شاندار تخت اس نئے تعمیر شدہ وسیع و عریض ہال میں بچھایا گیا تھا جس پر بھی چھت

رہ ڈالی گئی تھی ۔" شاہ استیاگس کافی عرصہ سے اپنے پایہ تخت میں تمہارا استقبال کرنے کا منتظر ہے۔"
ان گول مول سے الفاظ نے سائرس کے تن بدن میں آگ لگا دی ۔" وہ اس وقت میرا استقبال نہ کرے گا جب مجھے دیکھے گا !" وہ چلا کر بولا ۔
قاصد نے حیرت و خوف سے اس کی طرف دیکھا ۔" کیا یہ تمہارا جواب ہے ؟"
" ہاں ۔" سائرس بولا ۔
اس ماہ وہ اپنی وادی سے باہر نہ گیا ۔ پھر گرمیوں کا موسم شروع ہوتے ہی وہ عبرانی سوداگر پیر پارس گرد میں نمودار ہوا جو پہلے کسنداں کے ہاتھ قیمتی زربفت کا کپڑا فروخت کر چکا تھا ۔ اس مرتبہ جب اس نے اسے اپنے علیحدہ محل میں رہائش اختیار کیے پایا تو اس نے اس کی شان و شوکت کی تعریف میں زمین آسمان کے قلابے ملا دیے اور کہا کہ وہ محل کھیتوں میں اُگے کنول کی مانند تھا ۔ جب وہ قیمتی زیورات اور بہت سے دوسرے نوادرات بھاری قیمت پر فروخت کر چکا تو سائرس کے پاس کھسک آیا اور اسے شمالی سڑک کا چند خبریں سنائیں ۔" اس سڑک پر ایک بہت بڑا میدی لشکر پڑاؤ ڈالے پڑا ہے ۔ وہ اس طرح پیش قدمی کر رہا ہے جیسے سمندر کی بپھری ہوئی جھاگ ۔ اس لشکر کا رخ جنوب کی طرف ہے اور اس کی کمان عظیم سپہ سالار ہارپیگ کر رہا ہے ۔"
اس رات سائرس نے تمام بلند مقامات پر آگ روشن کرنے کا حکم دے دیا ۔ یہ آگ تمام ایرانیوں کے لیے بلاوا تھا کہ وہ جنگ کے لیے تیار ہو کر آ جائیں انہیں یہ جنگ میدیوں کے لیے نہ لڑنا تھی ، بلکہ میدیوں کے خلاف لڑنا تھی ۔

ہارپیگ کا انتقال

سائرس جب اپنے لشکر کے ساتھ نسایائی چراگاہوں سے باہر نکل کر شمالی جانب بڑھا تو اسے بے پناہ فخر و مسرت کا احساس ہو رہا تھا۔ جب آسمان سے آخری ستارہ غائب ہوا تو اسوارن کے چھ ہزار بہادر اپنے جنگی گھوڑوں پر سوار چڑھتے سورج کی طرف منہ کیے کھڑے تھے۔ اس کے سروں پر خود چمک رہے تھے۔ ان کی ڈھالوں پر چاندی کا کام کیا گیا تھا اور ان کی زرہ بکتریں چمکدار دھات کی بنی ہوئی تھیں۔ جب انہوں نے دور افق کی سرخی سے سورج کو طلوع ہوتے دیکھا تو انہوں نے ایک ساتھ مل کر دعا مانگی کہ انہیں اتنی قوت حاصل ہو جاتے کہ وہ برائی کا منہ پھیر سکیں۔ اور اسے اپنی سرزمین سے اس طرح خارج کر دیں۔ جیسے سورج کی روشنی زمین سے تاریکی کو خارج کر دیا کرتی ہے۔ پھر جب وہ اپنے گھوڑوں پر سوار ہوئے تو قرناؤں نے دلخوشکن صدائیں بلند کرنی شروع کر دیں۔ اب وہ اپنے ان دشمنوں کی صفوں کی طرف بڑھ گئے۔ جو دو دریاؤں کے درمیان پہاڑوں کی ایک چوڑی پٹی پر بے حس و حرکت کھڑے تھے۔

سائرس نے اپنے سفید گھوڑے کو ایڑ لگائی اور تین قبیلوں کے بہادروں کو ساتھ لیے دشمن کی صفوں کی طرف بڑھ گیا۔ وہ اپنے ایک سو محافظوں سے آگے نکلنا چاہتا تھا۔

اس لیے اس نے گھوڑے کی رفتار تیز کر دی۔ اس کے ساتھ ہی اس کے بہادر ہاتھوں میں تلواریں اور نیزے سنبھالے تیزی سے آگے لپک پڑے اور میدی گھڑسوار دستوں پر جا پڑے۔ جن کے پیچھے پیادہ سپاہیوں کی صفیں تھیں۔ جنہوں نے نیزے اور ڈھالیں سنبھال رکھی تھیں۔

پھر جب سورج غروب ہوا۔ سائرس بُری طرح سے زخمی ہو چکا تھا اور اپنے گھوڑے پر بیٹھا زخموں کی تکلیف اور نقاہت سے دائیں بائیں جھول رہا تھا۔ اس کا گھوڑا پسینے اور گرد سے اٹا ہوا تھا۔ ہموار سڑک پر بھی اس کے قدم لڑکھڑا رہے تھے۔ سائرس کے چاروں طرف اس کے بہادر بکھرے ہوئے تھے جو اسے بار بار گھوڑے پر سنبھال رہے تھے۔ ان کے دائیں ہاتھ سورج غروب ہو رہا تھا اور ان کے عقب میں میدانِ جنگ میں میدی مصروفِ جدال وقتال تھے۔

سائرس کے ذہن میں جنگ کے دن کی موہوم سی یاد ہی باقی تھی تیر سنسناتے ہوئے اس کے پاس سے گزر رہے تھے۔ جنگی کلہاڑیاں خون کے چھینٹے اڑا رہی تھیں۔ انسانی اعضا کٹ کٹ کر گر رہے تھے۔ دورانِ جنگ اسے بچاتے رکھنے کے لیے چمڑے کی ڈھالوں کی ایک دیوار اس کے سامنے کھڑی رہی تھی۔ ایسے جیسے پتھر کی دیوار ہو۔

جب سورج کی ٹکیہ کا آخری حصہ زمین میں جذب ہو گیا تو اس نے سیدھے بیٹھنے کی کوشش کی اور بآوازِ بلند پکارا " ہم پارسی گرد کے دروازے پر ان کا مقابلہ کریں گے ایک سنگی دیوار کی مانند ہم ان کے سامنے ڈٹ جائیں گے۔ ہم انہیں اپنے وطن سے اس طرح نکال دیں گے جیسا کہ آج انہوں نے ہمیں میدانِ جنگ سے پسپائی پر مجبور کیا ہے۔"

جواب میں اسے اپنے آس پاس سے نعرے سنائی دیے۔ رات کی تاریکی پھیل رہی تھی۔ اس نے ایرانیوں کی پسپائی کے نظارے کو چھپا لیا تھا۔ سائرس نقاہت اور کمزوری

سے ادھر ادھر جھول رہا تھا۔ اس کے محافظوں نے مضبوطی سے اسے تھام لیا۔ اس کا ذہن اس حالت میں بھی اپنے شہر اور وادی کے دفاع کے انتظامات کے بارے میں سوچ رہا تھا جہاں کوئی دیواریں یا حفاظتی فصیلیں نہ تھیں، سوائے پہاڑوں کے۔

دوسرے دن سائرس اور اس کے سردار پہاڑی پر سے میدیوں کو گھسٹ گھسٹ کر گرسنہ رو سانپ کی مانند ڈھلوانیں چڑھتا دیکھ رہے تھے۔ سائرس جانتا تھا کہ یہ اس کا آخری موقع ہو گا۔ شمالی گس کے میدانوں کی نسبت اس کے پاس اس جگہ فوج بھی کم تھی اس کے دوسرے حکم کے جواب میں باہر کے قبائل کے بھی کچھ سوار اس کے پاس آ گئے تھے۔ تین قبیلوں کے بہادروں کی تعداد میدانِ جنگ میں کھیت رہنے کے سبب خاصی کم پڑ چکی تھی اس کے بوڑھے کمان داروں نے اسے مشورہ دیا کہ وہ اپنے سپاہیوں کو اس جگہ سے ہٹا کر مغرب کے کھلے میدانوں کی طرف لے جائے۔ جہاں دایانی خانہ بدوش آباد تھے اور جہاں کرانیوں کا پہاڑی قلعہ واقع تھا۔ اس کے ایرانی اپنے مال مویشیوں کے ساتھ تیزی سے وہاں سے نکل جائیں گے اس طرح میدیوں کے لیے لوٹ مار کرنے کے لیے کچھ باقی نہ رہے گا اور وہ پارس گرد میں بہت کم تباہی مچا سکیں گے۔

سائرس ایسا کرنے کو تیار نہ تھا۔ اسے یاد تھا کہ کمبی سس ہمیشہ کہا کرتا تھا کہ وہ وادی ان کی جائے پناہ تھی۔ اگر انہوں نے اس وادی کو خیر باد کہہ دیا تو وہ ایک بار پھر خانہ بدوشی کی زندگی کے خوگر بن جائیں گے اور ریت کے ذرات کی مانند ادھر ادھر بکھر جائیں گے اس وقت اسے یہ احساس بھی ہوا کہ اس کے لوگوں کے پاس اس کی لیڈر شپ کے سوا اور کوئی نظام دفاع موجود نہ تھا اور اس کی لیڈر شپ ہارپیگ کی مہارت کے سامنے کوئی کار آمد ثابت نہ ہو سکی تھی۔

ہارپیگ، استیاگس کا سپہ سالار ایک ماہر اور تجربہ کار سپاہی جنگ جیتنے کے فن سے بخوبی آگاہ تھا۔ اپنے تفکرات میں سائرس کو میدی فوج کا راستہ روکنے کا ایک راستہ سجھائی دیا۔

جو خطرناک ضرور تھا تاہم ناممکن العمل نہ تھا۔ اس راستے پر چلتے ہوئے وہ موت یا فتح سے ہمکنار ہو سکتا تھا۔ اس نے جب اپنے ذہن میں اس منصوبے کا جائزہ لیا تو اسے معلوم ہوا کہ وہ اسے اپنے افسروں کو نہ سمجھا سکتا تھا۔ انہیں یہ جاننے کی ضرورت بھی نہ تھی اور اگر یہ ناکام ہوتا تو وہ اپنے طور جو مناسب سمجھتے کرنے کے لیے آزاد تھے۔ اس نے اپنے اسوارن کے کیمپ کو دشمنوں کی نگاہ سے پوشیدہ رکھا۔ اس نے گھاٹی کے اوپر کچھ گھڑ سواروں کی دشمن کی نقل و حرکت پر نگاہ رکھنے کے لیے متعین کر دیا۔ میدی لشکر اس وقت ایک ندی کے کنارے پہنچ چکا تھا اور وہاں پڑاؤ ڈالنے کی تیاریاں کر رہا تھا۔

رات کو جب اس کے خیمے میں چراغوں کو جلتے ہوئے تین گھنٹے گزر گئے تو سائرس خیمے سے باہر نکل آیا۔ اس نے بیدار محافظوں کو حکم دیا کہ وہ اپنے باقی ساتھیوں کو خاموشی سے جگا دیں۔ وہ بیدار ہو کر اپنی ڈھالیں اور نیزے اپنے خیموں میں چھوڑ کر صرف چاقو اور دستی کلہاڑیاں ہاتھوں میں لیے اس کے پاس جمع ہو گئے۔ اس نے پھر انہیں بتایا کہ انہیں کس مقصد کے لیے یوں جگایا گیا تھا۔ وہ انہیں اپنے ہمراہ پا پیادہ میدیوں کے پڑاؤ میں لے جائے گا۔ انہیں ان پہریداروں میں سے گزرنا ہو گا۔ جو گھڑ سواروں کی تاک میں ہوں تاریکی کے پردے میں درجن بھر آدمی ہارپیگ کے خیمے میں گھس پڑیں گے۔ جس کے آس پاس اعلیٰ فوجی سالاروں کے خیمے بھی ایستادہ ہوں گے وہ ہارپیگ کے خیمے میں گھس کر اسے زندہ گرفتار کر لیں گے اور کیمپ سے باہر نکل آئیں گے۔ اپنے سالار اعلیٰ سے محروم ہونے کے بعد میدی افواج ایرانیوں کا مقابلہ نہ کر پائیں گی۔ اتنا کچھ بتا چکنے کے بعد سائرس نے اپنے سوئیں سے بیس باقی بچنے والے محافظوں اور دوسرے سپاہیوں سے پوچھا کہ آیا وہ یہ خطرہ مول لینے کے لیے تیار تھے۔ انہوں نے فوراً ہی اس پر صاد کیا اور اصرار کیا کہ سائرس خود ہرگز اس خطرناک مہم پر نہ جائے اس نے کچھ سوچ کر دو آدمیوں کو اپنے خیمے کے باہر متعین کر دیا تاکہ یہ ظاہر ہو کہ وہ اندر سو رہا تھا۔ اس کے بعد وہ باقی آدمیوں کے

ساتھ آگے بڑھ گیا۔ اس کی فوج کے پہریدار دشمن کے پڑاؤ پر نظر رکھے ہوئے تھے۔ کچھ دور آگے چل کر اس نے اپنے پڑاؤ اور ہارپیگ کے ہیولین کا درمیانی فاصلہ بڑی توجہ سے نوٹ کیا۔ اس کے بعد اپنے بہادروں کو احتیاطاً آگے بڑھنے کا حکم دیا۔ وہ چھوٹے چھوٹے گردپوں کی صورت میں پہریداروں کی نظریں بچا کر تاریکی میں رینگتے ہوئے آگے بڑھنے لگے۔ ہر چند کہ سائرس کے زخم اس حد تک مندمل ہو چکے تھے کہ وہ آسانی سے نقل و حرکت کر سکتا، مگر جلد ہی اسے شدید نقاہت [illegible] رنے لگا۔ سپاہیوں کے جہرمے کے خیموں کے قریب پہنچتے ہی اس کے بہادر دو دو تین تین کی ٹولیوں میں بٹ گئے اور آہستہ آہستہ آگے بڑھنے لگے جنہوں نے کلہاڑیاں سنبھال رکھی تھیں۔ وہ بڑی احتیاط سے کام لے رہے تھے۔ صبح ہونے میں کچھ دیر باقی تھی جب وہ دشمن فوج کے سالار اعلیٰ کے خیمے تک جا پہنچے۔ جس میں روشنی ہو رہی تھی۔ اس کے سامنے درجن بھر نیزہ بردار پہرا دے رہے تھے۔ اس جگہ روشنی پوری طرح نہ پہنچ رہی تھی۔ سائرس کا خیال تھا کہ ہیولین میں جلنے والی روشنیاں اس کے لیے خاصی مددگار ثابت ہوں گی۔

اس نے ایک دم ہی نیزہ بردار محافظوں پر حملہ کر دیا اور انہیں ایک طرف ڈالتا ہوا سیدھا ہیولین میں گھس گیا۔ وہ بڑا ہیولین اندر سے دو حصوں میں تقسیم تھا۔ ان دو حصوں کے بھی دو دو حصے کیے گئے تھے۔ ایک حصے میں دو جلتی ہوئی شمعوں کے درمیان ہارپیگ کھڑا تھا۔ جونہی سائرس کے آدمی اس کی طرف بڑھے۔ قریبی پردے سے ہٹا کر چند تلوار بردار میدی سپاہی اندر گھس پڑے۔ طرفین نعرے لگا کر ایک دوسرے پر حملہ آور ہو گئے ہتھیار سے ہتھیار ٹکرانے لگے۔ زخمیوں کی چیخ و پکار گونجنے لگی۔ پھر ہارپیگ نے دونوں شمعیں اٹھا کر لڑنے والوں پر اچھال دیں۔ ”لڑنا بند کر دو بے وقوفو! ہتھیار رکھ دو!“ وہ کڑک کر بولا۔

اس کے اس اچانک تیز حکم پر تحیر زدہ سپاہیوں نے فوراً ہی اپنے ہاتھ روک لیے۔

اس وقت سائرس کو احساس ہوا کہ اس کی مہم ناکام ہو گئی تھی اور ہوشیار و چالاک ارمنی نے سانپ کے ڈسنے کی سی تیزی سے پانسہ اپنے حق میں پلٹ دیا تھا۔ پھر ہارپیگ نے دوسرے احکام صادر کیے۔ اس نے تمام آدمیوں کو ما سوائے سائرس برابر والے کمرے میں بھجوا دیا۔ جب وہ اس کے حکم کی تعمیل میں نکل کر جانے لگے تو وہ چنگھاڑا۔ "عارضی صلح ہو چکی ہے جو کوئی اسے توڑنے کی کوشش کرے گا۔ میں اس کی کھال کھنچوا دوں گا۔"

جب میدی اور ایرانی سپاہی کمرے سے نکل گئے تو ہارپیگ نے اپنے ایک محافظ کو بلا کر اسے نئے لیمپ روشن کرنے کا حکم دیا اور ساتھ ہی ہدایت کی کہ وہ اس کے لیے آیونی شراب کی صراحی بھی لیتا آئے۔ دوسرے ہی لمحے وہ اس شراب سے لبریز پیالہ ہاتھ میں لیے اس کے روبرو ٹہل رہا تھا۔ اس کے چہرے پر طنز و تمسخر بھری مسکراہٹ رقص کر رہی تھی۔ "سائرس" اس کے لہجے میں بھیڑیے جیسی غراہٹ تھی۔

اس واقعے کے بعد یاد رکھنا کہ جو آدمی باہر سے روشن کمرے میں داخل ہوتے ہیں۔ روشنی انہیں اندھا کر دیتی ہے۔ کیا تم نے یہ سوچ رکھا تھا کہ میں یہاں بغیر حفاظتی انتظامات کے خواب خرگوش کے مزے لوٹ رہا ہوں گا؟"

سائرس کے ہاتھ میں چاقو تھا۔ وہ اس ہنتے ارمنی کو قتل کر سکتا تھا مگر چونکہ ہارپیگ نے عارضی صلح کی بات کی تھی اس لیے وہ ایسا نہ کر سکا۔ پھر اس وقت اسے خاصی نقاہت اور کمزوری بھی محسوس ہو رہی تھی۔ تیز روشنیاں اس پر غنودگی سی طاری کر رہی تھیں۔ ہارپیگ نے اسے ذرا بھی سوچنے کا موقع نہ دیا۔ اس نے اسے بغیر کسی خطاب کے مخاطب کیا تھا۔ اور اس کے لہجے میں کسی عزت یا تکریم کی جھلک بھی نہ تھی۔ "کیا تمہیں یہ یقین تھا کہ میں وارتان کے قتل کا بدلہ لینا بھول جاؤں گا؟ اپنے بیٹے کی لاش تم نے ایک تھیلے کی صورت میں مجھ تک پہنچائی تھی" اس کی آنکھیں شعلے برسانے لگیں "سائرس۔ میں نے وارتان کو حکم دیا تھا کہ وہ تمہارا راہنما اور محافظ بن کے

رہے ہے۔"

سائرس کو ایک جھٹکا لگا۔ اس نے چاقو ہاتھ سے گرا دیا۔ اس نے سمجھا تھا کہ ہارپیگ کو وارتان کے قتل کے بارے میں صحیح واقعات سے لاعلم رکھا گیا تھا اس نے اسے وارتان کے قتل کی تمام تفصیلات کہہ سنائیں۔ ارمنی بڑی توجہ سے اس کی باتیں سنتا رہا۔ سائرس کو اس وقت یاد آرہا تھا جب وہ دونوں اگنیانا کے صحن میں خواجہ سرا کے چراغ کی روشنی میں کھڑے تھے۔ پھر ہارپیگ نے درشت لہجے میں سائرس کو بیٹھ جانے کو کہا۔ اس نے شراب کے برتن ایک طرف ہٹا دیے۔ اس کے ماتھے پر شکنیں گہری ہو گئی تھیں۔

"میں یقین نہیں کرتا کہ تم جھوٹ بول رہے ہو۔" اس نے کہا۔ "یہ مجھے بتاؤ اگر تمہارا کوئی ساتھی اپنے سر کی ہڈیاں تڑواتے مدد کے لیے تمہارے پاس آتا ہے۔ تو کیا تم آلاتِ جراحی سنبھال کر خود اس کا آپریشن کرنے کو تیار ہو بیٹھو گے؟"

"نہیں یہ تو جراح کا کام ہے۔"

ارمنی بے آواز ہنسی ہنسا۔ "پھر بھی میدانِ جنگ کا کوئی تجربہ رکھے بغیر تم اپنے چھ ہزار سواروں کے ساتھ جنگ میں کود پڑے؟ تم نے اسواران کے بہترین سواروں کو میرے ان نیزہ بازوں کے مقابلے پر جھونک دیا جن کو تیراندازوں کا سایہ حاصل تھا تمہاری اس حماقت کی وجہ سے اب جانے کتنی ہی عورتیں تمہارے شہر میں اپنے مرنے والوں پر نوحہ کریں گی۔ میں اپنے خیمے کے آگے ڈھیر کیے ہوئے انسانی جسموں کی گنتی سے اندازہ لگا سکتا ہوں۔ اسواران کی بہادری اور شجاعت کہاں گئی تھی؟ تم نے ان کے ہاتھوں میں تیر کمانیں تھما دیں اور خواہش کی کہ اس طرح وہ میرے نیزہ بازوں پر غالب آ جائیں گے۔ اگر تم کسی جنگی حکمت عملی سے کام لیتے تو شاندار نسا یانی گھوڑوں پر سوار دلیروں کا مقابلہ ہمارے لیے واقعی مشکل ثابت ہو جاتا۔"

سائرس سمجھ رہا تھا کہ ہارپیگ ایک دشمن کی حیثیت سے یہ باتیں ہرگز نہ کر رہا تھا ہر چند کہ اس کا لہجہ درشت اور کھردرا تھا اور اس کے تیور جارحانہ تھے۔

"اس میں کوئی شک نہیں سائرس انشان کے بادشاہ اور تمہیں قبیلے کے سردار کہ میدان جنگ میں اترتے وقت تم بڑے مسرور اور متکبر دکھائی دے رہے تھے۔ ایک ہیرو ہمیشہ یہ چاہتا ہے کہ وہ بے شک مر جائے لیکن تھوڑی بہت شہرت حاصل کرنے کے بعد۔" ہارپیگ کا لہجہ وارتان کی مانند کٹیلا تھا "میں سادہ لفظوں میں لے تمہاری حماقت کہوں گا۔ ایک کماندار اپنے فوجیوں کو خود موت کے منہ میں دھکیل دے۔ اسے بے وقوف کہیں گے۔ ایک کماندار کو دشمن کے سامنے طاقتوری کی حالت میں ہمیشہ کمزور دکھائی دینا چاہئے اور کمزوری کی حالت میں طاقتور نظر آنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ اسے اپنے اقدامات کے گرد جھوٹ کا جال پھیلا دینا چاہئے۔ اسے دشمن کی صفوں میں غدار پیدا کرنے چاہئیں۔ اس کے فوجی راز چرانے کی کوشش کرنی چاہئے۔ اس کی تنصیبات تباہ کر دینی چاہئیں اور اس وقت تک عفو و رحم کو اپنے قریب نہ پھٹکنے دینا چاہئے جب تک وہ اپنا مقصد حاصل نہیں کر لیتا۔"

سائرس منتظر تھا کہ ارمنی ان الٹ پھیر باتوں کے صحیح مطلب کی طرف آتے۔

"میرے ہنامنشی بادشاہ تمہیں کیا اس کی کوئی گن سن ہے کہ استیاگس میرے پیچھے آ رہا ہے۔ وہ مجھ سے ایک ہفتے کی مسافت پر ہے۔ اس کا مقصد یا یہ ہوگا کہ مجھ پر نظر رکھے یا یہ ہوگا کہ تمہاری شکست اور تباہی پر پاسر گرد میں گھس کر خوشیاں منائے کیونکہ تم نے اس کے حکم نہیں مانے اور سالانہ خراج ادا کرنے سے انکار کیا تھا۔ وہ اس لحاظ سے خاصا عقلمند واقع ہوا ہے کہ اس نے فوج کا طاقتور ترین عنصر اپنے ہمراہ رکھا ہوا ہے۔ جس میں ایرانی اور ہیرکانی بھی شامل ہیں۔" ہارپیگ نے رک کر تھوڑی دیر کے لیے سوچا پھر بولا "اسے شاید یہ ڈر بھی ہے کہ میں میدی فوج میں بڑا اثر و رسوخ حاصل

بیٹھا ہوں۔ وہ میری فتح میں حصہ بٹانا چاہتا ہے۔ اس کا میرا تعاقب کرنے کا شاید اصل مقصد یہی ہو گا ورنہ وہ کبھی اپنے محل سے باہر نہیں نکلا کرتا۔ اب اس کی بادشاہت پر آخری مہر ثبت ہو جائے گی۔"

سائرس کے ذہن میں کسی پرانے واقعہ کی یاد کرن بن کر چمکی۔ "پھر اگتبانا کے بڑے مینار کی سونے کی چوٹی مکمل ہو گئی ہے۔"

ہارپیگ نے تحیر سے اس کی طرف دیکھا۔ "ہاں! تمہیں شاید اس ماگی کی پیش گوئی یاد آ رہی ہے کہ جب مینار کی چوٹی سونے کی بنا دی جاتی تو اس وقت میدی شہنشاہیت کا زوال شروع ہو جاتا گا۔"

"ہاں میرے ذہن میں یہی بات آ رہی ہے۔"

سائرس کے قریب بیٹھے ہارپیگ خاموشی سے چراغ کے شعلے کو گھورتا رہا۔ پھر اس کے چہرے کے تاثرات بدل گئے۔ "سردار سائرس۔ سچ بولنے کے علاوہ تم میں ایک خاص خوبی اور بھی موجود ہے تم غیر متوقع کام کر دکھانے کی صلاحیت رکھتے ہو۔ یہ امر ایک دشمن سالار کو بدحواس کر دینے کو کافی ہے۔ تم نے مجھے پریشان کر ڈالا تھا اس کا مجھے اعتراف ہے۔" اس نے اپنے بستر کے سرہانے رکھی آب گھڑی پر نگاہ ڈالی۔ "آدھ گھنٹہ پہلے کی بات ہے۔ وہ ماگی میرے خیال اس دیوتا کا فرستادہ رہا ہو گا۔ جو تمہاری حفاظت کرتا ہے۔ تم نے شاید میری افواج کو شکست دے کر میڈیا کا تاج اپنے سر پر سجانے کا منصوبہ بنا رکھا تھا؟"

"میرا اب بھی یہی منصوبہ ہے۔"

ہارپیگ کی داڑھی مسکراہٹ میں دو حصوں میں بٹ گئی۔ سائرس یہ بات کہہ کر تم نے اپنے آپ کو میری قید کا مستحق ثابت کر دیا ہے۔ تمہیں اگتبانا لے جا کر کاٹھ پر لٹکا نا چاہئیے۔ جہاں تم ماہئ بے آب کی طرح تڑپتے تڑپتے جان دے دو۔ اگر استیاگس

سیا زارس کی مانند ہوتا تو تمہارا واقعی یہی حشر ہوتا ۔"

اگران باتوں سے ارمنی کا مقصد سائرس کے دل میں خوف و دہشت بٹھانا تھا تو وہ اس میں ناکام رہا ۔ سائرس اس کی باتوں کا مقصد تلاش کر رہا تھا۔

" لیکن استیاگس ایک ایسے سوئر سے بڑھ کر کچھ نہیں جو زرخیز چراگاہ میں چر رہا ہو۔ اس نے ان سدیوں کو تمہارے ہمراہ صحرا میں اسی لیے بھیجا تھا کہ وہ موقع پاکر تمہارا کام تمام کردیں۔ لیکن اپنے دیوتا کے کرم سے تم بچ نکلے ۔ اوران کتوں نے میرے بیٹے طارتان کو قتل کر دیا۔" ہارپیگ نے اپنے ہاتھ بلند کیے اور نیچے گرا دیئے ۔" میرا گھرانہ تباہ ہو چکا ہے ۔ اب میری زندگی کا ایک ہی مقصد باقی رہ گیا ہے اور وہ یہ ہے کہ استیاگس کو اس کے کرتوتوں کی سزا دوں ۔"

وہ ایک دم اپنی جگہ سے اٹھ گیا اور پردہ ہٹا کر دھاڑا۔

" کتو ! اپنے زخم چاٹنا بند کرو اور جا کر تمام چوکیوں پر اطلاع دے دو کہ ہمارے اور ایرانیوں میں عارضی صلح ہو چکی ہے ۔ سائرس نے مجھے یہ خبر تمام سالاروں کو پہنچانے کی ہدایت کی ہے ۔"

اس نے ان سب کو تیزی سے باہر نکلتے دیکھا ۔ پھر دوسرے پردے ہٹا کر ان کمروں میں جھانکا اس کے بعد اپنی جگہ پر واپس بیٹھ کر چراغ کی لو کو گھورنے لگا۔

" مجھے تھوڑی سی مہلت دو ۔" وہ اپنی داڑھی کھجاتے ہوئے بڑبڑایا ۔" تاکہ میں وہ طریقہ سوچ سکوں جس سے میڈیا کی شہنشاہیت کا خاتمہ کیا جا سکے ۔"

" بخوشی ۔ تم جتنی دیر چاہو سوچ سکتے ہو ۔"

" یہاں کوئی نہیں جانتا کہ آیا تم میرے قیدی ہو یا میں تمہارا قیدی ہوں ۔ تم اپنا چاقو اٹھا لو سائرس ۔ ہمیں یہ ظاہر کرنا ہے کہ میں تمہارا قیدی ہوں ۔" اس کے گھنے ابرو تن گئے " تم مطالبہ کرو کہ میری فوج کے تمام سالار باضابطہ طور پر ہتھیار ڈال دیں ۔ میرے ارمنی سپاہی

فوراً ہی تمہارے حکم کی تعمیل کریں گے۔ میدی بھی چار و ناچار ان کی تقلید کریں گے۔ پھر میدی اور تمہاری افواج اکٹھی یہاں خیمہ زن ہوں گی۔ ہم استیاگس کے یہاں پہنچنے کا انتظار کریں گے۔ اس کے جاسوس یہاں ہر جگہ موجود ہیں۔ مگر ہمیں اس سے کوئی نقصان نہ پہنچے گا کہ وہ استیاگس کو چشم دید واقعات کی خبریں دیتے ہیں۔ استیاگس عورت بازی کا اتنا عادی ہو چکا ہے کہ اسے کوئی جنگ لڑے ایک طویل مدت گزر چکی ہے۔ وہ جنگی چالیں اور حکمت عملی سب بھول چکا ہے۔ وہ آتے ہی بیدھا تم پر حملہ آور ہوگا اس کے گھڑ سوار دستے اس پیش قدمی میں اس کے آگے آگے ہوں گے۔"

"اور اگر اس کے ایرانی سپاہیوں نے مجھے دیکھ لیا تو وہ مجھے خوش آمدید کہنے اسے چھوڑ کر میری طرف آ جائیں گے۔" سائرس بولا۔

"بالکل صحیح۔

اور ہیر کانی بھی ان کے پیچھے پیچھے تمہاری طرف لپک پڑیں گے۔ اب گھڑ سوار فوج تمہارے عقب میں ہوگی۔ میرے ارمنی اس عظیم بادشاہ کو گھیرے میں لے لیں گے۔ اور اس سے مطالبہ کریں گے کہ وہ ہتھیار ڈال دے اور سائرس ہخامنشی کو ایرانیوں اور میدیوں کا بادشاہ تسلیم کرے۔"

سائرس ہنسا۔ "سردار ہارپیگ۔ تم کیا مجھے یہ نہ بتایا تھا کہ ایک عقلمند لیڈر اپنے ہر کام کے گرد جھوٹ کا ایک جال بنا کرتا ہے۔ کیا تم مجھے دھوکہ دینے کے لیے ایسا نہیں کر رہے ؟"

ناراض ہوتے ہوئے بغیر ارمنی نے اپنا تیل سے چپڑا ہوا سر ہلایا۔ "تم ایک سادہ سا سبق بڑی جلدی سیکھ گئے ہو سائرس۔ بہرکیف تم یہ شک کرنے میں حق بجانب ہو کہ دو ہفتے قبل میں تم سے ایک دشمن کی حیثیت سے لڑا تھا اور اب تمہارا دوست بن کر اپنے بادشاہ کے خلاف کیوں ہو گیا ہوں ؟ استیاگس کو دھوکہ دینے کے

لیے تم سے جنگ لڑنی ضروری تھی۔ بیمار رسس کا فربہ اندام بیٹا سست الوجود ضرور ہے۔ مگر احمق نہیں۔ تاہم ہم جوان پہاڑیوں میں اس کے لیے جو جال بچھا رہے ہیں اس سے وہ ناواقف ہے۔" ہارپیگ اپنی جگہ سے اٹھا اور پردے کی طرف بڑھ گیا۔ اس نے ایک جھٹکے سے پردہ ایک طرف ہٹا دیا۔ برابر والے کمرے میں سوائے چند زخمی ایرانی سپاہیوں کے کوئی نہ تھا۔ اس نے پردہ برابر کیا اور اپنی جگہ پر آ کر بیٹھ گیا۔ "کمبی سس کے بیٹے۔ تمہیں ابھی ایک دوسرا سبق سیکھنا ہے۔ جب ہم استیاگس کو قیدی بنا لیتے ہیں تو یہ کام تمہیں بڑا شاندار دکھائی دے گا۔ مگر ہمیں اس کام کو حتمی نہیں سمجھ لینا چاہیئے۔ ہماری اصل فتح وہ ہو گی جب ہم اس کے پایۂ تخت اگبتانا پر قبضہ کر لیں گے اور میڈیا کے خزانے ہمارے قبضے میں آ جائیں گے۔ ہمیں دوسروں کو اگبتانا پر قبضہ کرنے سے باز رکھنا چاہیئے۔" اس نے اپنا چہرہ اٹھا کر باہر جھانکا باہر صبح کی روشنی پھیل رہی تھی۔ "تمہارا دیوتا تمہیں ایرانیوں اور میدیوں کا بادشاہ بننے میں تمہاری مدد کرے یہ میری دعا ہے۔ اب سائرس تم سمجھ گئے ہو گے نا میری باتوں کو؟"

سائرس سخت تھکا ہوا تھا۔ اس کا ذہن نیم غنودگی کی حالت میں تھا وہ صرف امیدیں ہی باندھ سکتا تھا۔

پھر ہوا یہ کہ دس دنوں بعد کاروانوں کے سوار اور غیر ملکی جاسوس پارس گرد کے پہاڑوں سے ادھر ادھر عجیب ناقابل یقین سی خبریں پہنچانے لگے۔

میدیوں کی عظیم فوج میں بغاوت برپا ہو گئی تھی۔ اس کے بہادر دلوں نے ایک نوجوان بادشاہ کے سامنے اپنے ہتھیار ڈال دیے تھے۔ استیاگس شاہ میڈیا سائرس کا قیدی بن گیا تھا۔ سائرس نے استیاگس کو قتل نہ کیا تھا اور نہ ہی اس نے اس کی آنکھوں میں گرم سلائیاں پھروا کر اسے اندھا کیا تھا۔ اس کے برعکس سائرس نے

اسے اپنے محل میں بطور یرغمال رکھا ہوا تھا۔

مغربی سڑک پر منڈلانے والے جاسوسوں نے یہ خبریں شوشان بھی پہنچا دیں۔ پھر وہ بابل کی طرف بھاگ اٹھے جہاں نبونید حکومت کر رہا تھا۔ لیکن شمالی سڑک کے جاسوس یہ خبریں اگبتانا پہنچانے سے پہلے ہی راستے ہی میں دھر لیے گئے۔

میڈیا کے دربار میں حلف وفاداری

سائرس کو پارس گرد کے دروازے پر نصیب ہونے والی اس بے لڑے حاصل ہو جانے والی فتح والی رات کو نیند نہ آسکی۔ شاعر اپنی ثنا خوانیاں ختم کر چکے تھے۔ سرداروں نے نئی جگہوں پر پڑاؤ ڈال لیے تھے اور وہاں آگ روشن کیے خوشیاں منا رہے تھے سائرس کو ایک منظر نے بے حد دکھ پہنچایا تھا۔ جب اس کے سپاہی اسنیاگس کے جسم سے لوہے کے ہتھیار زرہ بکتر خود وغیرہ اتار چکے تھے اور وہ گرد سے اٹی ہوئی قمیض اور سواری کا پاجامہ پہنے سب کے سامنے کھڑا رہ گیا تھا تو اس وقت اس کے پھولے ہوئے رخساروں پر آنسو بہہ رہے تھے۔ ایک اور یاد بھی سائرس کو مکھی کے ڈنک کی مانند تکلیف دے رہی تھی۔ یہ میدیوں کے سالارِ اعلیٰ ہارپیگ کی بات تھی جو اس نے اس نام نہاد فتح کی صبح اس سے اپنے ہیولین میں کہی تھی۔

ہر کام ویسا ہی انجام پا گیا تھا جیسا کہ ارمنی نے پیش گوئی کی تھی۔ اب وہ اپنے اسی ہیولین میں سو رہا تھا۔ جب کہ سائرس بے چھت کی حاضری کے دربار میں بیٹھا سوچ و فکر میں غلطاں تھا۔ مسلح محافظ اسے ٹٹولتی مجسّس نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ سائرس کو شدید تھکاوٹ محسوس ہو رہی تھی۔ لیکن رات کے سکوت میں اسے وہ جھوٹ یاد آ رہے

نے جو پیچ سجھانے کے لیے بوسلے گئے تھے۔ یہ پیچ تھا کہ اب استیاگس تخت و تاج کے بغیر ایک اداکار سے زیادہ نرہ گیا تھا۔ پھر بھی سائرس اور ہارپیگ کو حقیقی فتح اسی وقت حاصل ہو سکتی تھی جب وہ اگبتانا پر قبضہ کر لیتے۔

سائرس سوچتا رہا۔ یہاں تک کہ اس کے ذہن میں خیالات کا دریائی بھنور کی مانند ایک گرداب سا بن گیا۔ اس نے پانیوں کی آواز سنی اور ایک عجیب سا سکون اپنے اندر اترتا محسوس کیا۔ اس نے اپنے محافظ فرشتے کو اپنے قریب آتے محسوس کیا۔ پھر اس نے اس کی خبردار کرنے والی آواز سنی۔ اس کے ذہن کی تاریکیوں میں گویا اجالا ہو گیا اس نے اپنے بازو بلند کیے اور آہستگی سے ہنسا۔ واقعی فتح اس وقت حاصل ہو سکتی تھی، جب وہ اگبتانا پر قبضہ کر لیتے۔ لیکن فتح ہارپیگ کے کھانے میں جاتی سائرس کے کھاتے میں نہیں۔ میڈیا کے پایۂ تخت میں ہارپیگ، میدیوں کا عظیم سالار، ایرانیوں کی بغاوت کی خبر دیتا۔ جنہیں وہ جنگ میں خاصا مار کاٹ چکا تھا اور ان کے ہاتھوں استیاگس کے اغوا کی خبر دیتا۔ پھر وہ یہ کرتا کہ استیاگس کے کسی لڑکے کو کٹھ پتلی بادشاہ کی حیثیت سے تخت میڈیا پر بٹھا کر خود سیاہ و سفید کا مالک بن جاتا۔ سائرس اس کے نزدیک محض ایک احمق سا اداکار رہتا جو اپنا کردار ادا کر چکا تھا اور اب سلسے حقیقی بنانے کا متوقع تھا۔ اپنے یہ مقاصد ہارپیگ نے آدھے جھوٹے آدھے سچ کے پردے میں چھپا رکھے تھے۔ وہ اپنے ان مقاصد کی تکمیل کے بارے میں پُریقین بھی تھا کیونکہ استیاگس کو اس کی رعایا پسند نہ کرتی تھی اور سائرس اگبتانا میں ایک گمنام سا شخص تھا۔

کمبی سس کے بیٹے کو جب روشنی دکھائی دے گئی تو اس نے عملی قدم اٹھانے میں بڑی عجلت سے کام لیا۔ پارس گرد کے عظیم فوجی کیمپ میں مکمل خاموشی تھی۔ سوائے مہرداد اور تین قبائل کے سرداروں کے سب پڑے سو رہے تھے۔ اس نے ان سب کو اپنا پروگرام سمجھایا اور گھوڑے پر سوار ہو کر شمالی گھاٹی کی طرف روانہ ہو گیا۔ اس کے عقب میں اس

کے سو محافظوں ہی باقی بچے ہوئے محافظ اور سپاہی چلے آ رہے تھے ان کے ہمراہ میدیوں کے بھریے اور استیاگس کے ہتھیار بھی تھے۔ جو سائرس کے رہائشی محل میں پڑا ہوا تھا۔ اس کے عجیب سے خود پر گدھ کی شبیہہ بنی ہوتی تھی جس کی آنکھوں پر جواہرات جڑے تھے۔ خود سائرس نے صرف گردن تک پہنچنے والی ٹوپی اور سادہ لباس پہن رکھا تھا۔

اگلے دن انہوں نے ان غیر ملکی قاصدوں کو جا لیا جو شمالی سڑک کے راستے اکبتانا جا رہے تھے۔ انہوں نے انہیں گرفتار کر لیا۔ سائرس نہ چاہتا تھا کہ استیاگس کی گرفتاری اور میدیوں کی شکست کی خبر اس کے اکبتانا پہنچنے سے پہلے وہاں پہنچ جائے۔

ایک کاروان منزلیں مارتا ہوا بالعموم بیس دنوں میں پارس گردسے اکبتانا پہنچ جایا کرتا تھا۔ مگر سائرس اور اس کے ساتھی پانچویں دن ہی الوند کی سفید چوٹی کے نیچے واقع شہر کے پھاٹک کے سامنے پہنچ گئے۔ جہاں سے وہ بغیر کسی روک ٹوک کے اندر شہر میں داخل ہو گئے۔ گلیوں میں پہنچ کر انہوں نے اپنے لبادے اتار دیئے اور گشتی پارٹیوں میں تقسیم ہو گئے اور باآواز بلند سرداروں اور افسروں کو پکارنے لگے کہ وہ وقت ضائع کیے بغیر عظیم بادشاہ، تمام سرزمینوں کے بادشاہ کے حکم سے محل کے حاضری کے دربار میں حاضر ہو جائیں۔ میدی صدیوں سے اشوریوں کے پروٹوکول کی نقل کرنے کے عادی چلے آ رہے تھے وہ ہر مرتبہ کہیں جاتے وقت بڑے اہتمام سے تیار ہوتے تھے۔ وہ غلاموں کی مدد سے لباس فاخرہ زیب تن کرتے اور بنتے ٹھنتے تھے اور ان تیاریوں میں اپنی مرضی کے مطابق جتنی چاہتے تھے دیر لگاتے تھے۔ صبح کے وقت جو لوگ دربار میں حاضری دینے کے عادی تھے انہوں نے اپنے رعب و وقار میں اضافہ کرنے کے لیے نقلی داڑھیاں بھی لگائیں اور امارت کے اظہار کے طور پر چنٹوں والے گھیرے دار لبادے زیب تن کیے ہوئے خنجروں کے کوئی بھی کسی قسم کے ہتھیاروں سے مسلح نہ تھا۔ جب وہ دربار میں داخل ہوئے تو انہوں نے سائرس کو استیاگس کے شاندار تخت پر بیٹھے اپنا منتظر پایا۔ اس کے سامنے

چھوٹی میز پر استیاگس کے جنگی ہتھیار رکھے تھے۔ استیاگس کے نیزہ بردار محافظ تخت کے دونوں طرف سے غائب ہو چکے تھے اب ان کی جگہ ایرانی جنگجو اپنے ہتھیار سنبھالے کھڑے ہو ز دالوں کے رو توں کا جائزہ لے رہے تھے۔ سائرس جنگی لباس میں ملبوس تھا۔ پھر جب وہ بولا تو اس کی آواز میں لوہے کی سختی اور جھنکار تھی۔ اس نے وجی افسروں اور سرداروں کو میدی افواج کی شکست اور استیاگس، سیازارس کے فرزند کی گرفتاری کی اطلاع دی۔ اس نے پھر انہیں حکم دیا کہ وہ اس کے سامنے اس کی میڈیا اور ایران کے بادشاہ اور سیازارس کے جانشین کی حیثیت سے وفاداری کا حلف اٹھائیں۔

"تم مجھ سے وفاداری کا حلف اٹھاؤ۔ تم جو یہاں کے معززین شمار ہوتے ہو۔" اس نے کہا۔ "پھر تمہاری زندگیاں، تمہارے گھر، تمہاری عورتیں اور تمہاری دولت سب محفوظ رہیں گے۔ یہ میرا، شہنشاہ سائرس ہخامنشی کا وعدہ ہے۔"

جب وہ لوگ حیرت و بے یقینی کے گرداب میں غوطے کھا رہے تھے اور اپنی سماعت پر یقین کرنے کی کوشش کر رہے تھے تو ایک عورت کی صاف اور زمزمہ بار آواز ہال میں بلند ہوئی۔ "سائرس میرے بیٹے۔ تم فاتح واپس لوٹے ہو۔ جیسا کہ میں نے دعا کی تھی۔ میں ملکہ ماندین کہہ رہی ہوں۔"

وہ اوپر گیلری سے تنے ہوئے پردے کے پیچھے سے نیچے ہال کا نظارہ کر رہی تھی۔ بہت سے میدیوں نے سر اٹھا کر خوف زدہ نظروں سے بابل کی دیوی عشتار کی شبیہ کی طرف دیکھا۔ ان میں سے ایک ابرادات، جو پارس گرد سفیر بن کر گیا تھا، نے سائرس کی اطاعت کرنے سے انکار کر دیا کہ ابھی استیاگس زندہ تھا۔ اس لیے وہ اس سے غداری نہ کر سکتا تھا۔

سائرس نے اُسے پہچان لیا۔ "سردار ابرادات میں نے کہا تھا کہ استیاگس مجھے اس طرح دیکھنا ہرگز پسند نہ کرے گا۔ سو یہی ہوا ہے۔" پھر اس نے اپنے سپاہیوں کو حکم دیا کہ وہ اس سرکش میدی کے تمام ہتھیار اتار کر اسے شکار گاہ میں جنگلی درندوں کے درمیان

چھوڑ آئیں۔ اس پر امرا ء شور مچانے اور احتجاج کرنے لگا کہ اسے اس کے ہتھیار دے دیے جائیں۔ وہ اس دربار میں اپنے دشمنوں سے لڑتے ہوئے مارے جانے کو درندوں کے ہاتھوں مارے جانے سے ترجیح دے گا۔

" لیکن جب کئی سال پہلے مجھے اس شکار گاہ میں چھوڑا گیا تھا تو وہ مجھے اتنی خطرناک جگہ نہ معلوم ہوئی تھی۔" سائرس نے اس سے کہا۔ پھر اس نے اپنے سپاہیوں کو اشارہ کیا کہ اس کے حکم کی تعمیل کی جائے۔ دل ہی دل میں وہ اس شخص کی بے خوفی سے متاثر ضرور ہوا تھا۔

سائرس کی تیز قوت فیصلہ اور تکمیل مقاصد کی تیزی نے میدیوں کو خاصا متاثر کیا تھا۔ چنانچہ انہوں نے مناسب ہی سمجھا کہ وہ اس کے سامنے سر اطاعت خم کر دیں چنانچہ حلف وفاداری کی رسم جو خاصی سست تھی اس وقت تک جاری رہی جب تک آخری میدی امیر نے حلف نہ اٹھا لیا اس وقت تک کھانے کا وقت آن پہنچا تھا۔ سائرس کے حکم سے دربار ہی میں کھانے کی میزیں لگا دی گئیں۔ اس دوران باہر گلیوں میں طرح طرح کی قیاس آرائیوں اور افواہوں کا طوفان جاری تھا۔ ایرانی اسوار جو گلیوں بازاروں میں گشت کرتے پھر رہے تھے لوگوں کے سوالوں کے جواب دے رہے تھے۔

غروب آفتاب کے بعد ہارپیگ بھی اپنے چند خادموں کے ساتھ دربار میں آن پہنچا۔ سائرس کو اس کی آمد سے بے حد حیرت ہوئی۔ میدی سالار اعظم نے ہال میں موجود میدی امراء وافسران کو مصروف نائو نوش اور سائرس کو نیزہ برداروں کی حفاظت میں استیاگس کے تخت پر براجمان دیکھا۔ اس کے نحیف ہوتے چہرے پہ ہلکی سی مسکراہٹ نمودار ہو گئی۔ وہ وہ چلتا ہوا چبوترے پر چڑھ گیا۔ اس نے اپنے دائیں بائیں دیکھا۔ پھر ملائمت سے بولا۔

" سائرس تم مجھ سے زیادہ تیز رفتار شہسوار ثابت ہوتے۔"

سائرس نے اثبات میں سرہلایا اور منتظر نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔
اپنی جھاڑ جھنکاڑ داڑھی مسلتے ہوئے ارمنی نے اپنے گلے میں پڑی ہوئی سونے کی زنجیر کو جس پر شیر کی شبیہہ بنی ہوئی تھی، ہاتھ سے چھوا۔ وہ ایک دم ہی بہت بوڑھا اور تھکا ماندہ دکھائی دینے لگا تھا۔ "یہ سچ ہے" وہ کہنے لگا۔ "میں صرف یہ چاہتا تھا کہ استیاگس کو گھٹنوں کے بل جھکا دوں۔ میں نے اسے روتے دیکھ لیا ہے۔ اب میری وفاداریاں سب تمہارے ساتھ ہیں۔ یہ یاد رکھو کہ میں نے اختیار ہوتے ہوئے بھی اپنے خیمے میں تمہاری جان بخش دی تھی۔ اب یہ سوچنا کہ میں کس حد تک ایرانیوں اور میدیوں کی متحدہ فوج کا ایک بہترین سالارِاعلیٰ ثابت ہو سکوں گا۔ یہی ہے وہ سب کچھ جو میں کہنا چاہتا تھا۔" اتنا کہہ کر اس نے اپنے گلے سے وہ سونے کی زنجیر اتاری اور اسے سائرس کے قدموں میں رکھ دیا اور اس کے سامنے سجدہ ریز ہو گیا اور بلند آواز میں بولا۔ "میں، ہارپیگ، آنی کا سردار، میدی افواج کا سالارِاعلیٰ، اپنی زندگی اور اپنی متاعِ حیات سب شہنشاہ سائرس، اپنے بادشاہ کی نذر کرتا ہوں۔"
سائرس نے اسے اٹھایا اور اپنے تخت کے ایک طرف کھڑا کر دیا۔ اس کے بعد ہارپیگ کی ہمیشہ یہی جگہ رہی۔ تین سالوں تک سائرس نے اسے کوئی الگ کمان نہ دی۔ ہارپیگ بہت بوڑھا ہو چکا تھا اور عملی سیاست سے تقریباً کنارہ کش ہو چکا تھا۔ مگر سائرس کے لیے اس کے جذبات وہی رہے جو اپنے مقتول بیٹے کے لیے تھے۔ سائرس کے روپ میں شاید اس نے اپنے مقاصد کی تکمیل کو پہنچنے والا دیکھ لیا تھا۔ وہ جس طرح فنِ حرب کے ماہر کی حیثیت سے ایک منفرد مقام رکھتا تھا اسی طرح سائرس بھی ایک حکمران کی حیثیت سے ایک منفرد اور بہترین حکمران ثابت ہوا۔
اگلے دن جب سائرس اگبتانا کے شاہی محل میں سو کر اٹھا تو مستعد غلاموں نے اس کے غسل کے انتظامات مکمل کر رکھے تھے۔ غسل سے فارغ ہونے کے بعد جب وہ ٹیرس پر

چڑھتے سورج کی عبادت کے لیے گیا تو اس نے ماندین، عظیم بخت نصر کی بیٹی کو اپنی کنیزوں کے ساتھ اور خواجہ سراؤں کے ساتھ وہاں موجود پایا۔ ہر چند کہ وہ اپنا تاج اور آدھا نقاب پہنے ہوئے تھی۔ تیز دن کی روشنی میں اس کے چہرے پر تھپا ہوا غارہ صاف دکھائی دے رہا تھا جو اس کے چہرے کی جھریوں کو چھپانے کے لیے تھوپا گیا تھا۔ جو عمر کی زیادتی کی بدولت اس کے چہرے پر نمودار ہو چکی تھیں۔ اس موقع کے لیے ماندین نے عشتار، بڑی دیوی ماں کی کسی کی بجائے ایک شاہی معزز خاتون کی حیثیت سے نمودار ہونا مناسب سمجھا تھا جب سائرس عبادت کر چکا تو وہ اس کے قریب چلی آئی۔

" میرے بیٹے۔ تم بہت کچھ بدل چکے ہو۔ تمہاری آنکھوں سے اب ذہانت وفطانت جھلکنے لگی ہے۔ تم خداؤں کے خدا مردوک ایسے طاقتور اور محترم بن چکے ہو لیکن میں اب بھی تمہارے لیے خوف زدہ ہوں۔ افسوس ہے جو تم نے میرا دیا ہوا خنجر کھو دیا جب تم برائی کے خلاف جدوجہد میں مصروف تھے۔ جیسا کہ مردوک اس بلا تیامات کے خلاف مصروف جدوجہد تھا جس نے بدی کی سیاہ قوت کے ساتھ زندگی تخلیق کی۔" اس نے اس کے چہرے کو بغور دیکھا اور اس کے قریب آگئی۔" میں ڈرتی ہوں کہ تم نے بہت سے کام ایسے کئے ہیں جو عظیم دیوی کو پسند نہیں آتے۔ شاید تم نے اس کی عبادت کے لیے وقف کچھ عورتوں کو تکلیف پہنچائی ہے۔ میں یہ نہیں جانتی۔ سائرس، میرے بیٹے۔ ایک عورت مجھ جیسی بوڑھی ہوتی ہوتی ان دیکھے خداؤں کی مرضی کو نہیں پھیر سکتی۔ اس کے پاس باطن چشم بصیرت ہوتی ہے ایسی جو مردوں کے پاس نہیں ہوتی۔ یا پھر اس کے پاس سمجھنے کی کوئی چیز نہیں ہوتی۔ اب میں نہیں جانتی کہ تمہاری تقدیر کی تختیوں پر کیا لکھا ہے۔ میں صرف تمہیں بچانا چاہتی ہوں۔ میں نے تمہیں اس وقت بھی بچایا تھا جب کافی عرصہ پہلے جوش جوانی میں بھرے دربار میں تم سے ایک احمقانہ حرکت سرزد ہو گئی تھی۔ آج بھی میں نے اس نازک مرحلے پر تمہاری مدد کی ہے جب میدی سردار اور سالار تمہاری بادشاہت قبول کرنے

یادکرنے کے سلسلے میں کشمکش و پیچ میں مبتلا تھے" سائرس نے محسوس کیا جیسے ماندین اس وقت ایک اقتدار سے محروم بادشاہ کی بیوی کی حیثیت سے اپنا اقتدار اور شان و شوکت چھن جانے پر خاصی کبیدہ خاطر اور ملول تھی۔ اس نے اسے یقین دلایا کہ وہ بدستور اپنے محل میں اپنے خدام اور کنیزوں کے ساتھ پہلے جیسی شان و شوکت کے ساتھ رہے گی اس کے خزانے اس کی تحویل میں رہیں گے۔ اسے اس کی ماں جیسی عزت و تکریم حاصل رہے گی۔ لگتا تھا سائرس کی ان یقین دہانیوں پر وہ خوش ہو گئی تھی۔ مگر اس کی پیشانی شکن آلود تھی۔ اس نے گہری سانس لی اور بڑے پر وقار انداز میں سیدھی کھڑی ہو گئی۔

" ان نوازشات پر میں تمہارا شکریہ ادا کرتی ہوں میرے بیٹے۔ لیکن ان پتھریلے کمروں میں استیاگس کی یاد کسی مستی پر آئے ہوئے سور کی بو کی مانند مجھے پریشان کرتی رہے گی۔ وہ ندیدوں کی طرح حلق تک مصالحے دار گوشت ٹھونس لیا کرتا تھا۔ پھر اپنی ہوس کی آگ بجھانے کے لیے کنیزوں پر پل پڑتا تھا۔ وہ میری آنکھ میں بال تھا اور حلق میں اٹکی ہوئی ہڈی تھا۔ اس کی موت میرا دل ہلکا کر دے گی" نقاب کے پیچھے سے اس کی کلدانی شہزادی کی آنکھیں جیسے سائرس سے التجا کر رہی تھیں" اور اب بابل میں میرا باپ عظیم بخت نصر مر چکا ہے۔ اس پر خبو کا سایہ تھا جو تقدیر انسانی کا مالک ہے۔ جو مردوک سے بھی زیادہ طاقتور ہے میرے باپ نے ایک مرتبہ ایک میدی شہزادی سے شادی کی تھی وہ اس سے بہت محبت کرتا تھا۔ وہ فربہ اندام تھی۔ لیکن اس کے بال اور دانت آریا عورتوں کی مانند بہت خوبصورت تھے۔ وہ اپنے وطن کے پہاڑوں کو یاد کر کے رویا کرتی تھی اس پر میرے باپ نے اس کے لیے کئی منزلہ معلق باغات تعمیر کروائے۔ بابل کے معلق باغات۔ تم نے ان کے بارے میں سنا ہی ہو گا۔ وہ ان باغات سے نیچے شہر کی روشنیوں کو اسی طرح دیکھا کرتی تھی جیسے وہ اپنے وطن کے پہاڑوں پر چڑھی نیچے وادیوں کا نظارہ کر رہی ہو۔ آہ سائرس! میں کیا اس سے کم ہوں؟ یہ سچ ہے کہ میرا دل ہر دم بابل کے لیے تڑپتا رہتا ہے۔ ایک بوڑھی عورت کے لیے

جو تمہاری مال اور تمہاری محافظ ہے وہ باغات بہترین جائے اماں ثابت ہوں گے۔ گوشۂ سکون وعافیت "

اس صبح سائرس نے جب پہلی مرتبہ اپنا دربار سجایا تو اس نے سب سے پہلے یہ حکم دیا کہ ماندین کے تمام اعزازات برقرار سمجھے جائیں۔ وہ بدستور اگبتانا میں اپنے محل میں رہے گی۔ لہٰذا اس کی پہلے کی مانند عزت و تکریم کی جائے۔ کاتبوں نے اس کے لفظوں کو لکھ لیا۔ سرداروں اور افسروں نے جب یہ تحریری حکم وصول کیا تو سرتسلیم خم کیا۔

اب میدی سائرس سے اسی طرح پیش آنے لگے جیسا کہ وہ استیاگس سے پیش آتے تھے جب وہ اس سے مخاطب ہوتے تھے تو وہ اپنے دائیں ہاتھ کو اپنے منہ کے سامنے رکھ لیتے تھے تاکہ ان کی سانسیں اس تک نہ پہنچ سکیں۔ یا شاید اس طرح ان کا مقصد اسے یہ دکھانا بھی ہوتا تھا کہ وہ کوئی ہتھیار وغیرہ چھپائے ہوئے نہیں تھے۔ سائرس اس طرزِ تخاطب پر بہت جز بز ہوتا تھا۔ کیونکہ وہ ہر کام جلد ہی اور فوراً کر ڈالنا پسند کرتا تھا۔

جب وہ گھوڑے پر سوار ہو کر نئے زگوراتی مینار کے معائنے کے لیے روانہ ہوا تو اس کے آگے آگے قرنا پھونکنے والے چل رہے تھے اور اس کے پیچھے پیچھے کاتب اپنی تختیاں اور تختیاں سنبھالے افراتفری کے عالم میں بھاگے بھاگے آ رہے تھے۔ گلیوں میں سے گزرتے ہوئے سپاہی راستہ صاف کر رہے تھے تاکہ لوگ اپنے نئے حکمران کو اچھی طرح سے دیکھ سکیں۔

نیا مینار واقعی مکمل ہو چکا تھا۔ اس کی چوٹی خالص سونے کی بنی ہوئی تھی اور جگمگا رہی تھی۔ جب سائرس پر تجسس نظروں سے اسے دیکھنے لگا تو مزدوروں کی ایک جماعت اپنا کام چھوڑ کر اس کے سامنے سجدہ ریز ہو گئی۔ مگر ایک آدمی ویسا ہی اپنی جگہ پر کھڑا رہا۔ اس کے برہنہ جسم پر زخموں کے بے شمار نشانات تھے۔ اس کے جسم کی ہڈیاں ابھری ہوئی تھیں۔ اس کے کندھوں پر ایسے نشانات تھے جیسے اسے طوق پہنایا گیا ہو۔ سائرس نے اس مزدور کو فوراً ہی

پہچان لیا۔ یہ وہی ماگی تھا جسے ہارپیگ کے حکم سے گلے میں طوق ہنوا کر بازوؤں سے باندھ کر گاڑی کے پیچھے گھسیٹا گیا تھا مگر ایسی کڑی سزا کے باوجود یہ سخت جان شخص زندہ رہ گیا تھا یا شاید ہارپیگ کی عدم موجودگی میں سزا دینے والوں نے اس پر رحم کھا کر اسے چھوڑ دیا تھا۔

" ماگی " سائرس نے کہا " تمہاری پیش گوئی پوری ہو ہی گئی "

" ماگی نے سر ہلایا " یہ زرتشت نے کہا تھا " اس نے سر اٹھا کر مینار کی چمکتی دمکتی چوٹی کی طرف دیکھا۔ اس کے چہرے پر شدید نفرت و انسکراہ کے تاثرات پھیل گئے تھے " یہ پیش گوئی کرنے کے لیے تھوڑی سی عقل درکار ہوتی ہے کہ ایک ایسا بادشاہ جو اپنی تقدیر سے لاعلمی پسند کرتا ہے، جو کوتاہ بین اور کوتاہ اندیش ہوتا ہے۔ بہت جلد حکمرانی سے محروم ہو جاتا ہے "

مزدوروں کے نگران نے جو ماگی کو باواز بلند باتیں کرتے سنا تو وہ کوڑا ہاتھ میں لیے بھاگا بھاگا آیا۔ اس نے اسے پیٹنے کے لیے کوڑا بلند کیا۔ سائرس نے اسے اشارے سے روک دیا " ماگی۔ ایک مرتبہ تم نے مجھے کھانے میں اپنے ساتھ شرکت کی دعوت دی تھی اب میں تمہیں دعوت دیتا ہوں کہ تم میرے دوستوں میں شامل ہو جاؤ اور ان جانے اسرار مجھے بتایا کرو "

ماگی نے اپنے بیلچے پر ہاتھ بھرا اور تیزی سے بولا " نہیں سائرس۔ میں جس جہاں کی تلاش میں ہوں وہ بہت مختلف ہے۔ وہاں کی حیات ایک حیاتِ ابدی ہے "

" وہ جہاں ہے کہاں ؟ "

ماگی نے اپنے چہرے سے مکھیاں ہٹائیں " یہ میں نہیں جانتا۔ شاید یہ وہ سرزمین ہے جس کا چہرہ سورج کی طرف رہتا ہے۔ مشرق میں "

یعنی آریاؤں کی سرزمین۔ جس کی یاد ہر ہخامنشی کے دل میں موجزن رہتی تھی۔
"تم وہاں جانے کے لیے کون سا راستہ اختیار کرو گے ؟"

"راستہ ؟" ماگی ہنسا۔ اس نے بیلچہ سر سے بلند کیا۔ "گھوڑے سے اتر دا ور یہ بیلچہ سنبھالو۔ مرجھاتی ہوئی زمین کو سرسبز بنانے کی کوشش کرو۔ اس کے بغیر اس خوابوں کی سرزمین تک پہنچنا ممکن نہیں۔"

سائرس کو ماگی کے گستاخانہ جواب پر غصہ آگیا۔ پھر بھی اسے محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے ماگی کے الفاظ اس کے اپنے الفاظ نہیں تھے بلکہ اسے کسی نے سکھا رکھے تھے وہ ان کا مطلب سمجھ رہا تھا۔ "اسے آزاد کرو۔" اس نے نگران سے کہا۔ "اسے نہلا دھلا کر صاف ستھرے کپڑے پہناؤ اور اس کے ہاتھ چاندی سے بھر دو۔" پھر وہ اپنے پیچھے کھڑے کاتب کی طرف مڑا۔ "اس پر نظر رکھو اور مجھے بتاؤ کہ وہ کس راستے سے جاتا ہے۔"

پھر جلد ہی کاتب نے اسے اطلاع دی۔ "اے عظیم بادشاہ! اس ماگی نے ایک کارواں سرائے میں جا کر باختر پہ جانے کا راستہ دریافت کیا ہے۔ اس کے بعد اس نے ایک سفید ناک والا گدھا خریدا ہے اور چاندی کے دو تھیلوں کے ساتھ اس سڑک پر ہو لیا ہے جو ہیرکانیہ جاتی ہے یعنی مشرق کی طرف۔"

پھر ایسا ہوا کہ اگلے سال سائرس نے خود مغرب کا سفر کیا۔

وہ ایسا کیے بنا رہ بھی نہ سکتا تھا۔ میدیٰ ایرانیوں کے قریبی رشتہ دار تھے انہوں نے نوجوان سائرس کو بوڑھے استیاگس کی جگہ بغیر کسی بڑبڑاہٹ یا اعتراض کے قبول کر لیا تھا کیونکہ اس نے ان کے رسوم و رواج تہذیب و روایات سے قطعی کوئی تعرض نہ کیا تھا۔ ان کی سلطنت صحراؤں اور پہاڑوں میں دور دور تک پھیلی ہوئی تھی۔ اکتبانا اس کا مرکز سا مرکز تھا۔ استیاگس اپنی سلطنت کی بکھری ہوئی غیر نسلی بخشش حالت کو قسمتِ ختم

سمجھ کر آرام سے اگبتانا ہی بیٹھا رہتا تھا مگر سائرس ان حالات سے ہرگز مطمئن نہ تھا۔ وہ یہ بھی چاہتا تھا کہ وہ ایک نہایت دور دراز کے علاقہ میں واقع غربت و افلاس کے مارے پارس گرد کو اگبتانا کی جگہ اپنی سلطنت کا پایۂ تخت بنتے۔ اس سوال نے کر سلطنت کا پایۂ تخت کسے ہونا چاہیئے۔ اسے اور اس کے جانشینوں کو بہت پریشان کیے رکھا۔ اس کی جبلت اب بھی ایک خانہ بدوش کی سی تھی۔ وہ ہر مسئلے کو گھوڑے کی پشت پر بیٹھے بیٹھے حل کرنے کا عادی تھا۔ اس نے مہرداد کو بلوا کر اسے اس شہر کی حکومت عطا کردی۔ اس کی حیثیت بادشاہ کے نائب کی سی تھی۔ جسے "خوشتر پاوان" کہا جاتا تھا۔ یونانی اسے "ستراپ" کہتے تھے۔ اس کے بعد سائرس نے اگبتانا کا تمام خزانہ اپنے گھر پارس گرد بھجوا دیا۔ کیونکہ اس کے خیال میں خزانہ وہاں اچھی طرح محفوظ رہ سکتا تھا۔ اسے استیاگس کو بھی وہاں بڑے آرام سے رکھا ہوا تھا وہاں اس کے لیے بہترین قسم کا گوشت اور غیر ملکی نفیس شرابیں مہیا کی جاتی تھیں۔ غیر ملکی شرابوں کی خصوصیت یہ تھی کہ یہ پینے والے کا دماغ کمزور اور ناکارہ کر جاتی تھیں۔

پھر سائرس گھوڑے پر سوار ہو کر اپنی وسیع سلطنت کے دورے پر نکل کھڑا ہوا۔ وہ یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ آخر اشوری قوانین کی بنیادوں پر استوار اس سلطنت کی بنیاد کیونکر قائم تھی اور دور دراز کے علاقوں میں اشوری قانون کس حد تک مؤثر تھا۔ ایسا کرنے میں اس کے کچھ عملی کام کرنے کی خواہش کی تسکین ہوتی۔ تاہم وہ زیادہ دور تک نہ گیا۔

اس کے مبدی پایۂ تخت پر قبضے کی خبریں آس پاس کے اور دور دراز کے ملکوں مثلاً فرعونوں کے مصر تک بھی پہنچ چکی تھیں۔ حسب معمول خبروں کے ساتھ افواہیں بھی ادھر ادھر پر لگا کر اڑ رہی تھیں اور یہ تک کہا جانے لگا تھا کہ سائرس ایک زبردست

فوج کے ساتھ کسی بگولے کی مانند دنیا کے سیاسی افق پر نمودار ہوا تھا اور ایک دم ہی میڈیا کی عظیم سلطنت اس نے فتح کر لی تھی۔ اس کے دربار میں طائر کی سفارت پہنچی تھی جو ارغوانی رنگ کے موجد تھے۔ غزہ والوں نے بھی اپنا سفارتی وفد اس کے دربار میں بھیجا تھا۔ جو شیشے کے موجد تھے اس سفارتی وفد کا مقصد سائرس کی اندرونِ سلطنت قوت و طاقت کا اندازہ لگانا تھا ان تاجروں سفیروں کو سوائے اس کے اور کچھ معلوم نہ ہو سکا کہ سائرس کی افواج پہاڑوں پر مصروفِ نقل و حرکت تھیں۔

بابل کی تپتی گلیوں میں دریا کے پانیوں کے قریب پیغمبر یرمیاہ نے اعلان کیا کہ اللہ تعالیٰ شمال میں بڑی قوموں کے اتحاد سے وجود میں آنے والی ایک بہت بڑی سلطنت کو پیدا کرنے والا تھا۔ وہ بابل کی گلیوں میں پکار پکار کر کہتے رہے "اپنے آپ کو بابل سے دور بسنے والوں کے خلاف صف آرا کر لو۔ تم جو تیر کمان چلانا جانتے ہو ان پر تیروں کا ایسا مینہ برساؤ کہ ایک تیر بھی باقی نہ بچے۔ کیونکہ وہ لوگ گنہگار ہیں۔ اللہ کے مجرم ہیں۔ انہیں سزا دو۔ انہیں تباہ و برباد کر دو۔"

یہودی چونکہ اپنے ہر پیغمبر کا مضحکہ اڑانے اور ہر پیغمبر کی بات کو ایک کان سے سن کر دوسرے کان سے نکال دینے کے عادی تھے۔ اس لیے یرمیاہ نبی کی باتوں پر بہت کم یہودیوں نے کان دھرے۔ سائرس کے خلاف سب سے پہلے جو شخص اٹھ کھڑا ہوا وہ لیڈیا کا حکمران کروئی سس تھا۔ جو اس زمانے کا انتہائی دولتمند اور روشن خیال حکمران گنا جاتا تھا ان دونوں حکمرانوں کے ٹکراؤ سے شورشوں اور ہنگامہ آرائیوں کا ایسا سلسلہ شروع ہوا جس نے دنیا کا نقشہ بدل دیا۔

ڈیلفی کے مہا پجاری کی پیش گوئی

بحیرۂ ریجئین کے ایک جزیرے ساموس میں الیسپ نامی ایک ذہین و فطین غلام نے اخلاقی قصّے کہانیاں سنانے میں بڑی شہرت حاصل کی ہے۔ غالباً الیسپ نے بولتے جانوروں کی کہانیاں خود ایجاد نہ کی تھیں۔ مگر وہ انہیں خوب سناتا تھا اور منڈیوں اور بازاروں میں لوگوں کا ہجوم اس کی زبانی یہ کہانیاں سننے اس کے گرد جمع رہتا تھا۔ ۵۵۰ ق۔ م میں سائرس میڈیا کا بادشاہ بنا اور اسی سال غلام الیسپ غیر معمولی حالات میں انتقال کر گیا۔

الیسپ کی ایک اخلاقی کہانی سیاسی خصوصیت کی حامل تھی۔ یہ مینڈک قوم کی کہانی تھی، جس نے لکڑی کے ایک لٹھے کو اپنا بادشاہ بنا رکھا تھا۔ پھر وہ اس لٹھے سے تنگ آ گئے اور انہوں نے ایک بگلے کو اپنا بادشاہ بنالیا۔ بگلے نے بادشاہ بنتے ہی اپنی مینڈک رعایا کو چن چن کر کھانا شروع کر دیا۔ اس کہانی میں ساموس کے ظالم حکمران کے لیے ایک اخلاقی سبق موجود تھا جس نے قدیم بڑوں کی کونسل کا دوبارہ انعقاد کیا تھا۔ وہ ظالم حکمران الیسپ جیسے کہانی خواں کو قتل نہ کرنا چاہتا تھا چنانچہ اس نے ڈیلفی میں اپالو کے معبد کے مہا پجاری سے اس سلسلے میں مشورہ طلب کیا اور ساتھ ہی اس کی خدمت میں خاصی رقم بھی

عطیہ کے طور پر بھیجی۔ الیسپ کی تقدیر کا فیصلہ ظاہر ہے اس پا تھیا عورت نے کیا جو چشمے کی پھوہاروں کی زد میں بیٹھی ہوئی تھی۔ مگر ہوشیار مہاپجاری نے اسے فوراً لکھ لیا۔ یہ فیصلہ یہ تھا کہ الیسپ کو مرجانا چاہیئے اور اس کے وارثوں کو، اگر وہ موجود ہوئے، سونے کی صورت میں اس کا خون بہا دینا چاہیئے۔ یہ فیصلہ مہاپجاری کے حسب منشا تھا۔

کہتے ہیں کہ جب غلام الیسپ کو اس فیصلے کی خبر ملی تو اس نے ایک ایسے شکاری کتے کی کہانی سنائی جسے بڑھاپے نے بالکل معذور و لاچار کر دیا تھا۔ اسے اس کے مالک نے ایک خرگوش کے پیچھے دوڑایا مگر وہ بڑھاپے کے سبب تیزی سے دوڑ سکا اس پر اس کے مالک نے نہایت بے رحمی سے اسے مارا پیٹا۔ اس کہانی کا اخلاقی سبق یہ تھا کہ وفادار کتا بھی جب کسی کام کا نہیں رہتا تو اپنے جان چھڑکنے والے مالک کی نظروں سے گر جاتا ہے گر یہ دردانگیز کہانی بھی الیسپ کی موت کو نہ ٹال سکی۔ اس واقعہ کے بعد ڈیلفی کے مندر میں ایک سوال، جو اپنی نوعیت کا انتہائی اہم سوال تھا، جواب کے لیے پہنچا۔ اس سوال کے ہمراہ مہاپجاری کے لیے چاندی کے بہت سے توڑے بطور تحفہ بھی تھے۔ یہ سوال لیڈیا کے حکمران کروئی سس کی طرف سے بھیجا گیا تھا۔ وہ یہ تھا کہ :

" اس کا نتیجہ کیا ہوگا اگر میں اپنی فوج دریائے ہیلس کے اس پار ایرانیوں کے مقابلے کے لیے لے جاؤں ؟"

یہ سوال کوئی معمولی نوعیت کا نہیں تھا۔ دریائے ہیلس لیڈیا اور میڈیا کے درمیان اس وقت سے حدِ فاصل کا کام دے رہا تھا۔ جب سورج کے گرہن نے میدانِ جنگ میں دونوں ملکوں کی افواج کو شدید توہمات اور خوف میں مبتلا کر دیا تھا۔ اس صورتِ حال سے فائدہ اٹھا کر نجنت نصر نے دونوں ملکوں کے درمیان عارضی صلح کرا دی تھی۔ اب کروئی سس یہ جاننا چاہتا تھا کہ آیا اسے یہ عارضی صلح قائم رکھنی چاہیئے یا سائرس پر حملہ کر دینا چاہیئے۔ جو ایک نووارد اور اجنبی ایرانی تھا۔ کیا لئے عظیم میدی سلطنت میں پھیلے ہوئے انتشار سے فائدہ

نا چاہیے؟

کردئی سس مہاپجاری کی جو عزت و تکریم کرتا تھا اس کی بنا توہم پرستی پر کم تھی اور اس پر زیادہ تھی کہ مہاپجاری ہر سیاسی معاملے میں دخیل تھا اور اس کی رائے ہر طرح سے واجب الاحترام سمجھی جاتی تھی۔ ہر معاملے میں مہاپجاریوں سے مشورہ کرنے کی رسم پہاڑوں کے میڈاس بادشاہوں سے شروع ہوئی تھی۔ جو بے حد امیر کبیر تھے۔ اب میڈاس بادشاہوں کی سرزمین کردئی سس کے قبضے میں آچکی تھی۔ جو فاتح باپ کا خوش قسمت بیٹا تھا اس کے قبضے میں اب پکتولس کی سونے کی کانیں بھی آچکی تھیں۔ اس کی دولت مندی کی حکایتیں تجارتی قافلوں کے ذریعے مشرق میں بڑے سمندر کی آیونی بندرگاہوں تک پہنچی ہوئی تھیں۔ ان بندرگاہوں سے فونیقی اور یونانی اپنے جہازوں میں قسم قسم کا مال تجارت لے کر مغرب کی طرف جایا کرتے تھے۔

لیڈیا والے جو ہر طرف سے اپنی سلطنت کی حدود کو وسعت دے رہے تھے، اب سارڈیس کو اپنا پایۂ تخت بنا چکے تھے جو مقدس پہاڑ تمولس کے نیچے ایک بے حد قدیم شہر تھا۔ سارڈیس میں انہوں نے زندگی بسر کرنے کے نت نئے طریقے اپنائے تھے۔ صرف مصری ہی تھے جو اس میدان میں ان سے کہیں آگے تھے۔ خواہ ان پر کوئی بھی فرعون حکومت کرتا ہو۔ وہ دریائے نیل کے زرخیز کناروں پر خوب پھل پھول رہے تھے۔ لیڈیوں نے ٹرائے کی جنگ میں مدافعانہ حیثیت سے جنگ لڑی تھی اور ہومر کی نظموں کے سبب اپنے کارنامے زندہ وجاوداں کرا لیے تھے۔ لیڈیوں کو شہرت کی تمنا تھی۔ مگر ساتھ ہی وہ امن و چین سے زندگی بسر کرنے کے بھی خواہش مند تھے انہوں نے سب سے پہلے تجارتی سکے ڈھالے تھے۔ انہوں نے ڈس اور بال جیسی کھیلیں ایجاد کی تھیں۔ غیر ملکی باورچی اپنے ملک میں منگوائے تھے۔ شراب بھرنے کے لیے خوبصورت صراحیاں بنائی تھیں۔ گانے بجانے کے نئے ساز اور راگ ایجاد کیے تھے۔ ان کے ہاں سے خواجہ سرا میدیوں کی طرف برآمد کیے جاتے تھے۔ ان کے ہاں لڑکیاں شادی کے لیے اپنے جہیز جوڑنے کے لیے طوائفوں کے دھندے کیا کرتی تھیں۔ کہا جاتا ہے کہ

جب سارڈیس کے شہریوں نے اپنے ان خداؤں کی یاد میں جوان کے آباؤاجداد رہے تھے ایک پتھریلی بنیادوں والا گنبد تعمیر کرنا شروع کیا تھا تو اس کے لیے سب سے زیادہ مالی امداد طوائفوں نے ہی دی تھی۔ وہ لوگ آریائی نسل سے تعلق نہ رکھتے تھے۔

شہروں کے انتظامات کو درست رکھنے کے لیے لیڈیوں نے ہر شہر کے ایک مقامی ظالم ترین مقتدر ترین شخص کو وہاں کا حاکم بنا رکھا تھا جو ایک آمر کی سی شان سے اپنے شہر پر حکومت کرتا تھا۔ ساموس میں ایسا ہی حکمران سارڈیس کی خواہشات پر عملدرآمد کرنے کو موجود تھا وہ کروئی سس کے ہر حکم کی تعمیل کرتا تھا۔ البتہ سارڈیس میں خود کروئی سس ایسا ظالم و جابر نہ تھا۔ وہ نسبتاً متحمل مزاج اور روادار شخص تھا۔

پھر یہ ہوا کہ کروئی سس نے ڈیلفی کے پجاری سے سائرس سے جنگ کرنے یا نہ کرنے کے سلسلے میں مشورہ طلب کیا۔ ایک مہذب شخص ہونے کے ساتھ ہی وہ ایک الجھا ہوا شخص بھی تھا۔ جسے سمجھنا آسان کام نہ تھا۔ اس نے دولت کا استعمال سیکھ رکھا تھا کہ اسے محض جمع کرنے یا زیورات بنانے میں ضائع کرنا فضول تھا۔ جیسا کہ میدی اور سدی حکمران کیا کرتے تھے۔ اس کے کمرۂ طعام میں جتنی آسائش کی چیزیں تھیں۔ وہ سنگِ مرمر یا کانسی کی بنی ہوئی تھیں اور ماہر ہاتھوں کی بنی ہوئی تھیں۔ اس کے مجسمے ایک منفرد خصوصیت کے حامل تھے۔ وہ مہربان دیوتاؤں اور خوفناک بلاؤں کی بجائے انسانوں [illegible] مشابہ تھے ان میں حسن بھی ہوتا تھا اور دلکشی بھی۔ کسی چیز کو خوبصورتی کے لیے بنانا [illegible] بالکل نئی بات تھی۔ قدیم مینوس اور کریٹ میں بھی پہلے ایسی ہی خوبصورت چیزیں [illegible] خوبصورتی کی خاطر بنائی جاتی تھیں۔

پس کروئی سس جو بڑی جنگیں جیت چکا [illegible] خواہ مخواہ کے خطرات مول لینے کو بڑی حماقت سمجھتا تھا۔ اس کی اپنی خواہشات اور حرام بھی تھے۔ وہ اپنے لیے حصولِ شہرت اور شان و شوکت کا طلب گار بھی تھا۔ اسے یہ بھی معلوم تھا کہ دیوتا انسانوں میں بے جا غرور و تکبر کو پسند نہیں کرتے۔ اس کو سب سے زیادہ خوف دیوی نیمسس کا تھا۔ شاید اس میں سب سے

بڑی خامی یہ تھی کہ وہ ارادے کا کوئی مضبوط آدمی نہیں تھا۔

جب اسے مہا پجاری کا جواب موصول ہوا تو اسے یہ خاصا پُر اسرار سا معلوم ہوا۔ "اگر تم دریائے ہیلس عبور کرتے ہو تو تم ایک عظیم شہنشاہیت کی دھجیاں بکھیر دیتے ہو۔" کروئی سس کی سمجھ میں یہ بات نہ آسکی کہ وہ شہنشاہیت اس کی بھی ہو سکتی تھی۔ وہ اپنی سلطنت کو محض ایک امیر کبیر سلطنت سمجھتا تھا اس کے خیال میں میڈیا کی سلطنت ایک طاقتور اور عظیم ترین سلطنت تھی۔ یہ اس کی سوچ تھی۔

پس کروئی سس نے ایک عظیم فوج اکٹھی کی اور میڈیا کی شہنشاہیت سے ٹکر لینے کے لیے مشرق کی طرف روانہ ہو گیا۔

گوبارو کا الہام

ایدلیوں کی پیش قدمی کی اطلاع سائرس کو ایک قاصد کے ذریعے اس وقت ملی جب وہ نسایانی چراگاہوں میں مشرق میں صحرائے نمک کی طرف سفر کی تیاریوں میں مشغول تھا۔ بجائے کسی مہا پجاری سے رجوع کرنے کے ہخامنشی بادشاہ فوراً گھوڑے پر سوار ہو کر جنوبی سمت شوشان کے سردار گوبارو سے ملنے روانہ ہو گیا۔ سالوں سے اس نے عیلام کی اس گرم سرزمین پر قدم نہ رکھا تھا اور وہ جب وہاں پہنچا تو اس نے اسے خوب سرسبز شاداب پایا۔ وہاں ہر سو فصلیں لہلہا رہی تھیں۔ پہلے کی مانند گوبارو اس کی آمد کی اطلاع پاتے ہی محل کے کھلے پھاٹک سے باہر نکل کر اس کے استقبال کے لیے آگے بڑھا۔ اس کے ہاتھوں میں ایک پانی کا پیالہ اور دوسرا مٹی سے بھرا ہوا پیالہ تھا۔ یہ پیالے سائرس کے حضور پیش کر کے وہ اسے اپنی اطاعت و فرمانبرداری کا یقین دلانا چاہتا تھا۔ گوبارو بہت بوڑھا ہو گیا تھا۔ اس کے رعب و وقار میں بھی کچھ کمی آ گئی تھی۔ وہ نوجوان فاتح کے سامنے جا کر خاموش کھڑا ہو گیا اور اس کے کچھ کہنے کا انتظار کرنے لگا۔ سائرس نے دیکھا کہ عیلامی سردار زیادہ بوڑھا ہونے کے سبب اس کے باپ سے بھی زیادہ خاموش اور سنجیدہ ہو چکا تھا۔ "یہ کیا ہے؟" اس نے پوچھا۔

اس پر گوبارو نے پُر وقار انداز میں اسے بتایا کہ اس نے ہی اس امر کی علامت تھے کہ عیلام نے اس کی اطاعت قبول کر لی تھی۔ وہ میڈیا کو خراج ادا کرتا تھا۔ اب وہ سائرس کو خراج ادا کیا کرے گا۔ جو میڈیا اور ایران دونوں کا بادشاہ تھا۔

سائرس نے مٹی اور پانی کو چھوا اور انہیں ایک طرف ہٹا رکھا۔ پھر اس نے بلند آواز میں کہ سارے سن لیں کہا کہ گوبارو شوشان کا "خوشتر پاوان" ہو گا اور حسبِ معمول وہاں کا انتظام چلاتا رہے گا" تم نے اس زمین کو سینچا ہے سردار گوبارو۔ تم نے یہاں مویشیوں کی افزائش نسل کی ہے۔ تمہارے کھیتوں میں مزدور خوش خوش گانے بجاتے مصروف دکھائی دیتے ہیں۔ یہاں ہر جگہ خوشحالی اور فارغ البالی نظر آتی ہے۔ اسے اسی طرح ہی سرسبز و شاداب رکھو اور گہوارۂ مسرت و امان بناتے رکھو۔ یہ میں شہنشاہ سائرس کہہ رہا ہوں۔"

گوبارو اس کی باتوں پر شدید حیرت زدہ ضرور ہوا ہو گا۔ مگر اس نے اس پر صرف مسرت کا اظہار کیا اور سائرس کا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں تھام لیا اور پوچھا کہ وہ اپنے شاہی مہمان کی کونسی خدمت بجا لا سکتا تھا۔ کیونکہ یہ تو وہ سمجھ گیا تھا کہ ہخامنشی بادشاہ نے شوشان کا سفر محض اس کی زرعی ترقی اور خوشحالی کی تعریف کرنے کے لیے نہ کیا تھا۔

" جب میں پہلی بار یہاں آیا تھا تو تم نے مجھے اس وقت صلاح مشورہ کے لیے اپنے پاس آنے کو کہا تھا جب عظیم بخت نصر کی موت واقع ہوئی " سائرس بولا۔

" مگر میں بر وجوہ اس وقت تمہارے پاس نہ آ سکا تھا۔ اب میں تمہارے پاس اس لیے آیا ہوں کہ تم مجھے مشورہ دو کہ لیڈیا کے حکمران کے خلاف مجھے کونسا قدم اٹھانا چاہیئے ؟ اور کیونکر ؟ وہ میرے لیے قطعاً اجنبی ہے۔"

جب گوبارو نے شمالی سرزمین کے حالات کی خبریں سنیں تو اس نے اس وقت تک کچھ نہ کہا جب تک وہ اپنے معزز مہمان کی شاہانہ انداز میں ضیافت نہ کر چکا جس میں اس کا

حیبل مبٹ الینیس نے سائرس کی بالخصوص میزبانی کی۔ اور آخر میں شکر لگی کھجوروں اور شہد کی روٹیوں سے اس کی تواضع کی۔ اس ضیافت سے فارغ ہونے کے بعد گوبادو نے سائرس سے درخواست کی کہ وہ اس کے ہمراہ اس کے مشیروں کے پاس چلے۔ تاکہ وہ اپنی عقل و فہم کے مطابق اسے صحیح راہ دکھا سکیں۔ ان مشیروں میں علماء کے بڑے اور قانون بردار بھی شامل تھے بھر گوبار و اسے ساتھ لیے اپنے محل کے ایک نئے کمرے میں داخل ہو گیا۔ جہاں بہت سے عالم بھیڑ کی کھالوں پر کندہ کی ہوئی تحریریں اور مٹی کی تختیوں پر کھدے ہوئے نقوش کا باریک بینی سے مطالعہ کر رہے تھے۔ یہ چیزیں قیمتی حوالوں کی مانند حفاظت سے دیواری طاقچوں پر رکھی تھیں۔ گویا وہ نے بتایا کہ ان میں علم و حکمت کے نادر خزانے پوشیدہ تھے۔ کیونکہ ان کی قدامت کی انتہا معلوم نہ تھی۔

" آخری عظیم اشوری حکمران اشور بنی پال ایک وسیع و عریض لائبریری کا مالک تھا۔ بہتر ہوتا اگر وہ جنگی رتھوں کی سواری کرتے رہنے کی بجائے اس لائبریری ہی میں بیٹھا رہتا۔"

سائرس جو پڑھا لکھا نہ تھا بڑے صبر کے ساتھ اس امر کا منتظر رہا کہ دانا و حکیم علماء اس کے سوال کا جواب کب دیتا تھا۔ مگر گوبارو برابر بولتا چلا گیا۔ جیسے وہ کوئی رسم ادا کر رہا تھا۔ وہ چراغ ہاتھ میں لیے ایک ایک مٹی کی تختی اور بھیڑ کی کھال پر لکھی تحریر کو بڑے تواتر اور روانی سے پڑھتا چلا جا رہا تھا۔ اوران پر درج پیغامات کی سائرس سے وضاحت کرتا جا رہا تھا۔ ان پر حبشیوں کے زوال کی تاریخ درج تھی جو بڑی بہادر اور جری قوم تھی۔ پھر اشوریوں کے زوال کی تاریخ تھی۔" ان کی سب سے بڑی کمزوری یہ تھی کہ باوجود انتہائی طاقتور قوم ہونے کے وہ کسی ناگہانی آفت کا مقابلہ کرنے کی سکت نہ رکھتے تھے۔ وہ آپس میں لڑتے جھگڑتے رہتے تھے۔ سارگونوں کے بابل کی مانند اورانہوں نے بڑی بڑی برائیوں کی طرف سے اپنی آنکھیں بند کر رکھی تھیں۔

ان کی سرزمینوں پر، گوبارو نے بنایا، پھر وحشی سیمریوں نے حملہ کیا، جو دور شمالی پہاڑوں سے نمودار ہوتے تھے۔ سیمریوں یا سامریوں نے ان کی سرزمین پر بے حد تباہی و بربادی مچائی۔ انہوں نے محل، باغات، معبد، مکانات سب پیوند زمین کر دیئے گوبارو نے ایک تختی اٹھا کر اس پر درج تحریر پڑھی۔ جو آرامی زبان میں لکھی گئی تھی۔ "وہ بہت ظالم ہیں، اے صبرن کی بیٹی! وہ گھوڑوں پر سوار قطار در قطار اس طرح بڑھتے چلے آتے ہیں۔ جیسے کسی دشمن پر حملہ کرنے بڑھتے چلے آ رہے ہوں۔ انہوں نے ہم پر مصائب کے ایسے ایسے پہاڑ توڑے ہیں جن کی نظیر نہیں ملتی۔ کھیتوں کی طرف مت جاؤ۔ نہ اکیلے دکیلے سفر کرو کہ چھپا ہوا دشمن ہر جگہ تمہاری تاک میں ہے۔"

یہودی پیغمبر یرمیاہ نے بھی سیمریوں کے مظالم کا ایسا ہی رونا رو رکھا تھا۔ ان کے حملے کے بعد خوف و دہشت کی ایسی حکمرانی قائم ہوئی تھی کہ صدیوں تک لوگ اپنے آپ کو لاچار و خوف زدہ محسوس کرتے رہے تھے۔ پھران میں دو بہادر اٹھے۔ گوبارو آگے بڑھنے لگا۔ ایک تو میڈیا کا حکمران سیازارس تھا۔ دوسرا لیڈیا کا حکمران ایلیاتس کروئی سس کا باپ، انہوں نے حالات کو سنبھالنے کی کوشش کی اور سامریوں یا سیمریوں کی کئی معرکوں میں پٹائی کی۔ گر خوف و دہشت بدستور لوگوں کے دلوں میں جاگزین رہا۔ میدیوں نے پھر لیڈیوں کے خلاف جنگ لڑی میرے آقا بخت نصر نے مصریوں کے خلاف جنگ لڑی اور انہیں عبرتناک شکست دی۔ اس نے بیرونی حملوں کے خلاف بابل کو مضبوط و مستحکم بنانے کی ٹھانی۔ میں نے بھی اس کے ہندسوں کے ساتھ مل کر میدیوں کے خلاف بابل کو ایک مضبوط قلعے کی شکل دینے کا کام کیا۔ اس دوران دور اندیش بخت نصر نے، دیوتا اس کی کبلاتی روح کو چین بخشیں، میدیوں کے ساتھ دوستانہ معاہدہ کر لیا۔ وہ اسے کلدانی کہا کرتے تھے کیونکہ وہ رمالوں جیسی دوربین نظر رکھتا تھا۔ ان کا کہنا تھا کہ بابل کو مضبوط بنانے میں اس نے محض اپنے عوام کی طاقت

ضائع کی تھی۔ اس کے برعکس اندرونِ ملک بابل نے تجارت وصنعت وحرفت میں فقیدالمثال ترقی کی اور ایسی دولت کمائی جو کئی نسلوں کے لیے عیش و آرام سے زندگی گزارنے کے لیے کافی ہوتی۔"

چراغ ہاتھ سے رکھ گوبارو ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو گیا۔

"تم نے تو مجھے کچھ بھی نہیں بتایا ہے!" سائرس پریشان ہو کر چلّایا۔

"میں نے تمہیں سب کچھ بتا دیا ہے سردار سائرس۔ جو کچھ ہو چکا ہے دوبارہ ہو گا۔ جب تک کوئی ایسی تبدیلی پیدا نہیں ہو جاتی کہ پرانی چیزیں ہمیشہ کے لیے قصّہ پارینہ بن جائیں۔"

سائرس نے جب اس کی بات پر غور کیا تو وہ سمجھ گیا کہ بوڑھے عیلامی نے اسے شہروں کی باہم آویزشوں کی مکمل تاریخ سنا ڈالی تھی۔ بابل کی مینوا سے اگتبانا کی سارڈیس سے اور شمالی خانہ بدوشوں حملہ آوروں کی غارت گری اور ان کے انجام کی تاریخ اسے سنائی تھی خواہ وہ سامریؔ تھے یا سدی۔ اس وقت سائرس کا بے ساختہ یہ دل چاہ رہا تھا کہ وہ اپنی وادی میں واپس لوٹ جائے اور اسے اسی طرح سرسبز وشاداب بنانے کی کوشش کرے جیسا کہ گوبارو نے شوشان کی جھلسی ہوئی سرزمین پر یہ معجزہ کر دکھایا تھا جب اس نے گوبارو کو اپنے اس خیال سے آگاہ کیا تو اس نے سر ہلایا۔ "جو کام تم اب کبھی نہ کر سکو گے وہ یہی پیچھے ہٹنا ہے۔ تمہارے باپ کی بات اور تھی۔ مگر میدیوں کے بادشاہ کی حیثیت سے تمہیں اپنی رعایا کی رکھوالی کرنی ہے۔ اب جب کہ اہل لیڈیا تمہارے دور دراز کے کیپے دوشی قلعے کا محاصرہ کر رہے ہیں۔ جہاں جیتّوں کے کھنڈرات واقع ہیں۔ تمہیں پیچھے ہٹنے کے بارے میں خواب وخیال میں بھی نہیں سوچنا چاہیے۔" پھر کوئی بات یاد آتے ہی گوبارو مسکرایا۔ "بیانارس کا جانشین اس موقع پر کیا سوچتا ہے آیا اسے وحشی کیپے دوشیوں کی مدد کے لیے پہنچنا چاہیے یا اس سے مجتنب ہی رہنا

چاہیئے ۔ کیا وہ جنگ کے خطرے کو ٹال سکے گا ؟"

سائرس اس کی حجت بازی سے اکتانے لگا تھا ۔ وہ چلا کر بولا " میں اپنے اسواروں کے ساتھ خود سرحد پر جا کر وہاں کے معاملات دیکھتا ہوں ۔ پھر جو مناسب سمجھوں گا کروں گا "

عیلامی کے سپاٹ چہرے کی شکنیں گہری ہوگئیں " مجھے ڈر تھا کہ تم یہی کہو گے ۔ میں نے بعض باتوں کی پوری پوری وضاحت کی کوشش کی ہے ۔ تمہارے ذہن میں جو سوال موجود ہے وہ یہ ہے کہ آخر بوڑھا غیر اہم گوبارو پہلی جنگ لڑنے کے موقع پر تمہاری کیا مدد کر سکتا ہے ؟ اس نے گہری سانس بھری " اگر تم ماضی کے سبقوں کو نظر انداز کرو تو آؤ اور تجربے کی آواز سنو "

اتنا کہتے ہوئے وہ سائرس اور ہارپیگ کو عیلام کے بڑوں کے پاس لے گیا جب انہوں نے یہ سن لیا کہ ہخامنشی حکمران کا مسئلہ کیا تھا تو وہ سر جوڑ کر غور و فکر کرنے بیٹھ گئے ۔ ایسے مصنفوں کی مانند جو کسی کی درخواست پر غور و خوض کر رہے ہوں ۔ انہوں نے اپنے بوڑھے سر آپس میں جوڑ دیئے اور سرگوشیوں میں بحث و مباحثہ میں مصروف ہوگئے ۔

" یہ دانا آدمی " گوبارو نے کہا " تمہارے مسئلے کے سلسلے میں کسی نتیجے پر پہنچنے میں بہت دشواری محسوس کر رہے ہیں ۔ لیڈیا کے حکمران کروئی سس نے اپنے اتحادیوں کی مدد سے بہت بڑی فوج اکٹھی کر لی ہے ۔ ان اتحادیوں میں فرعون مصر ، سپارٹا کا بادشاہ اور بابل کا حکمران شامل ہیں ۔ اس طرح تمہیں ایک کی بجائے چار دشمنوں کا سامنا ہے ۔ ابھی سپارٹا کے بحری جہاز اور مصریوں کے جنگی رتھ بہت دور ہیں ۔ یہ کئی چاندوں تک سارڈیس نہ پہنچ سکیں گے ۔ البتہ بابل جو انتہائی طاقتور ملک ہے قریب ہی واقع ہے ۔ لہٰذا بڑے تمہیں مشورہ دیتے ہیں کہ تم وقت ضائع کئے بغیر بابل سے معاہدۂ دوستی کر لو ، اور متحدہ دفاع کا معاہدہ کر لو ۔ اس پیش کش پر کلدانی حکمران یہ انتظار

کریں گے کہ آیا کروئی سس انہیں شکست دینے میں کامیاب ہو جاتا ہے یا تم اسے ۔ ان کی وفا داریاں ظاہر ہے اسی کے ساتھ ہوں گی جو فاتح ہو گا ۔"

اس پر سائرس بابل کے ساتھ معاہدے پر بحث و تمحیص کرنے لگا ۔ اس کا کہنا تھا کہ وہ بابل والوں پر کوئی بھروسہ نہ کرتا تھا اور ہرگز ان کے ساتھ کوئی معاہدہ نہ کرے گا ۔ اور یہ کہ ایک دوست سے دوست کی مانند پیش آنا چاہیئے اور دشمن سے دشمن کی مانند اور اس میں کوئی دھوکہ دہی یا فریب کاری نہ ہونی چاہیئے ۔ بڑوں نے ناپسندیدگی سے اپنے بوڑھے سر ہلائے ۔ پھر ہارپیگ نے ایک راستہ تلاش کر ہی لیا ۔ عیلام میڈیوں اور ایرانیوں کا باجگزار تھا ۔ اس حیثیت سے وہ بابل کو عدم جارحیت کے معاہدہ کی پیش کش کر سکتا تھا ۔ اس میں سائرس کی بے عزتی کا کوئی پہلو نہ نکلتا تھا ۔ جب کہ کلدانی یہ سوچنے لگتے کہ شاید اس طرح گوبارو اپنے لیے کسی فائدے کی تلاش میں تھا اور وہ محتاط ہو کر اس کے منتظر ہو رہتے کہ وہ اپنے لیے اس سے بڑھ کر زیادہ فائدہ کیونکر اٹھا سکتے تھے ۔

ہارپیگ کو بابل سے معاہدے کے سلسلے میں بڑوں کے ساتھ بحث و مباحثہ میں مصروف چھوڑ کر سائرس گوبارو کو لے کر محل سے باہر نکل آیا ۔ اور بہتے دریا کے اوپر بنے ہوئے پل کی طرف چلا آیا ۔ وہ اپنے دماغ سے اس گرماگرم بحث و تمحیص کو گرد و جھاڑ دینا چاہتا تھا ۔

" میرا باپ اس وقت مقبرے میں آرام کر رہا ہے " اس نے کہا " لہٰذا اب گوبارو میں تمہیں اپنا باپ بناتا ہوں ۔ اس طرح ہمارے درمیان کا رشتہ کبھی نہ ٹوٹے گا "

گوبارو ہکا بکا سا کھڑا رہ گیا ۔ اسی رات اس نے اس کا ثبوت دے دیا کہ اسے وہ نیا رشتہ منظور تھا ۔ اس رات جب سائرس اپنی خوابگاہ میں داخل ہوا تو اس نے ہال چراغ جلتے ہوئے پایا ۔ اس چراغ کو گوبارو کی بیٹی نے اپنے دونوں ہاتھوں میں تھام رکھا تھا ۔ " ہنخامنشی سردار ۔ مجھے یقین ہے کہ تم ہم پر نظرِ کرم کرو گے " اس نے آہستہ

آہستہ نظر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا اور مسکرائی ۔" اب میں تمہاری بہن بن چلی ہوں ۔ تم جس طرح چاہو مجھے برت سکتے ہو ۔" اس طرح ایمی تس نے اس رات اسے بے حد سکون و لطف عطا کیا۔ اس طرح وہ اس کی دوسری بیوی بن گئی۔ ہر چند کہ اس کے بطن سے پیدا ہونے والے بچے سائرس کے پہلے بچوں کے مقابلے میں بے حد کم تر ہوتے ۔ ہر کیف اب اس کا کوئی خوف باقی نہ رہ گیا تھا کہ گوبارو اس سے دھوکہ کرے گا۔

اب سائرس نے ۵۴۹ ق ۔ م میں نسان کے مہینے کی پہلی تاریخوں کو کروئی سس کی جانب سفر شروع کیا۔ اس وقت گھوڑے نئی چراگاہوں کی تازہ گھاس چر کر خوب موٹے تازے اور تندرست و توانا ہو چکے تھے ۔ اس نے پہلے مصالحت کی پیش کش کروئی سس کے سامنے رکھی ۔" لیڈیا کا بادشاہ کروئی سس میڈیا اور ایران کے بادشاہ سائرس کا کمانڈر پروشیئر بن جائے ۔ اس طرح اسے پہلے کی مانند سارڈیس پر اپنے لوگوں پر حکومت کرنے کا حق مل جائے گا ۔ اس کے خاندان سے کوئی تعرض نہ کیا جائے گا بس وہ شہنشاہ سائرس کی اطاعت قبول کرلے ۔ اس کے بدلے اس کی زندگی اور حکومت کے تحفظ کی ضمانت دے دی جائے گی ۔"

اس کے جواب میں کروئی سس نے انتہائی اہانت بھرا جواب لکھ بھیجا ۔" شاہ کروئی سس نے کبھی کسی کی اطاعت قبول نہیں کی نہ کسی کا حکم مانا ہے تو وہ بھلا ان ایرانیوں کی اطاعت کیوں قبول کرنے لگا جو میدیوں کے غلام رہ چکے ہیں ۔ اب دیوتاؤں نے چاہا تو وہ بہت جلد لیڈیوں کے غلام بن جائیں گے ۔"

" اس کا یہ جواب اس کی شہرت میں ایک منزل اور کا اضافہ کرے گا ۔" ہارپیگ نے تبصرہ کیا ۔" ظاہر ہے وہ جنگ پر تلا ہوا ہے ۔ میں نہیں دیکھتا کہ تم نے اس سے دو دو ہاتھ کرنے کی ایسی تیاری کر رکھی ہے ۔"

" میں ابھی ہی جنگ کی تیاریاں شروع کروا تا ہوں ۔" سائرس نے کہا ۔

ہارپیگ نے بڑی شاہی سڑک کے اس پار پڑاؤ ڈالے ہوئے تمام مسلح فوجی دستوں کے نام حکم نامے روانہ کر دیئے۔ اس کے ارمنی پہاڑی بہادر "ایشیا کے دروازے" پر ان سے آملے جو وہاں سے زاب تک پہنچتی ہوئی ایک تنگ سی پہاڑی گزرگاہ تھی۔ وہاں سے وحشی اور تندخو کرد بھی اپنے سرداروں کی سرکردگی میں جنہوں نے کھنی لگی ہوئی گپڑ بالوں پر باندھ رکھی تھیں، سائرس کے سامنے حاضر ہو گئے۔ اس نے خندہ پیشانی سے ان کا استقبال کیا اور ان سے پوچھا کہ انہیں کس چیز کی ضرورت تھی۔ چاندی کی کی کردوں کا جواب تھا۔ انہیں استدائی کس لیے کہ اکثر تھا۔ سائرس نے اپنے خزانے سے چاندی کے بے شمار ٹکڑے ان میں تقسیم کر دیئے۔" بہتر تھا پہلے لوگ اپنے آپ کو اس کا حقدار ثابت کرتے۔" ہارپیگ سائرس کی اس دریا دلی پر معترض ہوا تھا۔

لیکن اس موقع پر سائرس کو اس ماگی کے الفاظ یاد آرہے تھے کہ جو حکمران اپنے آپ کو مضبوط بنانے کی بجائے اپنے خزانے کو بڑھانے کی فکر کرتا ہے، تقدیر اس کے ساتھ الٹی بازی چل جاتی ہے۔

تجربہ کار سالار اپنے خوابوں کی گمری کا باسی کہا کرتے تھے۔ اس کی لمبی ستواں ناک بھوری آنکھوں کے اوپر جگمگاتا بھاری میدی تاج۔ چھوٹی گھنگھریالی داڑھی اسے خوابوں کی دنیا کا باسی ظاہر کرتی تھیں۔ وہ اپنی عمر سے بہت بڑا دکھائی دینے لگا تھا جب ہخامنشی بادشاہ کی داد و دہش کی خبریں عام ہو نا شروع ہوئیں تو اس کے پاس پرانے انصاف آنے والے لوگوں کی تعداد بڑھتی گئی۔ وہ سب کو شرف باریابی سے نوازتا تھا اور ان میں چاندی تقسیم کرتا تھا۔ اس پر سخت کھوپڑی والا ایمبا بے حد حیرت زدہ ہوا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ اس ہیرکانی نے گئنے کا ٹکڑا منہ میں رکھ کر تھوک دیا اور شکایت کی "اگر تم اتنے ہی بیٹھے بنے رہے تو یہ کتے تمہیں جلد ہی چبا جائیں گے۔"

"لیکن اگر میں تلخ بنا رہا تو وہ مجھے تھوک دیں گے یہ بھی کہو۔"

اب یہ ہو رہا تھا کہ جن جن لوگوں کے ساتھ اس کی دشمنی رہی تھی اور جو ہوا س کی تباہی کے در پے رہے تھے وہ سب اس کے جھنڈے تلے جمع ہو رہے تھے اور جن لوگوں نے چالاکی اور عیاری سے اس پر حاوی آنے کی کوشش کی تھی مثلاً تابال اور ہارپیگ وہ بھی اب اس کے وفاداروں میں شامل ہو چکے تھے اور استیاگس جس نے اسے قتل کرنے کی کوشش کی تھی اب پارس گڈیں بروم شراب کے نشے میں مخمور پڑا رہتا تھا پھر بھی سائرس کے ذہن میں کبھی یہ خیال نہ آیا تھا کہ اس کی تقدیر اسے اس کی وادی سے دور لے جا رہی ہے۔

پھر جب اسے اطلاع دی گئی کہ اس کے چاندی کے توڑوں والے صندوق خالی ہو چکے تھے تو اس نے تحسین بھرے انداز میں سر کو جنبش دی "یہ اچھا ہی ہوا ہے۔ میں نے سنا ہے کہ کرو ئسس بڑے بھاری خزانوں کا مالک ہے۔"

اب اس کے سرداروں میں یہ خواہش زور پکڑتی جا رہی تھی کہ وہ بلدا زجلد لیڈیوں پر حملہ آور ہوں اور انہیں ان کے خزانوں سے محروم کر دیں۔ جب وہ پیش قدمی کرتے ہوئے دریائے دجلہ اور فرات کے طاس میں پہنچے تو انہوں نے سائرس کو گھاس سے ڈھکے ٹیلوں پر کھڑی سیاہ دیواریں دکھائیں۔ یہ نینوا کے کھنڈرات تھے۔ ایک بہت بڑے پھاٹک کے دونوں طرف دیو پیکر چٹانوں کے تراشے ہوئے دو عفریت کھڑے تھے۔ ان عفریتوں کے چہرے آدمیوں کے تھے۔ انہوں نے سر پر تاج سجا رکھے تھے۔ ان کا باقی جسم بیل کا تھا اور ان کے کندھوں پر پر بھی تھے۔ شہر میں ویرانی اور سناٹے کی حکمرانی تھی۔ کھنڈرات ہر دم تیز و بے رحم پہاڑی ہواؤں کی زد میں آتے رہتے تھے۔ محل کھنڈرات میں کوڑھیوں اور فقیروں نے اپنے ٹھکانے بنا رکھے تھے۔ یہ لوگ سائرس کے سپاہیوں کو دیکھتے ہی خوف زدہ ہو کر کھنڈرات میں جا چھپے تھے۔ البتہ ایک فقیر جو قدیم اکادی زبان بول رہا تھا۔ سرداروں کو محل کے ان وسیع و عریض کمروں میں لے

گیا جہاں چمکیلی ٹائلیں لگی ہوئی تھیں۔ ان پر سیر و شکار کے مناظر بنے ہوئے تھے۔ محل کے عقب میں پام کے درختوں کا باغ تھا۔ یہ درخت اب مرجھا چکے تھے۔ اس فیبرز نے باغ میں پڑے ایک بڑے سے پتھر پر کھدی تصویر کی طرف اشارہ کیا۔

"اشور کا منظور نظر"

وہاں اشور بنی پال کی شبیہہ کھدی ہوئی تھی۔ اس نے اپنے سر سے تاج اتار رکھا تھا اور اس کے بڑے بڑے بال کھلے ہوئے تھے۔ اس نے گھٹنوں پر شال ڈال رکھی تھی اور پیالہ ہاتھ سے تھامے شراب پی رہا تھا۔ اس کے پیچھے کچھ غلام کھڑے گمس رانی کر رہے تھے اور کچھ نفیریاں بجا رہے تھے۔ اشور بنی پال کی عورتیں بھی اس کے ساتھ شراب نوشی کرتی دکھائی دے رہی تھیں۔ سائرس نے دیکھا کہ جن کرسیوں پر اشور بنی پال اور اس کی عورتیں بیٹھی تھیں وہ پائن کے مخروطوں پر رکھی تھیں تاکہ زمین کی بری روحیں کرسیوں کے ذریعے ان تک نہ پہنچ سکیں۔ اس نے یہ بھی دیکھا کہ پام کے ایک درخت سے عیلام کا ایک بادشاہ الٹا لٹکا ہوا تھا۔ اشور بنی پال نے شاید یہ تصویر اپنی فتح کے بعد بنوائی تھی۔ اس کو آخر کتنا عرصہ گزر چکا تھا؟ شاید تین صدیاں۔ جب اس نے عیلام کو فتح کرنے کے بعد شوشان میں اپنی تختی کندہ کروائی تھی۔ اب اس کے باغ کے پام سب خشک ہو کر جھڑ چکے تھے۔ مگر وہاں پتھر پر کھدی وہ تصویر جوں کی توں اب بھی موجود تھی۔

دانا گوبارو نے اس عظیم بادشاہ کے متعلق کیا کہا تھا؟ "بہتر ہوتا اگر وہ جنگی رتھ کی سواری کی بجائے اپنی لائبریری ہی تک محدود رہتا۔" گوبارو ہمیشہ اس عقیدے کا حامی رہا تھا کہ جنگ ہمیشہ اپنے جلو میں مہیب تباہیاں اور خوفناک المیے کرتی تھی تلوار نکالنے والا خود ایک ان دیکھی تلوار کا شکار بن جاتا تھا۔ ایسا ممکن تھا کہ کوئی انسان جسے دیوتاؤں کی پشت پناہی حاصل نہ ہو، مابعد جنگ کی ہلاکتوں اور تباہکاریوں سے

سے بچ نکلنے میں کامیاب ہوسکا ؟ سائرس کو اس امر پر خاصی حیرت ہو رہی تھی اس نے کبھی اپنے کسی اقدام کے بعد کے اثرات کے بارے میں آگاہ ہونے کی کوشش نہ کی تھی۔

وہ اشوری بادشاہ کی اس تصویر کو بڑی دیر تک کھڑا گھورتا رہا۔ اس کے سردار سوچنے لگے کہ شاید اسے اس تصویر کے سحر نے جکڑ لیا تھا۔ بوڑھا گائیڈ جو اس سے مسلسل سونے کے سکے کا مطالبہ کر رہا تھا۔ اب خاموش ہو کر حیرت سے اسے دیکھ رہا تھا۔ فوج میں جو نئے سپاہی آ کر شامل ہوئے تھے۔ وہ اس بات پر خاصے حیرت زدہ تھے کہ ایرانی فوج کے ہمراہ کوئی دیوتا وغیرہ نہ تھے۔ اس کے ہمراہ بت اور عشتار کی شبیہیں تک نہ تھیں۔ سائرس ایسی باتوں کو کوئی اہمیت نہ دیتا تھا۔ اور نہ ہی وہ جانوروں کی قربانی یا پرندوں کی پرواز سے کوئی شگون یا فال لینی پسند کرتا تھا۔ وہ بیس ہزار آدمیوں کے ہمراہ مویشیوں کے گلے، بیلوں والے چھکڑے اور اونٹوں کی بھاری تعداد لیے مغرب کی جانب عظیم پہاڑی سلسلے کے ساتھ ساتھ بڑھا چلا جا رہا تھا۔ دریائے فرات کے سرچشمہ تک پہنچ کر اس نے اپنا رخ موڑا اور پہاڑیوں میں داخل ہو گیا۔ اب اس کا رخ شمال کی جانب تھا۔ اس کی فوج پائن سے ڈھکے جنگلات کی بلندیاں چڑھتی جا رہی تھی۔ یہ سرزمین میتوں اور اشوریوں کے زیر تسلط رہ چکی تھیں۔ پھر ان پر میڈیا کا قبضہ ہو گیا تھا اور اب یہ سائرس کی حکمرانی میں تھیں۔ مقدس کوہ ارارات دور مشرقی سمت دکھائی دے رہا تھا۔ اسی راستے پر لیڈیا کا باشندہ یوری باتس سائرس کے لشکر سے آ ملا۔

یوری باتس کے ہمراہ لیڈیا کے سکوں سے لدے چند ڈھکے ہوئے رتھ تھے جو اس نے سائرس کے حضور پیش کر دیے۔ اس کی کہانی یہ تھی کہ وہ رتھ کروئی سس نے اسے ڈیلفی کے مہا پجاری کی خدمت میں لے جانے کے بہانے اس مقصد کے لیے دیے تھے کہ وہ بندرگاہوں پر کام کرنے والے یونانیوں کو ان رتھوں پر لدے سکوں کا لالچ

دے کراس کی فوج کے لیے بھرتی کروا سکے۔ معلوم ہوتا تھا جیسے پوری باتس کروئی سس کے مقرر کردہ ظالم عمّال سے سخت نالاں تھا۔ اور اسے ان خبروں نے خاص تقویت اور حوصلہ بخشا تھا کہ میڈیا اور ایران کا نیا بادشاہ بے حد رحم دل اور فیاض حکمران تھا۔ اسی لیے اس نے بہتر سمجھا تھا کہ وہ بجائے کروئی سس کا کام کرنے کے بادشاہ سائرس کی پناہ میں بھاگ آئے۔ اس نے ہارپیگ کو کروئی سس کی فوجی تیاریوں کے بارے میں بڑی اہم اطلاعات بھی بہم پہنچائیں۔ کہ اس میں کتنے بھاڑے کے سپاہی اور کتنے لیڈی سوار تھے۔

سائرس کو بڑی حیرت ہوئی تھی کہ ایک لیڈی اپنے بادشاہ کو یوں دھوکہ دے کر اس سے غداری کر کے اس سے آن ملا تھا۔ ہارپیگ اپنے جاسوسوں سے کروئی سس کی فوجی تیاریوں اور فوج کی تعداد سے پہلے سے ہی آگاہ ہو چکا تھا۔ اس نے لیڈی کی فراہم کردہ اطلاعات سن کر سر کو جنبش دی۔

"اب تم کیا کرو گے؟" سائرس نے اس سے پوچھا۔

حسبِ عادت ہارپیگ نے اسے گول مول سا جواب دیا۔ پیش قدمی کی رفتار تیز ہوتے ہوتے اس کی طبیعت میں بڑی شادابی اور شگفتگی پیدا ہوتی جا رہی تھی۔ یہ پہلی مرتبہ تھی جب وہ ہخامنشی بادشاہ کو عملی جنگ کا تجربہ سکھانے چلا تھا۔ اب اس نے اس سے غلام الیسپ کی ایک اخلاقی کہانی کہی۔ جو ایک بھیڑیے اور ایک پہاڑی بکرے کے بارے میں تھی جو ایک دوسرے کے دشمن تھے۔ بھیڑیے نے بکرے کو تر نوالہ بنانے کی بڑی کوشش کی جو اس کی رسائی سے باہر بلند و پرپیچ پہاڑوں میں محفوظ تھا۔ پھر ایک دن بکرے نے ایک تالاب میں اپنا عکس دیکھا۔ وہ اپنی شان اور خوبصورتی دیکھ کر بے حد متاثر ہوا۔ "کیا شاندار سینگ ہیں میرے۔ میری ٹانگیں کتنا تیز دوڑنے والی ٹانگیں ہیں بلاشبہ میں آج تک اپنی قوت و طاقت سے صحیح کام نہیں لے سکا۔" غرور و تکبّر کے اسی جذبے کے تحت وہ فوراً ہی بھیڑیے کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا اور اس کا سامنا

ہونے پر اسے لڑنے پر للکارا۔ بھیڑیئے نے فوراً ہی اس کی گردن دبوچ لی اور اسے ہلاک کر کے مزے سے لے کر اس کا لذیذ گوشت کھا گیا۔

"یہ کہانی اس طرف اشارہ کرتی ہے۔" سائرس بولا۔ جو اس کہانی سے خاصا لطف اندوز ہوا تھا۔ "کہ میں بھی ایک ایسے ہی پہاڑی بکرے کی مانند ہوں جو اپنی قوت و طاقت پر نازاں ہے۔ لیکن اگر میں اپنی پہاڑیوں میں بھاگ کھڑا ہوں تو پھر کیا بنے گا؟"

"ہم سب زندہ رہیں گے۔"

اس وقت وہ کیسپے دوشیبا نے سیاہ سطح مرتفعائی علاقے میں داخل ہو چکے تھے جہاں لیڈیا کی عظیم فوج ان سے دو دو ہاتھ کرنے کی منتظر موجود تھی۔

وہ خود جو سارڈیس کے میدان میں گرا

کیپے دوشیا یا کتپتز کا جیسا کہ ایرانی اسے کہا کرتے تھے۔ عظیم جزیرہ نمائے انا طولیہ کے عین وسط میں واقع تھا۔ اس کی بلند و بالا پہاڑیاں جو سر بفلک تھیں اور بادلوں کو چھوتی تھیں۔ دوسری جانب سے ڈھلوانی صورت اختیار کرتے کرتے جنوب میں اس سمت راہنمائی کرتی تھیں جہاں دریائے دجلہ اور فرات کے منبع واقع تھے۔ اس کے مشرق میں آرمینیا کے پہاڑی سلسلے دکھائی دیتے تھے اور شمال میں بحیرۂ اسود کے ساحلوں کے ساتھ ساتھ یونانی تجارتی بندرگاہیں دور تک پھیلتی چلی گئی تھیں۔ قدیم یونانی آبادکاروں نے اس جزیرہ نما کو اناطولیہ کا نام دیا تھا۔ یعنی سرزمینِ مشرق کا۔ بعد میں جب انہوں نے اس کے عقب میں ایک براعظم دریافت کیا تھا تو وہ اسے ایشیائے کوچک کہنے لگے تھے۔ پس کیپے دوشیا کے سطح مرتفعاتی علاقے پر قبضہ کرنے کے بعد کروئی سس نے ایک سٹریٹجک فتح حاصل کی تھی۔ مگر یہ فتح اس کے لیے کوئی زیادہ سودمند ثابت نہ ہو سکتی تھی۔

کروئی سس کی افواج جب کیپے دوشیا میں داخل ہوئیں تو انہوں نے وہاں قدیم زمانے کے عظیم معماروں یعنی حتّیوں کے تعمیر کردہ قلعے دیکھے جو کھنڈر بن چکے تھے اس کا دارالحکومت، اگر ایسا کہنا صحیح تھا، ایک فصیل دار قلعے کی صورت میں تھا جس کے پھاٹک

پر عورت کے چہرے کے واسطے شیر کا مجسمہ البتہ نصب تھا۔ یہ ویسا ہی دکھائی دیتا تھا جیسا کہ ڈیلفی کے مہا پجاری نے پیش گوئی کی تھی۔ کروئی سس نے ہیلس ندیا کو عبور کر کے کیپے دوشیا پر قبضہ کر لیا تھا۔ اس کی آمد کے ساتھ ہی وہاں کے باشندے خوف زدہ ہو کر جنگلوں اور پہاڑوں میں جا چھپے تھے۔ وہ اپنے ساتھ اپنے مال مویشی بھی لے گئے تھے۔ یوں کروئی سس کے سپاہیوں کو فتح یاب ہونے کے باوجود وہاں سے بہت کم مالِ غنیمت ہاتھ لگ سکا۔ انہیں یا تو وہاں سے کچھ کھالیں ہاتھ لگی تھیں، یا یونانی ساخت کے گلدان اور چند لڑکیاں جنہیں وہ پڑاؤ میں اٹھا لاتے تھے۔ اس مالِ غنیمت نے نہ تو آیونی بندرگاہوں سے حاصل کیے گئے بھاڑے کے سپاہیوں کو متاثر کیا تھا اور نہ ہی بلند حوصلہ لیڈی گھڑ سواروں کو جو مالِ غنیمت کی تلاش میں تھے۔

موسم گرما گزرتا رہا۔ مگر سائرس جنگ سے گریزاں رہا۔ اس کی فوج کے دستے اکثر لیڈی دستوں پر اچانک حملہ آور ہو کر انہیں بدحواس کر دیتے یا پھر ساردیس کے کاروانوں کو راستے میں ہی لوٹ لیتے۔ پھر جب ایک لیڈی دستے کو ایرانیوں کی تلاش میں بھیجا گیا تو نسایائی گھڑ سواروں نے عین کھانے کے وقت ان کے کیمپ پر حملہ کر کے اسے لوٹ لیا۔ ان وحشی گھڑ سواروں کا تعاقب کرنا مشکل تھا۔ لیڈیوں کے تربیت یافتہ جنگی گھوڑے نسایائی گھوڑوں کا مقابلہ تو کر سکتے تھے لیکن بھاگتے بھاگتے دشمن پر تیروں کا مینہ برسانے میں ایرانیوں کو کمال مہارت حاصل تھی۔ لیڈی سوار تیر کمان رکھنے کے عادی نہ تھے اور زیادہ تر نیزوں سے لڑائی لڑا کرتے تھے۔ ہر ایسے معرکے میں وہ ایرانیوں پر فتح پانے کا دعویٰ کرتے تھے ادھر ایرانی اور میدی انہیں کہیں سے بھی خوراک حاصل نہ کرنے دیتے تھے چنانچہ وہ سخت جَو اور ڈولفن کا اچار کھا کھا کر تنگ آئے ہوئے تھے۔ سیاہ لاوا بچھی ہوئی زمین پر کوئی فصل بھی کاشت نہ کی جا سکتی تھی۔ ایرانیوں اور میدیوں نے کوئی ایسی چیز بھی نہ چھوڑی تھی جس کے لیے لڑا جا سکتا۔

جب خزاں کے طوفانوں نے لیڈی کیمپوں پر حملہ آور ہونا شروع کیا تو کردی سس کے سالاروں نے اس سے کہا کہ انہیں سرمایاں گزر جانے تک وہاں سے پڑاؤ اٹھا لینا چاہیئے۔ کیونکہ اس برفانی سطح مرتفع پر گھڑسوار دستے اچھی کارکردگی کا مظاہرہ نہ کر سکیں گے۔ چنانچہ کردی سس نے اپنے فتح یاب دستوں کو حیتوں کے اسی قلعہ بند دارالحکومت الاجا میں چھوڑا اور باقی فوج وطن کی سرزمینوں کی طرف واپس ہولی۔ جہاں انہیں بہتر پڑاؤ کی سہولتیں میسر آسکتی تھیں۔ وہاں وہ آئندہ موسم گرما میں پیش آنے والی جنگ کی بہتر تیاریاں بھی کر سکتے تھے۔

جب بھورے آسمان سے پہلی برف گری۔ تو میدی سالاروں نے بھی سائرس سے یہی بات کہی۔ بنجر سطح مرتفع پر لیڈیوں نے خورد و نوش کی کوئی چیز باقی نہ رہنے دی تھی۔ کیپے دوشی کسان خود خشک مچھلی پر گزارا کر کے سخت قسم کی سردیاں گزار سکتے تھے مگر میدی اور ایرانی اس قسم کی خوراک کے عادی نہ تھے۔ اس لیے انہیں لازماً گرم وادیوں کی طرف واپس لوٹ جانا چاہیئے۔

سائرس نے اپنے سالاروں کی باتیں سنیں۔ ساتھ ہی وہ الاجا کی فصیلوں کا معائنہ بھی کرتا رہا۔ جہاں کردی سس کے فتح یاب دستے پڑاؤ ڈالے ہوئے تھے اس کے ارمنی سپاہی چاہتے تھے کہ سردیاں گزارنے کے لیے اپنے گرم علاقوں میں چلے جائیں۔ جب کہ میدی اکبتانا کے گرم گھروں کا تصور اپنے ذہن میں لیے پھر رہے تھے اور اسواران والے پارس گرد واپس لوٹ جانے کے خواہش مند تھے۔ جب ہر کوئی سائرس کے سامنے اپنی اپنی خواہش کا اظہار کر چکا تو سائرس نے تھوڑی دیر کچھ غور و خوض کیا۔ اس کے بعد اس نے جو فیصلہ کیا وہ اس کے تجربہ کار سالاروں کی توقعات کے بالکل برعکس تھا۔

"ہم اپنی سرمایاں سارد یس میں زیادہ آرام سے گزار سکیں گے" اس نے ان سے کہا۔

اس سالاروں کو پہلی مرتبہ اس کے لہجے میں فولادی عزم کی جھلک دکھائی دی۔
پھر اس نے اپنی افواج کو برف سے اٹی ہوئی سُرخ سرزمین پر سفر کرواتے ہوئے مغرب میں دریائے ہیلس پار کروایا اور ترائیوں میں اس سرزمین پر اتر آیا۔ جہاں زیتون کے درختوں کے جنگلات بکھرے پڑے تھے اور جہاں مقدس پہاڑ تمولس واقع تھا۔

جب کروئی سس بخیر وخوبی اپنی منزلِ مقصود کو پہنچ گیا یعنی اپنے وطن کی سرزمین پر پہنچ گیا اور اس نے اطمینان بھری نگاہوں سے بلند و بالا تمولس پہاڑ کو دیکھتے ہوئے اپنے اندر ایک چین اور سکون سا محسوس کیا تو اس نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ کرائے کے سپاہیوں کو تنخواہیں دے کر انہیں فارغ کر دیا۔ وہ ہنسی خوشی آیونی بندرگاہوں کی طرف اپنے گھروں کو روانہ ہو گئے۔ یوں سردیوں کے دنوں میں ان کی تنخواہیں بچا کر کروئی سس نے اپنے سمندر پار کے حلیفوں اور بابل کی حکومت کو پیغام بھیجے کہ وہ پانچ مہینوں تک بس اپنی افواج اور بحری بیڑوں کی مدد روانہ کر دیں تاکہ وہ رود دریاؤں یعنی دجلہ اور فرات کے طاس پر حملہ آور ہو۔ پھر اپنے جنگی اخراجات کا تخمینہ لگاتے ہوئے اس نے حکم دیا کہ ایک خالص سونے کی ڈھال بنائی جائے۔ یہ ڈھال اس نے ڈیلفی کے مہا پجاری کو تحفے کے طور پر دی جانی تھی۔ جس سے کروئی سس نے اور بھی خدمات کی توقع لگا رکھی تھی۔

اس مہا پجاری کی ایک اور پیش گوئی ایسی تھی جسے کروئی سس نے سب سے پوشیدہ رکھا ہوا تھا۔ اس پیش گوئی پر کروئی سس نے کبھی اپنے معتمد رفقاء کے ساتھ بحث نہ کی تھی اور نہ ہی انہوں نے اس کی موجودگی میں کبھی اس کا تذکرہ چھیڑا تھا۔ کروئی سس کی بے شمار فتحوں میں ایک لڑاس کے چھوٹے بیٹے کی ہی تھی۔ اس کا یہ بیٹا جو کسی یونانی دیوتا کی مانند حسین وجمیل تھا۔ پیدائشی گونگا بہرہ تھا۔ ہر چند کہ کروئی سس ایفی سس میں آرٹمیس کے معبد میں بڑی عبادت کر چکا تھا اور بھاری نذرانہ وہاں بھیج چکا تھا۔

اس نے سی کیس پہاڑ کے نیچے بہنے والے چشمے کے کنارے واقع اپالو دیوتا کے معبد میں بھی بڑی عبادت کی تھی اور وہاں بھی بھاری چڑھاوے چڑھائے تھے اس معبد میں عبادات سے وہ خاصا پرامید تھا۔ کیونکہ اسے بتایا گیا تھا کہ اس معبد میں اپالو دیوتا کا بیٹا برانکس پیدا ہوا تھا۔ عظیم فرعون مصر نیکو نے اس معبد میں نذرانے کے طور پر اپنا وہ لباس بھیجا تھا جو اس نے عرم گدوان کی جنگ میں یہودیوں کے بادشاہ جوزیا کو شکست دیتے ہوئے پہن رکھا تھا۔ بعد میں فرعون نیکو کے حکم سے ہزاروں بہوری غلام وہ نہر کھودتے ہوئے مرگئے جس کے ذریعے فرعون نیکو بحیرہ روم کو بحیرہ قلزم سے ملانا چاہتا تھا۔ غالباً ڈیلفی کے ہوشیار و چالاک مہاپجاری نے یہ سن لیا تھا کہ کروئی سس نے اس کے حریف اپالو برانشیدی کے مہاپجاری کے حضور بھی نذرانے بھیجے تھے۔ اسی لیے اس نے اس کے معذور بیٹے کے بارے میں اسے مبہم سا جواب دیا تھا جو ہر چند کہ کوئی ایسا مخالفت یا دشمنی کے جذبے پر مبنی تھا۔ کروئی سس نے اسے اپنے شک ہی حد و در رکھا تھا۔

"اپنے بیٹے کی گویائی اور سماعت کے لیے کبھی دعا نہ کرو۔ کیونکہ اگر یہ دعا قبول ہوگئی تو بلا کتیں اور تباہیاں تمہارا مقدر بنیں گی۔"

مہاپجاری کے اس مبہم سے جواب نے کروئی سس کو بے حد الجھا دیا تھا۔ اسے یہ جواب یونانی فلاسفروں کی باتوں ایسا بے چیدہ اور الجھن میں ڈال دینے والا معلوم ہوا تھا۔ بالخصوص یونانی حکیم سولون کی معمہ بھری باتوں ایسا الجھاووں سے بھرا۔ اپنے طور اس نے اس کا یہی مطلب لیا تھا کہ اپنی موت تک اسے اپنی زندگی میں کسی خوش یا مسرت کی توقع نہ رکھنی چاہیئے۔ اس نے اپنے شہر کو خوبصورت بنانے کی ہر ممکن کوشش کی تھی۔ اسے اپنے ذوق کے مطابق آراستہ و پیراستہ کیا تھا۔ اسے میلیسی رواج کے مطابق بناروں اور برجوں سے سجایا تھا۔ اسی شہر میں اس کے آباؤ اجداد کے گنبد تھا

مقبرے موجود تھے۔ جن کی تعمیر کے لیے سب سے زیادہ مالی امداد طوائفوں نے دی تھی اسے ہر طرح کی مسرت اور خوشی حاصل تھی۔ بس ایک فکر لاحق تھی تو اپنے گرنگے بہرے بیٹے کی۔

پہلے سے خبر ملی کہ میدی اور ایرانی پہاڑی سڑک سے نیچے اتر رہے تھے۔ گراس خبر کو محض افواہ سمجھتے ہوتے اس نے اس پر کان دھرنے کی ضرورت نہ محسوس کی۔ اس کے خیال میں سردیوں کے دنوں میں کوئی فوج کیسے وحشی ترائیوں میں اترنے کی ہمت نہ کرسکتی تھی۔ اس نے اپنی زندگی میں کبھی ایسا کوئی واقعہ رونما ہوتے نہ دیکھا تھا۔ پھر اسے مقدس تولس پہاڑ پر متعین محافظوں نے اطلاع دی کہ ایرانی اور میدی وحشی افواج نیچے میدان میں اتر آئی ہیں۔ انگوروں کی وادی میں!

کروئی سس کا دل یہ اطلاعات صحیح تسلیم کرنے کو نہ چاہ رہا تھا۔ مگر اب جب کہ اطلاعات صحیح ثابت ہو چکی تھیں۔ اس کی سمجھ کام نہ کر رہی تھی کہ اس صورت حال سے کیونکر نمٹا جائے۔ کوتے کے سپاہی جو جا چکے تھے انہیں دوبارہ بلوانا کوئی آسان کام نہ تھا۔ وہ چھوٹے تیز رفتار جہاز جو اس نے سمرنا سے روانہ کیے تھے۔ اس کے سپارٹی اور مصری اتحادیوں کو اتنی جلدی سارڈیس نہ پہنچا سکتے تھے۔ اس نے عورتوں کے مقدس تولس کے دامن میں مناجات گانے کی آوازیں سنیں اور اپنے مشیروں سالاروں کے مشورے سنے کہ اسے ان وحشیوں کی یلغار روکنے کے لیے جلد از جلد فوج اکٹھی کرنی چاہیے۔ اس کے سالار خوش تھے کہ بالآخر وہ وحشی پہاڑوں سے نکل کر کھلے میدانوں میں آ گئے تھے۔ جہاں انہیں نیزوں سے چھید ڈالنا لیڈی گھڑ سواروں کے لیے بہت آسان تھا۔

پھر جنگ کی جو خبریں کروئی سس تک پہنچیں ان پر اسے بمشکل ہی یقین آ سکا اپنے محل کے باغ میں سیبیل کے معبد میں کروئی سس نے سنا کہ اس کے نیزہ بازوں نے اپنی روایتی شجاعت و شہامت کے ساتھ غنیم پر حملہ کیا تھا۔ مگر غنیم کے لشکر میں موجود بعض جانوروں

گو بچے کھچے گران کے گھوڑے بدک کر واپس ہٹ پڑے تھے۔ جس پر انہیں مجبوراً بڑے سنبھال کر پا پیادہ ہونا پڑا تھا۔ اس پر دشمن نے ان پر تیروں کا ایسا مینہ برسا دیا تھا گویا وہ کوئی شکار کے جانور تھے۔

(اس وادی میں پہنچتے ہی ہارپیگ نے یہ بات نوٹ کی تھی کہ وہاں کے گھوڑے ان کی فوج میں موجود بار برداری کے اونٹوں کے نظارے اور بُو سے بے حد بدکتے تھے۔ بار برداری کے یہ جانور جو عیلام اور ایرانی صحراؤں سے حاصل کیے گئے تھے۔ اس سے پہلے کبھی ان ساحلوں پر نمودار نہ ہوتے تھے۔ چنانچہ جنگ کی تیاریاں کرتے وقت ہارپیگ نے اونٹوں کی ایک قطار کو گھڑ سواروں کی صفوں کے آگے کھڑا کر دیا تھا۔ ایانی گھوڑوں کے لیے اونٹ اجنبی نہیں تھے۔ مگر لیڈی گھوڑوں نے کبھی ایسا جانور نہ دیکھا تھا۔ اس لیے دہ انہیں دیکھتے ہی بدک اٹھے اور افراتفری کے عالم میں اپنے سواروں کو گراتے ہوئے ادھر ادھر بھاگ اٹھے۔ اس پر مجبور ہو کر لیڈی نیزہ بازوں کو پیدل ایرانیوں اور میدیوں سے جنگ کرنی پڑی)

لیڈیا کی بھگوڑی افواج نے میدانِ جنگ سے شکست کھانے کے بعد سارڈیس کی فصیلوں تلے پناہ لی۔ انہوں نے اپنے پیچھے شہر پناہ کے پھاٹک سب بند کر دیے پھاٹک توڑنے کی ایک ناکام کوشش کے بعد سائرس کی فوج نے جھیل کے کنارے پڑاؤ ڈال دیا اور ان ہرے بھرے میدانوں میں اپنے گھوڑے چرنے کے لیے چھوڑ دیے۔ اس واقعہ کے بعد وہ میدان "سائرس کا میدان" کے نام سے مشہور ہو گیا۔

کرِدئی سس نے اپنے محل کی کھڑکی سے دیکھا کہ نیچے کا میدان سائرس کے گھوڑوں کی چراگاہ میں تبدیل ہو چکا تھا۔ جنگلات میں کہیں کہیں آگ کے شعلے بلند ہوتے نظر دکھائی دے رہے تھے۔ گھروں کی دہلیزوں پر کوئی خون کے چھینٹے نظر آ رہے تھے۔ نہ ہی جنگی قیدیوں کی قطاریں پا بہ زنجیر غلام بنا کر ہانکی جا رہی تھیں۔

جیسا کہ سمیریوں کے حملوں کے دوران دکھائی دیتا تھا۔ حملہ آوروں کے رویے سے یوں معلوم ہوتا تھا گویا وہ جنگ بھول چکے تھے۔ وہ اپنے پڑاؤ کے میدان میں گھڑ دوڑ کے مقابلے کراتے تھے۔ پہاڑی ڈھلوانوں پر لگے ہوئے انگوروں کے باغات کے مالک کسانوں کی موسم سرما کی آخری فصل اکٹھی کرنے میں مدد دیتے تھے۔ گروہ دکانوں میں رکھے ہوئے شراب کے پیپوں پر کوئی توجہ نہ دیتے تھے۔ بلکہ اپنے برتن پکٹولس ندی کے شفاف شفاف تیزی سے بہتے پانی سے بھر لیا کرتے تھے۔

پھر حیران و پریشان کروئی سس نے سنا کہ اس کے دشمنوں نے ندی کے کنارے ایک عجیب و غریب رسم ادا کی تھی۔ انہوں نے وہاں دو قربان گاہیں کھڑی کی تھیں اور ان پر آگ روشن کی تھی۔ وہاں سفید پوش پجاریوں نے پانی اور شہد کے چڑھاوے چڑھائے تھے۔ محل میں موجود ایک کیپے دوشی قیدی نے لیڈیوں کو بتایا تھا کہ یہ سب کچھ سائرس کی محبوب دیوی، پانی کی دیوی اناہتیا کی خوشنودی کے لیے کی گئی تھا۔

سائرس کی اس حرکت سے کروئی سس کو بھی تحریک ہوئی کہ وہ اپنی پوجا کی رسم ادا کرے۔ لیڈی سرزمینوں میں آرتیمس بڑی دیوی کی حیثیت سے پوجی جاتی تھی۔ یہ کمان بردار دیوی اپالو کا نسوانی روپ تھی۔ یہ دھرتی ماتا سیبل کا بھی ایک روپ تھی۔ کروئی سس کے محل میں اس کے معبد میں زیادہ تر خواجہ سرا اور عورتوں کے لبادے میں ملبوس پجاری خوبیات رہتے تھے۔ اس معبد میں کروئی سس کی بیویاں اور دوسری عورتیں اپنے نقاب اتار ڈالتی تھیں اور عبادت کرنے کے ساتھ ساتھ مدہم آوازوں اور سرگوشیوں میں آپس میں باتیں بھی کرتی رہتی تھیں۔ اس کے خیال میں اس کی عورتوں کی یہ محافظ دیوی اس کے اندازوں سے زیادہ طاقتور تھی۔ اس نے معبد کے صحن میں اس دیوی کے حضور عبادت کرنے اور چڑھاوا چڑھانے کے لیے ایک کھلا بازار آراستہ کیا۔ اس نے غلاموں کو حکم دیا کہ خشک لکڑیوں کا ایک انبار تیار کریں اور اس انبار کے گرد خشک جھاڑیاں اکٹھی کر دیں۔ اس سے اس کا

مقصد یہ مشہور کرانا تھا کہ اگر دشمن اس کے شہر میں داخل ہونے میں کامیاب ہو گیا تو وہ زندہ چتا میں جل جائے گا۔ وہ ہرگز بوڑھے پریام کی طرح اس کا انتظار نہ کرے گا کہ کوئی سپاہی اپنی تلوار سے اسے قتل کر دے۔

اور اس نے اپنے خواجہ سراؤں کو حکم دیا کہ جونہی وہ چتا سے آگ کے شعلے بلند ہوتے دیکھیں تو اسی وقت اس کی تمام بیویوں اور داشتاؤں کو قتل کر دیں۔

ان عیاشیوں کے ساتھ ساتھ کروئی سس اپنے آپ کو فلسفیانہ منطق سے بھی بہلانے میں مصروف تھا۔ اگر سپارٹی اور مصری بیڑے سار دیس کا محاصرہ توڑنے کے لیے بروقت نہ پہنچ سکے تو شہر کی دیواریں اتنی مضبوط ضرور ہوں گی کہ دشمن کو کافی عرصہ تک روکے رکھیں اگر بیرونی شہر فتح ہو گیا تو اس کا محل جو دریا کے کنارے خاصی بلندی پر واقع تھا، دشمن کے لیے ایک ناقابل تسخیر قلعہ ثابت ہو سکتا تھا۔ اگر ایسا بھی نہ ہو سکا تو وہ فرار ہو کر جان بچا سکتا تھا۔ مگر بزدلوں کی مانند فرار ہونے کا خیال کروئی سس کے لیے انتہائی اذیت ناک تھا۔

اس کے دن اسی ذہنی کرب میں گزر رہے تھے۔

پھر دو ہفتوں کے اندر اندر اس کے بدترین اندیشے حقیقت بن گئے۔ اس کی فصیل پر ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس نے سار دیس کی قسمت کا فیصلہ کر دیا۔

ایک دن جب کہ تیز ہوا چل رہی تھی۔ فصیل کا ایک محافظ سپاہی صبح منہ اندھیرے بیرونی دیوار پر ٹہل رہا تھا۔ ایک جگہ کھڑے ہو کر اس نے کنارے پر سے باہر جھانکنے کی کوشش کی۔ ایسا کرتے ہوئے اس کے سر سے خود اتر کر نیچے چٹان پر جا گرا۔ چونکہ محل کی عمارت سار دیس کی بلندیوں کا احاطہ کیے ہوئے تھیں۔ اس طرف ندی کی جانب والی چٹان پر کوئی دیوار کھڑی کرنے کی ضرورت محسوس نہ کی گئی تھی۔ لیڈی سنتری اپنا خود گرنے سے گھبرا گیا۔ اس نے اپنے ہتھیار اتار کر ایک طرف ڈالے اور پاؤں رکھنے

کی نفیہ جگہوں پر پاؤں رکھتا ہوا دوسری طرف نیچے اتر گیا۔ نیچے اتر کر اس نے اپنا خود اٹھایا اور اسی طرح خفیہ قدمچوں پر پاؤں رکھتا ہوا دیوار چڑھ کر دوسری طرف کو گیا۔ ایک ماروی جنگجو جو اتفاقاً ٹہلتا ہوا اس جگہ آ نکلا تھا۔ بڑی دلچسپی سے یہ سارا نظارہ دیکھ رہا تھا۔ اس نے دیکھ کر سوچا کہ اس جگہ سے اگر ایک آدمی اوپر چڑھ سکتا تھا تو دوسرا بھلا کیسے نہ چڑھ سکتا تھا۔ ماروی نے یہ دیکھ لیا کہ وہ نرم وچکنی دیواری چٹان جو تھی اس میں ایسے قدمچے بنے ہوتے تھے جن کی مدد سے اوپر چڑھا جا سکتا تھا۔ اس جگہ سے ایک ایک کر کے سینکڑوں فوجی دوسری طرف جا کر اتر سکتے تھے۔

ماروی نے اپنے سالار کے پاس جا کر اسے ساری بات بتائی۔ وہ سالار سے ہارپیگ کے پاس لے گیا۔ ہارپیگ نے فیصلہ کیا کہ اس جگہ سے کوشش کر کے دیکھ لینی چاہیے۔ کیونکہ ناکامی کی صورت میں جانوں کا اتلاف کم ہی ہوتا۔ کیونکہ اگر لیڈیا بادشاہ کے محل پر اس صورت میں قبضہ کر لیا جاتا کہ بادشاہ بھی اس میں موجود ہوتا تو سارڈیس لڑے بغیر فتح ہو سکتا تھا۔ سائرس نے سب سے پہلے دوسری طرف جا کر اترنے والے بہادر کے لیے انعام کا اعلان کیا۔

اگلی شام کے گہرے سائے میں ماروی جنگجو جوانی درجے کے کوہ پیما بھی ہوتے تھے۔ خاموشی سے اس دیواری چٹان کے اوپر چڑھ گئے۔ وہاں سے انہوں نے دوسرے ساتھیوں کو اوپر چڑھنے میں مدد دینے کے لیے رستے نیچے لٹکا دیے۔ تھوڑی دیر بعد اس جگہ سے لیڈی سنتریوں کا گزر ہوا۔ مگر انہوں نے اس دیواری چٹان کی طرف کوئی توجہ نہ دی۔ پھر انہوں نے دیکھا کہ عجیب وغریب حلیوں اور لباسوں والے جنگجو شاہی محل کی طرف بڑھے چلے جا رہے تھے۔ پھر محل کے کمروں سے ہتھیاروں کی جھنکاروں کی صدائیں بلند ہوئیں۔ جہاں ابھی غروب ہوتے ہوتے سورج کی روشنی موجود تھی پھر مشعلوں کی آگ کے جگہ جگہ آگ لگا دینے، عورتوں اور بچوں کے چیخنے چلانے، اور

نوکروں اور غلاموں کی بھاگ دوڑ نے ایک محشر سا برپا کر دیا۔ جب کروئی سس اور اس کے امراء دوڑتے ہوئے صحن میں آئے تو لکڑیوں کے اس ڈھیر کو آگ لگا دی گئی۔ اس کے خواجہ سراؤں نے اس وقت اس کے حکم کی تعمیل میں اس کی چتا کو آگ لگا دی گئی تھی۔

کروئی سس سے اس نازک وقت میں کوئی فیصلہ نہ کیا جا سکا۔ وہ شدید الجھن کے عالم میں خواجہ سراؤں کو عورتوں کے کمروں کی طرف لپکتے دیکھنے لگا۔ انہوں نے ننگی تلواریں ہاتھ میں لے رکھی تھیں تاکہ اپنے بادشاہ کے حکم کے مطابق اس کی تمام عورتوں کی گردنیں اڑا دیں۔ اس کے محافظ اس کے اردگرد کھڑے ہانپ رہے تھے۔ فرطِ دہشت سے ان کی آنکھیں پھٹی پڑ رہی تھیں۔ اس کے سالار چلا چلا کر اپنے سپاہیوں کو حکم دے رہے تھے۔ اسی افراتفری اور بدحواسی اور وحشت کے عالم میں کروئی سس کے کانوں میں ایک صاف اور بلند آواز پہنچی۔ یہ اس کے گونگے بہرے بیٹے کی آواز تھی جو اس کے بازو سے لپٹا ہوا تھا اور بے معنی قسم کے الفاظ بول رہا تھا۔

یوں سارڈیس کا قلعہ بند شہر فتح ہوا۔ اسے فتح کرنے کے لیے سائرس کو بمشکل ہی کوئی جنگ لڑنی پڑی تھی۔ بعد کے سالوں میں جب یونانی شاعروں نے اس فتح کے ذریعے لکھنے شروع کیے تو انہوں نے اس واقعہ کی خوب حاشیہ آرائی کی کہ کس طرح غیرت مند کروئی سس چتا میں جل کر مر گیا تھا۔ حالانکہ بعض کا خیال تھا کہ اس موقع پر اپالو دیوتا اس جگہ اتر آیا تھا اور اس نے آسمان پر سے بارش برسائی تھی تاکہ کروئی سس کی چتا کے شعلے بجھ جائیں اور وہ زندہ رہے۔

اگلی صبح جیسا کہ ہارپیگ نے اندازہ لگایا تھا نچلے شہر نے اپنے دروازے کھول دیے۔ میدی اور ایرانی سرداروں کی ایک جماعت مارشح کرتی، سرتی اندر داخل ہو گئی۔ محل کے باہر پہنچ کر وہ اس کی شان و شوکت کا نظارہ کرنے کے لیے رک گئے۔ کروئی سس

پھاٹک میں کھڑا تھا۔ اس نے اپنی شاہانہ پوشاک زیب تن کر رکھی تھی۔ اس نے فاتحین کو باآواز بلند مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ وہ محل کو آگ نہ لگائیں۔ گر لوٹ بے شک لیں اس کے یہ الفاظ اس کے ہمراہ موجود ترجمانوں نے ترجمہ کر کے فاتحین کو سنائے۔

ایک سالار جس کا چہرہ دھوپ سے سنولایا ہوا تھا اور جو اپنے گھڑسواری کے لباس میں بڑی بے آرامی محسوس کر رہا تھا۔ معترض ہوا "کیوں آخر میں اسے کیوں نہ آگ لگاؤں جواب میرا ہے۔"

پھر کروئی سس نے ان سرداروں کو اپنے ہمراہ لیا اور انہیں اپنے استقبالیہ ہال کی طرف لے گیا۔ جہاں سنگ مرمر کی تختیوں پر خوب صورت تصاویر کندہ ہوئی سجی تھیں اور مرتبانوں اور گلدانوں پر جو طاقچوں پر سجے تھے خوبصورت رنگا رنگ گل بوٹے بنے ہوئے تھے۔ اس نے انہیں اپنی لائبریری بھی دکھائی جہاں نئے کرنفتی طرز کی نادر تصاویر لگی تھیں۔ ان روغنی رنگوں کی تصاویر میں ہر تصویر اصلی تھی۔ کھانے کے ہال میں اس نے اپنے فاتح دشمنوں کو سونے کا وہ بہت بڑا پیالہ دکھایا جس میں بھنا ہوا گوشت ڈالا جاتا تھا۔ اس پیالے پر سمندر کے دیوتا نیچوں کی تصویر بنی ہوتی تھی جو جہاز کے اگلے حصے میں ٹانگیں پھیلائے کھڑا تھا۔ پھر اپنے محل کے زیر زمین دو کمروں سے گزرتے ہوئے کروئی سس نے اس تہہ خانے کے بھاری بھر کم پیتل کے دروازے کھلوائے جس میں اس کا خزانہ محفوظ تھا۔ ان دروازوں پر تین بھاری تالے لگے ہوئے تھے۔ ان تالوں کو کھول کر جب دروازے کھولے گئے تو اندر محفوظ جواہرات، سونے، چاندی کے ڈھیروں کی چکاچوند سے فاتح سرداروں کی آنکھیں خیرہ ہو گئیں۔ ایک شاہانہ انداز تفاخر کے ساتھ کروئی سس نے ان سے کہا کہ وہ وہاں سے جو کچھ لینا چاہتے تھے، لے لیں۔ انہوں نے سوائے فن مصوری کے نادر شہ پاروں کے ہر چیز لوٹ لی۔ کروئی سس کے لیے یہ بڑے اطمینان کی بات

تھی کو ان وحشیوں نے کم از کم ان غاروں تصادیر کو محل میں باقی رہنے دیا تھا۔

فاتح سردار بڑے سرور و شاداں دکھائی دے رہے تھے اور بات بات پر بلند آہنگ قہقہے لگا رہے تھے۔ پھر ان کے عقب سے غدار بیدی باتس، جو کروئی سس کی دولت سمیت سائرس کی پناہ میں چلا آیا تھا، نکل کر کروئی سس کے سامنے آ گیا اور سرگوشی میں اس سے بولا۔ "ہخا منشی بادشاہ کہتا ہے کہ وہ تمہیں اس بڑے بوجھ کی فکروں سے رہائی کیوں نہ دے دے؟"

پھر جب سائرس اور اس کے سردار شہر کا چکر لگانے نکل گئے تو کروئی سس نے اپنے بیٹے کا ہاتھ پکڑا اور خواب گاہ میں چلا گیا۔ پائتھی مہا پجاری کی پیش گوئی کے مطابق اس کا بیٹا اس دن بالآخر بول پڑا تھا اور وہ دن بھی کیسا تھا، سارڈیس کی سرنگونی کا دن! کروئی سس نے سوچا کہ اسے مہا پجاری کی خدمت میں چند قیمتی تحائف ضرور روانہ کرنے چاہئیں۔ مگر پھر اسے یاد آیا کہ اب وہ اس قابل نہ رہ گیا تھا کہ اس کی خدمت میں کوئی قیمتی نذرانہ پیش کر سکتا۔ کیونکہ وحشی فاتحین اس کے محل میں سے سب کچھ لوٹ چکے تھے۔ پریام کی طرح اس نے اپنا شہر ہاتھ سے کھو دیا تھا۔ وہ شہر جو اس کی زندگی تھا۔ پھر سب سے بڑھ کر افسوس ناک بات یہ ہوئی تھی کہ وہ اس لمحے چتا میں زندہ جل مر کر اپنے نام کو تاریخ کے اوراق میں لافانی بنانے سے قاصر رہ گیا تھا۔ کافی سوچ بچار کے بعد وہ اس نتیجے پر پہنچا کہ دراصل ایرانیوں نے اسے ایسا کرنے کی مہلت نہ دی تھی۔ پھر اس نے تصور کی آنکھ سے مقدس تولس کی چوٹی پر ایک شاندار عمارت ابھرتے دیکھی۔ یہ اس کا مقبرہ تھا۔ اس مقبرے کے نیچے تولس کے دامن میں اس کے آبا و اجداد کی قبریں واقع تھیں۔ اسے اب یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کے لیے اب پریشان ہونے اور غور و فکر کرنے کے لیے کوئی چیز باقی نہ رہ گئی تھی۔ اب کروئی سس، لیڈیا کے آخری حکمران کے کرنے کے لیے کوئی کام

باقی رہ گیا تھا۔ اسے کوئی فیصلہ نہ کرنا تھا۔ اس کی تقدیر آگے چل کر کیا گل کھلانے والی تھی۔ وہ یہ نہ جانتا تھا۔

اس نے اپنے بیٹے کو بستر پہ لٹایا اور خود بھی اس کے پہلو میں لیٹ گیا اور آرام سے سوگیا۔

ہر چند کہ سائرس نے اسے کوئی اختیارات تفویض نہ کیے تھے وہ ہر دم اسے صلاح مشورہ کے لیے اپنے ہمراہ رکھتا تھا۔ کروئی سس اپنے رنج و غم پر قابو پا چکا تھا۔ وہ سائرس کے لیے ایک ذہین مشیر ثابت ہوا۔ اسے موسیقی سے دلچسپی تھی اور مختلف سازوں کا استعمال جانتا تھا۔ فاتح ہخامنشی نے اس کے خزانے کو ان کے صندوقوں میں منتقل کیا اور ان کی نگرانی کے لیے پکتاس کو مقرر کر دیا۔ سار دیس کے مالیہ و محصولات کی وصولی کے لیے بھی اس نے پکتاس کو نگران بنایا اور اس کے فرائض پر نظر رکھنے کے لیے تابال کرمانی کو مقرر کیا جو سار دیس میں ایرانی گیریژن کا سالار بھی مقرر ہوا تھا۔

کروئی سس نے کسی نہ کسی طور ایک وفد ڈیلفی کے مہاپجاری کی خدمت میں کسی تحفے یا نذرانے کے بغیر پہنچانے کا انتظام کیا اور اس سے احتجاج کیا کہ اس کی پیش گوئی تو اس کی توقعات کے بالکل برعکس ثابت ہوئی تھی۔ بجائے اس کے کہ وہ ایرانی شہنشاہیت کا خاتمہ کر دیتا، ایرانیوں نے خود اس کی شہنشاہیت کا خاتمہ کر ڈالا تھا۔ اس احتجاج کے جواب میں ڈیلفی کے مہاپجاری نے اسے پیغام بھیجا کہ اس نے اس کی پیش گوئی کو سمجھنے میں عقل استعمال نہ کی تھی۔ وہ نہ سمجھ سکا تھا کہ دریائے ہیلس کو عبور کرنے کے بعد کس شہنشاہیت کی تباہی لازمی تھی۔ مہاپجاری کے اس جواب نے کروئی سس کو یہ سمجھا دیا کہ مذہبی زعماء کسی شہنشاہ کا اس وقت تک لحاظ کرتے ہیں جب تک وہ اقتدار میں رہتا ہے۔ ایک اقتدار سے محروم قیدی شہنشاہ

سے انہیں کوئی ہمدردی نہیں ہوتی۔ نہ وہ اس کا پہلے جیسا لحاظ کرتے ہیں۔ چنانچہ اس کے بعد کروئی سس نے کبھی کسی معاملے میں کسی مہاپجاری یا پروہت سے صلاح مشورہ نہ کیا۔ بلکہ ہخامنشی بادشاہ کا قیدی بن کر ہی اپنی تقدیر پر قانع رہا۔

اور جہاں تک سائرس کا تعلق تھا۔ وہ اناطولیہ کے اس ساحل پر بسنے والے یونانیوں کے رویے سے شدید الجھن میں پڑا ہوا تھا۔

سائرس کا اہل سپارٹا سے ٹکراؤ

ساحل پر شفق کی سرخی پھیلی ہوئی تھی۔ غروب ہوتے سورج کی روشنی باڑوں والے باغات میں ہلکا سا اجالا بکھیر رہی تھی۔ ان باغات کے پس منظر میں آیولی اور آئیونی باشندوں کے مکانات دکھائی دے رہے تھے۔ پہاڑی کے وسیع دامن میں پہاڑی کے سایوں تلے نوجوان لڑکے لڑکیاں نیم فراموش شدہ موسیقی کی تال پر ہاتھوں میں ہاتھ دیئے محوِ رقص تھے۔ ایک اداکار نے اپنے چہرے پر جنگی آدمی کا چہرہ لگا رکھا تھا۔ جس کا چہرہ انسانوں جیسا ہوتا ہے مگر سر پر سینگ ہوتے ہیں اور جس کے ہاتھ انسانوں جیسے ہوتے ہیں مگر پاؤں کی جگہ بھیڑوں بکریوں جیسے کھر ہوتے ہیں۔ یہ جنگی آدمی محض افسانوی کردار ہوتا ہے۔ حقیقت میں اس کا کوئی وجود نہیں ہوتا۔ سورج غروب ہونے کے ساتھ ہی شفق کی سرخی سارے افق پر پھیل گئی۔ سمندر کے اوپر بھی اور اس جزیرے کے اوپر بھی۔ کریٹ میں کنوسوس میں مقبروں پر بدروحیں منڈلا رہی تھیں اور وہ بہادر نوجوان اور حسین دوشیزائیں جو مینوس بادشاہوں کے سامنے رقص پیش کیا کرتے تھے۔ جسم کے ہموار فرش سے غائب ہو چکے تھے۔ ان جگہوں پر اب بحری قزاقوں کی حکمرانی ہو گئی تھی مگر آیونی ساحلوں کی رونقیں ابھی بھی زندہ تھیں۔ نئی دریافت شدہ دولتوں نے ان کے

قدیم تہذیبی ورثے کی حفاظت کی ہوئی تھی۔ لوگ اس ورثے سے آگاہ تھے اور اس کے چھن جانے کے خیال سے خوف زدہ بھی تھے۔ چراگاہوں میں چھوٹے بچے جابجا گیت گاتے پھرتے تھے۔

"پینیلیسس بنزمند اور ساٹھ راج معمار تین سال تک دریا پر پل بنانے کی کوشش کرتے رہے۔ ہر روز وہ پل بناتے تھے اور ہر رات وہ گر جاتا تھا۔"

جب پارس گرد کا رکھوالا سارڈیس سے رخصت ہونے لگا تو اسے سمرنا کی بندرگاہ کے قریب سے گزرنے کا اتفاق ہوا جس کے ذریعے لیڈیوں کا بڑے عزبی سمندر سے رابطہ قائم رہتا تھا۔ اس نے خلیج کے پرسکون پانیوں کا نظارہ کیا۔ ان پانیوں کے اوپر پہاڑوں کی چوٹیوں کا تاج سجا تھا۔ وہ یہ دیکھ کر اچنبھے میں پڑ گیا کہ سفید رنگ عمارات وہاں سے نابود ہو چکی تھیں اور صرف وہ پشتے باقی رہ گئے تھے جن میں یونانیوں کے ہلکے پھلکے جہاز فونیقیوں کے سیاہ رنگ کے مال بردار جہازوں کے پہلو بہ پہلو کھڑے ہوتے تھے۔ اس کے ترجمانوں نے وضاحت کی کہ لیڈیا کے بادشاہوں نے اس ساحل کو فتح کرتے وقت اس امر کا خصوصی خیال رکھا تھا کہ سمرنا کا شہر سارڈیس کا حریف نہ بننے پائے۔ وہ اس بندرگاہ کو استعمال کرتے تھے۔ مگر اس کے شہر سمرنا کو اہم بنانے یا ترقی دینے کی کوئی کوشش نہ کی تھی اور جہاں تک ان مندروں جو ٹیوں کا تعلق تھا۔ تو ایک چوٹی پر دیوتا نیچون کا معبد واقع تھا جو پانیوں کا دیوتا تھا اور دوسری چوٹی پر نیمی سس دیوی کا معبد تھا جو سمندر میں پیدا ہوئی تھی۔ یہ دیوی ان انسانوں کو سزا دیا کرتی تھی۔ جو اپنی قوت و اقتدار پر بے جا غرور و تکبر کا اظہار کرتے پھرتے تھے۔ ترجمانوں نے کروئی سس کا کوئی تذکرہ نہ کیا۔

جہاں ان خوبصورت شہروں کے یونانی زبان بولنے والے باشندوں نے سائرس کو شدید حیرت زدہ کیا اور الجھن میں ڈالا تھا وہاں وہ لوگ اس کی ظاہری شخصیت اور رکھ

رکھاؤ سے انتہائی حیران وششدر ہوتے تھے۔ ان کے نزدیک یہ شخص کا ئرس ''
جیسا کہ وہ سائرس کو کہا کرتے تھے ۔ اپنے سواری کے تنگ پاجامے اور ادنیٰ آستینوں
والی منہ بند روشنی جیسی قمیص میں وہ کوئی شریف آدمی دکھائی دیتا تھا۔ اس نے ان سے
جو سوالات کیے تھے ۔ وہ فلسفیوں جیسے تھے ۔ سیاست دانوں کو اس کی اپنے سے متفق
پالیسیوں پر کچھ کہنے کے لیے کچھ نہ مل سکا تھا۔ وہ آیا تھا۔ کہیں سے بھی نہیں۔ اناطولیوں
اور یونانی جاہلوں نے کبھی آشوریوں یا بابلیوں کی غلامی کا مزہ نہ چکھا تھا۔ یہ البتہ سچ ہے تھا کہ
سوائے ملٹس۔ جیسے پرشکوہ اور متکبر شہر کے ہر شہر فاتح لیڈیوں کا زیر اطاعت رہ چکا
تھا۔ مگر لیڈی سمجھ تہ کرنے والے لوگ تھے اور انہوں نے زرخیز ساحل کی تجارت اور
اندرون ملک تجارت کا سلسلہ آپس میں ملا دیا تھا۔ اس طرح دونوں فریقوں کو یکساں فائدہ
ہوتا تھا اور اب اندرون ملک بسنے والے کائرس اور اس کے مال بردار اونٹوں کے
ساتھ ان پر مسلط ہو چکے تھے ۔
ملٹ آیونی شہروں نے اس کا مطالبہ سن لیا تھا کہ وہ اس کی اطاعت قبول کر لیں ۔
اس پر انہوں نے کہا تھا کہ وہ انہیں وہی سہولتیں اور مراعات عطا کر دے جو انہیں لیڈی
بادشاہوں سے حاصل رہی تھیں۔ اس پر سائرس نے ان کے وفد کو ایک کہانی سنائی ''ایک
بانسری بجانے والا ایک مرتبہ سمندر کے ساحل پر جا پہنچا اور اس نے اپنی بانسری کے ذریعے
مچھلیوں کو ترغیب دی کہ وہ پانی سے باہر نکل آئیں اور اس کے ساتھ رقص کریں۔ اس
پر مچھلیوں نے اس سے کہا کہ اگر وہ انہیں وہی سہولتیں اور آسائش عطا کرنے کا وعدہ کرے
جو انہیں پانی میں رہتے ہوئے حاصل تھیں تو وہ بخوشی باہر نکل کر اس کے ساتھ رقص
کرنے کو تیار ہیں۔ اس پر بانسری والے نے اپنی بانسری ایک طرف رکھی اور ایک جال
لا کر سمندر میں ڈالا اور اس کے ذریعے سمندر سے مچھلیوں کو باہر نکال لیا۔ تب مجبور ہو کر
مچھلیوں کو اس کے ساتھ ناچنا پڑا۔'' اس غلام السیپ کی مانند سائرس نے اس کہانی کا کوئی

اخلاقی سبق نہ سنایا۔ گرآ یونی اس کا مطلب بخوبی سمجھ گئے۔ پھر بھی انہوں نے اسے فوری طور پر کوئی جواب نہ دیا کیونکہ انہوں نے سپارٹا کے لیڈیمونیوں کے پاس قاصد بھیج کران سے درخواست کر رکھی تھی کہ وہ چونکہ مفتوح لیڈیوں کے اتحادی تھے۔ اس لیے وہ ان کی مدد کے لیے اپنی بحری فوج روانہ کریں۔ تاکہ وہ ان عجیب و غریب ایرانیوں سے اپنے ساحل کی حفاظت کر سکیں۔

سپارٹیوں نے بڑی سوچ بچار کے بعد آیونیوں کی یہ درخواست رد کر دی۔ تاہم انہوں نے سائرس کے پاس اسے وارننگ دینے کے لیے ایک وفد ضرور بھیجا۔ اس وفد کا سربراہ لاسینس تھا۔ سائرس نے اسے لیڈیا کے محل کے دربار میں شرف باریابی بخشا۔ اس نے اس وقت سر پر اونچا تاج اور ارغوانی رنگ کی چنٹوں والی عبا پہن رکھی تھی۔ لاسینس نے اسے اپنے حاکموں کا پیغام سنایا۔ کہ سائرس کو اناطولیہ کے ساحل پر بسنے والے یونانیوں کو نقصان پہنچانے سے باز رہنا چاہیے اور ان کے شہروں سے کوئی تعرض نہ کرنا چاہیے۔ اگر اس نے ایسا کیا تو سپارٹی اس پر قہر بن کر ٹوٹ پڑیں گے۔

جب ترجمان اسے سپارٹی حکمرانوں کا یہ پیغام سنا چکے تو سائرس ایک دم آتش زیر پا ہو گیا۔ اسے بخوبی یاد تھا کہ اس نے کوئیس کے ساحل پر سپارٹیوں کو سونے کے تاجروں کے روپ میں دیکھا تھا۔ "ایسے تاجروں کے روپ میں جنہیں سوائے اپنے مالی نفع نقصان کے کسی چیز سے دلچسپی نہیں ہوتی۔ اس نے جواب دیا۔ "مجھے ایسے لوگوں سے ڈر نہیں کوئی ضرورت نہیں جو منڈیوں میں جمع ہو کر رہتے ہیں اور اپنے مال تجارت کے بارے میں لے کر بحث و مباحثہ میں لگے رہتے ہیں اور ایک دوسرے کو لوٹنے اور دھوکہ دینے کی نت نئی ترکیبیں سوچتے رہتے ہیں۔ اگر میری زندگی نے مجھ سے وفا کی تو سپارٹی ایک نہ ایک دن اپنے حلیف آیونیوں کی نہیں بلکہ اپنی قسمتی

بردہیں گے۔"

لابینس اس کا یہ جواب لے کر سپارٹا چلا گیا اور اپنے حکمرانوں کو سائرس کے جواب کے علاوہ وہ سب کچھ بتادیا جو اس نے اناطولی ساحل پر دیکھا تھا۔ چنانچہ سپارٹا سے کوئی بحری بیڑہ مشرق کی طرف نہ روانہ کیا گیا۔

سائرس نے سپارٹیوں کے اس احمقانہ چیلنج کو کبھی فراموش یا معاف نہ کیا اگر وہ مغرب میں دور دراز تک سفر کرتا تو وہ صنوبران کے شہر کو فتح کر لیتا اور تاریخ کا ایک نیا باب رقم کرتا۔ مگر اس کے راستے میں سمندر پڑتا تھا اور اسواران کے بہادر گھوڑوں کی پشت سے اتر کر جہازوں میں بیٹھنا اور سمندر کا سفر کرنا پسند نہ کرتے تھے اور جہاں تک کروئی سس کے دوسرے اتحادیوں کا تعلق تھا۔ وہ سائرس کے لیے کسی فوری پریشانی کا سبب نہ بنے۔ کلدانی اس کے ساتھ عدم جارحیت کا معاہدہ کیے ہوئے تھے۔ جب کہ مصریوں نے ایک مکمل طور پر شکست خوردہ شہنشاہ کی مدد کے لیے کوئی امدادی فوج بھیجنے کو حماقت خیال کیا۔ مصریوں کے بحری جہاز پہلے کی مانند یونانی جہازوں کے پہلو بہ پہلو لوہا، شراب، خشک میوے، قیمتی لکڑی اور مچھلی ایک بندرگاہ سے دوسری بندرگاہ لے جاتے رہے تجارت کرتے رہے۔ سامان فروخت کرتے اور خریدتے رہے اور بالی بناتے رہے۔

سمندر سے زیادہ پر یونانیوں کے ذہن تھے جنہوں نے سائرس کو کچھ زیادہ ہی الجھن میں ڈال دیا تھا۔ وہ اس جگہ رہتے ہوئے عجیب سی بےچینی محسوس کرنے لگا تھا۔ "اس جگہ ہم ایسی مچھلیوں کی مانند ہیں جنہیں پانی سے باہر نکال دیا گیا ہو۔" اس نے اپنے مشیروں سے کہا۔

یہ سب کچھ ایسی صورت میں پیش آ رہا تھا جب ایرانیوں اور میدیوں نے اپنی سرزمین سے باہر ایک اجنبی سرزمین پر قدم رکھا تھا۔ بحر گیاہ جیسے دور دراز کے علاقے میں انہیں

وہاں کے عجیب و غریب باشندوں سے واسطہ پڑا تھا۔ مثلاً لرما کا ورتوں کے قبیلے
شوشان کی زرخیز سرزمین پر سائرس جارحیت کی غرض سے داخل ہوا تھا گو اب گوبارو
اس کا منہ بولا باپ بن چکا تھا۔ اس کی عقل و فہم پر سائرس پوری طرح سے بھروسہ کر سکتا
بصورتِ دیگر اس کے پیچھے اس کے زیرِ تسلط علاقوں کی وہی حالت ہوتی جیسا کہ میدی بادشاہ
کے ماتحت ہوا کرتی تھی۔ وہ بلند زمین جن کی سطح میدانوں سے بہت بلند تھی جس میں پارس
گرد، میڈیا اور آرمینیا شامل تھے اور کیسپے دوشیا کا بلند سطح مرتفعاتی علاقہ بھی شامل تھا،
ایک سلسلے کی صورت میں آپس میں منسلک نہیں۔ گرمان کی تہذیبیں جدا جدا تھیں اور محلِ
وقوع بھی مختلف تھے ان سب جگہوں پر سائرس نے قابلِ اعتماد قسم کے ایرانی سرداروں
کو گورنر یا "خوشتر پاوان" مقرر کیا تھا۔ انہیں یونانی ستراب کہا کرتے تھے۔
سپارہ دا کی نئی سترابی ان سردیوں میں اس نے خود اپنے ہاتھ میں رکھی اور کروئی سس
کو اپنا مشیرِ خاص بنایا۔ محل کی بلندیوں کے نیچے ہری بھری زرخیز وادیاں بکھری ہوتی
تھیں۔ جن میں ہر قسم کے اناج پھل اور میوے پیدا ہوتے تھے۔ جہاں فربہ اور صحتمند
مویشیوں کے لیے بہترین چراگاہیں تھیں۔ جن سے بھاری تعداد میں گوشت، دودھ
پنیر حاصل ہوتا تھا۔ جہاں زیتون کے درختوں کے جنگل پھیلے ہوتے تھے۔ یہاں
تلوں کے تیل کی بجائے زیتون کا تیل کھانے کو ملتا تھا اور ایرانی مرغیوں کی بجائے
وہ چکوروں اور تیتروں کا گوشت کھاتے تھے۔ کروئی سس کو اپنے ان باورچیوں
پر بڑا ناز تھا۔ جو رنگا رنگ قسما قسم کھانے پکانے میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ یہ لذیذ
قسم کی چٹنیاں تیار کرنے میں خصوصی مہارت رکھتے تھے۔ یہ کھانے کی پلیٹیں کو پانی
سے نہیں بلکہ شرابوں سے دھویا کرتے تھے۔ لیکن سارڈیس کی وادی سمندر سے بہت
دور واقع تھی۔ وہاں بسنے والے لیڈی باشندے آیونی کہلاتے تھے جو راگ اور موسیقی
سے محبت رکھتے تھے۔ گو یونانیوں کی مانند وہ بانسریاں پسند کرنے کی بجائے وہ بربط بجانا

زیادہ پسند کرتے تھے۔ یونانی بہت عرصہ پہلے آئیونیوں کے ساتھ اس علاقے میں داخل ہوئے تھے اور آبریلیوں کے رنگ میں رنگے گئے تھے۔ سائرس نے اس جگہ کو "یاوانا" یا ساحل کا نام دیا۔

کروئی سس لیڈی روایات کی کہانی سنا سکتا تھا۔ جو کسی قدر ہخامنشی روایات سے ملتی جلتی تھیں۔ کیونکہ لیڈیوں اور ایرانیوں کے اسلاف آریا تھے اور آریاؤں میں بڑے بہادر فاتحین اور بادشاہ وغیرہ ہو گزرے تھے۔ ان اسلاف میں ایک میڈاس بادشاہ تھے۔ جو بٹا فرجیا تھے۔ انہوں نے جیتوں کو حتی سرزمین سے بے دخل کیا تھا اور بادشاہ پریام جس نے مغرب کے بادشاہ اگامنان کے سمندری لیٹروں کے حملوں کو ایک عرصہ یک روکے رکھا تھا اور یہ سب کچھ دس سال کے عرصہ میں پیش آیا تھا۔ کروئی سس نے سائرس کو بتایا تھا۔ جسے اس کی بات پر مشکل ہی یقین آ سکا تھا۔

" ان سمندری مہم جوؤں نے ٹرائے کو فتح کر لینے کے بعد اس کے ساتھ کیا کیا تھا؟"

کروئی سس نے اسے بتایا کہ انہوں نے ٹرائے کی چند عورتیں پکڑ کر اپنے دیوتاؤں کی بھینٹ چڑھائی تھیں اور مال غنیمت سمیت کر جہازوں میں سوار ہو کر وہاں سے چلتے بنے تھے۔ اب ٹرائے کھنڈر بن کر رہ چکا تھا۔ سمندر کے کنارے وہ مقام جہاں بحری مال تجارت پر محصولات وصول کیے جاتے تھے۔ وہ بھی برباد ہو چکا تھا۔

" ایک ویران اور اجاڑ سی جگہ جلد ہی بنجر ہو جایا کرتی ہے۔" سائرس بولا۔ "کیونکہ وہاں کاشت کاری کرنے والا جو کوئی نہیں ہوتا۔"

اس نے اپنے سفروں کے دوران بہت سے کھنڈرات دیکھے تھے۔ انہیں دیکھ کر اسے یوں محسوس ہوا تھا جیسے نچلی سرزمینوں پر آباد لوگوں کو بس مضبوط قلعے بنانے کا ہی خبط تھا۔ جہاں وہ اپنے خزانے محفوظ رکھتے تھے۔ انہوں نے اپنے شہروں

کو بھی فصیل دار بنایا ہوا تھا۔ ایسے قلعوں اور شہروں کو صرف تحفہ اپنے لوٹنے کے لیے فتح کیا جاتا تھا۔ یہ تقدیر کا تماشا ہے۔"

"تقدیر کیا ہے ؟"

گہری سانس بھر کر کرتی سس نے کہا کہ یہ ایک اسرار تھا۔ جس کی تہہ تک انسانی ذہن پہنچنے سے قاصر رہا تھا۔ اس اسرار کو انسانوں پر کبھی عیاں نہ کیا گیا تھا۔ ہیلینک یونانی فلاسفروں کا عقیدہ تھا کہ دکھائی نہ دینے والی دیویاں انسانی زندگی کے تانے بانے گھماتی ہیں بنتی ہیں اور کاٹتی ہیں۔ سائرس کو یہ بات عجیب معلوم ہوئی کہ نادیدہ قوتیں جو شکل و صورت میں انسانوں سے مشابہت رکھتی تھیں۔ ایک چرخے پر انسانوں کی زندگیوں کو دھاگے کی مانند بنتی تھیں۔ کرتی سس اور دوسرے لیڈیوں سے یونہی سوال جواب کرنے کے بعد سائرس کو مبش پسند آیونیوں کے ذہنوں کو سمجھنے میں کوئی دشواری پیش نہ آئی۔ اس نے فیصلہ کیا کہ اسے ان پر ایک نرم دل ستراپ یا گورنر مقرر کرنا چاہیئے۔ آیونی ساحل کے قریب ہی جزیرہ لیسبوس واقع تھا۔ جہاں کی عورتوں نے بھی شعر و شاعری میں بڑا نام کمایا تھا ان شاعرات میں سیفو کا نام زندہ جاوید ہو چکا ہے۔

ہخامنشی بادشاہ نے یہ بھی دیکھا تھا کہ اسے مقامی آبادی کے معاملات میں ہرگز مداخلت نہیں کرنی چاہیئے۔ انشان میں قبیلے میں جھگڑے اور اختلاف خود ہی طے کر لیتے تھے۔ سائرس نے ان سے شناکف وصول کیے تھے اور خطرے کے وقت ان کی راہنمائی کی تھی۔ اس نے جس قسم کے قوانین رائج کیے تھے۔ وہ ایرانیوں کے قوانین تھے اس زرخیز اور پرسکون ساحل پر اسے کسی قسم کا خطرہ محسوس نہ ہوتا تھا۔ یونانیوں کے کہنے کے مطابق سامری یا سیمری، جو دوزخ کی مخلوق تھے تین صدیاں قبل افق کے اس پار غائب ہو چکے تھے۔ اس لیے سائرس کو کسی بیرونی حملے کی فکر نہ تھی۔ اسے صرف یہ کرنا تھا کہ اس ساحل پر رہنے والوں کو آپس میں متحد کر دے تاکہ وہ اپنی حفاظت خود کر سکیں اور اپنی بہبودی و فلاح

کی خود فکر کر سکیں۔

اس نے ان سے صرف ایک ہی مطالبہ کیا، وہ یہ تھا کہ وہ اس کی اطاعت غیر مشروط طور پر قبول کرلیں۔ اس نے انہیں بتایا کہ وہ بہت سے علاقوں کو فتح کر کے انہیں اپنے زیرِ اطاعت لانا چاہتا تھا اور ایک وحدت کی بنیاد رکھنا چاہتا تھا۔

پھر جب اس نے جنوبی ساحل کے ایوانیوں کے بارے میں اظہار رائے کیا تو اس مرحلے پر کروئی سس نے اس کی مخالفت کی۔

"یونانی صرف ایک ہی بات جانتے ہیں۔ یعنی انہیں کبھی آپس میں متحد نہیں ہونا چاہیے اور نہ کسی ایک نقطے پر متفق ہونا چاہیے۔"

"ان کے لیے قبائلی جلسوں کا نظام ہی بہتر رہے گا۔"

آیونی صرف سارڈیس میں مل جل کر رہتے تھے۔ کروئی سس نے کہا۔ جہاں ان کے فنکاروں کو بہتر معاوضہ ملاکرتا تھا ایک مرتبہ لکڑی کے ایک ٹکڑے پر بنائی ہوئی تصویر کا معاوضہ اس نے اس لکڑی کے ٹکڑے کے وزن کے برابر سونے کی صورت میں ادا کیا تھا۔ وہ کوہ ٹمول کے دامن میں اپنی مذہبی رسومات ادا کیا کرتے تھے۔ ان میں قبائلی نظام رائج نہ تھا بلکہ انہوں نے اپنے لیے الگ الگ پولس یا شہر بنا رکھے تھے۔ جو ایک دوسرے کے حریف ہوا کرتے تھے۔ ان کے درمیان سمندری تجارت کے سلسلے میں بھی رقابت چلا کرتی تھی۔ کروئی سس نے کہا کہ اس نے آیونیوں سے ہمیشہ نرم دلی اور رواداری کا سلوک کیا تھا اور انہیں ایفی سس میں کئی ستونوں والی دیوی آرتمیس کا بڑے بڑے صحنوں والا معبد بنانے کی اجازت دے دی تھی یہ اس وقت کی بات تھی جب وہ فوکیا کا محاصرہ کرنے پر مجبور ہوا تھا اس کے علاوہ یونانی مہاجروں کے بڑے بڑے قافلے، جن کا تعلق کورنتھ اور دیوی ایتھنا کے شہر ایتھنز سے تھا اس وقت نئے ساحلوں کی تلاش میں نکلے ہوتے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ایتھنز کے ظالم گورنر پیسس ٹراٹس نے اپنے سیاسی حریفوں سے چھٹکارا حاصل

کرنے کے لیے انہیں جہازوں میں سوار کرکے آیونیا روانہ کر دیا تھا۔ پھر یہ خالی جہاز اس کے محل کی تعمیر کے لیے اسفالٹ، جپسم اور سیب کی لکڑی لے کر ایکتنز واپس ہو لیے تھے۔

سائرس نے یونانیوں کے متعلق یہ فیصلہ دیا کہ یہ لوگ بہادر، جرأت مند، اور باذوق تھے۔ سنگتراشی اور مصوری میں انہیں کمال حاصل تھا۔ وہ چھوٹی چھوٹی چیزوں کو بھی حسن و دلکشی عطا کر دیتے تھے مگر ان کے اس فنکارانہ کمال کا کیا مقصد تھا؟ وہ اس سے اپنے لیے کیا چیز تخلیق کرنا چاہتے تھے۔ یعنی مجموعی طور پر؟ اس سوال کا جواب حاصل کرنے کے لیے سائرس نے آیونی سرداروں اور فلسفیوں کو سارڈیس میں جمع کیا۔[1] نے انہیں سمرنا، فکایتا، تیوس، الیفی سس اور ملی تس سے اور سب سے بڑھ کر غلام الیسپ کے جزیرے ساموس سے علیحدہ علیحدہ بلوایا تھا۔

ملی نس کے دانا مرد

ایرانی اور آیونی یونانی جب آپس میں ملے تو انہیں ایک دوسرے سے گہری مشابہت کا علم ہوا۔ وہ ایک دوسرے کو اس طرح دیکھ رہے تھے جیسے وہ آپس میں دور پار کے رشتہ دار ہوں۔ لیکن اپنے آریا اسلاف کی طرف سے ان کے درمیان جو خونی رشتہ موجود تھا۔ اب وہ عرصہ گزرنے کے بعد مختلف ثقافتوں اور مختلف طور و طرائقِ زندگی کی بدولت ختم ہو چکا تھا۔ ایرانیوں نے اپنے مویشیوں کے گلوں کے ساتھ سمندری ساحلوں سے دور اندرونی سرزمینوں کی طرف ہجرت کی تھی۔ جب کہ ڈورین یونانیوں کی ہجرت چھوٹے چھوٹے ساحلوں تک محدود رہی تھی جو بعد میں بڑے بڑے شہر بن گئے تھے۔ ایرانی جو ہنگامی حالات کے عادی تھے۔ اپنے طور ہر فن مولا تھے، اور بہت عملی قسم کے انسان تھے۔ جب کہ یونانی علوم و فنون سے محبت کرنے والے رنگینیوں کے شوقین واقع ہوتے تھے۔ جنگجوؤں کی حیثیت سے یونانی دھات کی زرہ بکتروں، بھاری ڈھالوں اور تلواروں کے ساتھ ایرانی گھڑ سوار نیزہ بازوں سے یکسر مختلف دکھائی دیتے تھے۔

پہلے پہل سائرس ان لوگوں پر اعتماد کرنے پر آمادہ نہ ہوا جو کمزور اور نازک سے جہازوں میں سوار سمندروں میں فضول فضول سی چیزیں فروخت کرتے پھرتے تھے ایسے

ان کے امراء بھی، جن کا تعلق شریف خاندانوں سے تھا، سوداگر دکھائی دیتے تھے۔ حمن کے کارکن غلام ہوتے تھے۔ فنکائی اور تیانی اپنی بندرگاہوں کے بارے میں بہت لاف زنی کرتے تھے۔ پارس گرد میں تجارت کاروانی قافلوں کے لیے ہی مخصوص سمجھی جاتی تھی۔ جو سندھ جیسے دور دراز کے علاقوں سے شوشان آتے تھے اور بابل تک کا سفر کرتے تھے۔ پہلا یونانی جس سے سائرس کو ملنے کا اتفاق ہوا تھا، یوری باٹس تھا۔ جو چالاک غدار ثابت ہوا تھا۔ یوری باٹس نے اپنے شہر الیفی سس کی خدمت بجا لانے کے لیے ساردیس سے غداری کی تھی۔ وہ برابر سائرس کو اس بات پر آمادہ کرنے کی کوشش میں لگا رہتا تھا کہ وہ الیفی سیوں کو اپنا مطیع بنانے کی بجائے اپنا اتحادی بنا لے اور اس طرح ان کی عزت افزائی کرے۔

پکتائس جسے سائرس نے محصولات جمع کرنے کے کام پر مقرر کر رکھا تھا، بھی الیفی سس کی تعریف میں رطب اللسان رہتا تھا۔ وہاں بہت سے سینوں والی دیوی آرٹیمس کا معبد بھی واقع تھا۔

"اگر وہ تمہاری بڑی دیوی ہے" سائرس نے دریافت کیا "تو وہ یہاں مختلف کیوں نظر آتی ہے۔ وہاں تو اسے دھرتی ماں کہا جاتا ہے"۔

تیز فہم یونانیوں کو ہخامنشی بادشاہ کے اس سوال کا فوری جواب دینے میں کچھ دشواری پیش آئی۔ وہ الجھن آمیز باتوں کی سیدھی سادی سی تشریح چاہتا تھا۔ وہ یہ قیاس کیے ہوئے تھا کہ روئے زمین پر اگر ایک جگہ ایک قسم کی دیوی یا دیوتا ہو گا تو ویسا ہی ہر جگہ ہو گا۔ پکتائس نے صرف اتنا ہی تبصرہ کیا کہ الیفی سیوں کی دیوی آرٹیمس کے اسرار سے صرف عورتیں ہی واقف تھیں۔ وہ اس کے سالانہ تہوار کے موقع پر اس دیوی کی پوجا کرنے کے لیے اپنے شہروں سے الگ ہو جاتی تھیں۔ اس دیوی کی پوجا کی ایک رسم یہ تھی کہ اس موقع پر وہ اپنے آپ کو اجنبی مردوں کے حوالے کر دیتی تھیں اور ان

مردوں سے حاصل ہونے والے تحفے معبد کی نذر کر دیتی تھیں۔ معبد کی بہت عزت کی جاتی تھی۔ اس میں بڑی دولت جمع تھی جس میں اضافہ ہی ہوتا رہتا تھا۔

"اگر ایسا ہی ہے تو وہ سکے جو تم ہر سال ایفی سس سے وصول کرتے ہو، وہ انہی یادانی عورتوں کے ہاتھوں سے گزر کر تم تک پہنچتے ہیں؟"

"ہاں، اے عظیم بادشاہ تم نے سچ کہا ساحلی محصولات سے بھی ایفی سس کو خاصی آمدنی ہوا کرتی ہے۔"

پھر جب سائرس ایک آیونی شہر کی سیر کرنے کے لیے سار دیس سے روانہ ہوا تو راستے میں اس نے ایفی سس، فکا ئیا اور تیوس کی بھی سیاحت کی۔ دریائے میینڈر کے مڑتے بل کھاتے دھارے کے ساتھ ساتھ سفر کرتا ہوا وہ ملی تس پہنچ گیا۔ جو ساحلی شہروں میں سب سے زیادہ اہم شہر گنا جاتا تھا۔ وہ پہاڑیوں اور باغات کے درمیان واقع دھوپ سے چمکتی وادی میں پہنچ کر گھوڑے سے اتر گیا۔ ملی تسیوں پر کوئی حاکم مسلط نہ تھا جو ان کے امور کی دیکھ بھال کرتا یا شاہی مہمان کا اس کے شایانِ شان استقبال کرتا۔ وہ لوگ جو سائرس کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسے بیش بہا قیمت تحائف پیش کیے اپنے آپ کو فلسفی اور سائنس داں کہتے تھے۔ انہوں نے بلا چون و چرا اسے اپنا بادشاہ تسلیم کیا۔ حالانکہ انہوں نے کروئی سس کے معاملے میں ایسا کرنے سے صاف انکار کر دیا تھا۔ پھر انہوں نے سادگی سے اس سے دریافت کیا کہ آخر وہ ان سے کیا چاہتا تھا۔ انہوں نے کہا کہ وہ لوگ اتنے مصروف تھے کہ ان کے پاس سیاسیات کے موضوع پر سوچنے کا وقت بھی موجود نہ تھا۔

سائرس کبھی نہ سمجھ سکا کہ آخر ان یونانیوں کا لفظ "سیاسیات" سے کیا مطلب تھا؟ اسے یہ ایک ایسی چیز معلوم ہوئی جو ان کی مصروفیات میں مداخلتِ بے جا کی حیثیت رکھتی تھی اگر ان پر کوئی حاکم مقرر کیا جاتا تو وہ شاہ ان کی مصروفیات میں مخل ہوتا اور انہیں اپنی مرضی کے مطابق چلانے کی کوشش کرتا۔ ورنہ وہ ایسے لوگ تھے۔ جو کسی قاعدہ قانون کو نہ مانتے تھے نہ کسی کی حاکمیت تسلیم کرتے تھے۔ وہ سمجھ گیا کہ ملی تسیوں نے سیاسیات اور پالیسی دونوں کا

معاملہ اس پر چھوڑ دیا تھا۔ اور ایسا انہوں نے ٹھیک ہی کیا تھا، کیونکہ وہ ان کا بادشاہ تھا۔

روایاتی طور پر ملی سیوں کے پاس اپنی خود مختاری کے علاوہ اور کچھ دکھانے کو کچھ موجود نہ تھا۔ ان کے آباؤ اجداد عرصہ پہلے جزیرہ کریٹ سے ہجرت کر کے آئے تھے۔ ملیتسیوں کا دعویٰ تھا کہ وہ ماضی پر کبھی نظر نہ ڈالتے تھے۔ بلکہ ان کی نظریں ہمیشہ اپنے مستقبل پر جمی رہتی تھیں۔ وہ بہت آگے کی باتوں کے متعلق سوچتے تھے۔ لیکن سائرس نے دیکھ لیا تھا کہ ان کی گلیوں میں شوشان جیسے چار پہیوں والے چھکڑے رواں تھے۔ وہ اپنے الفاظ اسی بھیڑ کی کھال پر آرامی زبان میں تحریر کرتے تھے۔ وہ ساردیس کی دو پھلوں والی کلہاڑیوں سے لکڑیاں کاٹتے تھے۔ ایسے ہتھیاروں کا استعمال انہوں نے مشرق میں بسنے والے سے سیکھا تھا۔ وہ مصریوں کی ایجاد کردہ آفتابی گھڑیاں استعمال کرتے تھے۔ جن میں ایسے ڈائل لگے ہوتے تھے جو سایوں کی مدد سے وقت بتاتے تھے۔ ان میں ایک سوئی ہمیشہ شمالی جانب رہتی تھی۔ ان لوگوں نے اتنی دنیا کا نقشہ بھی تیار کر رکھا تھا جتنا کہ انہیں علم تھا۔

ملیتس کے ان سائنس والوں نے بڑے بڑے چبوتروں میں بڑے نازک قسم کے آلات نصب کر رکھے تھے۔ ان آلات کی مدد سے وہ آسمان کے ستاروں اور سیارگان کی حرکت کا مشاہدہ کرتے تھے۔ یہ سائنس دان سائرس کو اپنے ہمراہ اپنے ایک بادشاہ تھیلیس کے مرمریں مقبرے میں لے گئے۔ جو پہلے نمک کا سوداگر ہوا کرتا تھا اور کروئی سس کے ہمراہ سفر کیا کرتا تھا۔ در حقیقت یہ تھیلیس ہی تھا جس نے چالیس سال پہلے لیڈیا اور میڈیا کی جنگ کے دوران سورج کو گہن لگنے کی پیشین گوئی کی تھی۔ جس نے طرفین کو خوفزدہ اور بدحواس کر کے آپس میں صلح کر لینے پر مجبور کر دیا تھا۔ تھیلیس نے کلدانیوں کی لکھی ہوئی ان تختیوں کا مطالعہ کر رکھا تھا جس میں انہوں نے چھبیس ہزار سال کی سورج کی گردشیں اور گرہنوں کا حساب لکھا ہوا تھا۔

جس چیز نے سائرس کو دلچسپی لینے پر مجبور کیا تھا وہ ملیتسیوں کا زمین کا ایک سیارے کی حیثیت سے بہت سے دوسرے سیاروں میں گھرے ہونے کا نظریہ تھا۔ انہوں نے یہ بھی

دریافت کیا تھا کہ کائنات کے دوسرے جو سیارے تھے وہ اپنے محوروں کے گرد گردش کرتے تھے۔ ان کا اعتقاد تھا کہ زندگی کی بقا کے لیے ہوا کے علاوہ پانی بھی ضروری ہے۔ زندگی کا ایک عنصر پانی ہے۔ اور زمین پر اس وقت جو زندگی موجود تھی۔ وہ اپنے ارتقا کی اونچی سے اونچی منزلیں طے کر رہی تھی۔ ابھی اسے اور ارتقائی مراحل سے گزرنا تھا۔ ان کا کہنا تھا کہ ہر چیز کو اپنی موجودہ حالت کو پہنچنے میں صدیاں لگی تھیں۔ پانی کی مچھلی کو انسان کا روپ اختیار کرنے میں زمانے لگے تھے (یعنی انسان قدیم زمانوں میں مچھلی بھی ہوا کرتے تھے)

"اناز یماندار نے کہا ہے کہ اگر انسان اپنی موجودہ حالت و صورت میں زمانوں پہلے پیدا ہوا ہوتا تو اس وقت تک روئے زمین پر اسکا کوئی وجود نہ باقی نہ رہتا۔"

ان کی یہ باتیں سن کر سائرس کے ذہن میں سورج کا خیال آیا جو تمام سیارگان میں پُرشکوہ اور شاندار تھا۔ جو تمام دیوتاؤں کا دیوتا تھا۔ اسے آگ کا خیال آیا جو قدرتی قوتوں کی مظہر سمجھی جاتی تھی اور پانی جو زندگی کے لیے ضروری خیال کیا جاتا تھا۔ چونکہ ملی تس اپنے آلات پر عمل کام کیا کرتے تھے۔ سائرس میں اپنے ذہن میں ان کے نتائج کا اندازہ لگا لیا کرتا تھا ہر چند کہ ایسا کرنا تحریری کام کے بغیر خاصا مشکل تھا۔

اس نے اس نظریے کو پسند کیا کہ انسانوں نے ابھی اپنی نشوونما کے بہتر سے بہتر ارتقائی مدارج طے کرنے تھے۔ اور ایسا انہوں نے تقدیر کے نادیدہ ہاتھوں کی مدد کے بغیر کرنا تھا۔ اس نے دیکھا کہ ملی تس اپنے باغات کی بہترین طریقوں سے آبپاشی کرتے تھے۔ وہ پائپوں کے ذریعے پہاڑوں سے پانی باغات میں پہنچاتے تھے۔ یہ ایک ایسا میکنزم تھا جس سے ایرانی نا آشنا تھے۔ ان سے اخراج لینے کی بجائے سائرس نے انہیں کمانشس کے سکوں سے بھرا ہوا ایک صندوق عطا کیا۔ تاکہ وہ اپنے لیے مزید سائنسی آلات خرید سکیں۔ اور اس سخاوت کے عوض اس نے ان سے کہا کہ وہ ان میں سے ایک سے ایک سائنس دان کو اپنے ہمراہ پارس گرد لیا تھا۔ دوسرے آیونی شہر اس بات کا انتظار کر رہے تھے کہ سائرس آئندہ کیا کرنے والا تھا۔

نئی گھاس اگنے سے پہلے اس نے سارڈیس سے رخت سفر باندھا۔ اور فوج کے بڑے حصہ اور ان اسباب سے لدے چھکڑوں اور اونٹوں کے ساتھ جن پر لمبی رسیوں کے دبے ہوئے پانی کے پائپ بھی لدے تھے، وہ سارڈیس سے رخصت ہو پڑا۔ اس نے اعلان کر دیا تھا کہ وہ اکبتانا واپس جا رہا تھا۔ وہاں سے اس کا ارادہ پارس گرد جانے کا تھا۔ اس کے ہمراہ کوئی یرغمالی نہ تھے۔ صرف گرد کی سس اور اس کا بہرہ بیٹا ہی اس کے ہمراہ تھے۔ ایرانیوں اور میدیوں کی افواج بلندیاں چڑھتے چڑھتے اس جگہ جا پہنچیں جہاں میڈاس بادشاہوں کا قلعہ بند شہر موجود تھا۔ سائرس نے وہاں پڑاؤ ڈال دیا۔ اور اس وقت کا انتظار کرنے لگا جب چراگاہوں میں نئی گھاس اگ آتی۔ درحقیقت وہ وہاں یہ دیکھنے کے لیے رک گیا تھا کہ اس کی عدم موجودگی میں آیونی کیا کرتے تھے۔

اگلے چاند کو ایک ہرکارہ سارڈیس سے یہ خبر لے کر آیا کہ پکٹاس تمام مال و دولت سمیت سارڈیس سے فرار ہو چکا تھا۔ اس نے آیونی بندرگاہوں سے کرائے کے سپاہی اکٹھے کیے تھے۔ اور اب اس کی فوج نے سارڈیس کا محاصرہ کر لیا تھا۔ جہاں کا کمانڈر سائرس نے تابال کو بنایا تھا۔ تابال کے محل میں سارا خزانہ بھی تھا۔

ہارپیگ، آیونیا کا ستراپ

مارٹس نے یکتاٹس کی نمک حرامی کی خبر سنتے ہی کروئی سس کو تلاش کیا۔ وہ اس وقت شراب پینے کے ساتھ ساتھ ہڈیاں پھینکنے کا کھیل کھیل رہا تھا۔

"غلام تمہارے کس کام آتے ہیں؟" اس نے دریافت کیا۔

ہڈیوں کو ایک طرف ہٹاتے ہوئے کروئی سس نے وضاحت کی کہ غلام اپنے مالکوں کے کھیتوں اور کانوں میں کام کیا کرتے تھے۔ اور گھریلو کام بھی وہی انجام دیا کرتے تھے۔ اگرچہ ایک غلام روپیہ بچا کر کسی کان میں اپنے لیے حصص خرید سکتا تھا یا اپنے لیے زمین کا ایک ٹکڑا خرید سکتا تھا۔ مگر پھر بھی وہ غلاموں کے طبقے کا فرد ہی گنا جاتا تھا۔

"کیا اس کی کوئی وجہ موجود ہے" مارٹس نے پوچھا "کہ میں نے تمہارے لیڈیوں کو غلام کیوں نہیں بنا لیا۔ اور انہیں اگبتانا کیوں نہیں بھیج دیا۔ تاکہ وہ وہاں ایسے ہی کارآمد کام انجام دے سکیں؟" پھر اس نے خود ہی کروئی سس کو کرائے کی فوج کی بغاوت اور اس کے سارڈیس کے محاصرے کے بارے میں بتایا۔ "اب بتاؤ۔ مجھے تمہیں یوں قید رکھنے کا کیا فائدہ ہوگا، تم جو لیڈیوں کے باپ کہلاتے ہو، وہ بھی ایسی صورت میں جب تمہارے بچے میرے خلاف ہو جائیں؟"

کروئی سس نے محسوس کیا کہ ہخامنشی بادشاہ اس وقت شدید غصے میں تھا۔ اسے پہلی مرتبہ اپنی زندگی خطرے میں محسوس ہوئی۔ یکتائس کو سزا دے دو میرے آقا۔ اسے واقعی اپنی حکمرانی کی سزا ملنی چاہیے۔ لیکن ــــ" اس نے محتاط رویہ اختیار کیا۔ "لیکن ایک آدمی کے جرم میں ایک اتنے اچھے شہر کو کھنڈر نہ بناؤ۔"

اس پر سائرس نے کہا کہ یہ یونانی تھے جو ساردیس میں غارتگری مچانے کے خوش مند تھے۔ کروئی سس نے تیز ذہین پایا تھا۔ اور سائرس اس پر اعتماد بھی کرنے لگا تھا۔ اس لیے وہ اکثر بڑی باتیں بڑی جرأت مندی سے اس کے سامنے کہہ جاتا تھا۔

"اگر لیڈی واقعی مبکر ہے ہیں۔ تو تمہیں یقین ہونا چاہیے کہ وہ آئندہ کبھی تمہارے خلاف ہتھیار نہ اٹھائیں گے۔"

"کس طرح؟"

"شاید وہ خود ہی اپنے بدترین دشمن ہیں۔ مجھے یہ یقین ہے کہ وہ تمہارے ایسے بدترین دشمن کبھی نہ بن سکیں گے۔ تم دیکھتے ہو کہ وہ کچلی ہوئی خواہشات کے مارے ہوئے ہیں۔ اس لیے انہیں وہ عطا کر دو جس کی انہیں خواہش ہے اور ان سے وہ چھین لو جس سے وہ خود کو نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ ان سے ان کے تمام ہتھیار لے لو۔ انہیں حکم دے دو کہ وہ اپنے لبادوں کے نیچے سپاہیانہ نہیں بلکہ سادہ لباس پہنیں۔ ان سے کہو کہ وہ اپنے آپ کو خوش کرنے کے لیے بربط اور بانسریاں سنبھالیں اور اپنے گھروں کی طرف توجہ دیں۔ گائیں بجائیں۔ آرام دہ گھریلو زندگیاں گزاریں۔ اس وقت وہ اپنی عورتوں کی مانند بے ضرر بن جائیں گے۔" اتنا کہتے ہوئے کروئی سس بے ساختہ ہنس پڑا۔ اسے اپنے الفاظ ہی خاصے مضحکہ خیز معلوم ہوئے تھے۔

سائرس کچھ کہے بغیر اس کے پاس سے اٹھ کر اپنے سالاروں کی طرف چلا گیا۔ اور انہیں مجلس مشاورت منعقد کرنے کا حکم دیا۔ اس مجلس مشاورت میں شرکت کے لیے

تمام سردار فوراً ہی دوڑتے آئے ۔ کیونکہ سائرس کا اصول تھا کہ اگر کوئی سردار اس کے حکم کی تعمیل میں ذرا سی دیر بھی کرتا تھا تو وہ اس کی جگہ کسی اور کو دے دیا کرتا تھا ۔ بہت سے سالاروں نے اسے مشورہ دیا کہ وہ بلا تاخیر واپس ہوئے ۔ اور اس بغاوت کو کچل دے ۔ ایک سالار مازرس نے ، جو ایک پرانا میدی جرنیل تھا ۔ البتہ باقی سالاروں کی اس تجویز سے اتفاق نہ کیا وہ استیاگس کی ملازمت میں رہتے ہوئے جنگوں کے بے شمار تجربات حاصل کر چکا تھا۔

"بغاوت جنگ نہیں ہوا کرتی ۔ محض ایک دردِ سر ایک مصیبت ہوا کرتی ہے "

مازرس نے کہا تھا غیر فوجی آبادی ان حالات میں مویشیوں کی مانند اکٹھی ہو جایا کرتی ہے تم اگر انہیں قصور وار قرار دیتے ہوئے ان کے قتل عام کا حکم دو گے تو ان میں جو باقی بچیں گے وہ شہر چھوڑ کر بھاگ جائیں گے ۔ لیکن اس طرح بغاوت کو جڑوں سے نہ کچلا جا سکے گا ۔ مویشیوں کا ریوڑ اپنے لیڈر کے پیچھے پیچھے چلا کرتا ہے ۔ لیڈر جہاں کہیں چاہتا ہے انہیں ہانک لیجاتا ہے ۔ ریوڑ کو قابو میں رکھنے کے لیے بہتر یہ ہوتا ہے کہ اس کے لیڈر کو گرفتار کرنے کی کوشش کی جائے ۔ اس کی راہنمائی کے بغیر ریوڑ بے دست و پارہ جاتا ہے۔ پھر جوان کا لیڈر بن کر انہیں جس راستے پر چلانا چاہے وہ چل پڑتے ہیں ۔ اس لئے تمہیں ، مشورہ دیتا ہوں کہ تم بہت کم فوج سارڈیس بھیجو ۔ یہ ہمارا ایک مضبوط مستقر ہے جسے ہم ہرگز نہیں کھونا چاہتے ۔ یہ فوج سردار تابال کی فوج کے ساتھ مل کر بغاوت کے تمام سرغنوں کو چن چن کر ٹھکانے لگا دے "

سائرس نے اپنی مرضی کا اظہار کیا "مجھے اس ساحل پر جنگ لڑنے کی کوئی خواہش نہیں ۔ اس بغاوت سے بھی بڑھ کر اور بڑی چیزیں ہیں جن کا آگے چل کر ہمیں سامنا کرنا ہے "

پھر اس نے مازرس کو تیزی سے حرکت کرنے والے تیر اندازوں کے ساتھ مغرب کی طرف روانہ کر دیا ۔ اس نے تجربہ کار فوجی افسروں کو سختی سے تاکید کی تھی کہ وہ کپنالس

کو گرفتار کرنے کی کوشش کریں۔ جس سے اس کے اعتماد کو دھوکا دیا تھا۔ اور اس کے خلاف بغاوت برپا کر دی تھی۔ اور پھر تماشہ دیکھنے سارڈیس میں بیٹھ گیا تھا۔

الگیتا پہنچنے سے پہلے ہی سائرس کو مازرس کی طرف سے سارڈیس کی بغاوت کے بارے میں اطلاعات مل گئیں۔ جونہی مازرس میدی سپاہیوں کے ساتھ سارڈیس پہنچا پکتاس وہاں سے فرار ہو گیا۔ مازرس اور ہاپال نے اس کے پیچھے فوج کا ایک دستہ روانہ کیا مازرس نے باغیوں کا جمع کیا ہوا تمام اسلحہ اپنے قبضے میں لے لیا۔ اور اعلان کر دیا کہ موسیقاروں کھلاڑیوں دکانداروں کسانوں اور گھروں کے ملازموں سے کوئی تعرض نہ کیا جائے گا۔ مازرس نے یہ رپورٹ ایک لیڈی کاتب سے لکھوائی تھی۔ آگے چل کر اس نے لکھا تھا کہ سارڈیس میں مکمل امن و امان قائم ہو چکا ہے۔ اور اس کی گلیوں میں زمانہ امن کی مانند بانسریاں اور بربط بجنے کی آوازیں پھر گونجنے لگی تھیں۔ سائرس نے یہ رپورٹ پڑھ کر سوچا کہ وہ بوڑھا جرنیل صرف حکم کی تعمیل کو ہی کافی سمجھتا تھا۔ بعد کے نتائج و عواقب کی اسے کوئی پرواہ نہ معلوم ہوتی تھی۔

مازرس کی رپورٹیں سائرس کو اگلے مہینوں میں بھی سفر کے دوران موصول ہوتی رہیں ہر رپورٹ حقائق پر مبنی ہوتی تھی۔

بھگوڑے پکتاس نے سمندر کے کنارے واقع ایک ایولی شہر سیم میں پناہ لے لی تھی۔ سیم کے شہریوں نے وہاں سے ۱۳۵ اسٹیڈ یا کی دوری پر واقع اپالو کے معبد مہا پجاری کے پاس یہ پیغام بھجوایا کہ وہ اس لیڈی پکتاس کے ساتھ کیا کریں۔ اپالو برانشیدی کے اس مہا پجاری نے جواباً انہیں پیغام بھیجا کہ اسے فوراً ایرانیوں کے حوالے کر دیا جائے۔ اس پر سیم کا ایک نوجوان امیر ارسٹوڈیکس غصے میں بھرا ہوا اس معبد میں پہنچا۔ اور اس نے ابابیلوں کے تمام گھونسلے اس کی عمارت پر سے اکھاڑ پھینکے۔ اس پر اندر سے ایک آواز اسے وارننگ دیتی سنائی دیتی رہی۔ اے ناپاک شخص! یہ پرندے معبد کے

سوالی ہیں انہیں بخش دے !" اس پر ارسٹوڈیکس نے یوں جواب دیا " پھر تو ہمیں کیوں حکم دیتا ہے کہ ہم پکتائس کو ایرانیوں کے حوالے کر دیں جو ہمارے پاس پناہ کا طالب بن کر آیا ہے !"

"اسے ایرانیوں کے حوالے کر دیا جائے !" اس آواز نے حکم دیا۔

اس پر اہلِ سیم نے خفیہ طور پر پکتائس کو جزیرہ لیسبوس بھجوا دیا۔ مازرس کو اس کا تعاقب کرنے کے لیے کوئی جہاز نہ مل سکا۔ اس پر اس نے اہلِ لیسبوس کے پاس پیغام بھجا کر وہ اس باغی لیڈر پکتائس کو فوراً ایرانیوں کے حوالے کر دیں۔ ساتھ ہی اس نے انہیں چاندی کے سکے بھی پیش کیے۔

اہلِ سیم کو جب اس نامہ و پیغام کا علم ہوا تو انہوں نے پکتائس کو جزیرہ شیوس پہنچانے کے لیے ایک دوسرا جہاز روانہ کر دیا۔ مازرس نے اب شیوسیوں کو بڑے ساحل پر اترنیوس نامی ایک بندرگاہ کی پیش کش کی۔ جو بڑی زرخیز سرزمین تھی۔ اس پر پکتائس وہاں کی محافظ دیوی (جس کا نام مازرس کو معلوم نہ ہو سکا تھا) کے معبد میں پناہ گزین ہو گیا۔ اس معبد سے شیوسیوں نے اسے زبردستی باہر کھینچ نکالا۔ اور اسے ایرانیوں کے حوالے کر دیا تاکہ اس کے عوض اترنیوس کا زرخیز ساحلی علاقہ حاصل کر سکیں۔ ایرانی دستے پکتائس کو اپنی حفاظت میں ساردیس لے آئے۔ اور اسے قید میں ڈال دیا۔

(مازرس نے یہاں ایک بات خاص طور پر نوٹ کی کہ پکتائس نے سیوی یونانیوں کے معبد میں پناہ لی تھی۔ مگر انہوں نے نہ معبد کی حرمت کا پاس کیا نہ آدابِ میزبانی کا لحاظ کیا۔ اور اسے وہاں سے گھسیٹ نکال کر اس کے دشمنوں کے حوالے کر دیا۔)

مازرس نے اپنی رپورٹ کے اختتام پر لکھا تھا کہ اس نے بغاوت کے باقی سرغنوں کو بھی کھوج نکالا تھا۔ جو اسلحے سے مسلح تھے، جنہوں نے اپنی ہی دیہاتی آبادیاں اجاڑ دی تھیں۔ اب ان سب کو مسلح فوجیوں کی حفاظت میں اگبتانا روانہ کر رہا تھا۔

یہ مازرس کی آخری رپورٹ تھی۔ اس کے کچھ عرصہ بعد یہ تجربہ کار ضعیف العمر میدی جرنیل چند دن بیمار رہ کر انتقال کر گیا۔

سائرس اس وقت تک مشرق میں بہت دور جا چکا تھا۔ مازرس کی رپورٹوں پر غور و فکر کرنے کے بعد اس نے ہارپیگ کو بلایا۔ اور ان رپورٹوں کی روشنی میں اس سے لیڈیا کی سیاسی صورتحال پر بات چیت کی۔ مازرس ایک بہترین سپاہی تھا۔ مگر وہ بحیثیت گورنر اتنا کامیاب ثابت نہ ہو سکا تھا۔ سائرس کا خیال تھا کہ ہارپیگ ساردیس کے لیے ہر لحاظ سے اچھا گورنر ثابت ہو سکے گا۔

"میں ان یونانیوں کے مزاجوں کو نہیں سمجھ سکا۔ نہ میں ان کی توقعات کے مطابق انہیں مطمئن کرنے میں کامیاب ہو سکا ہوں۔ ان کا یاد اتا کا ساحل بڑا زرخیز ہے۔ وہاں دولت کی ریل پیل ہے۔ انہیں سوائے امن و چین سے رہنے اور گانے بجانے علوم و فنون میں ترقی کرنے اور نت نئی مشینیں ایجاد کرنے کے اور کسی چیز میں دلچسپی نہیں معلوم ہوتی۔ کم از کم ملیتس تو ایسے ہی لوگ ہیں۔ وہ دنیا کے بکھیڑوں اور سیاسی معاملات سے دور رہنا چاہتے تھے۔ مگر دوسرے لوگ ان سے کچھ مختلف ہیں" پھر اپنی یاد داشت پر زور ڈالتے ہوئے وہ کہنے لگا "ملیتس میں مجھے بتایا گیا تھا کہ تھیلس نے، جو ایک فونیقی سوداگر تھا، انہیں مشورہ دیا تھا کہ وہ اپنے مرکزی شہر تیوس کے ماتحت متحد ہو جائیں۔ اور اپنے لیے ایک قاعدہ، قوانین وضع کر کے اسکی اطاعت اپنا اشعار بنا لیں۔ کیا یہ عقلمندانہ مشورہ نہ تھا؟ مگر یا دانی ایسا نہیں کر سکتے۔ مازرس انہیں مویشیوں کے ایک ریوڑ سے مشابہہ قرار دینے میں غلطی پر تھا۔ کیونکہ ہر شہر اپنی مرضی کے مطابق چلنا چاہتا ہے اور ہر شہر کا شہری اسی راستے پر چلے گا، جو تقدیر نے اس کے لیے چن رکھا ہے۔ مگر وہ اس کی سمجھ نہیں رکھتے۔ میں ان پر ایک فرد واحد کی حکومت قائم کرنا چاہتا ہوں۔ جیسا کہ تھیلس نے تجویز پیش کی تھی۔ میں ساردیس کو ان

عام شہروں کا صدر مقام بنانا چاہتا ہوں ۔ یہ تمام شہر حکومت سارڈیس کے ماتحت متحد رہیں گے ۔ اور میں نہیں وہاں کا گورنر یا سٹراپ مقرر کرتا ہوں ''۔

بس بوڑھا ہارپیگ لیڈیا کا سٹراپ بن کر سارڈیس واپس روانہ ہو گیا ۔ سائرس اس پر مکمل اعتماد کرتا تھا ۔ اس لیے اس نے اسے کوئی احکامات یا ہدایات دینے کی ضرورت نہ محسوس کی ۔ بس اس سے اتنا ہی کہا کہ وہ اپنے طور جو مناسب سمجھے کرنے کے لیے آزاد تھا ۔

ایک سال سے بھی کم مدت میں ہارپیگ نے سختی اور تشدد کی بجائے رواداری اور حکمت عملی سے آیونی ساحل پر ایرانیوں کا قبضہ مضبوط و مستحکم بنا دیا ۔ اس نے اس سلسلے میں نہ پیشواؤں یا غداروں سے کوئی کام نہ لیا ۔ اس نے ہر شہر میں حکم بھجوایا کہ وہ اپنے عظیم بادشاہ سائرس کے سامنے سر اطاعت خم کریں ۔ یہ حکم نامہ پہنچتے ہی تیوش کے باشندے اپنے خزانوں کے ساتھ جہازوں میں سوار ہو کر ایک نئے شہر کی بنیاد ڈالنے کے لیے سمندر کے اس پار چلے گئے ۔ فکائیاں میں ہارپیگ نے یہ حکم نامہ بھیجا کہ وہاں کے باشندے اپنی فصیل کا ایک حصہ گرا دیں ۔ اور اپنے ہاں ایک ایرانی فوجی دستہ رکھنا قبول کرلیں فکائیوں نے جواب کے لیے سوچ بچار کی مہلت چاہی ۔ پھر اپنے خاندانوں اور مال اور اسباب کے ساتھ جہازوں میں سوار ہو کر شہر خالی کر گئے ۔ وہ جہازوں میں سفر کرتے ہوئے جزیرہ شیوس پہنچے ۔ مگر شیوسیوں نے ان کے ہاتھ اپنی زمین فروخت کرنے سے انکار کر دیا ۔ اس ڈرسے کر کہیں وہ وہاں ان کی حریف تجارتی بندرگاہیں ہی نہ قائم کرلیں ۔ اس مرحلے پر فکائی دو حصوں میں بٹ گئے ۔ ان کا ایک حصہ اپنے اجڑے ہوئے شہر میں واپس آ گیا ۔ تاکہ وہاں مغرب کی جانب طویل بحری سفر کا آغاز کرے ۔ اور جزیرہ کارسیکا میں اور دریائے رہون کے کنارے پر جا کر آباد ہو گئے ۔ جہاں انہوں نے بہت جلد بڑی بڑی تجارتی بندرگاہیں قائم کرلیں اور خوب پھلنے پھولنے لگے ۔

کہا جاتا ہے کہ انہی دنوں ایک آیونی لیڈر بائس نے کوہ سے کبل کے دامن میں منعقد کیے جانے والے مذہبی تہوار کے موقع پر کہ آیونی اس بحرانی حالت میں بھی کھیلیں اور تہوار وغیرہ منعقد کرنے میں بڑے جوش وخروش سے کام کر رہے تھے، دوسرے آیونی لیڈروں سے کہا کہ انہیں اپنے ساحل کے دفاع کے لیے متحد ہو جانا چاہیے اور اپنی متحدہ افواج سے ایرانیوں کا مقابلہ کرنا چاہیے۔ مگران لیڈروں نے یہ بات نہ مانی۔ انہوں نے اپنی اپنی ریاستوں میں جدا گانہ طور پر محاصرے کے دفاع کی تیاری شروع کر دی۔ تاہم ہارپیگ نے محاصرے کی کوئی ضرورت محسوس نہ کی۔ اس نے قدیم اشوریوں کی نقل میں مٹی کے اونچے اونچے ٹیلے کھڑے کروائے اور ان پر اور فصیلوں کی دیواروں پر لکڑی کے تختے بچھا دیے۔ یوں اس کے سپاہی لکڑی کے ان پلوں کے ذریعے فصیلوں پر چڑھ کر شہروں کے اندر کود گئے۔ یوں ان شہروں کے باشندوں کو سوائے ہتھیار ڈالنے کے کوئی چارہ نہ تھا۔

البتہ جنوب میں بسنے والے اناطولیہ کے اصل باشندوں لیسیانیوں کے سلسلے میں ہارپیگ کو خاصی مشکل کا سامنا کرنا پڑا۔ اس وقت اس کی فوج میں خاصی تعداد میں آیونی سپاہی بھی شامل ہو چکے تھے۔ سائرس کے لیے یہ کوئی حیرت کی بات نہ تھی۔ کہ یونانی محض پیسہ کمانے کے لیے اپنے یونانی ہم وطنوں کے خلاف لڑنے کو تیار ہو گئے تھے۔ شمالی ساحل پر جہاں ہیلس پونٹ، ٹرائے کا اجڑا ہوا شہر اور فریجیا کی سرسبز وشاداب چراگاہیں پھیلی ہوئی تھیں۔ اس نے ایک نرم دل شخص مہرداد کو ستراپ مقرر کیا تھا۔ یوں تھوڑے ہی عرصہ میں سارے اناطولیہ پر سائرس کا سکہ چلنے لگا۔ اور اسکے الفاظ کو وہاں ہر جگہ قانون کا درجہ دیا جانے لگا۔

آیونیوں اور آیولیوں نے سائرس کو کروئی سس کے جانشین کی حیثیت سے اپنا حکمران تسلیم کیا تھا۔ جو کروئی سس سے زیادہ طاقتور اور زیادہ بڑی سلطنت کا حکمران تھا۔ ہارپیگ نے جزیرہ نما کی مزید مضبوطی اور استحکام کے لیے یہ کیا کہ ڈیلفی اور سے کبل کے پجاریوں

کی امید حاصل کرلی۔ اس نے مقامی حکمرانوں کو کروئی سس کے خزانے سے دے دلا کر ان کی گدیوں سے اتار دیا۔ یہ حکمران دو طریقوں سے فائدہ مند ثابت ہوئے تھے۔ اوّل یہ کہ ان کی تمام بداعمالیوں کی ذمہ داری خود ان پر ہی ڈالی جاسکتی تھی۔ اور دوسرے یہ کہ گورنروں کی حیثیت سے وہ اپنے اپنے ریاستی شہروں کی فلاح و بہبود کے منصوبے تیار کرتے تھے۔ اور اس سلسلے میں بڑی ذمہ داری کا ثبوت دیتے تھے۔ ہر مقامی گورنر کو اپنے عوام یا "ڈیموس" کو خوش رکھنا پڑتا تھا۔ شیوس میں تمام باشندوں کے لیے ایک ڈھیلا ڈھالا سا آئین بھی تیار کیا گیا تھا۔

ایرانی چونکہ سمندر میں نہ اترے تھے اور نہ دوسری سرزمینوں پر اترے تھے۔ اس لیے وہ ساحلی سرزمینوں کو، وہ جو سمندر پر واقع ہیں" کہتے تھے۔ اور اندرونی علاقوں کو "وہ جو سمندر سے پرے واقع ہیں" کہا کرتے تھے۔ یونانی جزائر میں کوئی تبدیلی رونما نہ ہوئی۔ سوائے اس کے کہ انکی سمندری تجارت بہت بڑھ گئی اور ترقی کرتی گئی فلسطین اور شمالی شام کے سرسبز میدانوں سے آرامیوں کے تجارتی قافلے نمودار ہوئے۔ میڈ اس بادشاہ کی سرزمینوں سے کیپے دوشیا کے مویشی اور گھوڑے ساحلوں پر بھیجے جانے لگے۔ پھر چونکہ ایرانی اپنی نئی رعیتوں کے طرح بطرح زبانوں سے بڑی الجھن محسوس کرنے لگے تھے۔ اس لیے سائرس نے یہ طے کیا کہ حکومت کی اور تجارت میں کام آنے والی زبان آرامی زبان ہوگی۔ اس زبان کا لکھنا عیلامی اور اکدی زبانوں کی نسبت زیادہ آسان تھا اور اسے دور دراز کے ملکوں کے سوداگر بھی آسانی سے پڑھ سکتے تھے۔ فونیقی اور یہودی بھی یہ زبان بخوبی جانتے تھے۔ ایرانی زبان کے اس وقت کوئی اپنے الفاظ نہ تھے۔ اسے آرامی کاتب ہی لکھ سکتے تھے۔ اور اس کے لیے وہ اپنی زبان کے الفاظ استعمال کرتے تھے۔ آرامی کاتب اناطولیہ کی مختلف زبانیں بھی لکھا کرتے تھے۔ سائرس کے ان اقدامات کا نتیجہ یہ نکلا کہ بابلی اور اشوری رسم الخط کا استعمال متروک قرار

پایا جانے لگا۔ اور ان کی جگہ عبرانی اور آرامی رسم الخط نے ترقی کرنی شروع کر دی۔

مگر ساحل پر بسنے والے یونانیوں کو اس کا بمشکل ہی احساس ہو سکا تھا۔ کہ ہنجا منشی بادشاہ کی حکومت ان پر مسلط کر دی گئی تھی۔ انہیں تو توقع تھی کہ سائرس ایک مرتبہ پھر ان کی طرف آئے گا۔ مگر وہ دوبارہ ان ساحلوں پر نمودار نہ ہوا۔ اس نے مغرب کے نئے علاقوں شمالی شام کیپے دوشیا اور ملیتس کا گھوڑے پر بیٹھ کر چکر لگا لیا تھا۔ اب وہ پانچ سال کے لیے دور مشرق کی وسیع و عریض سرزمینوں میں غائب ہو گیا۔

عظیم تبدیلی کا ظہور

جب ایشیائی یونانی کسی بھی قسم کی تبدیلی سے باخبر ہوتے نہ معلوم ہو رہے تھے تو اس وقت یورپی یونانیوں کو مشرقی افق سیاسیات پر عظیم تبدیلی کے ظہور پذیر ہونے کے آثار نظر آ رہے تھے۔ فالرون کی بندرگاہ پر لنگر انداز ہونے والے سیاہ رنگ فونیقی رنگے ہوئے کپڑے، چمڑے اور ہاتھی دانت کی تراشی ہوئی اشیاء کے ساتھ یہ خبریں بھی لائے کہ یہ مشرقی سلطنتوں کے سنگھاسن ڈول رہے تھے کئی سلطنتوں کے تخت الٹ چکے تھے۔ ہمیشہ آسمانوں پر بسیرا کرنے والے قدیم معبود پہاڑیوں کی چوٹیوں پر بنے ہوئے اپنے معبدوں میں اتر رہے تھے۔

ایتھنز کے گورنر پیسس ٹراٹس کو، جس پر شہر کو خوبصورت بنانے اور وہاں امن و امان قائم رکھنے کی ذمہ داری تھی۔ اس موقع پر حکیم سولون کی پیش گوئی یاد آ رہی تھی کہ روشن خیالی کے سوتے مشرق میں پھوٹیں گے۔ خوش قسمتی سودا گروں نے اسے وہ رنگ کی ہوئی ٹائلیں دکھائیں جنہیں گرمی میں تپایا گیا تھا۔ ان تیز آگ میں پکی ہوئی ٹائلوں کو جب آپس میں جوڑا جاتا تھا تو ایک تاج پوش نیزہ انداز کی شبیہ بن جاتی تھی۔ ایک عام سے انسانی وجود کو اس طرح دیکھنا حیرت ناک تھا۔

Antenor انتنوز نامی ایک گھڑی میں تولہ گھڑی میں ماشہ قسم کے مجسمہ ساز کی شکایت تھی کہ وہ دیوتاؤں کے پرانی وضع کے اصنام تراش تراش کر تنگ آچکا تھا۔ اس نے یونانی دیوی ایتھنا کے سونے چاندی کے بنے ہوئے جواہرات جڑے مجسمے کو ایک مکمل نمونۂ حماقت قرار دیا تھا۔ اس دیوی کے ہر مجسمے کے ہاتھ میں چاندی کا ایک نیزہ دکھایا جاتا تھا۔ اور اسے ایک جواہر نگار جنگجو بنا کر پیش کیا جاتا تھا۔

لوگوں نے انتنوز کو بتایا کہ ایکروپولس کی دیوتی سمندر میں جہاز رانوں کی راہنمائی کیا کرتی تھی۔ اس پر انتنوز نے کہا کہ اس دیوتی کے مجسمے کی بجائے وہاں ایک لائٹ ہاؤس ہی کیوں نہ کھڑا کر دیا جائے۔ اس کی روشنی ملاحوں کی بہتر طور پر راہنمائی کر سکے گی۔ انتنوز خود خفیہ طور پر ایک عورت کا مرمریں مجسمہ تراشنے میں مصروف تھا۔ ایسا مجسمہ جسے تراشنے کی قانونی طور پر ممانعت تھی۔ اس مجسمے کے چہرے پر جو آنکھیں تھیں۔ ان میں کسی دیوی کی نگاہوں جیسا جامد پن اور سختی نہ تھی۔ بلکہ وہ نگاہوں کسی طوائف کی دعوت دیتی ہوئی نگاہیں تھیں۔

ہیلس پونٹ اور بحیرۂ اسود سے آنے والے جہاز حسبِ معمول وحشی غلام، غلّہ، اور اناج، مچھلیاں، کانسی اور چاندی کے نازک ظروف اور آرائشی اشیاء لاتے رہے۔ یہ کاریگری سدیوں کے ہاتھوں کا کمال تھی۔ جو ہر معمولی چیز کو حسن بخشا پسند کرتے تھے۔ چاقو، ہڈیاں، ترکش، پیالے، دیگیں خانہ بدوشوں کے استعمال کی یہ سب چیزیں قابلِ انتقال تھیں۔ اور ان کی وسیع پیمانے پر تجارت ہوتی تھی۔ ان سدیوں کی عورتیں منقش آئینے کلپ اور بازو بند بہت پسند کیا کرتی تھیں۔ اُن پر ہرنوں بارہ سنگھوں اور دوسرے شکاری جانوروں کی تصویریں کھدی ہوئی تھیں۔ یونانیوں نے ان کے ڈیزائن کا مطالعہ کیا۔ اور کورنتھ کے کمہار ساز وں نے بھی اپنے ظروف پر انسانوں کی تصویریں بنانی شروع کر دیں۔ ان کا سٹائل ان کا اپنا سٹائل تھا۔ ایسے فنون کے راز دور دراز کی سلطنت

کی شان و شوکت کی کہانیوں کی بدولت ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں منتقل ہوتے رہے تھے۔ بلکہ انہوں نے اپنی چھوٹی چھوٹی تجارتی اشیاء کے ذریعے دور دراز کے علاقوں تک سفر کیا تھا۔

ان اشیائے تجارت میں سب سے چھوٹی اشیا صاف و شفاف نگینوں اور عقیق کی بنی ہوئی مہریں تھیں۔ ان مہروں کے اوپر ناقابل یقین مہارت کے ساتھ ننھے ننھے مناظر اجاگر کئے گئے ہوتے تھے۔ ایسے مناظر جن میں تخت نشین دیوتاؤں کے سامنے سوالیوں کو محو درخواست دکھایا گیا ہوتا تھا یا انسانوں پر محافظ روحیں سایہ فگن دکھائی گئی ہوتی تھیں۔ یا پھر شجر حیات تلے پالتو جانور گھومتے پھرتے دکھائے گئے ہوتے تھے۔ سب سے پہلی مہریں یا چھپے جو ایران سے آنے والے سوداگروں کے ذریعے یونانیوں کے پاس پہنچے ان پر ایک چہرا ہے، ایک تاج پوش بادشاہ کو گھوڑے پر سوار ایک جنگلی جانور کا شکار کرتے دکھایا گیا ہوتا تھا۔ کندہ گری کی مہارت اور تصاویر کا قدرتی پن یونانیوں کے نزدیک انتہائی متاثر کن تھا۔ ان چیزوں نے یونانی ہنرمندوں کو بھی ایسی ماہرانہ کندہ گری کی تحریک دی۔ ایسی ہی فنکارانہ مہارت اور بلند ذوقی ان چھوٹے چھوٹے گلدانوں میں بھی دکھائی دیتی تھی جو سوداگر آیونی کا کرسے سے لے کر آتے تھے۔ سب سے زیادہ حسین اور نازک ظروف جزیرہ رہوڈس سے آتے۔ ان پر قدیم ایتھنز کے فنکاروں کو معلوم ہوا کہ ہرکولیس یا اولیس کے خداؤں کی تصویروں اور کارناموں کے علاوہ اور بھی بہت سی چیزیں تھیں جن کی تصویر کشی کی جاسکتی تھی۔ سولون کی پیش گوئی کے مطابق روشن خیالی کے سوتے مشرق میں پھوٹ رہے تھے۔ اور ان کی روشنی ان تک پہنچ رہی تھی۔

اسی طرح ان جانے سائنسی علوم پر عبور رکھنے والے بلند پایہ اساتذہ آیونیا کے راستے ان تک پہنچے۔ جزیرہ کوس اور سینڈس کے ماہرین طبقات نے یہ سکھایا کہ علم طب اور ادویات

کا ساحرانہ علوم سے کوئی تعلق نہ تھا۔ اور یہ کہ صحتِ انسانی کو بیماریوں سے بچایا جا سکتا تھا۔ تیز مزاج فیثا غورث ساموس کے حاکم سے جھگڑ کر اس جزیرے سے رخصت ہو گیا۔ کیونکہ وہ حاکم اس کے نظریات کو خطرناک قرار دیتا تھا۔ ساموس سے فیثا غورث مصر پہنچا جہاں اس نے ریاضی کے اساتذہ سے ملاقاتیں کیں پھر جنوبی اٹلی میں کروتونا چلا گیا۔ جہاں اس نے اپنا سکول کھول لیا۔ جہاں وہ یہ تعلیم دینے لگا کہ روحِ انسانی ہر صورت اختیار کرنے پر قادر تھی۔ (آواگون کا نظریہ) اور یہ کہ علم ریاضی کو تجارت اور لین دین کے علاوہ اور مقاصد کے لیے بھی استعمال کیا جا سکتا تھا۔ (اس کے بہت سے شاگرد یونانی شہروں کے باشندوں نے قتل کر ڈالے۔ گر فیثا غورث کے نظریات پھر بھی پھلتے پھولتے رہے) دولت مند الکموئی خاندان کے سوداگر ایشیائی ساحل سے کوس کی دوائیاں لے کر آتے۔ ان میں سے کچھ کروتونا میں فیثا غورث کے شاگردوں کے پاس بھی پہنچے اور ان ہی شامل ہو گئے (بعد میں انہیں "ایرانیوں کے دوست" کی حیثیت سے پہچانا جانے لگا اور غدار کہا جانے لگا)

چھٹی صدی کے نصف آخر میں یورپی یونان میں علوم و فنون کے سوتے پھوٹنے لگے پیسس ٹراٹس نے اگورا کے قدموں پر سورج کی دھوپ میں کھڑے نوجوانوں سے کہا۔ "جہازوں میں سوار ہو۔ اور مشرق کا رخ کرو۔ اپنے آپ کو مشرقی علوم و فنون میں کامل بناؤ پھر واپس آ کر اپنے شہر کو اپنی قابلیت و ہنر سے فیض یاب کرو۔"

یونانی بچوں کا پل کے بارے میں وہ گیت کہ پنیتالیس راج معمار اس پل کو کبھی تعمیر نہ کر سکتے تھے۔ اب اپنے انجام کو پہنچ چکا تھا۔ پل بالآخر تعمیر کر لیا گیا تھا۔ اس کے ذریعے جزیرہ نما جزیرہ اناطولی ساحل سے نت نئی ایجادات اور نظریات پہنچ رہے تھے۔ کورنتھ ایتھنز اور تھیبس میں مشرقی براعظم کی تحریک محسوس کی جانے لگی تھی۔ صرف ناقابلِ تبدیل سپارٹا بدستور پرانے راستے پر گامزن تھا۔ ہنرمند اور فنکار شوشان اور سارڈیس سے پہنچنے والے نمونوں کی صرف نقل ہی نہ کر رہے تھے۔ بلکہ انہیں اپنے شاہکار تخلیق کرنے کے

لیے بھی استعمال میں لا رہے تھے۔

شاید اناطولیہ میں جو پہلی بڑی تبدیلی رونما ہوئی تھی وہ "امن" تھی۔ چھوٹے چھوٹے شہروں کے درمیان کبھی ختم نہ ہونے والی جنگوں کا سلسلہ اختتام کو پہنچ گیا اور لوگ میدیوں اور ایرانیوں کے ناقابلِ ترمیم قوانین کی باتیں کرنے لگے ان قوانین کے مطابق ہتھیاروں کا استعمال ممنوع تھا۔ یہ قوانین لوگوں کو ایک دوسرے کے مذہبی معاملات کے بارے میں رواداری کا سبق دیتے تھے۔ ان قوانین میں برابری اور مساوات کا درس دیا گیا تھا یعنی ایک امیر کبیر زیتون کے تیل کے سوداگر کا درجہ بھی اس کے اپنے کھیتوں اور باغات میں کام کرنے والوں 'مزارعوں اور مالیوں کے برابر قرار دیا گیا تھا۔ اور قانون کی نظروں میں ان کی برابر کی حیثیت تھی۔ صرف ملی تسی سائمندان ہی ایسے تھے جو ایسے قوانین کو سمجھتے تھے۔ مگر آیونیوں کے بیان کے مطابق ملی تسی ہوا کا رُخ دیکھنے والے ابن الوقت قسم کے لوگ تھے۔ اب ایشیا کی سرزمین پر سے جو ہوا ان کی طرف آ رہی تھی۔ وہ اپنے چہرے اس کی طرف کیے ہوئے تھے۔

نئے قوانین پر مباحثہ کرنا یا ایک ایسی حکومت کی سیاسیات پر جو نظروں سے پوشیدہ ہی رہتی تھی۔ بحث و تمحیص کرنا بے کار تھا۔ یہ حکومت یونانیوں سے بہت کم بات کیا کرتی تھی۔ وہ بھی ایک ایسے قاصد کے ذریعے جو عموماً کوئی کپے دوشی ہی ہوا کرتا تھا یا پھر کوئی عبرانی یا ارمنی ہوتا تھا جو حکومت کا پیغام ان یونانیوں کو اس طرح دیا کرتا تھا۔ "فرمان ہے یہ سائرس ہخامنشی عظیم بادشاہ کا۔" پیغامبر بس سادگی سے وہ الفاظ دہرا دیتے تھے جو انہیں ازبر کرائے گئے ہوتے تھے۔ شاہی فرمان بالعموم تحریری صورت میں ہوتے تھے۔ جو آرامی زبان میں لکھے گئے ہوتے تھے۔ جنہیں یونانی زبان میں ترجمہ کر کے سنا دیا جاتا تھا۔

یونانیوں نے اب تک صرف ان ہی شہنشاہیتوں کے نام سن رکھے تھے۔ جن سے وہ واقف تھے اور جو اس وقت کی دنیا میں عظیم ترین سمجھی جاتی تھیں۔ مثلاً لیڈیا۔ مصر یا اشوریہ

مگر یہ شہنشاہیت جس میں بہت سی اقوام اکٹھی ہوئی تھیں اور بہت سے علاقے متحد ہو گئے تھے ہنوز بے نام تھی۔ زیرک و فہیم قسم کے سیاسی مفکروں کے نزدیک یہ نئی شہنشاہیت چند سالوں سے زیادہ قائم نہ رہ سکتی تھی۔ البتہ تلی نسیوس اور کچھ دوسرے لوگوں کا خیال تھا کہ اس شہنشاہیت کی صورت میں دنیا کی پہلی عظیم ترین اور طاقتور ترین شہنشاہیت معرض وجود میں آنے والی تھی۔

سائرس نے مشرق کا سفر ساردیس سے شوشان کی طرف شروع کیا تھا۔ اور جس سڑک کے ذریعے سفر کرنا شروع کیا تھا وہ جلد ہی بادشاہ کی سڑک کے نام سے مشہور ہو گئی۔ وطن جاتے ہوئے اس نے شمالی شام کے سطح مرتفعاتی علاقے میں دجلہ و فرات کے بالائی میدان میں مختلف اناجوں کے کھیتوں کو پار کیا۔ وہ جس علاقے میں سے اپنی فوج کے ساتھ گزرتا تھا وہ علاقہ ہخامنشی سلطنت کا جزو سمجھا جانے لگتا تھا اور سائرس اس علاقے میں اپنا نائب مقرر کر کے اسے وہاں کے انتظامی امور کی دیکھ بھال کے لیے چھوڑ کر آگے بڑھ جاتا تھا۔ اسی موقع پر طے شدہ پروگرام کے تحت سائرس کا منہ بولا باپ گوبارو سمندری زمینوں سے مغرب کی طرف پیش قدمی کرتا ہوا دجلہ کی زیریں وادی میں آن پہنچا۔ گوبارو کے عیلامی سپاہی فرات کے قریب واقع وادی عشتار کے قدیم شہروں لگاش اور اروک تک جا پہنچے۔ یوں دجلہ اور فرات کے طاس میں انہوں نے کالدیا کے زرخیز علاقے میں پیدا ہونے والی گرمائی فصلیں خود سمیٹ لیں۔ ان کی اس حرکت کے نتائج بھی جلد ہی برآمد ہو گئے۔

بابل میں خوراک کی کمی تھی۔ اس کا بادشاہ بنو نیدس اگلے سال 545 ق م میں شام سے فرار ہو کر بابل جا پہنچا۔ اس سال بابل جیسی طاقتور سلطنت کو بیرونی حملہ آوروں کا سامنا کرنا پڑا۔ بڑی سڑک یعنی مزاحمتی گروہوں کے بعض عبرانیوں نے اپنے عجیب سے رسم الخط میں جگہ جگہ یہ الفاظ لکھ دیئے تھے "اس سلطنت

کے دن گنے جاچکے ہیں۔ مگر ان الفاظ کو بابل کے لوگ نہ پڑھ سکے۔

سائرس کی دیوانگی

اس موسم گرما میں سائرس بابل کے قلعہ بند علاقے کے قریب سے گزرا۔ اس نے کرو ئی سس کو اس کے لیڈی ملازموں اور کچھ میدی فوجی دستوں کے ساتھ اگتبانا کے محل میں چھوڑا۔ میدی دستوں کے سالاروں کو اس نے کروئی سس کی حفاظت کے ساتھ ساتھ اس پر نظر رکھنے کی ہدایت بھی کی تھی۔ اسے افسوس تھا کہ زبان کی مشکلات کی بدولت کروئی سس اگتبانا کے محل کی اہم شخصیات مثلاً ملکہ ماندین سے سیاسی معاملات پربات چیت نہ کر سکتا تھا۔ اس کا بہرہ بیٹا اور باورچی سب اس کے ہمراہ تھے اس لیے کروئی سس مطمئن نظر آتا تھا۔ تاہم اسے زیتون کے تیل کی شکایت ضرور تھی۔ غیر مطمئن اور بے آرام ماندین کو شکایت تھی کہ سائرس نے باوجود کئی فتوحات حاصل کرنے کے اس کی ایک واحد خواہش پوری نہ کی تھی یعنی اسے بابل کے معلق باغات کے محل میں نہ پہنچایا تھا۔

"کیا یہ تمہاری بڑی دیوی کی خواہش ہے؟" سائرس نے پوچھا۔

"ہاں بالکل۔" ماندین نے جواب دیا۔

"پھر تم یہ کیوں سوچتی ہو کہ ایسا نہیں ہو گا؟"

سائرس اگتبانا میں بمشکل ہی آرام کرنے رک سکا۔ مہرداد سے سڑکوں کی حالت

پر گفتگو کرنے کے بعد اس نے اپنے نوکروں اور فوجی سالاروں سے کہا کہ وہ پاڈس گرد جانے والے راستے پر سفر کی تیاری کر لیں۔ اس نے میدی گھڑسواروں کے افسروں اور اپنے دسواروں کے ایک ہزار بہادروں کو بھی یہی ہدایت کی۔ جب اس لشکر کا مال اسباب چھکڑوں پر لادا جا رہا تھا تو ایک کاتب جس کا تعلق میڈیا کے محل سے تھا اس جگہ آنکلا اور پھاٹک پر آکر کھڑا ہو گیا۔ اس شخص کا چہرہ جانا پہچانا سا معلوم ہو رہا تھا اور اس نے اپنے دونوں ہاتھوں میں مٹی کی بنی ہوئی ایک تختی اٹھا رکھی تھی جس پر کچھ لکھا ہوا تھا۔ جب سائرس نے اس کی طرف دیکھا تو اس کاتب نے بلند آواز میں اس کے القابات ادا کرنے شروع کر دیے اور ان میں اپنی طرف سے لیڈیا اور بحیرہ اسود کے بادشاہ کے لقب کا بھی اضافہ کیا۔ سائرس نے ہاتھ کے اشارے سے اسے اس خوشامدانہ راگنی سے روک دیا اور اس سے پوچھا کہ وہ کیا کہنا چاہتا تھا۔

" اے تمام سرزمینوں کے حکمراں" اس کے سکریٹری نے کہا: " وہ ماگی زاتر ۔"

اس نے اس ماگی کا جہاں کہیں بھی وہ جاتا تعاقب کرنے کا حکم دیا تھا۔ پھر اسے رپورٹ دی گئی تھی کہ وہ ماگی اس سمت روانہ ہو گیا تھا جہاں سے سورج طلوع ہو کر بلند ہوتا ہے جہاں مشرق میں وہ دریا بہتے تھے جہاں آریہ ویج واقع تھا۔ یعنی آریاؤں کا قدیم گہوارہ۔

" اس جگہ پہنچ کر" رپورٹ دینے والوں نے کہا: " وہ ماگی میرے آدمی کی طرف مڑا۔ اور انتہائی ہتک آمیز لہجے میں کہنے لگا: جا کر اپنے رکھوالے سے کہہ دو کہ آخر وہ کب تک اندھیرے میں برائیاں تلاش کرنے کی کوششیں کرتا رہے گا۔ وہ آخر کب تک روشنیوں سے خوفزدہ رہے گا۔ میرے آدمی نے اس کے یہ الفاظ جلدی سے لکھ لیے۔" اس نے وہ تختی آگے بڑھائی۔ " کیا اب میرے آقا یہ حکم دیں گے کہ اس گستاخ کی گردن میں طوق ڈال کر اسے زنداں میں پھینک دیا جائے یا اس کی کھال کھنچوا کر اسے باختریہ کے دروازے پر لٹکا دیا جائے جہاں وہ اب رہائش پذیر ہے؟"

سائرس مضطرب سا ہو کر دوسری طرف مڑ گیا۔ اسے اگر کم سے کم بھی برس گزر گئے تھے جب کسی نے اس سے یہ دریافت کرنے کی جسارت کی تھی کہ کیا وہ خوف زدہ تھا۔ لیکن کی حالت میں بھی وہ قیدیوں کے نظام رسل و رسائل پر انتہائی حیرت زدہ تھا۔ جس کی بدولت اسے اس جگہ کی بھی صحیح صحیح خبریں مل جاتی تھیں جہاں اگر اونٹوں کے ذریعے پہنچا جاتا تو سو دن مزید لگ جاتے۔ "نہیں!" اس نے سختی سے کہا۔ "میرا حکم صرف یہی ہے کہ اب اس ماگی کا تعاقب بند کر دیا جائے۔ تم اپنے آدمیوں کو واپس بلا لو۔ سمجھ گئے نا میری بات؟"

تختی والے نے خود بخود اپنا منڈھا ہوا سر جھکا دیا۔ "تمہارے غلام نے سن لیا ہے اور سمجھ گیا ہے۔"

سائرس نے چھوٹی تختی اپنی پیٹی میں اڑس لی۔ اس پر ہخا منشیوں کے اڑتے ہوئے پروں اور ایک تاجپوش سر کی شبیہہ والی سرکاری مہر لگی ہوئی تھی۔ سائرس اس تختی پر درج تحریر نہ پڑھ سکتا تھا۔ اس کا پیغام اسے مضحکہ خیز معلوم ہوا تھا۔ ایسا بھلا کیونکر ہو سکتا تھا کہ کوئی انسان برائی سے محفوظ رہ سکے۔ برائی تو ہر انسان کے تعاقب میں ہوا کرتی ہے۔ زمین پر ایک دیوتا اپنے لیے ایک ایسی پناہ گاہ تلاش کر لیا کرتا ہے جو خوب روشن ہوتی ہے۔ مگر اس قسم کے دیوتاؤں کا کوئی وجود نہیں ہوا کرتا۔

جب سائرس گھوڑے پر سوار اپنے گھر کی وادی میں داخل ہوا۔ تو اس نے محسوس کیا کہ اس کی غیر حاضری کے عرصہ میں وہاں خاصی تبدیلیاں رونما ہو چکی تھیں۔ بچے معمول کے مطابق ہاتھوں میں چیری کے خوشے اور پھول لیے دوڑتے ہوئے گھروں سے باہر نکل آئے۔ بڑے دروازے پر ایبا اس کے گھوڑے کی لگام سنبھالنے کے لیے لنگڑاتا ہوا آگے بڑھ آیا۔ اس وقت سائرس کو احساس ہوا کہ ایبا بوڑھا ہو گیا تھا۔ داخلی سیڑھیوں کے دونوں طرف جو نے کے پتھر کے بنے ہوئے دو بیل، جن کے پر بھی تھے کھڑے تھے۔

یہ بیل اشوریوں کے سنگی بیلوں کے مقابلے میں حجم میں چھوٹے اور زیادہ شاندار تھے۔ ان بیلوں کو سنگتراشوں نے سائرس کی غیر حاضری میں جلدی سے تراش ڈالا تھا۔ ان میں خاصا وقار اور رعب صورتی تھی۔ کچھ دیر تک انہیں دیکھتے رہنے کے بعد سائرس نے توصیفی انداز میں سر کو جنبش دی اور ایمیا کی طرف مڑا۔

"کیوں ایمیا۔ کیا اب تمہیں یقین آگیا ہے کہ میں اب کوئی چھوٹا سا بادشاہ نہیں رہا بلکہ بہت سی اقوام اور بہت سی سرزمینوں کا بادشاہ بن چکا ہوں؟"

ہیرکانی نے اپنے ہاتھ اپنے چمڑے کے پاجامے پر زور زور سے رگڑے پھر اپنا جھاڑ جھنکاڑ بالوں والا سر ہلایا۔

"سائرس۔ تمہارے نام جیسا اور کوئی نام نہیں۔ لیکن" اس نے اپنی آواز مدہم کر لی۔ "ایسا ہی ایک مرتبہ میں نے استیاگس کے بارے میں بھی کہا تھا۔ جواب اپنی قبر میں لیٹا سو رہا ہے اور سب اسے اپنے ذہنوں سے نکال پھینک چکے ہیں۔ لیکن پھر بھی۔ تم جانتے ہو کہ میں خاصا احمق بھی واقع ہوا ہوں۔"

"میں ایسا نہیں سوچتا" سائرس نے کہا۔

بڑے ہال کی طرف جانے والے راستے کے دو رویہ لوگوں کا ہجوم اکٹھا ہو گیا تھا۔ جیسا کہ گندم کے خوشے ہوا کے تیز جھونکوں سے جھک جایا کرتے ہیں۔ بالکل اسی طرح سائرس کے آگے بڑھنے کے ساتھ ساتھ ان لوگوں کے سر بھی جھکتے چلے گئے۔ اس نے لبنان سے منگوائی ہوئی سیب کی لکڑی کے لٹھوں کو دیکھا۔ اس لکڑی کو دیکھا جو کرمانیا سے منگوائی گئی تھی جس کی مہک بڑی دلخوشکن تھی اور سمندری جزائر سے لائے گئے سنگِ موسیٰ کو دیکھا۔ ذخیرہ ہال میں سارڈیس کا سونا بھرا ہوا تھا۔ بڑے ہال کی چھت نازک مرمریں ستونوں کے سہارے کھڑی تھی۔ ان ستونوں کی بنیادوں میں سنگِ موسیٰ استعمال کیا گیا تھا۔ سائرس کے خیال میں کسی بادشاہ کا کھلا ہال ایسا شاندار اور پرشکوہ نہ ہو

سکتا تھا۔ جب وہ آگے بڑھا تو اس نے کھلے آسمان تلے ایک بہت بڑے مربع چبوترے کے سر پر دو جانی پہچانی قربان گاہیں کھڑی دیکھیں۔ ان میں سے دھواں اٹھ رہا تھا۔ کیوں کہ اس کی آمد کے ساتھ ہی پروہتوں نے وہاں قربانیاں پیش کرنے کی رسم ادا کر ڈالی تھی۔ انہوں نے بعجلت تمام اس کے لیے اس رسم کے موقع پر کھلایا جانے والا کھانا تیار کر ڈالا تھا۔ یہ کھانا چمکتی دمکتی جست کی پلیٹوں میں پیش کیا گیا جو غالباً مصر سے لائی گئی ہوں گی۔ پھر سائرس نے رسم کے مطابق کھایا دودھ پیا۔ انجیر اور زیتون کے پھل کھاتے۔ یہ ایک عام سے کسان کے کھانے کی چیزیں تھیں۔ جنہیں کھلانے کا مقصد سائرس کو یہ باور کرانا تھا کہ وہ دوسرے لوگوں سے برتر اور اعلیٰ ہرگز نہیں ہے بلکہ انہی کی مانند انسان ہے۔ جن پر وہ حکومت کرتا ہے۔

کھانے کے دوران سائرس ہاتھی دانت کے کرسی نما تخت پر بیٹھا تھا۔ اس نے دیکھا کہ اس تخت کے بازوؤں پر بڑی خوبصورتی سے سات محافظ ستارے کھدے ہوئے تھے۔ پھر اس نے پجاریوں کی دوہری قربانگاہوں کے سامنے کھڑے ہو کر آتر اور آہورا کی شان میں مناجاتیں پڑھتے اور ان سے لطف و کرم طلب کرتے سنا۔ جب وہ فارغ ہو چکے تو اس نے ان سے دریافت کیا کہ یہ آہورا آخر کون تھا؟ کیا تھا؟ اس کا کیا مطلب تھا؟

پروہت اس کے سوالوں کا جلد جواب نہ دے سکے۔ وہ صرف اتنا ہی کہہ سکے کہ وہ قربانگاہوں کو صرف ایک دیوی یعنی آتر یا آتش کے لیے وقف کرنا غلط تھا۔ یعنی ممکن تھا کہ آتر کے علاوہ بھی کوئی اور نادیدہ آسمانی قوت ضرور موجود تھی۔ یعنی آہورا۔ اس لیے دوسری قربانگاہ کو اسی دوسری آسمانی قوت کے لیے وقف کر دیا گیا تھا۔

"یہ آسمانی قوت بہت طاقتور اور سب سے اعلیٰ ہے۔ یہ مالک ارض و سماء ہے۔ اس نے ہمیں پیدا کیا ہے۔" پجاریوں کے جواب میں ایک التجا سی تھی۔

" مالکِ ارض و سما ؟"

"ہاں - وہی عقل و شعور کا سرچشمہ ہے - مقدس زرتشت نے یہی کہا تھا"

سائرس نے اپنے گھر کی قربان گاہوں میں ایک نئے نام کی دخل اندازی پسند نہ کی - آتر یا آتش اس کے خیال میں ہر گھر میں آتش دان میں روشن رہتی تھی یعنی ہر گھر میں موجود رہتی تھی - اور اناہیتا صاف ستھرے، بہتے پانیوں میں موجود رہتی تھی - اپنے بچپن میں اس نے بارہا بہتے پانیوں میں اس کے وجود کو محسوس کیا تھا - لیکن یہ آہورا مزدا ایک بہا جر پیغمبر کی زبان سے نکلے ہوئے ایک نام کے علاوہ اور کچھ نہ تھا - سائرس کو اس میں کوئی خاص بات دکھائی نہ دیتی تھی - تاہم اس نے پجاریوں سے کہہ دیا کہ وہ قربان گاہوں پر عبادت کے لیے بے شک وہ نیا نام بھی استعمال کرتے رہیں - اس کے نزدیک آتر کے ساتھ آہورا مزدا کو بھی شریک عبادت کر لینے سے کوئی فرق نہ پڑ سکتا تھا -

وہ پارس گرد میں آئی ہوئی تبدیلیوں کا خود کو عادی نہ بنا سکا - جب وہ اپنے دربار میں بیٹھا ہوتا تھا - تو قانون بردار اس وقت تک اپنی رائے کا اظہار نہ کرتے تھے یا کوئی مشورہ نہ دیتے تھے جب تک وہ خود ان سے نہ کہہ دیتا تھا - دس قبیلوں کے جانے پہچانے سردار اس کے ستراپوں کے قاصدوں کے ہجوموں اور دوسرے درباروں سے آنے والے وفود میں گم ہو چکے تھے - اس کے دربار میں ایسی ایسی جگہوں کے درباروں سے وفد آتے تھے جنہیں وہ جانتا بھی نہ تھا - لوگ جو دور دراز کی اجنبی سرزمینوں سے آتے تھے - وہ اس کے حضور، طاعون، قحط، سیلابوں اور بیرونی حملہ آوروں کی غارت گری کی فریادیں لے کر آتے تھے - غربت اور تجارتی نقصانات کی شکایات اس کے علاوہ ہوتی تھیں - ان کا سوال بالعموم یہ ہوتا تھا "آخر عظیم بادشاہ اس سلسلے میں ان کی کیا مدد کر سکتا تھا ؟ سائرس کو ان لوگوں کے معاملات سلجھانے، ان کی مدد کرنے اور ان کی داد رسی کرنے میں بڑی مشکلات پیش آیا کرتی تھیں - اس کے نزدیک بہتر یہ تھا کہ

کچھ تجربہ کار اور عقلمند شخص ایسے علاقوں میں بھیج دیے جائیں۔ جو وہاں رہتے ہوئے اپنے ناصح و تدبیر سے مقامی آبادیوں کے مسائل حل کر دیا کریں۔ چنانچہ اس نے فوراً ہی پارس گرد سے اپنے نمائندے مسائل میں گھری آبادیوں کی طرف روانہ کر دیے۔ ان کے ساتھ چند سپاہی، طبیب، حساب دان اور سیدھے سادے سے بیا ست دان سب شامل تھے۔

پھر بھی سائرس جانتا تھا کہ اس طرح اس کے تمام مسائل حل نہ ہو سکیں گے۔ اور نہ ہی اس کی ذمہ داریوں میں کوئی کمی واقع ہو سکے گی۔ بعد کے سالوں میں اس نے رپورٹروں کو کارگزار افسران کے ساتھ روانہ کرنا شروع کیا۔ یہ لوگ "بادشاہ کی آنکھیں اور کان" کہلانے لگے یہ بادشاہ کو افسران کی کارگزاریوں سے ہر دم باخبر رکھتے تھے۔ ان نامہ بروں کا نظام اشوریوں کا ایجاد کردہ تھا۔ گمران کے نامہ بر بادشاہ کے ذاتی ملازم نہ ہوتے تھے سائرس اشوریوں کے نظام سیاست کا بڑا مداح تھا۔ مگر سا تھ ہی اسے اشوری بادشاہوں کا بڑے بڑے شہروں کی تعمیر کے لیے عوام سے بیگار لینے کا اصول قابل نفرت بھی معلوم ہوتا تھا اشور، سارگون اور نینوی کی تعمیر عوامی بیگار ہی سے ہوئی تھی۔ اس نے اپنے آپ سے عہد کر رکھا تھا کہ وہ اپنی سرزمین پر کوئی ایسا شہر تعمیر نہ کرے گا۔

سائرس کو ہرگز یہ خواہش نہ تھی کہ وہ اشور بنی پال کی مانند حکومت کرے۔ مصر کے سنگتراش جو اس کے لیے محافظ روح کا مجسمہ تراش کر لائے تھے تاکہ اسے ہال کے داخلی دروازے کے باہر نصب کیا جائے اس وقت دم بخود رہ گئے جب اس نے اس مجسمے کو زمین پر مار کر توڑ پھوڑ دیا۔ انہوں نے یہ مجسمہ چار پروں والا بنایا تھا اور اس کے سر پر شاہی تاج سجایا تھا اور اسے ایک جنگجو کے لباس میں دکھایا تھا۔ ایسا مجسمہ سائرس سارگون کے شہر کے کھنڈرات میں دیکھ چکا تھا۔

سنگتراش فوراً اس کے سامنے زمین بوس ہو گئے۔

"معظم بادشاہ کا کیا حکم ہے۔ وہ کیا چاہتا ہے؟ ان میں سے ایک نے

سرگوشی میں پوچھنے کی جسارت کی۔

" کیا کوئی محافظ روح بوٹ پہنتی ہے اور فوجی لباس میں گھومتی پھرتی ہے؟
کیا وہ سر پر تاج سجاتی ہے اور اپنی حفاظت کے لیے تلوار بکف رہتی ہے؟"

" نہیں۔ اے عظیم بادشاہ۔"

اس موقع پر سائرس کو اپنے فراواشی کا خیال آیا۔ جو اس کے مغرب کے سفروں میں اس کے ساتھ نہ رہا تھا۔ " میں نہیں مانتا کہ ہم میں سے کسی نے یہ دیکھ رکھا ہے کہ روح کیسی ہوتی ہے۔ مجھے بچپن میں میری کرات دصرف اتنا بتایا کرتے تھے کہ روح آسمانوں پر رہتی ہے۔ وہ انسانوں کی مانند لباس نہیں پہنا کرتی اور نہ ہتھیار سنبھالے رکھتی ہے ساتاروں کی قسم! کیا تم کوئی ایسا اوزار بنا سکتے ہو جو طاقت کو مجسم دکھا سکے؟"

" نہیں! آہ! عظیم بادشاہ کتنی عقل والا ہے!"

پھر جب سائرس چلا گیا تو سنگتراش پوری تندہی کے ساتھ اپنے کام میں مصروف ہو گئے۔ انہوں نے چونے کے پتھر کی ایک تختی پر ایک عجیب سی شبیہ کھودی۔ جس کے چار پر تھے۔ اس نے ایک عبا پہن رکھی تھی۔ اس کے پاؤں ننگے تھے اور زمین سے بلند تھے۔ اس کے سر پر تاج کی بجائے مصری کنول کے پھولوں کا ہار لپٹا ہوا تھا۔ اس کے ہاتھ دعا دینے کے انداز میں بلند تھے۔ سائرس کے دروازے پر اس شبیہ کے بعد اور کوئی شبیہ نہ بنائی گئی۔ (عجیب بات یہ ہے کہ محافظ روح کی شبیہ والی یہ تختی اس وقت بھی محفوظ رہی جب پارس گرد اجڑ گیا اور امتدادِ زمانہ کے ساتھ ساتھ زمین میں دھنستا چلا گیا۔ صرف سنگِ مرمر کی چند سیڑھیاں اور مینار ہی وہاں باقی رہ گئے۔ مرمر کی تختی پر کھدی ہوئی محافظ روح کی یہ شبیہ عرصہ دراز تک ماہرینِ آثارِ قدیمہ کو الجھن میں ڈالے رہی۔ جو یہ سمجھتے رہے کہ شاید سائرس اس کی عبادت کیا کرتا تھا۔ یا شاید یہ سائرس ہی کی شبیہ تھی)

اس رات کے ابتدائی پہر سائرس پر دیوانگی نے حملہ کیا۔
گھر پہنچ کر وہ خود کو بڑے بے آرام محسوس کر رہا تھا۔ جب وہ اپنے رہائشی کمروں کی طرف نکلا تھا تو کسندان نے اسے خوب اٹھے ہاتھوں لیا تھا۔ اس کی یہ پہلی بیوی مرغن غذائیں کھا کھا کر موٹی ہو چکی تھی۔ اس کے کمرے قیمتی اشیاء سے آرائش سے مزین تھے۔ وہ خود زرق برق لباس اور چمکتے دمکتے زیورات پہنے پھر رہی تھی۔ اس نے اس سے کہا کہ وہ اپنے شاہی مرتبے کا خیال کرے۔ اور دوسرے علاقوں سے حاصل ہونے والے تمام خزائن پارس گرد منتقل کر دے۔ ان خزائن کے لیے وہ ایک مضبوط دیواروں والا مال خانہ تعمیر کروائے اور وہاں مسلح محافظوں کو متعین کر دے۔ جو ہر وقت وہاں پہرے پر رہیں۔
ہر چند کہ کسندان نے کبھی ظاہر نہ کیا۔ مگر وہ اس دوسری عورت سے واقعی شدید حسد محسوس کرتی تھی، جو ہر سفر میں اس کے خاوند کے ساتھ رہی تھی۔ اس نے ایک مرتبہ اس سے اتنا ہی پوچھا تھا کہ آیا وہ شہنشاہ کا اتنا ہی خیال کرتا تھا کہ پارس گرد کو نظرانداز کر بیٹھا تھا جہاں اس کا پہلا بیٹا کمبی سس پیدا ہوا تھا۔ جو اس کا وارث تھا۔ اس کے اطمینان کے لیے سائرس نے ہندسوں کو حکم دیا کہ وہ پھیلتے ہوئے شہر یعنی پارس گرد کی بیرونی پہاڑیوں پر پتھر کی ایک دیوار تعمیر کریں۔
کمبی سس اس لڑکے سے کوئی مشابہت نہ رکھتا تھا جو خوتوں کی دیکھ بھال میں دلچسپی لیا کرتا تھا۔ اور سائرس کے ہمراہ خوشی خوشی شکار کے لیے جایا کرتا تھا۔ اب کمبی سس بیس سال کا ہو چکا تھا۔ وہ دربار میں سائرس کے پیچھے خاموشی سے کھڑا رہتا تھا۔ ترجمانوں کے ذریعے ہونے والے بحث و مباحثوں سے وہ اکتانے بھی لگتا تھا۔ اس کی تعلیم غیر ملکی اساتذہ کی رہین منت تھی۔ اس لیے وہ فارسی کے علاوہ عیلامی، آرامی اور بھی بہت سے زبانیں بخوبی بول اور سمجھ سکتا تھا۔ وہ دربار میں ہونے والے تمام مباحثوں کو بخوبی سمجھتا تھا۔ تاہم سائرس نے دیکھا کہ جب اسے کوئی فیصلہ کرنا ہوتا تھا تو وہ اپنے

مشیروں سے مشورہ کرتا تھا۔ یا تحریر کردہ روایات پر نظر ڈالا کرتا تھا۔

سائرس نے فوراً ہی فیصلہ کر ڈالا کہ وہ اپنے بیٹے کو اپنے ہمراہ سفر پر لے جائے۔ ایک دوست کی اس طرح ہمراہی شاید ان میں ذہنی اور فکری ہم آہنگی پیدا کر دے۔ سائرس کمبی سس کے ذہن کو اچھی طرح سے نہ سمجھتا تھا۔ مگر اریگیک کے ذہن کو وہ بخوبی سمجھتا تھا۔ جو وہاں سے تیس منزلیں دور تھا۔ اس موقع پر کسانوں نے آنسو بھری آنکھوں سے قانون برداروں سے التجا کی کہ وہ سائرس کو یاد دلائیں کہ قانون کے مطابق ہخامنشی تخت کا وارث اپنے باپ کے ساتھ اپنا علاقہ چھوڑ کر کہیں نہ جا سکتا تھا۔

اس دن جب سورج غروب ہو گیا تو رکھوالا اپنے ہاتھی دانت کے تخت سے نہ اٹھا۔ بلکہ اسی پر بیٹھا رہا۔ عقاب کے سر والی لمبی چھڑی والے چیمبرلین نے دربار سے سب کو رخصت کر دیا۔ پھر بھی سائرس اپنی جگہ سے نہ اٹھا۔ اس کے ملازم باہر صحن میں کھڑے ہو کر اس کے باہر نکلنے کا انتظار کرنے لگے۔

سائرس اس رات کافی دیر تک ہال میں بیٹھا رہنا چاہتا تھا۔ غلاموں نے اپنے مگس رانی کرنے والے پرے ایک طرف رکھ دیے اور چاندی کے مانیانی شمع دانوں میں بتیاں روشن کرنے لگے۔ شعلے مرمریں ستونوں پر رقص کرنے لگے اور آہستہ آہستہ بلند ہونے لگے۔ ہال کی تاریکی چھٹ گئی۔ گہرے سناٹے میں دریا کے بہنے کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ سالہا سال پہلے سائرس کو دریا کے بہنے کی آواز میں انا ہتیا کی آواز سنائی دیتی تھی۔ مگر اب سوتے پانیوں کے بھنوروں سے ٹکرانے اور تیزی سے بہنے کے سے کوئی آواز سنائی نہ دے رہی تھی۔ شاید اب وہیں اپی تس نے جس نے بابل میں تعلیم و تربیت حاصل کی تھی، ناچتی جھاگ اڑاتی انا ہتیا کی جگہ لے لی تھی۔

سائرس اپنے گردو پیش رونما ہونے والی تبدیلیوں سے باخبر تھا۔ گر وہ انہیں ہرگز نہ سمجھ سکا تھا۔

پھر اسے یوں محسوس ہوا گویا اس کا فرا واشی اسے آئندہ پیش آنے والے واقعات سے باخبر کرنے لگا ہو۔ اس کے پرانے دوست یا تو مر چکے تھے یا دور دراز کے علاقوں میں بکھر کر اس سے دور ہو چکے تھے۔ اس کا پہاڑوں میں بسنے والے لوگوں کو متحد کرنے کا خواب اس حقیقت نے خاک میں ملا دیا تھا کہ پہاڑوں میں بکھرے ہوئے لوگوں کی تعداد اور قبائل کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔ وہ جانے کہاں کہاں بکھرے پڑے تھے۔ انشان کی بلندیاں عیلامی نراعیوں سے جا ملتی تھیں۔ اور عیلامی میدان دور بابل کے کھیتوں سے جا ملتے تھے۔ میڈیا کی سلطنت کی نہ تو کوئی سرحدیں تھیں نہ حد بندیاں۔ اس کا یہ مقصد کہ وہ تمام اقوام کو آپس میں متحد کر دے اور ان کے مابین دوستانہ تعلقات پیدا کر دے کامیاب نہ ثابت ہو سکا تھا۔ اریبوئل کے عقب میں میڈاس لوگ۔ جو لیڈیا والوں کے اتحادی تھے اور خود لیڈیا والے سمندر کے یونانیوں کے دوست تھے۔ مغرب میں اور کیا باتیں پوشیدہ تھیں؟ اور کیا چیزیں اس کی منتظر تھیں؟ وہ مشرقی علاقوں میں صرف کرمانیوں کے قلعہ بند شہر تک ہی گیا تھا۔ پھر ملی تس کے دانا آدمی تھے جنہوں نے اسے ذہنی طور پر پریشان کر رکھا تھا۔ اس کی خواہش تھی کہ صرف ایک یونانی سائنس دان اس کے ہمراہ ہوتا جس سے وہ ہر معاملے پر بحث و تمحیص کر سکتا اور اس کے عقلمندانہ مشوروں سے مستفیض ہو سکتا۔

حقیقت یہ تھی کہ مغرب میں سائرس گارسے کی اینٹوں کے بنے ہوئے شہروں میں بہت عرصہ تک قیام پذیر رہا تھا۔ اس کی جبلت خانہ بدوشوں جیسی تھی۔ پھر بھی اسے ان لوگوں کا خیال تھا جو شہروں میں بستے تھے۔ شہروں میں بسنے والے لوگ

جنس طور پر اکٹھے رہتے تھے۔ سائرس مویشیوں کے گلوں کی نگہبانی کرنے کا عادی تھا کیا انسان بھی مویشیوں کے گلوں کی مانند ہانکے جاسکتے تھے؟ کیا ان کی بھی مویشیوں کے گلوں کی مانند حفاظت اور دیکھ بھال کی جاسکتی تھی؟ کیا وہ بھی مویشیوں کی مانند کھلاتے پلائے جاسکتے تھے؟ ان کی نسل بڑھائی گھٹائی جاسکتی تھی؟ انہیں ذبح کیا جاسکتا تھا؟ یہ پاگل سوچیں تھیں۔ انہوں نے سائرس کو عجیب سے خوف سے دوچار کردیا۔

خوف کے احساس نے اس کے اندر غیظ وغضب کی آگ بھڑکا دی۔ وہ ایک دم ہی کچھ کر ڈالنے کے لیے بے چین ہو اٹھا۔

"دُور کر جاؤ، غلیظ بدروحو! بدی کی ناپاک قوتو!" وہ ان غلاموں کی طرف منہ کر کے دھاڑا۔ جو اپنے گس رانی کے کپڑوں سے شمع دانوں کی روشنی کو تیز ہواؤں سے بجھنے سے محفوظ رکھنے کی کوشش کر رہے تھے۔ پھر وہ ان کے پاس سے تیز قدموں سے گزرتا ہوا باہر غلام گردش میں آگیا۔ وہاں کھڑے سرداروں نے اسے دیکھ کر سر جھکا دیے۔ کبھی سس سارڈیس کے امراء کے ایک گروہ کے ساتھ گپ بازی میں معروف تھا۔ وہ سب کسی بات پر بے تحاشہ ہنس رہے تھے۔ سائرس کو دیکھتے ہی وہ ایک دم خاموش اور سنجیدہ ہو گئے۔

" کبھی سسی!" اس نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔ "تمہارے لیے کیا انشان ہی میں ٹھہرے رہنا مناسب ہے؟ میرے لیے کام کرو۔ دس قبائل کے سرداروں سے صلاح مشورہ کرو۔ یہاں میرے نائب بن کر حکومت کرو۔ اور صرف اسی وقت مجھ سے رابطہ قائم کرو جب واقعی اس کی ضرورت ہو۔"

اس کی نظریں کاتبوں کے گروہ پر پڑیں جو ایک ٹک اسے دیکھے جارہے تھے۔ ان میں ترجمان بھی تھے اور وفود بھی تھے۔

" یہیں رکو " اس نے انہیں مختصراً ہدایت کی اور اپنی ہدایت کی تعمیل ہوتے دیکھی۔ اسوارن کا ایک نوجوان افسر چیمبرلین کی چھڑی کا معائنہ کر رہا تھا۔ سائرس نے اسے اپنے پاس بلایا۔

" ایرانیوں کی لشکر گاہ میں جاؤ " سائرس نے اسے حکم دیا " اور گھڑ سوار دستوں سے کہو کہ وہ کئی چاندوں کا سفر کرنے کے لیے تیاری کر لیں۔ وہ اپنا سامان سفر اور اسلحہ وغیرہ سب تیار کر لیں۔ ان سے کہو کہ وہ اپنی تیاریاں مکمل کر کے دربار کے دروازے پر کھڑے ہو جائیں۔ یہ میرا ہخامنشی بادشاہ کا حکم ہے "

سپاہی ششش و پنج کے عالم میں کھڑا رہ گیا۔ چیمبرلین نے جھجکتے جھجکتے سوال کیا کہ شہنشاہ کس دن روانہ ہونا چاہتا تھا ؟ اور اس سفر کے لیے کتنے دن تیاریوں کے لیے درکار ہوں گے ؟

سائرس نے چیمبرلین کی طرف دیکھا " صرف پانچ گھنٹے۔ دن نہیں " اس نے اسوارن کے دراز قد افسر کی طرف اشارہ کیا " اسے اچھی طرح سے سمجھ لو۔ ان سے جا کر کہو۔ صبح کے تڑکے ہی میں اس سرزمین کے سفر کی طرف چل پڑوں گا جہاں سے سورج طلوع ہوا کرتا ہے۔ جو اس وقت تک تیار ہو چکے ہوں گے وہ سب میرے ساتھ چلیں گے اور جو تیار نہ ہو سکے ہوں گے وہ یہیں رہیں گے "

سو اس طرح سائرس نے مشرق کی جانب اپنے سفر کا آغاز کیا۔ اس کے ہمراہ ایسا بھی ایک خالتو نسایائی گھوڑے کے ہمراہ تھا اور ایمی تس بھی تھی۔ جو ایک بند گاڑی میں بیٹھی تھی۔ پھر وہ گاڑی سے نکل کر ایک پہاڑی ٹٹو پر سوار ہو گئی۔ لشکر کے عقب میں مال اسباب سے لدے چھکڑے اور جھٹیلے چلے آ رہے تھے۔ ساتھ ساتھ مویشیوں کے ریوڑ بھی تھے۔ ہیرکانی گھوڑے بڑی تیزی سے سفر طے کر رہے تھے۔ کیونکہ ان کے منہ اپنے دیس کی چراگاہوں کی جانب تھے۔ جن کی وہ خوشبو سونگھ

رہے تھے۔ اس لشکر میں کیمپ دوشیزوں کی بھی خاصی تعداد تھی۔ شکاری اور مشغف کتے بھی خاصی تعداد میں ہمراہ تھے۔

جن غیر ملکیوں نے اس لشکر کی روانگی کا نظارہ دیکھا انہوں نے اندازہ لگایا کہ شاید سائرس کوئی نئی جنگ لڑنے جا رہا تھا۔ قانون برداروں نے تاویل پیش کی کہ سائرس جو اکثر اپنی سرحدات کے معائنے پر نکلا کرتا تھا اب اپنی مشرقی سرحدات کی صورتحال کا جائزہ لینا چاہتا تھا۔ مگر بہت سے دوسرے لوگوں کا خیال تھا کہ شید سائرس کا دماغ چل گیا تھا جو وہ یوں اچانک فوج لے کر مشرقی سرزمین کی جانب روانہ ہو رہا تھا۔

سائرس نے انہیں نہیں بتایا تھا کہ وہ کیوں مشرق کی طرف سفر کر رہا تھا۔ وہ انہیں اندازوں اور قیاس آرائیوں میں ہی مصروف چھوڑ دینا چاہتا تھا اور پھر جب اس کا لشکر دریائی گھاٹی سے باہر نکل کر اس میدان میں پہنچا جس میں گھاس اگی ہوئی تھی اور جس پر افق کے بادل سایہ فگن تھے تو اس وقت اس نے عرصہ دراز کے بعد پہلی مرتبہ عجیب سا اطمینان اور سکون اپنی روح میں اترتے محسوس کیا۔

باختریا کی آگ، قوی گشتاسپ

بوریں شفاف پہاڑ مشرقی سرزمینوں کی طرف جانے والے راستے پر کھڑے تھے۔ وہ انہیں متواتر کئی دنوں تک دیکھتے رہے یہاں تک کہ وہ انہیں اپنے پیچھے چھوڑ آئے۔ انہیں اس کی کوئی پرواہ نہ تھی کہ وہ ایک ہی دن میں گھوڑوں پر کتنی مسافت طے کر لیتے تھے۔ محافظ چوٹی کی ہیئت تھوڑی ہی حد تک تبدیل ہوتی تھی اس کے گرد کاروانوں کے راستے پر چکر لگانے ہوئے انہیں وہ ہوائیں محسوس نہ ہوئیں جو شفاف پہاڑوں یعنی کوہستانِ دیماوند کی برف پوش چوٹیوں سے ٹکراتی ہوئی اس طرف آ رہی تھیں اور اپنے ہمراہ سفید غبار بھی لا رہی تھیں۔

ہخامنشیوں کے ہمراہ جو سائنس دان تھے۔ وہ صبح کے وقت آسمانوں پر محیط سفید بادلوں کے ساتھ ساتھ اڑتے سفید غبار کی کوئی وضاحت پیش نہ کر سکے اور نہ ہی بلند چوٹی میں رہنے والے دیوتا کو کوئی نام دے سکے۔ انہوں نے کہا کہ چونکہ اشوریوں نے اس چوٹی کو شفاف و آبدار کا نام دیا تھا۔ اس لیے شاید انہوں نے اس دیوتا کو اس زمانے میں جب کہ ان کی قوت و طاقت اوجِ کمال کو پہنچی ہوئی تھی اور ان کی افواج نینوی سے نکل کر غلاموں، مال مویشیوں کے حصول کے لیے بلند و بالا

پہاڑوں کو چھانتی پھر رہی تھیں، دیکھ رکھا ہو گا۔ گر وہ افواج پہاڑوں میں کبھی اتنی دور نہ جا سکی تھیں۔ کیونکہ پہاڑوں میں آباد لوگ انہیں ہمیشہ وہاں سے مار بھگاتے تھے۔

' صاف ظاہر ہے۔' سائرس بولا۔ 'کراں بلند پہاڑوں کے دیوتا اشوریوں کے دشمن تھے۔ اس لیے ان کی راہ روک لیتے تھے۔ مگر مجھے یقین ہے کہ وہ ہماری پیش قدمی کی ہرگز مزاحمت نہ کریں گے۔'

اس کی لشکر گاہ۔ اس کا متحرک کیمپ بمشکل ہی کسی فوج سے مشابہہ تھے۔ دن کے وقت اس کے گھڑسوار شکار کی غرض سے میدانوں میں بکھر جاتے تھے۔ سکاؤٹ پیش قدمی کے دوران لشکر کی راہنمائی کرتے تھے اور خطرات کی نشاندہی کرتے جاتے تھے۔ لشکر کے پیچھے مال بردار گاڑیوں کی قطاریں رواں ہوتی تھیں اور پھر جب سائرس اور اس کے لشکری ایک ایسی ندی کے کنارے پہنچے جہاں انہوں نے رات کو پڑاؤ ڈالنا تھا تو انہوں نے وہاں افسروں سالاروں کے لیے چمڑے کے خیمے کھڑے دیکھے۔ گھوڑوں کے قیام کی جگہ الگ بنائی گئی تھی اور آگ کے الاؤ بھی جگہ جگہ روشن تھے۔ دن کے مقابلے میں رات کے وقت سائرس کے احکامات بڑے سخت قسم کے ہوتے تھے۔ رات کو پڑاؤ میں اسوارن کے سپاہی سائرس اور اس کے گھوڑوں کے گرد دائرہ بنا لیتے تھے۔ ان پہریداروں کی ڈیوٹیاں رات بھر وقفے وقفے سے بدلتی رہتی تھیں۔ بڑی لشکر گاہ کے باہر شکاریوں اور مختلف قبائل کے سرداروں کے خیمے ہوتے تھے۔ ان کے ہمراہ متعلقہ کتے بھی ہوتے تھے۔ یہ تربیت یافتہ کتے پہرے داروں کے سو جانے کے بعد بھی رات بھر جاگ کر بڑی چوکسی سے پہرہ دیتے رہتے تھے۔

پھر جب پیش قدمی شروع ہوتی تو سائرس نے دیکھا کہ ہر پیادہ سپاہی کے

ہاتھ میں ایک بھاوڑا تھا اور ان کے نیزوں اور کمانوں کے ساتھ آنکڑے بھی ان کے جسموں پر آراستہ تھے۔ جہاں سڑک ٹوٹی پھوٹی ہونے اور چٹانیں وغیرہ آپڑنے کے سبب بند ہو کر رہ چکی ہوتی تھیں۔ تو یہ آدمی اپنے ہتھیار اتار کر ایک طرف رکھ دیتے تھے اور سڑک پر سے چٹانیں ہٹانے اور اس کی مرمت کرنے میں مصروف ہو جاتے تھے۔ اسواروں والوں سے ایسی کوئی خدمت نہ لی جاتی تھی۔ البتہ انہیں جھاڑ جھنکاڑ میں راستہ بنانے کے لیے چھوٹی کلہاڑیاں ضرور تھمادی جاتی تھیں۔ اس لشکر کے ہمراہ مہندسین بھی تھے۔ انہوں نے اپنی گاڑی میں لکڑی کے لٹھے اور ہموار سطح کی کشتیاں اور بھاری زنجیریں لاد رکھی تھیں۔ یہ چیزیں دریاؤں ندی نالوں پر پل بنانے کے کام آیا کرتی تھیں۔

اب وہ مغرب سے مشرق کو جانے والے بڑے کاروانی راستے پر آپہنچے تھے۔ دغائی کے مغرب میں یہ راستہ بحیرۂ ہیرکانیہ کے گرد سے چکر لگاتا ہوا ایجیبل ارمیا اور بحیرۂ اسود کے ساحل تک جا پہنچتا تھا۔ اس کی ایک شاخ اگبتانا جاتی تھی۔ وہاں سے وہ مغرب کا رخ اختیار کرتی ہوئی قدیم اشوری سرزمین کی طرف چکر لگا جاتی تھی۔ ایرانیوں کا رخ بہرکیف مشرق کی طرف تھا۔

آبدار پہاڑوں کے عقب میں انہیں کسی فوری خطرے کا سامنا نہ کرنا پڑا۔ ہنخا منشی لشکر الفالفا گھاس کے میدانوں اور زیر کاشت زمینوں میں سے ہوتا ہوا آرام سے آگے بڑھ گیا۔ ان علاقوں کے کسان اپنے گارے اور ڈھلوان چھتوں کے مکانوں سے باہر نکل کر بغیر کسی ڈر یا خوف کے اس لشکر کی پیش قدمی کا نظارہ کرتے رہے۔ انہوں نے لشکریوں کو بتایا کہ وہ سرزمین قوی گشتاسپ کی سرزمین تھی جو حملہ آوروں کو شدید ترین سزائیں دیا کرتا تھا۔ سائرس نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا کہ وہ مال کے بدلے مال کے اصول پر ان کسانوں سے مویشی وغیرہ حاصل کر لیں۔ یہ

لوگ آریانسل سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کسانوں کے بارسوخ شخصوں نے ان عجیب و غریب سواروں کے پاس آکر ان سے گھوڑوں سے اترنے کی درخواست کی۔ اور انہیں اپنے گھروں میں چل کر گوشت کھانے اور دودھ پینے کی دعوت دی۔ معلوم ہوتا ہے ایسا انہوں نے محض اپنے جذبۂ مہمان نوازی کے تحت کیا تھا۔ اپنے بادشاہ کے حکم سے نہیں۔

سورج چڑھنے پر، جب کہ شمالی سمت سے تیز ہوا چلنی شروع ہو چکی تھی۔ ایرانی نے اپنے سفید نسایانی گھوڑے سے بھی زیادہ زور زور سے سانس لیتے ہوئے کچھ سونگھنے کی کوشش کی۔ "سمندر!" وہ چلایا۔ "میں اپنے وطن کے سمندر کی خوشبو سونگھ رہا ہوں!"

اس صبح پہلی نحوست ظہور پذیر ہوئی۔ ایرانی شمالی جانب کھلنے والی سرخ چٹانوں والی تنگ و تاریک گھاٹی میں سے گزر رہے تھے۔ وہ ان باغی میدیوں کا تعاقب کر رہے تھے۔ جن کا سردار ابرادات تھا۔ جس نے اگبتانا میں سائرس کی وفاداری کا حلف اٹھانے سے انکار کر دیا تھا۔ ابرادات کی باغی فوج بلند میدانوں سے پسپا ہو کر شمال کی جانب مڑ گئی تھی۔ شاید ان کا ارادہ صدیوں کے سطح مرتفع کے علاقے میں پناہ لینے کا تھا۔ سائرس کو امید نہ تھی کہ ایک بحر گیاہ کسی کے لیے بہترین پناہ گاہ بھی ثابت ہو سکتا تھا۔ اس لیے اس نے یہی سوچا کہ ناقابل تسخیر ابرادات اب شاید ٹوٹتے پھوٹتے کوہی تھا اگر طاقتور ایرانی اس پر پوری شدت کے ساتھ حملہ آور ہوں گے تو وہ مزید سرکشی ترک کر دے گا۔

چنانچہ سائرس اسوارن کے بہادروں کو جن میں اکثریت کرمانیوں کی تھی۔ ساتھ لے کر آگے بڑھا۔ اس کا موڈ انتہائی خوشگوار تھا۔ اور وہ گھوڑے پر سوار اپنے ساتھیوں کے ساتھ یوں چلا جا رہا تھا گویا ہرن کے شکار کو نکلا ہو۔ اس علاقے

کی ایسی سہانی صبح نے اس کی رگوں میں خون کی روانی تیز کر دی تھی۔ ٹکراؤ بالکل غیر متوقع انداز سے ہوا۔ ان کے آگے گھاٹی تنگ ہوتی جاتی تھی۔ اس کا دہانہ بڑی بڑی چٹانوں نے قریب قریب بند کر رکھا تھا۔ اس جگہ وہ بھگوڑے باغی پھنسے ہوئے تھے جو دہانے سے باہر نکل سکے تھے۔ یہ دیکھ کر کہ وہ گھیر لیے گئے تھے انہوں نے اپنے نیزے اور ڈھالیں سر سے بلند کر لیں۔ ایک ڈھال پر ابرادات کا نشانِ خصوصی ایک عقاب جیسے پروں والے شیر کی شبیہ کندہ تھی۔ یہ ڈھال سب آدمیوں کے پیچھے دکھائی دے رہی تھی۔

پُر جوش ایرانیوں نے فوراً ہی باغیوں پر دھاوا بول دیا۔ انہوں نے اپنے تیر کمان سنبھالنے میں وقت ضائع نہ کیا اور نسایائی گھوڑوں کو سرپٹ باغیوں کی طرف دوڑا دیا۔ ان وحشی گھوڑوں کی یلغار نے باغیوں کے گھوڑوں کو بدحواس کر دیا۔ انہوں نے بری طرح سے بدکتے ہوئے اپنے سواروں کو نیچے گرا دیا۔ چند ہی منٹوں کے اندر اندر باغیوں کی اکثریت یا تو ہلاک ہو چکی تھی۔ یا زمین پر زخموں سے چور پڑی کراہ رہی تھی۔

اپنی اس فتح پر سائرس کو وحشیانہ سی مسرت محسوس ہوتی۔ گویا اس نے کسی بھاگتے ہرن کو جالیا ہو اور اسے مار گرایا ہو۔ گھاٹی کی اس جنگ میں اس نے اپنے اس باغی سردار کی شکست پر واقعی انتہائی مسرت و غرور محسوس کیا تھا۔ اس موقع پر ایمانے اپنے شگون کا اظہار کیا "چٹانوں کی دیواریں سرخ ہیں۔ ان کے نیچے زمین کا رنگ بھی سرخ ہے۔"

سائرس کے پاس ابرادات کی ڈھال لائی گئی۔ مگر مردہ جسموں میں اس کے جسم کی شناخت نہ کی جا سکی۔ حالانکہ وہ اپنے آدمیوں کے درمیان واضح طور پر دکھائی دیتا تھا۔ ایرانیوں کو اس کا چہرہ بمشکل ہی یاد تھا۔ اور میدیوں نے اس کی شناخت نہ کی

کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ پھر جو نہی لشکر گاہ کی بڑی فوج اس جگہ پہنچی۔ تو سائرس نے ایبی تس کو ایک نقاب پوش عورت کا ہاتھ تھامے اپنی طرف آتے دیکھا۔

"اگر تم سردار ابرادات کی تلاش میں ہو" اس کی بیوی نے کہا" تو یہ عورت اس کو بخوبی تلاش کر سکتی ہے۔"

وہ دوسری عورت لیڈی تھی۔ اور سائرس سے کم عمر کی معلوم ہوتی تھی۔ وہ اس بند گاڑی کے ساتھ ساتھ چلتی رہی تھی۔ جو سائرس نے اپنی حاملہ بیوی کے لیے مخصوص کر رکھی تھی۔ یا ایبی تس نے اس سے درخواست کی تھی کہ وہ اس سفر میں اپنے ہمراہ ایک لیڈی ساتھی پینتھیا کو رکھنا چاہتی تھی۔ سائرس کو یاد آیا کہ اس کی بیوی نے اس سے کئی مرتبہ درخواست کی تھی کہ وہ ابرادات کو معافی نامہ بھیج دے اور یہ دلیل دی تھی کہ ابرادات انتیاگس کا وفادار تھا۔ انتیاگس چونکہ مر چکا تھا اس لیے ابرادات اب اس امر کا پابند نہیں تھا کہ وہ اپنی وفاداریوں کا رخ سائرس کی جانب پھیر دیتا۔ مگر سائرس ایسے باغی اور سرکش سردار کے ساتھ کوئی نرمی برتنے کو تیار نہ ہوا تھا۔

"یہ عورت ابرادات کو کیونکر تلاش کرے گی؟" اس نے پوچھا۔

"پینتھیا اس کی بیوی ہے۔"

وہ اس نقاب پوش عورت کو مردہ سپاہیوں کے درمیان تیزی سے گھومتے پھرتے دیکھتے رہے۔ وہ ان مردہ سپاہیوں کے چہروں کو بغور دیکھ رہی تھی جن کے جسموں سے تمام ہتھیار اتارے جا چکے تھے۔ پھر وہ گھٹنوں کے بل زمین پر گر گئی۔ سائرس نے اپنی بیوی کا بازو چھوا۔" جاؤ اسے تسلی دلاسہ دو۔ اور اس سے کہو کہ میں سائرس اسے عزت و احترام کے ساتھ جہاں وہ چاہے بھجوانے کو تیار

ہوں۔ میں عورتوں کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا کرتا۔

" تمہارے رحم وکرم کے جذبات بہت دیر بعد جاگے ہیں ۔" گوبارو کی بیٹی نے طائنت سے کہا۔

پھر سائرس نے اپنے آدمیوں کو واپس بلوا لیا اور پینتیبا کے پاس جا کر کھڑا ہو گیا۔ اس نے اپنے شوہر کو تلاش کر لیا تھا۔ اس نے لمبے دبلے پتلے ہاتھوں سے اس کی تلوار تھام لی تھی۔ پھر اس کا نقاب پوش جسم ڈھیلا ڈھالا ہو کر ابرادات کے مردہ جسم پر گر گیا۔ سائرس نے دیکھا اس کی گردن سے خون کا فوارا ابل رہا تھا اس خون نے سارے لبادے کو داغدار کرنا شروع کر دیا تھا۔

" دیکھا تم نے ؟" ایمی تس بولی ۔" وہ اتنے بڑے فاصلے سے اپنے خاوند کا تعاقب کرتی رہی۔ مگر جب وہ اس کے قریب پہنچی تو بہت دیر ہو چکی تھی۔ تمہارا لطف وکرم اب اس کے لیے کسی کام کا نہیں رہا ۔"

پھر ایسا ہوا کہ باقی بچ نکلنے والے باغیوں کا تعاقب کرنے کے دوران سائرس اور اس کے لشکریوں کا ٹکراؤ قوی گشتاسپ سے ہو گیا۔ اس ٹکراؤ نے ایرانیوں پر جہاں دور رس اثرات مرتب کیے۔ وہاں دنیا کی تاریخ کا بھی ایک اہم باب رقم کیا۔

انہوں نے اس وقت سرخ گھاٹی سے گرتے ہوئے آبشار کے نیچے بہتے ہوئے ایک چھوٹے سے دریا کو عبور کیا تھا۔ اس میدان میں ابھی بارش برس کر بند ہوئی تھی۔ ہر چند کہ سردیوں کا آغاز ہو چکا تھا۔ انہوں نے ایک مہینے سے کہیں بھی بارش ہوتے نہ دیکھی تھی۔ وہاں ایمبانے مویشیوں کے گلوں، انگور کی بیلوں اور شہد کی مکھیوں کے چھتوں کی نشاندہی کی۔ اس نے اپنے مالک کو افق پر دکھائی دیتے نیلے سمندر کی ہلکی سی جھلک نظر آتی دکھائی۔ اس جگہ

سے انہیں محبرہ ہیرکانیہ کی گرم فضا میں بخوبی محسوس ہو رہی تھیں۔ سائرس نے سوچا کہ شاید سمندر سے آنے والے آبی بخارات اس جگہ کے برف پوش پہاڑوں سے ٹکرائے کے نتیجے میں بارش بن کر اس علاقے پر برس پڑتے تھے۔ اس جگہ کی زرخیزی اپنی سمندری بخارات کی مرہونِ منت تھی۔ پھر ایک پہاڑی کے عقب سے ایک لمبا چوڑا قوی ہیکل آدمی ایک تنومند گھوڑے پر سوار ان کی طرف آگیا۔ اور کسی بیل کی مانند ڈکراتی آواز میں چلا کر بولا "موت کے شکارو! پاک پانیوں کو ناپاک کرنے والو! آدمیوں کو شکار کرنے والو! اپنے کتوں کو فوراً واپس بلواؤ! انہیں زنجیر باندھ کر رکھو! یہ میں کہتا ہوں!"

مستعد کتے شکار کے شوق میں جوش سے بھرے ہوتے نمایاں گھوڑوں کے ساتھ ساتھ بھاگ رہے تھے۔ سائرس نے انہیں پٹے ڈالنے کا حکم دیا۔ پھر وہ اس اجنبی سوار کی طرف بڑھا اور نرم لفظوں میں اس نے اس سے اپنا تعارف کرایا۔ ایباسا نے اسے بتایا کہ سفید ہوتی ہوتی دراز داڑھی والا یہ جنگی سوار وار کانا پار تھاو یعنی ہیرکانیہ اور پارتھیا کا بادشاہ قوی گشتاسپ تھا۔

"یعنی رکھوالا اخوان سرزمینوں میں آن پہنچا ہے!" گشتاسپ اپنی ڈکراتی میں چلایا اور اپنے سر کو دو مرتبہ زور زور سے جنبش دی "یہ جھوٹوں کا بادشاہ ہے۔ یہ تمام بادشاہ میں زیادہ جھوٹا اور کاذب بادشاہ ہے" اس نے متحیر سائرس کو انتہائی بے تکلفی سے یہ عجیب سے خطابات عطا کر دیئے "تم یہاں کوئی خزانہ نہ چھین سکو گے۔ کیوں کہ میرے پاس اس قسم کی کوئی چیز موجود نہیں"۔ اس کے چوڑے چکلے چہرے پر غیظ و غضب کے آثار نمودار ہو گئے "لیکن چونکہ تم یہاں آن پہنچے ہو اس لیے تم میرے مہمان ہو۔ چلو میرے ہال میں چلو۔

اپنے لباس پر لگا ہوا یہ خون کھڑے پانی میں دھو ڈالو۔ بہتے پانیوں کو ہرگز آلودہ نہ کرو۔ بیٹھو اور پیٹ بھر کر کھاؤ پیو۔ پھر مجھے بتاؤ کہ تم یہاں کیوں آتے ہو ؟ کس مقصد کے لیے آتے ہو ؟ ایک ناخواندہ مہمان ان پرسکون اور پرامن سرزمینوں پر کیا کرنے آیا ہے ؟"

گھوڑے پر بیٹھے بیٹھے وہ سائرس کے پاس پہنچا اور اسے پرجوش استقبالیہ بوسہ دیا۔ گشتاسپ ایک پرانے طرز کا آریائی سردار تھا جیسا کہ سائرس کا باپ کمبی سس تھا۔ وہ ہنحامنشیوں سے بڑی دور کا رشتہ رکھتا تھا۔ جب وہ گنبد نما پہاڑی پر جو زدراکرتا سمندر جیسا کہ وہ اسے کہا کرتا تھا، کے کنارے بلندی پہنچا تو اس نے اپنی مخصوص ڈکراتی آواز میں اپنے ملازموں عورتوں اور غلاموں کو حکم سنانا شروع کیا کہ وہ مہمانوں کے لیے جانور اور پرندے شکار کر کے لائیں۔ کمروں کی صفائی ستھرائی کریں، پھل، صاف پانی اور دودھ سے ان کی تواضع کریں۔ اس کے بعد اس کی عورتیں گرباروکی روتی ہوئی بیوی کی طرف متوجہ ہو گئیں۔

گشتاسپ کی یہ چیخ دھاڑ بے کار تھی۔ کیونکہ اس کے محل کے کمرے پہلے سے ہی صاف ستھرے تھے اور خوشبوؤں سے مہک رہے تھے۔ وہاں مہمانوں کی ضرورت اور خورد و نوش کی ہر چیز موجود تھی۔ سائرس کو گشتاسپ کا یوں چیخنا چلانا پسند نہ آیا تھا۔ اس کا رویہ کسی غصیلے ریچھ جیسا تھا۔ سائرس اپنے آپ کو زدراکرتا کے دہانے کے اندر محفوظ و مامون محسوس کر رہا تھا۔ اسے خوشی تھی کہ وہ اپنی میدانی فوج کو مشرق کی طرف نہ لایا تھا۔ اس طرح اس کا یہ میزبان بدک جاتا۔ اور اس کی مزاحمت پر تل جاتا جس پر اس کی فوج اس علاقے پر ٹڈیوں کے دل کی مانند حملہ کر دیتی اور اسے تہس نہس کر دیتی۔ اس کے ساتھ جو فوج تھی۔ وہ زدراکرتا اور ساحل سمندر کے درمیان ڈھلوانی صورت کے الفانگھاس کے میدانوں میں پڑاؤ ڈالے ہوئی تھی۔ اس نے

گشتاسپ سے کہا کہ اس نے اپنی عمر میں کبھی اتنی لمبی گھاس نہ دیکھی تھی اور نہ ہی اتنی گہرائی تک ہل چلی ہوئی زمین اور اتنے فربہ اور تنومند گھوڑے دیکھے تھے۔

اس پر ہیرکانیہ کے بادشاہ نے حلیمی سے جواب دیا "میرے گھوڑے فربہ اور تنومند ضرور ہوں گے۔ مگر وہ تمہارے گھوڑوں کے مقابلے میں ایسے ہیں جیسے بھیڑیوں کے مقابلے میں کھیاں۔ میں تسلیم کرتا ہوں سائرس۔ میرے عزیز۔ کہ یہ سرزمین بہت اچھی ہے۔ پہلے یہ بھیڑیوں کی سرزمین کہلاتی تھی۔ کیونکہ یہاں حملہ آور آگ لگانے اور کشت وخون کرنے آیا کرتے تھے۔"

اس کے چہرے پر سایہ سا لہرا گیا۔ سائرس نے محسوس کیا جیسے وہ اس سے کچھ چھپانے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس رات اپنے مہمانوں سے کوئی بحث کیے بغیر گشتاسپ اور اس کا خاندان محل کے عقب میں واقع ایک پہاڑی غار میں چلے گئے وہ اپنے ہمراہ ایک بیل کو لے گئے تھے۔ جسے انہوں نے غار کی آگ کے سامنے قربان کرنا تھا۔ پھر ہوما شراب کے ہمراہ اس کا بھنا ہوا گوشت کھانا تھا۔ اور بھجن گانے تھے۔ آخر میں ان بھجنوں کی آوازیں مدہوش مدہوش سی سنائی دینے لگیں۔ ایسا نے وضاحت کی کہ یہ انہوں نے مہر کے حضور بھینٹ چڑھائی تھی۔ اور یہ اس انسانی قتلِ عام کا کفارہ تھی جو سرخ گھاٹی میں ہوا تھا۔

ایرانی جو رات گزارنے کے لیے آئے تھے وہ زردرا کر تا میں سردیاں گزارنا چاہتے تھے۔ کیونکہ گشتاسپ نے ان سے کہا تھا کہ کوارا کی بلندیوں میں برف باری ہونے کے سبب مشرق کو جانے والا کاروانی راستہ بالکل بند ہو چکا تھا۔ اس لیے سائرس کو شمالی جانب پیش قدمی کرنے کے بجائے یہیں رہنا چاہیے۔

گشتاسپ کے خیال میں شمال میں بڑا خطرہ موجود تھا۔ جو سدّیوں کا علاقہ تھا وہاں سے گھاس کے میدانوں میں گھاس پکتے ہی سدّیوں کے غول کے غول نمودار

ہو جاتے تھے اور ان جنوبی علاقوں میں دھاوے کرنے گھس آیا کرتے تھے جب سائرس اپنے میزبان سے ساری معلومات حاصل کر چکا تو اس نے ملائمت سے کہا کہ یہ عظیم بادشاہ کی ذمہ داری تھی کہ وہ ہیرکانیوں اور پارتھیوں کو ان سطح مرتفعاتی علاقوں کے وحشیوں سے محفوظ رکھے۔ وہ جانتا تھا کہ گشتاسپ نے استیاگس کو خراج کی ادائیگی بند کر دی تھی اور خود مختار حکمران جیسے طور و طرائق اختیار کر لیے تھے۔ اگتبانا سے دور ہونے کے سبب وہ اپنے طور حکومت کرنے کو آزاد تھا ایسے نہ سزا دی جاسکتی تھی نہ اس کی سرکشی ختم کرنے کی کوشش کی جاسکتی تھی۔ اب سائرس نے اس سے کہا کہ وہ ہیرکانیہ اور پارتھیا کاستراپ بن جائے۔ اس طرح وہ حسب سابق اپنی سرزمینوں پر حکومت کرتا رہے گا مگر وہ ہخامنشی بادشاہ کا ماتحت ہوگا۔

" لیکن مجھے خراج کتنا دینا ہوگا؟ گشتاسپ نے اپنی ڈکراتی آواز میں پوچھا " یہ بتاؤ سیسکر عزیز کہ تمہیں ہر سال غلہ اور اناج کی کتنی گاڑیوں، مویشیوں کے کتنے گلوں، کتنے من خشک سیبوں اور کتنے قیراط چاندی اور جواہرات کی ضرورت ہوگی؟ استیاگس نے تو حکم دے رکھا تھا کہ میں اسے سونا بھی دیا کروں۔ میرے پاس کوئی سونا نہیں۔ یہ دھات یہاں مشرق سے پہنچتی ہے۔"

سائرس نے خراج کے نازک موضوع پر سوچ رکھا تھا۔ اس نے اس سے کہا کہ وہ سوائے قحط اور وباؤں کے زمانے کے ہر سال کل پیداوار کا چھٹا حصہ بطور خراج ادا کر دیا کرے۔ اس کے بدلے وہ ضرورت پڑنے پر اس کی ہر طرح سے مدد کر دیا کرے گا۔

" ایک لومڑی نے " گشتاسپ کہنے لگا " ایک چھکر کو کہا " میں ہر طرح کے خطرے میں تمہاری مدد کروں گی۔ اور تمہاری فاقہ مستی کے دنوں میں تمہارے

کھانے پینے کا انتظام کر دیا کرے گی۔" یہ کہنا آسان ہے گر کرنا مشکل۔ میری سرزمین ہیرکانیہ میں کبھی قحط نہیں پڑا ہے۔ کیا تم جانتے ہو کہ کیوں کر؟ اس لیے کہ ہم ان سرزمینوں سے بہت دور ہیں۔ جہاں شہنشاہیت قائم ہے اور بڑے بڑے شہر آباد ہیں۔ ہا! جہاں قومیں آپس میں لڑا کرتی ہیں۔ جہاں انسان انسانوں کو غلام بنا لیتے ہیں۔ اس لیے کہ وہ ان کے لیے محل اور مینار تعمیر کریں تاکہ ان پر چڑھ کر وہ ان دیکھے خداؤں کو دیکھ سکیں۔ زمین پر محنت کرنے کی طرف کوئی توجہ نہیں دیتا۔ جو سونا اگلنے والی چیز ہے۔"

کئی شاموں کی ایسی ہی باتوں اور بحثوں کے بعد بالآخر خراج کی ادائیگی کا معاملہ طے ہو گیا۔ گشتاسپ کو اس پر دل ہی دل میں بے حد اطمینان محسوس ہوا۔ اسے یقین تھا کہ سائرس اپنی زبان سے نکالے ہوئے الفاظ پر عمل کرے گا۔ اپنے طور سائرس نے حکم دیا کہ اس جگہ غلہ گودام تعمیر کیے جاتے اور سیلابی ندی نالوں کو تباہ کاریوں سے محفوظ رکھنے کے لیے پشتے تعمیر کیے جائیں اور ان کے رخ بستیوں کی طرف سے موڑ دیے جائیں۔ پھر سردیوں کے اختتام پر اس نے گشتاسپ سے وہ سوال پوچھ ڈالا جو عرصہ دراز سے اس کے ذہن میں کلبلا رہا تھا۔ "یہ بتاؤ میرے عزیز کہ تم نے میرا استقبال چھوٹے بادشاہ کے لقب سے کیوں کیا تھا؟ یہ لقب آج تک مجھے کسی نے نہیں دیا۔"

"تم نے یہ لقب ورثے میں پایا ہے۔ استیاگس پرلے درجے کا جھوٹا اور کاذب شخص تھا۔ کیا تم اس کے جانشین نہیں ہو؟ کروئسس بھی جھوٹا تھا۔ تمام ان بادشاہوں کی مانند جو سرزمین مغرب میں حکمرانی کر رہے ہیں۔

سائرس کو حیرت ہوئی کہ بظاہر وحشی اور پسماندہ دکھائی دینے والا گشتاسپ مغرب کے بارے میں کتنی درست معلومات رکھتا تھا۔ اس وقت اسے یاد آیا کہ

ہیرکانیوں کی بھاری تعداد میڈیا اور ایرانیوں کی فوج میں شامل تھی۔ سائرس خود ہارپیگ اور دوسرے سترالپوں کے قاصدوں کے ساتھ جو روزانہ دن میں کئی کئی مرتبہ اس کے پاس پہنچتے رہتے تھے۔ رابطہ رکھتا تھا۔ اوران کی زبانی ان دور دراز کے حالات سے آگاہ ہوتا رہتا تھا۔ یہ خیال آتے کے ساتھ ہی اسے کچھ پریشانی سی محسوس ہونے لگی۔ اس کے بیٹے نے اب تک اسے پارس گرد سے کوئی خبر تو نہ بھیجی تھی۔

"کیا تم یہ بھی سوچتے ہو کہ قدیم بدعتوں اور برائیوں کو کسی اچھی صورت میں ڈھالنا ممکن ہو سکتا ہے؟"

"ہاں۔" گشتاسپ بولا۔ "زرتشت نے یہی کہا تھا۔"

زرتشت کے نقشِ قدم پر

زرتشت کے بارے میں کچھ کہنے سے پہلے گشتاسپ تھوڑی دیر تک خاموش بیٹھا اپنے خیالات مجتمع کرتا رہا۔ زرتشت نہ تو کوئی شریف آریائی تھا نہ ماگی اور نہ ہی وہ کوئی پجاری یا پروہت تھا۔" کوئی سال ایسا نہیں گزرتا" بالآخر وہ کہنے لگا "جب کوئی نجات دہندہ اپنی قوم کے بچاؤ کے لیے ظہور نہیں کرتا۔ اور نہ ہی کوئی زمانہ ایسا گزرتا ہے جب کوئی زمینی دیوتا اپنی قوم کو دنیا کی عظیم ترین اور طاقت ور ترین قوم بنا دینے کے لیے اس میں پیدا نہیں ہوتا۔" اتنا کہہ کر اس نے قدرے توقف کیا۔ پھر سلسلۂ کلام جوڑتے ہوئے کہنے لگا "آج سے ۹۰ سال قبل زرتشت دغائی سپاہیوں کے ہاتھوں سے بمشکل تمام بچ بچا کر یہاں پہنچا تھا۔ میں نے اسے اپنے گھر میں پناہ دی۔ اس کی میزبانی کی۔ اس کی باتیں توجہ کے ساتھ سنیں۔ وہ پرشاسپ کا بیٹا تھا۔ جو بھورے گھوڑوں والی سمندر کے مغرب میں واقع سرزمین کا مالک ہے۔ ان کی نسل سفید فام سپتیا مانسل کہلاتی ہے ایک زمانے میں وہ سپاہی بھی رہا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ پارتھیوں کی لمبی کمان کیونکر استعمال کی جاتی تھی۔ وہی جس کا ایک سرا تم لوگ اپنے پاؤں کے نیچے رکھ کر چلہ کھینچا

کرتے ہو۔ اس کمان کے ذریعے چھوڑا ہوا تیر آہنی ڈھال کو بھی توڑ ڈالتا ہے۔

سائرس کو اس بات پر خاصی حیرت تھی کہ آخر زرتشت کا ایسا نام بھلا کیونکر رکھا گیا تھا۔ سونے سے لدے ہوئے اونٹوں والی بات تو فضول ہی معلوم ہوتی تھی عجیب بات یہ تھی کہ دوسرے لوگ اس آوارہ گرد پیغمبر کی ذات میں اگرچہ کوئی دلچسپی نہ لیتے تھے مگر اس کے اقوال ان کی نوک زبان پر رہتے تھے۔

• ایک رات "گشتاسپ کہنے لگا" ایک رات میں چمکدار سیریوس کی اولین کرنوں کا نظارہ کرنے باہر نکلا۔ میں نے دیکھا زرتشت بھی باہر موجود اس ستارے کے طلوع ہونے کا منتظر تھا۔ ستارے کو طلوع ہوتے دیکھتے ہی اس نے اس کی طرف اپنے بازو پھیلا دیے۔" وہ کون ہے جس نے سورج کو ستاروں سے زیادہ تابندگی اور درخشانی عطا کی ہے؟ اس نے کہا۔ کون ہے وہ جس نے چاند کو سورج سے کم روشن اور چمکدار بنایا ہے؟ وہ کون ہے جس نے زمین کا نیچے سے توازن برقرار رکھا ہوا ہے؟ اور ستاروں کو آسمان سے گر پڑنے سے محفوظ رکھا ہوا ہے؟ وہ کون ہے جس کے ہاتھ میں ہواؤں کی لگامیں ہیں اور جو بادلوں کو اپنی مرضی کے مطابق حرکت دیتا ہے؟ وہ کون ہے جس نے دن رات پیدا کر رکھے ہیں۔ نور کو ظلمت سے جدا کر رکھا ہے؟ وہ کون ہے جس نے آدمی کو اپنی ہستی اور اپنی تخلیقات کے متعلق سوچنے کے لیے دماغ دے رکھا ہے۔ مگر آدمی اپنے دماغ سے ایسا کوئی کام نہیں لیتا؟"

گشتاسپ نے اپنی داڑھی کھجائی۔ اور اپنی ٹانگیں آتشدان میں بھڑکتی آگ کی طرف پھیلا دیں۔ آگ سے کچھ فاصلے پر ایک بھیڑوں کی رکھوالی کرنے والا کتا سو رہا تھا گشتاسپ کا سات سالہ لڑکا دارا جسے یونانی داریوش کہا کرتے تھے۔ اپنے باپ کی پھیلی ٹانگوں پر سوار ہو گیا۔ داریوش کو سنبھالتے ہوئے مجیم شحیم گشتاسپ سلسلہ کلام جوڑتے

ہوتے کہنے لگا: "میں نے اس سے پوچھا: کیا تمہیں کوئی الوہی روشنی دکھائی دے گئی ہے؟ اس پر وہ کہنے لگا۔ مجھے کوئی الوہی روشنی یا منظر دکھائی نہیں دیا۔ البتہ میری بے کلی اور اضطراب میں اضافہ ضرور ہو گیا ہے۔" پھر وہ تاروں سے سوال کرنے لگا کہ وہ کون ہے؟ کہاں ہے؟ کیسا ہے؟ اور کیوں ہے؟ اس کا "وہ" کوئی ایسی چیز تھا جسے اس نے کبھی نہ دیکھ رکھا تھا اور جس کے بارے میں خود اسے بھی مکمل علم نہ تھا ایسی ہی بے اطمینانی اور اضطراب کی حالت میں وہ صبح منہ اندھیرے مشرق کے سفر پر چل نکلا۔ کوار کی طرف۔ میرا خیال ہے اس خطرناک اور پُرصعوبت سفر کے دوران وہ راستے میں کہیں مر کھپ گیا ہوگا۔ دیوتاؤں نے ایک قوی کا مضحکہ اڑانے کی سزا اسے موت کی صورت میں دی ہوگی۔"

"میرا خیال ہے وہ تمہیں اپنے آبائی مذہب سے برگشتہ کرنے میں کامیاب ہو گیا ہوگا؟" سائرس نے کہا۔

"فی الحال تو نہیں۔" گشتاسپ ہنس کر بولا۔ "البتہ میری بیوی۔ میری پہلی بیوی ہوتا سہ ضرور اپنے دین سے پھر گئی ہے۔" پھر قدرے توقف کے بعد وہ کہنے لگا۔ تاہم سائرس۔ میرے اس نشان کے رشتہ دار۔ اس کے جانے کے بعد میں نے اسے بہت محسوس کیا۔ مجھے باغوں اور کھیتوں میں اس کی پکار سنائی دیتی رہی گویا کوئی فرادا شتی مجھ پر نالہ وزاری کر رہا ہو۔"

پھر وہی آواز۔ سائرس نے سوچا۔ زرتشت اگر واقعی کوئی انسان ہی تھا۔ بُرے یا نیک خیالات کی آواز نہ تھی۔

"سرکوں کے محافظ اس کے تعاقب میں تھے۔" گشتاسپ نے اضافہ کیا۔

جب زمین سخت ہو گئی تو سائرس نے ہیرکانی اور پارتھی نوجوانوں کو گھڑ سواری کی تربیت دینی شروع کی۔ اس نے پارتھی نوجوانوں سے بڑی بڑی کمانیں چھڑوا

دیں اور انہیں زین پر بیٹھ کر چھوٹی کمانوں سے تیزی سے اپنے عقب میں اور اپنے سامنے تیر چلانے کی تربیت دینی شروع کی۔ یہ نوجوان بہت جلد اس کے گرویدہ ہو گئے۔

یہ بادشاہ ہیر کا بیٹا اور پارتھیا کا نیا ستراپ کھیتوں اور باغات میں کام کرنے والے نوجوانوں کو فوجی خدمات کے لیے چننا پسند نہ کرتا تھا۔

"کسی دن سردی آجائیں گے۔ پھر تمہارے کھیتوں اور باغات میں کام کرنے والے لوگ کہاں ہوں گے ؟" اس نے کہا تھا۔

گشتاسپ کو شبہ تھا کہ ہخامنشی بادشاہ مشرق کی طرف پیش قدمی کرتے وقت مقامی بھرتی شدہ نوجوانوں کو اپنے ساتھ لے جائے گا۔ اور سائرس نے یونہی کیا۔ البتہ اس نے اپنی عیلامی بیوی کو زور اکرتا میں ہی چھوڑ دیا۔ اس کے ذہن پر ابھی تک ابرادات اور بیٹیتیا کی عبرت ناک موتوں کا اثر طاری تھا۔ اس کے علاوہ وہ حاملہ بھی تھی۔ اور اس کا ایک فوجی مہم پر جانا مناسب نہ معلوم ہوتا تھا۔ ہوتاسہ نے اس کی خبر گیری اپنے ذمے لے لی۔ پھر سائرس یہ بھی چاہتا تھا کہ اس کی بیوی گشتاسپ کے پاس بطور یرغمالی رہے۔ تاکہ وہ اس کی نیت پر کوئی شک و شبہ نہ کر سکے۔ اسے نہ صرف گشتاسپ کی دوستی کا خیال تھا بلکہ ان زرخیز زمینوں کا بھی خیال تھا جو بحیرہ ہیرکانیہ کے ارد گرد پھیلی ہوئی تھیں۔ امیٹس کی جدائی اسے بری طرح سے محسوس ہوتی تھی۔ وہ ہر شام اس سے اپنی پریشانیاں اور الجھنیں کہہ سنایا کرتا تھا۔ اور وہ اپنی سمجھ بوجھ کے مطابق اسے بہترین مشورے دیا کرتی تھی۔ جب وہ مشرق کی سرخ بلندیوں کی جانب روانہ ہوا تو ہر چند کہ وہ اپنے آپ کو بے حد طاقتور اور مقتدر محسوس کر رہا تھا۔ اسے اپنی تنہائی اور اکیلے رہ جانے کا احساس بھی بری طرح سے ستا رہا تھا۔

زرتشت کا خیال بھی اسے مسلسل بے چین و مضطرب کیے ہوئے تھا۔ ہرچند کہ اس کی باتیں پیغمبروں جیسی تھیں۔ وہ حکومتوں کا باغی تھا۔ اور بقول ہارپیگ وہ ایک رذیل آوارہ گرد جنونی قسم کا آدمی تھا۔ سائرس بمشکل ابرادات جیسے خیرہ سر بانی سے نمٹا ہی تھا کہ ایک اور خیرہ سر اس کی راہ میں آموجود ہوا تھا زرتشت سے نمٹنے کے سلسلے میں ایمی تس ہی اسے بہترین مشورہ دے سکتی تھی۔ مگر اب کی بار وہ اس کے ہمراہ ہی نہیں تھی۔

نحوست کا ظہور

ایرانی جس راستے پر ہو لیے تھے وہاں کی زمین وہی جانی پہچانی سرخ زمین تھی اور وہاں جگہ جگہ پاتن کے درختوں کے جنگلات بکھرے پڑے تھے۔ آگے چلتے چلتے زمین بتدریج بلند ہوتی جاتی تھی۔ کوارا کی ان بلندیوں پر چڑھتے ہوئے انہوں نے گہری گہری سانسیں لینی شروع کر دیں اور اپنے آس پاس کسی ایسی بلند چوٹی کی تلاش میں نظریں دوڑانے لگے۔ جہاں نئے سال کے پہلے دن وہ اپنے سورج دیوتا آہورا کے لیے قربانی کی رسم ادا کر سکیں۔ اسی جگہ ان کے سفر کا دوسرا منحوس واقعہ پیش آیا۔ سائرس کے خیال میں اس میں فرناسس کا قصور تھا۔ ہرچند کہ وہ جانتا تھا کہ اس کے معاملے میں اس نے ٹھیک طور پر انصاف نہ برتا تھا۔

کوارا کی بلندیوں پر بسنے والے وحشی چرواہے اور شکاری ایرانیوں کی پیش قدمی کو روکنے کے لیے ان کے مقابلے پر اکٹھے ہو گئے تھے۔ کیونکہ ان کا خیال تھا۔ وہ غیر ملکی حملہ آور انہیں وہاں سے مار بھگانا چاہتے تھے۔ وہ اپنے نیزے بھالے کلہاڑے سنبھالے پیش قدمی کرتے لشکر کے سامنے ایک نچلی پہاڑی پر آ کھڑے ہوتے تھے۔ سائرس نے جب انہیں دیکھا تو اسے ان کی یہ حرکت بے حد احمقانہ معلوم

ہوئی۔ کیونکہ وہ منزا ایرانیوں کے تیروں کے سامنے ٹھہر سکتے تھے اور نہ ہی عرب ماردوں کے حملوں کی تاب لا سکتے تھے۔ چنانچہ اس نے اپنے اسواروں کے سالاروں کو حکم دیا کہ وہ ان پر حملہ کرنے سے مجتنب رہیں اور نئے بھرتی شدہ پارتھی اور ہیرکانی نوجوانوں کو حکم دیا کہ وہ کوارا والوں کے گرد گھیرا ڈال لیں اور پھر ان پر تیروں کا مینہ برسا دیں۔ وہ جانتا تھا کہ جنگ و جدل کے طریقوں سے ناآشنا وحشی اور گنوار لوگ اس حملے کی تاب نہ لا سکیں گے اور فوراً ہی تتر بتر ہو جائیں گے۔ یوں لشکر کے آگے بڑھنے کے لیے راستہ صاف ہو جائے گا۔ وہ ان پہاڑی لوگوں کو خاک و خون میں نہلانے کی کوئی خواہش نہ رکھتا تھا۔ وہ بس انہیں سبق ہی دینا چاہتا تھا۔

اس کے حکم کی پہلے پہل اسی طرح تعمیل کی گئی جیب کر اس نے کہا تھا۔ نئے بھرتی شدہ نوجوانوں نے کوارا والوں کے گرد گھیرا ڈال دیا۔ اور ان پر تیراندازی شروع کر دی تیروں کی ان بے پناہ بوچھاڑ کی تاب نہ لا کر کوارا والے بھاگ کھڑے ہوئے۔ یہ دیکھ کر اسواروں کے ہزار بہادروں کا سالار فرناسس، جو ہر دم جست لگاتے ہوئے چیتے کی شبیہ کھدی ڈھال اپنے ساتھ رکھتا تھا، بے تاب ہو گیا۔ اس نے اپنے سواروں کو بھگتے جھگڑوں کا تعاقب کرنے کا حکم دے دیا۔ اپنے سالار کا حکم پاتے ہی اسواروں کے گھڑسوار فرار ہونے والوں کے تعاقب میں گھٹ سدوڑا تھے۔ اور میدان میں کشتوں کے پشتے لگانے لگے۔

جب سائرس نے فرناسس کو اپنی حکم عدولی کا جواز پیش کرنے اپنے پاس بلایا تو اس وقت اس مقدمے کا فیصلہ اور کارروائی سننے کے لیے کوئی قانون بردار وہاں موجود نہیں تھے۔ صرف سو سو کے دستوں کے کماندار وہاں موجود تھے۔ فرناسس نے بادشاہ سے درگذر کی کوئی درخواست یا التجا نہ کی۔ نہ اس نے یہ بہانہ کیا کہ اسواروں کے سوار خود ہی بے قابو ہو گئے تھے۔ اور وہ انہیں کنڑول میں نہ رکھ سکا تھا۔ اس

نے اپنی آستینیں اونچی چڑھا کر سائرس کو لڑائیوں میں لگنے والے زخم دکھائے اور اس کے سامنے اپنی خدمات گنوائیں۔

اس نے انیس سال قبل سائرس کے ہمراہ بحر گیاہ سے پارس گرد واپسی کا سفر کیا تھا۔ وہ اگنیانا کے دروازے سے گزر نے والے ایرانی دستوں کا سالار تھا۔ اس نے سائرس کے ہمراہ ساردیس کے معرکے میں بھی حصہ لیا تھا۔

جب فرناسس سائرس کے سامنے اپنی بیس سالہ خدمات کی داستان سنا چکا تو اس کے بعد اس کا لہجہ التجائیہ ہو گیا۔ ”کیا اسی ایک غلطی کی پاداش میں عظیم ہخامنشی بادشاہ فرناسس کو اپنے فوجی ساتھیوں سے جدا کر دے گا؟ اور اسے لشکر گاہ سے نکال باہر کرے گا؟ اور اسے اپنے تمام تر اعزازات سے محروم کر دے گا؟ پھر کیا اسے اپنے خاندان کے پاس جا کر یہ کہنا پڑے گا کہ عظیم سائرس نے مجھے اپنے سے جدا کر دیا ہے؟“

سائرس جانتا تھا کہ فرناسس کا کیا مطلب تھا۔ فرناسس چاہتا تھا کہ اس کا عہدہ بے شک گھٹا دیا جائے۔ مگر اسے لشکر گاہ میں رہنے کی اجازت دی جائے۔ سفر کے پہلے مہینے میں سائرس نے اپنے اکثر بڑے افسروں کی اکثر غلطیوں کی پاداش میں تنزلی کر دی تھی۔ مگر فرناسس ایسے افسروں جیسا مرتبہ نہ رکھتا تھا۔ اس کی تنزلی بھی مناسب معلوم نہ ہوتی تھی۔ سائرس کا دل اس مرحلے پر چاہا کہ وہ اعلان کر دے کہ اس نے فرناسس کا قصور معاف کر دیا ہے۔ دس سال قبل وہ بلا ہچکچاہٹ اس قسم کا اعلان کر سکتا تھا۔ اور پرانے ایرانی قانون کے تحت وہ ایسا کرنے کا مجاز بھی تھا۔ اس نے اپنے ذہن میں پارس گرد سے اس جگہ تک کے فاصلے کا اندازہ لگایا۔ پارس گرد سے اس جگہ تک کا فاصلہ اونٹوں کی چالیس منزلوں (آٹھ صد میل) کا فاصلہ تھا۔ اس جگہ اجنبی لوگوں کی سرزمین پر اس کی فوج کو منظم و متحرک رکھنے والی صرف اسی کی ذات تھی۔ ہر چند کہ اس کے سالار اس کے انتہائی وفادار اور قابل اعتماد تھے۔ فوج کے نظم و

حنیفا کے معاملے میں وہ صرف اپنی ہی ذات پر بھروسہ کر سکتا تھا۔ اگر وہ فرناسس کو اس کی حکم عدولی پر معاف کر دے تو ایسی صورت میں پارتھیوں اور سیر کانیوں کے نزدیک فوجی نظم و ضبط کی بھلا کیا وقعت باقی رہ جاتی تھی؟ جو اس وقت پہاڑیوں پر چڑھے ہوئے اس مقدمے کی کارروائی دیکھ رہے تھے۔ خاصی غور و فکر کے بعد اس نے بالآخر اپنا فیصلہ سنایا۔

" نہیں۔ میں ماردیوں کے سردار فرناسس کو، جو ناقابلِ تبدیل ہزار سواروں کا سالار بھی ہے، ہرگز معاف نہیں کر سکتا۔ میں اسے حکم دیتا ہوں کہ وہ اپنے تمام اعزازی نشانات یہاں اتار کر رکھ دے۔ اور اسی وقت اگبتانا روانہ ہو جائے۔ اور وہاں پہنچ کر تا حکم ثانی تمام مسلح افواج کی کمان اپنے ہاتھ میں لیے رکھے۔ "

بعد میں سائرس کو اس بات پر خود بھی خاصی حیرت ہوئی کہ آخر اس نے پارس گرد کی بجائے اگبتانا، میدیوں کے دارالحکومت کا ہی کیوں نام لیا تھا۔ پھر اس نے یہ سوچا کہ اگبتانا میں فرناسس نسبتاً زیادہ عزت و وقار سے رہ سکتا تھا اور وہاں رہتے ہوئے اسے لشکر گاہ سے نکالے جانے کی ذلت بھی اتنی محسوس نہ ہو سکتی تھی۔

لیکن فرناسس کو اپنی تذلیل بری طرح سے محسوس ہوئی۔ اس نے کچھ کہنا چاہا مگر رک گیا۔ پھر اس نے اپنے سر کے پٹے سے سونے کے پرانا ربیلے اور اپنی ڈھال زمین پر گرا کر پیچھے ہٹ گیا۔ لیکن اس سے قبل کہ وہ اس جگہ سے مڑتا سائرس تیزی سے آگے بڑھا۔ اس نے اپنے لبادے پر لگا ہوا برجیں اتارا اور اسے فرناسس کے لبادے پر اس کے سینے پر ٹانک دیا۔ اس طرح اس نے یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی کہ وہ فرناسس کو اپنا معتوب ہرگز نہ سمجھتا تھا اور نہ ہی اسے ماندہ قرار دیتا تھا۔ فرناسس نے تعظیماً اس کے سامنے سر جھکایا اور چلا گیا۔ سائرس نے دیکھا اس کے سر میں بے شمار چاندی کے تار جھلملا رہے تھے۔

اس جگہ پڑاؤ ڈالنے سے ایرانی بہادروں کو موقع مل گیا کہ وہ قریبی پہاڑیوں پر سورج دیوتا کے حضور نئے سال کے موقع پر قربانی پیش کریں۔ ان میں سے بہت سوں نے اس موقع پر ضرورت سے زیادہ ہی شراب چڑھالی اور شام ہوتے ہی انہوں نے آگ کے بھڑکتے ہوتے الاؤں کے گرد رقص کرنا شروع کر دیا۔ بانسریوں کے بجنے اور ڈھول کی تال میں تیزی آنے کے ساتھ ساتھ ان کے رقص میں بھی تیزی آتی گئی۔ وہ دیوانہ وار جلتی آگوں کے گرد ناچتے کودتے مجنونانہ نعرے لگانے لگے۔ ساتھ ہی ان کی ڈھالیں اور تلواریں بھی ان کے ہاتھوں میں آگئیں جنہیں وہ وحشی جنگجوؤں کی طرح لہراتے ہوئے رقص کرنے لگے۔ ان کا یہ رقص دیکھنے والوں کو ان کے جنگجو آبا ؤ اجداد کا ایسا رقص معلوم ہو رہا تھا۔ جو وہ دشمن پر فتح پانے کے بعد کیا کرتے تھے۔

پھر میدانِ جنگ میں کچھ عجیب سے لوگ نمودار ہوتے۔ ان لوگوں نے ہاتھوں میں مشعلیں اٹھائی ہوئی تھیں اور سفید لبادے پہن رکھے تھے۔ ان لبادوں کے ساتھ ہی سرپوش سلے ہوتے تھے۔ یہ لوگ اپنی وضع قطع سے خوشحال کسانوں کی مانند دکھائی دیتے تھے۔ انہوں نے زخمی کواریوں کو تلاش کیا۔ اور ان کے زخم دھونے لگے۔ ساتھ ساتھ وہ دھیمی آوازمیں مناجات بھی گانے جا رہے تھے۔

پھر جب سائرس نے ان سفید پوشوں کے سربراہ کو اپنی اس حرکت کی وضاحت کرنے کے لیے بلوایا تو جو ا با کئی سفید پوش خیمے میں داخل ہو گئے۔ انہوں نے اس امر سے انکار کیا کہ ان کا تعلق کسی خاص قبیلے سے تھا۔ یا وہ کسی بادشاہ کی رعایا تھے۔ انہوں نے کہا کہ وہ صرف ایسے سفید پوش لوگ تھے جو گھوم پھر کر "داتشمران" کے ہاتھوں زخمی ہو جانے والوں کی دیکھ بھال اور مرہم پٹی کیا کرتے تھے۔

سائرس کو مشرق کی زبان سمجھنے میں دشواری پیش آ رہی تھی کیونکہ وہاں کی زبان یونانی یا آرامائی یا عبرانی زبانوں سے یکسر مختلف تھی۔ ایرانی سالار مشرق کی بہت سی بولیوں کو سمجھتے تھے۔

لیکن سفید پوشوں کی جماعت ایسے قدیم الفاظ استعمال کر رہی تھی جو مغرب کے رہنے والے کبھی کے فراموش کر چکے تھے ۔ راتشتران کا مطلب تھا وہ لوگ جو رتھوں کی سواری کیا کرتے تھے ۔ یعنی اس زمانے سے تعلق رکھنے والے لوگ جب رتھوں کی سواری عام تھی سائرس کو یہ لفظ پسند نہ آیا تھا کیونکہ اس سے اس کے جنگجو بہادر سوار کاہل اور سست الوجود طبقۂ امرأ کے افراد ظاہر ہوتے تھے ۔

" تم لوگ کن قوانین کے تابع ہو ؟" اس نے ان سفید پوشوں سے دریافت کیا ۔ وہ سفید پوش اس کے اس سوال پر کھلکھلا کر ہنس پڑے ۔ " ہم کسی قانون ، کسی قوی اور کسی راتشتر کے تابع نہیں ہیں ۔" انہوں نے جواب دیا ۔

گویا وہ آزاد منش آوارہ گرد اور گھٹیا درجے کے لوگ تھے ۔

" یہ تو بتاؤ مسخرو کہ کیا تم زرتشت کے پیرو کار ہو ؟" سائرس نے دریافت کیا ۔

انہوں نے ہنسنا بند کر دیا اور کچھ سوچنے لگ گئے ۔ پھر بولے " ہم اسی راستے پر جا رہے ہیں ۔ جس پر وہ گیا ہے ؟"

" کہاں ؟"

انہوں نے اپنی انگلیوں سے مشرق کی طرف اشارہ کیا ۔

" کس شہر کی طرف ؟ کیا مراکنڈا کی طرف ؟"

" نہیں ۔ سونے کے شہر کی طرف ۔ اس شہر کی طرف جہاں سے سورج طلوع ہوتا ہے ۔"

اس ماگی نے اسی جگہ کا سفر کیا تھا ۔ ان سفید پوشوں کے الفاظ میں کچھ ایسی بات تھی کہ سائرس کو ایک دم گشتاسپ کا خیال آ گیا ۔ اس نے تصور میں اپنے آپ کو اپنی بیوی کے ساتھ سرخ گھاٹی میں ابر ادات اور اس کی بیوی کی لاشوں کے قریب

کھڑے دیکھا۔ سائرس بانی بھگوڑوں کے تعاقب میں اپنے سواروں کے ساتھ اسی طرح آگے ہی آگے لپکتا گیا تھا جیسے فرناسس اس سرخ مہندی پر کواڑ والوں کے تعاقب میں لپک پڑا تھا۔

"یہ شاندار سونے کا شہر کہاں واقع ہے؟" اس نے ان سفید پوشوں سے ایک قدم سوال کر ڈالا "کیا یہ تقدیر کی طرح کی کوئی سرزمین ہے؟" تقدیر کے بارے میں وہ یہ خیال رکھتے تھے کہ وہاں دیوتاؤں کا قدیم رہائشی قلعہ تھا۔ نہیں۔ وہ شہر ہرگز۔ تقدیر کی طرح کا نہیں تھا۔ وہ اس دریا کی سمت واقع تھا جسے سونا لانے والا دریا کہا جاتا تھا یعنی دریائے زرفشاں۔ جو سمرقند کے بڑے دریا میں جا گرتا تھا۔

سائرس زرتشت کے ان پیروکاروں سے کوئی کام کی باتیں معلوم نہ کر سکا اس لیے اس نے انہیں تحفے تحائف دے کر رخصت کر دیا۔ وہ اتنا ضرور جان گیا تھا کہ لفظ سونے کو اس نیت قبول کرنے والے پیغمبر کی فطرت اور نقل و حرکت سے کوئی نسبت ضرور تھی۔ بڑی دیوی کا عطیہ بھی سونے ہی کا تھا۔ لو رسائرس اس وقت بڑی دیوی اور اسے پوجنے والوں کو اپنے بہت پیچھے چھوڑ آیا تھا۔

دوران سفر سائرس کلدانیوں کی مانند دھوپ گھڑی کی مدد سے وقت کا حساب رکھتا رہا تھا۔ پھر گزرتے ہوتے قافلوں کے سالار بھی اسے آگے کے شہروں کے متعلق اہم معلومات فراہم کرتے رہتے تھے۔ پھر ایک دفعہ دو کوہانوں والے اونٹوں کا ایک قافلہ دو رسے گرمیوں کے طلوع ہوتے سورج کے نیچے سے نمودار ہوا۔ اس قافلے کے ہمراہ منقش کاموں والے ہاتھی دانت اور جیڈ کے بھاری خزانے تھے ساتھ ہی ریشمی کپڑے اور سونے کا بھاری ذخیرہ بھی تھا۔ یہ قافلہ مراکنڈا (سمرقند) سے آرہا تھا جس کا سفر اب سائرس اختیار کیے ہوئے تھا۔ اس قافلے کے ہمراہ جو مسلح محافظ سوار تھے۔ وہ سدی وحشیوں کی طرح معلوم ہوتے تھے۔ لیکن وہ سدیوں کی زبان نہ بول رہے تھے۔ قافلے کے سالاروں نے ہخامنشی بادشاہ کی خدمت میں قیمتی تحفے پیش کیے۔ اس نے انہیں یقین دلایا کہ مغرب کی طرف سفر کے دوران ان کا قافلہ لٹیروں اور ڈاکوؤں کی لوٹ مار اور حملوں سے ہر طرح سے محفوظ رہے گا کیونکہ اس نے اپنے ملک

کے ہر حصے کو ایسے عناصر سے پاک کر رکھا تھا۔ "بادشاہ کی سڑک" پر سفر کرتے ہوئے انہیں کسی قسم کے خطرے کا سامنا نہ کرنا پڑے گا۔ سائرس کو اس وقت بے حد حیرانی ہوئی جب ایک قافلے کے سالار نے اسے بتایا کہ وہ سمندر کے دریا کے سرچشموں کو عبور کر کے آ رہا تھا۔ اس نے شمال کی طرف اشارہ کرتے ہوئے یہ بات کہی۔ اور گشتاسپ نے ایرانیوں کو اس جگہ کی طرف سفر کرنے سے سختی سے منع کیا تھا اس شخص نے بتایا کہ اس دریا کا نام سمندر کا دریا اس لیے رکھا گیا تھا کہ یہ عظیم بادشاہ کے پڑاؤ کے شمالی جانب ایک نامعلوم سمندر کی طرف بہتا تھا۔

ایک ناقابلِ تشریح قسم کے جذبے کی ترنگ میں آ کر سائرس نے کاروانوں کا راستہ چھوڑ دیا اور شمالی جانب روانہ ہو گیا۔ چند دنوں کے سفر کے بعد بلندیوں کا سلسلہ ختم ہونے لگا اور ایرانی اپنے آپ کو ایک وسیع و عریض اجنبی سے ڈھلوان میدان میں سفر کرتے ہوتے پانے لگے۔ پھر جب وہ سمندر کے دریا تک پہنچے تو اس کے نظارے نے ان کے ذہنوں سے تمام سوچیں نکال باہر پھینکیں۔

سرخ ریگ زاروں کی دہشت

وہ کسی دریا کو عبور کرنے کو تیار نہیں تھے۔ کیونکہ وہ سلطنت میڈیا کی حدود سے بہت دور تک نکل آئے تھے۔ اس کے علاوہ ان کے وطن کے سطح مرتفعائی علاقے میں چھوٹی چھوٹی پہاڑی ندیاں ہوتی تھیں۔ جو بارشوں اور برف کے پگھلنے کے دنوں میں رواں ہو جاتی تھیں۔ بہتا ہوا پانی ایرانیوں کے نزدیک عجیب تصوفانہ معنی مطالب رکھتا تھا۔ انہوں نے اتنے بڑے دریا کو، جس کا پاٹ میلوں تک چوڑا تھا، حیران حیران نظروں سے دیکھا۔ اس کے بہاؤ میں عجیب روانی عجب شان تھی۔ یہ آمو دریا تھا۔ سمندر کا دریا!

ایک باکمال تیر انداز اگر پارتھی کمان کا چلّہ کھینچ کر دریا کے ایک کنارے سے تیر چھوڑتا تو یہ تیر اس عظیم دریا کا صرف پانچواں حصّہ ہی پار کر سکتا تھا۔ اور دوسرے کنارے پر کبھی نہ پہنچ سکتا تھا۔ مہندسوں نے کناروں پر سے اس دریا کی گہرائی کی پیمائش کر کے اندازہ قائم کیا کہ اس وقت دریا سیلابی کیفیت میں نہ تھا۔ سیلابی کیفیت میں یہ اپنے بلند کناروں کی سطح سے بھی باہر امڈ پڑتا اس دریا کے پانیوں کے منبع کے بارے میں کوئی کچھ نہ جانتا تھا۔ اور نہ ہی اس کی انتہا کے بارے میں کسی کو کوئی علم تھا۔ اور یہی

امرا ایرانیوں کی نظروں میں اس دریا کو بے حد پراسرار بناتے رہتے تھے۔ اس دریا کے
نظارے نے انہیں گویا مسحور ساکر دیا تھا۔

ایک جنگجو نے خلیفہ کہا کہ یہ دریا مصر کے حیات بخش دریا نیل کا توام معلوم ہوتا
تھا۔ سائرس نے اپنے سائنس دانوں سے کہا کہ وہ اسے اس دریا کے سرچشموں کے بارے
میں کچھ بتائیں اور بتائیں کہ آخر یہ دریا کہاں جاتا تھا۔ کس سمندر میں جا گرتا تھا۔ انہوں نے
چھان بین اور تحقیقات کر کے اسے خبر دی کہ یہ عظیم دریا دور دراز کے برف پوش
پہاڑوں میں سے نکلتا تھا اور طویل میدانی و پہاڑی سفر طے کرنے کے بعد بحیرۂ ہیرکانیہ
کی طرح کے ایک چھوٹے سے سمندر میں جا گرتا تھا۔ غالباً اسی وجہ سے اسے سمندر کا
دریا کہا جاتا تھا۔ جوں جوں ایرانی اس کے کنارے کنارے آگے بڑھتے رہے
انہیں پانی کی کھاڑیاں اور دلدلیں عبور کرنی پڑتی رہیں۔ آمو دریا شمالی سمت ایک
وسیع و عریض میدان میں اپنا ڈیلٹا بناتا تھا۔

"یہ دریا تمہارے لیے ایک بیش بہا خزانہ ہے۔ سائرس نے وہاں کے باشندوں
سے کہا۔ "تم آخر اس پر بند باندھ کر اس کے پانی سے فیض یاب کیوں نہیں ہوتے؟"

"دریا کا بہاؤ بھلا کون روک سکتا ہے؟" انہوں نے کہا۔ بہتر ہے کہ اسے
اپنی مرضی کے مطابق ہی بہنے دیا جائے۔"

یہ کوراسمیائی لوگ تھے۔ یہ گارے کے بنے ہوئے مکانوں میں رہتے تھے۔
اور دلدلوں کے کناروں پر کھیتی باڑی کرتے تھے۔ جب آمو دریا کے باندر اپنی رود
باریں تبدیل کرنے لگتے تھے تو ان لوگوں نے مکانات یا تو سیلابوں میں بہہ جایا کرتے
تھے یا ان کی آبادیوں کے آس پاس دور دور تک زمین خشک اور بنجر ہو جایا کرتی تھی
یہ لوگ سائرس کے آبائی علاقے انشان میں بسنے والے کمپنیوں کی مانند صلح کل اور فرمانبردار
فطرتوں کے مالک واقع ہوتے تھے لیکن کمپنیوں کی مانند وہ اس امر پر یقین نہ رکھتے

تھے کہ ان پر نازل ہونے والے مصائب اور آلام ان کی تقدیر کا کھیل تماشہ تھے۔ انہوں نے سائرس کو بتایا کہ ان کے دریا کے ساتھ ساتھ کوئی کارواں سفر نہ کرتے تھے۔ کیونکہ آگے شمال کی طرف جا کر وحشی خانہ بدوشوں زاہیانیوں کے سٹیپ کے میدان شروع ہو جاتے تھے۔ زاہیانیوں کا مطلب سیدھے سادے الفاظ میں تھا دشمن۔

سائرس کو یہ دیکھ کر بے حد افسوس ہوا تھا کہ پانی کی اتنی بڑی دولت کو زاسپانیوں کے علاقے سے بے کار ہی بہی چلی جا رہی تھی۔ احمق کوراسپانی اس دولت سے فائدہ اٹھانے کی کوئی کوشش یا فکر نہ کر رہے تھے۔ اس نے بستی کے سرداروں کو یقین دلایا کہ دریا کا بہاؤ روکنا ممکن تھا۔ پھر اس میں سے نہریں نکالی جا سکتی تھیں اور ان نہروں کی بدولت وسیع اراضی کو سیراب کر کے قابل کاشت بنایا جا سکتا تھا اور ہر قسم کی لکڑی کے جنگلات بھی اگائے جا سکتے تھے۔ اگر یہ کام ہو گیا تو کوراسپانی لوگوں کی زندگی میں انقلاب آ سکتا تھا۔ وہ رہنے کے لیے پتھر اور لکڑی کے مکانات تعمیر کر سکتے تھے۔ ان میں خوشحالی پیدا ہو سکتی تھی۔ خوشحالی اور فارغ البالی کے ساتھ ہی تجارتی کارواں ان کے پاس مال تجارت لے کر آ سکتے تھے۔ لیکن کوراسپانیوں کے پاس اس کا جواب موجود تھا۔ اگر وہ امیر ہو گئے اور ان کے پاس دولت آ گئی تو زاہیانی ہر دم ان پر حملہ آور ہوتے رہیں گے اور ان کے علاقے میں لوٹ مار اور غارت گری کرتے پھریں گے۔

"یہ زاہیانی صدی وحشیوں کے رشتہ دار ہوں گے" سائرس نے کہا۔

"میں ان کا ایسا انتظام کر دوں گا کہ انہیں پھر کبھی میری قلمرو میں قدم رکھنے کی جرأت نہ ہو گی۔"

اس وقت سائرس ان وحشی سیریوں کے متعلق سوچ رہا تھا۔ جنہیں میڈیا کے شہنشاہ سیازارس نے کافی عرصہ پہلے بڑے کشت و خون کے بعد اپنی سرزمین سے مار بھگایا تھا۔ یہ سرزمین، جہاں شکست خوردہ اور بزدل لوگ رہتے تھے، ہخامنشی سلطنت کی

ایک نئی سمت ایک نئی سٹرائیک بن سکتی تھی۔

ان وجوہات کی بنا پر اور سب سے بڑھ کر یہ اس جگہ سے ایک عظیم چیلنج در پیش تھا۔ سائرس نے آمو دریا کا بہاؤ رو کنے اور اس میں سے نہریں نکالنے کے منصوبے پر عملدرآمد کا پختہ ارادہ کر لیا۔ وہ جانتا تھا کہ بظاہر ناممکن نظر آنے والے کاموں کو کیونکر ممکن بنایا جا سکتا تھا اور اس سلسلے میں کس قسم کی صلاحیتیں بروئے کار لائی جا سکتی تھیں۔ دریا گویا اس کے لیے ایک طاقتور حریف کا درجہ اختیار کر گیا تھا۔

اس کے ہندسوں نے ایک ایسا وسیع طاس چنا جہاں بند کی تعمیر ہو سکتی تھی۔ اس جگہ سے دریا سے نہر نکال کر ایک جھیل بنائی جا سکتی تھی۔ پھر اس جھیل سے چھوٹی چھوٹی نہریں نکالی جا سکتی تھیں۔ اس جھیل میں ڈیلٹا کی جھیلوں کا پانی بھی ڈالا جا سکتا تھا جس کے نتیجے میں خطرناک دلدلیں خشک ہو سکتی تھیں۔ لیکن اس بند کو بہت مضبوط بنایا جانا ضروری تھا۔ اور کوراسمیاتی سرزمین کی مٹی بہت نرم تھی۔ اس مٹی کی اینٹیں اگر بنائی جاتیں تو وہ شوشان کی اینٹوں کی مانند جلائے جانے کے بعد پتھر کی مانند سخت ہرگز نہ بن سکتی تھیں۔ ایرانیوں نے اس مٹی کی اینٹوں کو مضبوط اور ٹھوس بنانے کے لیے حرارت کے نئے طریقے آزمائے اور انہوں نے بے شمار مقامی کسانوں کو اس کام پر لگا دیا۔ لیکن اتنی محنت اور قوت کے ضیاع کا کوئی خاطر خواہ نتیجہ برآمد نہ ہوا۔ یہ اینٹیں بند کی تعمیر کے لیے موزوں ثابت نہ ہو سکتی تھیں۔ پانی کا تیز بہاؤ ممکن تھا انہیں بہالے جاتا۔

سائرس اور اس کے میزبانوں کو دریا پر کام کرتے ہوئے مہینے گزر گئے۔

" اس محنت ومشقت کا کوئی فائدہ نہیں " ایک میدیٰ انجینئر جو ہندسوں میں سب سے زیادہ تجربہ کار اور معمر تھا۔ بالآخر تنگ آ کر سائرس سے کہا۔ " یہ اینٹیں بند کی تعمیر میں استعمال ہونے کے لیے ہرگز موزوں نہیں ثابت ہو سکتیں۔ اس کے لیے تو سخت قسم کا چونے کا پتھر اور گرینائیٹ موزوں ہے جنہیں اسفالٹ کی مدد سے پختگی سے جمایا جا سکتا ہے۔"

" ٹھیک ہے۔ پھر یہی چیزیں استعمال ہونی چاہئیں "

بوڑھے مہندس نے اپنے ہاتھ آپس میں رگڑے اور بولا " عظیم ہخامنشی بادشاہ کے نزدیک یہ کہنا آسان ہے کہ پھر ایسا ہی کرنا چاہیئے۔ لیکن اس صحرا میں نے کہیں بھی ٹھوس اور سخت پتھروں اور اسفالٹ کا نام ونشان نہیں دیکھا۔ اس نے جنوب کے مشرق کی طرف انگلی اٹھائی " گرنیا بیٹ کی نزدیک ترین کانیں اس سمت مراکنڈا میں واقع ہیں اور یہ بیس دنوں کا سفر ہے " اس نے پھر مغرب کی سمت انگلی بلند کی " اور اس جگہ ہیرکانیہ کے ساحل سے بہترین قسم کا اسفالٹ میسر آسکتا ہے جہاں ہمیشہ آگ کے شعلے بلند ہوتے رہتے ہیں۔ اور وہ جگہ یہاں سے کتنی دور ہے یہ میں نہیں جانتا "

" لدے ہوئے جانوروں کو اس جگہ سے آنے میں تیس دن لگتے ہیں " سائرس بولا " مراکنڈا سے زمانی جانے والی کاروانوں کی سڑک اس جگہ سے کچھ فاصلے پر دریا ہرسے ہو کر گزرتی ہے۔ اپنے ساتھ گاڑی بان لو۔ اور اس سڑک پر ہو لو۔ اور تمام چوکیوں کا دورہ کر کے اونٹ اور چار پہیوں والی گھوڑا گاڑیاں جمع کر لو۔ بیل گاڑیاں جو بالعموم کسان استعمال کرتے ہیں، بہت سست رفتار ہوتی ہیں اور ریتلی زمین پر ٹھیک طرح سے نہیں چل سکتیں۔ اور میری طرف سے گشتاسپ سے اگلے سال کے خراج کے عوض اس کام کے اخراجات وضع کر لو۔ اس کے بعد مجھ سے ہرگز نہ کہو کہ فلانی چیز نہیں مل سکتی یا فلانی چیز حاصل کرنا ناممکن ہے۔ یہ کام ہم نے کرنا ہے اور اسے ہر لحاظ سے پایۂ تکمیل کو پہنچا کر ہی چھوڑنا ہے۔ "

سیاہ اسفالٹ (تارکول) کی پہلی کھیپ کے وہاں پہنچنے سے پہلے نیا سال آ گیا۔ ایرانی مہندسوں نے اپنے بند کے پہلو کی بنیادیں کھود کر ان کو پسے ہوئے ٹھیکروں سے بھروا دیا۔ سائرس اور اس کے اسوار ان کے دریا کے کنارے کنارے سیاحت کرتے

ہوئے اس کی انتہا یعنی اس کے آخری سرے کا سراغ لیا اور یہ بات معلوم کر لی کہ آخر اس دریا کی نام وجہ تسمیہ کیا تھی۔ یہ دریا سمندر کا دریا اس لیے کہلاتا تھا کہ یہ آگے جل کر بحیرہ ارال میں جا گرتا تھا۔ یہ سمندر جزیروں کا سمندر کہلاتا تھا۔ اس کا پانی کم گہرا اور نیلگوں تھا اور اس میں جگہ جگہ چھوٹے چھوٹے جزیرے اور ٹاپو بکھرے پڑے تھے۔

سائینسدانوں، جو اس مہم میں سائرس کے ہمراہ تھے یہ اندازہ قائم کیا کہ گئے گزرے زمانے میں، جس کا علم صرف دیوتاؤں کو ہی تھا۔ یہ چھوٹے چھوٹے تمام سمندر جو کہ خشکی پر واقع تھے، مل ملا کر ایک بہت بڑا سمندر ہوا کرتے تھے اور اس سمندر کی حدود دور پہاڑی سلسلوں تک پھیلی ہوتی تھیں۔ جب سائرس نے ایک بن دھارے کو عبور کیا اور ستے افق پر نظر دوڑائی تو اس نے فیصلہ کیا کہ وہ جگہ ضرور اس کی سلطنت کا ایک حصہ بنے گی کئی نسلیں قبل اس کے آباؤ اجداد نفر یج یا لوٹ مار کے لیے انہی ویران میدانوں میں گھوما پھرا کرتے تھے۔ اور اب وہ، پہلا مہذب آریہ حکمران ان سرزمینوں پر پہنچا ہوا تھا۔ لوٹ مار یا انہیں مزید اجاڑنے اور ویران کرنے کے لیے نہیں۔ بلکہ ان پر حکمرانی کرنے کے لیے۔

اس فخرو غرور کے موڈ میں اسے مخالف دیوتاؤں کی قوت سے ٹکرانا ناگزیر دکھائی دے رہا تھا۔

اس سمندر کے ماہی گیروں نے اسے خبردار کیا کہ شمالی جانب سے دشمن بڑھا چلا آ رہا تھا۔ وہ جب اپنے پڑاؤ پر پہنچا تو اس نے دیکھا کہ وہاں مشرقی آبادیوں سے تاجروں کے خانہ بدوشوں کی آمد کا سلسلہ جاری تھا۔ مراکنڈا کے دو معتبر بزرگ بھی اس جگہ پہنچے ہوئے تھے۔ سائرس کے پہنچنے پر وہ وقت ضائع کیے بغیر اس سے ملنے آن پہنچے۔

وہ کارواںوں کے شہر کے نمائندے تھے۔ انہوں نے سائرس کو بتایا کہ خانہ بدوش

وحشیوں کے جتھے آبادیوں کی طرف بڑھتے چلے آ رہے تھے۔ وہ درندوں سے بھی بدتر تھے۔ انہوں نے جن جن آبادیوں پر حملے کیے تھے وہاں بری طرح قتل و غارت اور لوٹ مار مچائی تھی۔ انہوں نے مال مویشی لوٹ لیے تھے۔ عورتیں، بچے غلام بنا لیے تھے، مرد تہہ تیغ کر دیے تھے۔ وہ جہاں جہاں سے گزرتے تھے۔ اپنے پیچھے جلتے ہوئے کھیت اور مکانات چھوڑ جاتے تھے۔ جن سے کئی کئی دنوں تک دھوئیں کے بادل اٹھتے رہتے تھے۔ ان آبادیوں کے بچے کچھے لوگ مراکنڈا میں پناہ لے رہے تھے۔ یہ حملہ آور میسا گیتی تھے۔ بے رحمی اور شقاوت قلبی میں یہ درندوں کی مانند تھے۔ اس سال، ان وفد والوں نے بتایا۔ وہ کسی بستی سے خراج لے کر اسے چھوڑ دینے کو تیار نہ ہو رہے تھے۔ اس سال میسا گیتی سرداروں نے اپنے ہمراہ گاڑیوں میں اپنی عورتیں، بچے اور مال اسباب بھی لدوا کر اپنے ہمراہ لے رکھا تھا اور اپنی بڑی دیوی کے حضور قسم کھا رکھی تھی کہ وہ مراکنڈا پر حملہ کر کے اس کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں گے۔ اور بڑی دیوی کے حضور ایک ہزار گھوڑوں اور ایک ہزار قیدیوں کی قربانی پیش کریں گے ان کی خون آشام دیوی آگ اور خون کی قربانی ہی سے خوش ہو سکتی تھی۔

اہل وفد کے اس بیان سے سائرس اور اس کے سالاروں نے یہ اندازہ قائم کیا کہ میسا گیتی وحشی کاروانوں والے راستے کی جانب سے حملہ آور ہوں گے کیونکہ جن بستیوں سے انہیں مال و دولت حاصل ہو سکتا تھی اور جو خوشحال تھیں، وہ سب اسی راستے پر واقع تھیں۔ اب سائرس نے اپنے سالاروں کو حکم دیا کہ وہ کوراسمیانی، پارتھی اور ہیرکانی جنگجوؤں اور اپنے تمام سپاہیوں کو جمع کر لیں اور انہیں حکم دے دیں کہ وہ اپنے ہمراہ ایک ہفتے کی خوراک رکھ لیں۔ سامان رسد والی کوئی گاڑی فوج کے ہمراہ نہ جائے گی۔" ہمیں ان حملہ آوروں کی گاڑیوں میں رسد کا کافی سامان مل جائے گا۔" اس نے کہا۔" وہ چونکہ اپنے ہمراہ عورتیں اور بھاری تعداد میں مال اسباب کی گاڑیاں

لا رہے ہیں۔ اس لیے وہ جنگ لڑتے ہوئے ان کی خاطر خواہ حفاظت کرنے سے قاصر رہیں گے۔ ہمارے ہمراہ چونکہ اس قسم کی کوئی چیزیں نہ ہوں گی۔ اس لیے ہم باآسانی ادھر ادھر گھوم پھر سکیں گے۔

اسے وہ سرماتی عورتیں یاد آگئی تھیں۔ جنہوں نے بجرگیاہ میں اپنے مقابر کو بچانے کی کوشش کی تھی۔ وہ اپنی شکر گاہ کو مراکنڈا نہ لے گیا۔ کیونکہ اگر وہ ان وحشی حملہ آوروں کو مار بھگاتا تو مراکنڈا کا شہر محفوظ ہو جاتا تھا۔ اگر وہ اپنی فوج کے ساتھ مراکنڈا چلا جاتا تو ایسی صورت میں وحشی حملہ آور اس کا محاصرہ کر لیتے۔ جو بڑے کمال کے تیر انداز اور گھڑ سوار واقع ہوئے تھے۔

پس سائرس نے مشرق جانے کا طویل راستہ اختیار کیا۔ اس راستے میں سُرخ ریگزار پڑتا تھا۔ اس کے نام کی وجہ یہ تھی کہ اس کی مٹی بے حد خشک سُرخ رنگ کی اور بھربھری تھی۔ ہوا کی تیزی سے اس مٹی میں اس طرح لہریں پیدا ہونے لگتی تھیں جیسے طوفان آنے ہوتے سمندر میں لہریں پیدا ہونے لگتی ہیں۔ تاہم اس جگہ موسم بہار کی چھدری چھدری گھاس بھی اگی ہوتی تھی۔ جو گھوڑوں کے چرنے کے لیے اچھی تھی۔ مہذب، تربیت یافتہ اور بہترین ڈسپلن والی ایرانی افواج کا وحشی حملہ آوروں سے ٹکراؤ مراکنڈا کے باہر کے پہاڑوں کے دامن میں ہوا۔

اس دن ہخامنشی شہنشاہ کو شکست کی تلخی کا مزہ چکھنا پڑا۔ سرد صحراؤں کے رہنے والے جنگ جو کسی منظم فوج کی صورت میں نمودار نہ ہوتے تھے۔ وہ اونچی نیچی پہاڑیوں پر سے بھیڑیوں کے غول کی مانند اچانک نمودار ہوتے۔ وہ کھالیں اور چمڑے کے لباس پہنے ہوتے تھے اور برق رفتار گھوڑوں پر سوار تھے۔ وہ بگولوں کی طرح ایرانی فوج پر حملہ آور ہو گئے۔ جس نے ان پر تیروں کا مینہ برسا دیا۔ مگران حملہ آوروں کے نیزے ڈھالوں میں گھس جاتے تھے اور سپاہیوں کا جسم چھید ڈالتے تھے۔

بیسا گیتی لڑتے ہوئے بے تحاشا زخمی بھی ہو رہے تھے مگر شاید وہ درندے یا مافوق الفطرت انسان تھے جنہیں اپنے زخمی ہونے کا کوئی احساس ہوتا نہ معلوم ہو رہا تھا۔ وہ زخموں سے چور خون میں نہاتے ہوئے بار بار لپکتے گھوڑوں کو بھگاتے جاتے تھے اور ایرانیوں پر وحشیانہ طور پر حملہ آور ہوتے جاتے تھے وہ گھوڑوں پر بہت جھک کر بیٹھے ہوتے تھے۔ اس لیے ایرانیوں کے لیے انہیں تیروں کا نشانہ بنانا بہت مشکل تھا۔ حملہ آور کسی قسم کے جنگی نعرے بلند نہ کر رہے تھے۔ ان کے سرداروں کے بازوؤں اور گردنوں میں پڑا سونا چمک رہا تھا۔ گرد کے اڑتے بادلوں میں وہ لڑتے بھڑتے غائب ہو جاتے تھے۔ پھر اچانک ہی وہ اس میں سے برآمد ہو کر ایرانیوں پر ٹوٹ پڑتے تھے۔ جب کبھی ایرانی سواروں کا کوئی رسالہ ان وحشیوں پر حملہ کرنے آگے بڑھنے لگتا تھا تو وہ ایک دم ادھر ادھر ہٹ جاتے تھے اور رسالے کے پہلوؤں پر تیر برسانے لگتے تھے۔

دوپہر ہونے پر سائرس نے اپنی فوج کے لیے پسپائی کا بگل بجوا دیا۔ اس نے اپنا مستقر ایک ڈھلوان تنگ سی وادی میں بنا رکھا تھا۔ اس کے آس پاس بلند چٹانی دیواریں بکھری ہوئی تھیں۔ یہ جگہ بظاہر حملہ آوروں سے محفوظ معلوم ہوتی تھی۔ لیکن یہ سوچا جا سکتا تھا کہ ان میں دشمن کے آدمی پوشیدہ ہوں۔ اور ایرانی لشکر کی نقل و حرکت کا جائزہ لے رہے ہوں۔ سائرس کو احساس تھا کہ وحشی حملہ آوروں کے خلاف جنگ میں اس کے بے شمار فوجی مارے گئے تھے اور یہ کہ ان وحشیوں سے جنہب انداز میں جنگ کرنا بے کار تھا۔ انہوں نے یقیناً اس کی فوج کی پیش قدمی کو دیکھ لیا ہو گا۔ اس موقع پر سائرس کو ہارپیگ کی بات یاد آ رہی تھی کہ احمقانہ جرأت ایک جنگجو کے لیے مہلک ثابت ہوا کرتی ہے۔ دوبارہ جنگ چھیڑنے تک جب کہ بیسا گیتی اپنے اگلے اقدام کے بارے میں صلاح و مشورے میں مصروف تھے۔ سائرس نے اپنے

سپاہیوں کو رسالوں کے سالاروں کی نگرانی میں دے دیا۔ تاکہ وہ اگلے محارب تک ستانیں جب کران کے گھوڑے ادھر ادھر چرنے اور آرام کرنے لگے۔ اس دوران سائرس نے گھوڑے پر سوار ہو کر فوج کے ایک سرے سے لے کر دوسرے سرے تک چکر لگایا۔ اور اپنے تمام سالاروں کو جمع کر کے اپنے پیچھے آنے کی ہدایت کی۔

"سپاہیوں کو حکم دو کہ وہ اپنی کمانیں اور ترکش ہاتھ سے رکھ دیں" اس نے حکم دیا "اور نیزے ہاتھ میں لے لیں۔ کوئی شخص نیزہ ہاتھ سے نہیں گرنے گا نہ کمان سنبھالے گا۔ سو سواروں کی کوئی جماعت اپنی ہزار سواری جماعت سے علیحدہ نہیں ہو گی" سائرس اس وقت سونے کا ایک چھوٹا تاج پہنے ہوئے تھا۔ جو دھوپ میں چمک رہا تھا یہ ایک قسم کا خود تھا جسے اس کی چمک دمک اور بناوٹ کی وجہ سے ہر جگہ سے آسانی سے دیکھا جا سکتا تھا۔ "یاد رکھو" اس نے خوشدلی سے اپنا ہاتھ بلند کرتے ہوتے کہا "ہم ایک ایسی جنگ لڑ رہے ہیں۔ جسے لڑنے کی صرف انتہائی بہادر لوگ ہی ہمت رکھتے ہیں۔ بزدلوں کے لیے اس جنگ میں حصہ لینے کی کوئی ضرورت نہیں۔ وہ صرف راہ فرار اختیار کرنے کا اختیار رکھتے ہیں۔ یہ جنگ ہمیں ہر قیمت پر جیتنی ہے اور فتح کو اپنا مقدر بنانا ہے"

سائرس کے الفاظ کوئی اتنے جوش پیدا کرنے والے نہ تھے لیکن وہ جانتا تھا کہ اس کے ایرانی سپاہی صرف اتنے الفاظ سن کر غیرت و حمیت سے بے تاب ہو اٹھیں گے۔ اس نے دیکھ لیا تھا کہ میسا گیٹی ایرانی فوج کی اچانک پسپائی سے شدید اچنبھے میں پڑ گئے تھے اور اب یہ جاننے کی فکر میں تھے کہ ایرانیوں کا اگلا اقدام اب کیا ہونا تھا۔

چنانچہ جب وہ گھوڑا دوڑاتا ہوا فوج کے سامنے پہنچا تو نیزہ بردار سواروں نے اس کے گرد گھیرا ڈال دیا۔ دیکھنے والوں کو یوں دکھائی دے رہا تھا گویا ایرانی لشکر

اپنے پڑاؤ کی طرف لوٹ رہا تھا۔ ان کے ساتھ کوئی سازو سامان سے لدی گاڑیاں نہیں تھیں۔ سائرس اپنے نسایانی گھوڑے پر سوار آہستہ آہستہ چلتے ہوئے وقت کا حساب لگاتا جا رہا تھا اور یہ اندازہ لگانے کی کوشش کر رہا تھا کہ اس وقت حملہ آوروں کے سردار کہاں پر رہے ہوں گے۔ وہ اس پر حملہ کرنے سے پہلے کتنی دیر میں اکٹھے ہو سکتے تھے وقت اور اندازے کا حساب لگاتے ہوئے اسے اپنے عقب میں گھوڑوں کی ٹاپوں کی آوازوں میں تیزی آتی سنائی دے رہی تھی۔

اسی طرح اپنی فوج کے آگے آگے بلندی چڑھتا ہوا، چٹانی دیواروں کے گرد چکر کاٹتا ہوا وہ بیساگیتی حملہ آوروں کی طرف بڑھتا رہا۔

جیسا کہ اسے امید تھی، بیساگیتی حملہ آور جتھوں کی صورت میں اس کے سامنے تھے ان کے سیاہ پوش تمام گروہ اس وقت ایک جگہ اکٹھے کھڑے ہوئے تھے۔ سائرس نے اپنے گھوڑے کی لگام میں ڈھیل دی۔ نسایانی گھوڑا بدکا، ہنہنایا اور دشمنوں کی طرف بگٹٹ دوڑا تھا۔ اس کے پیچھے سائرس کے سالاروں نے بھی اپنے سواروں کو دشمن کی طرف دوڑا دیا۔ یہ سوار برق خاطف کی مانند نیزے ہاتھوں میں سنبھالے بیساگیتیوں پر ٹوٹ پڑے۔ پہلے تو بیساگیتی جتھے بندی کرنے میدان سے ہٹ گئے کہ ان کے پاس ایرانیوں جیسی تلواریں اور نیزے نہیں تھے۔ اس لیے وہ میدان میں جم کر لڑنے سے قاصر رہے گئے۔ ایرانی سواروں نے ان کے جتھے کو منتشر کر ڈالا۔ بیساگیتیوں کو پھر سنبھلنے کا موقع نہ مل سکا۔ انہوں نے گروہ در گروہ پسپائی اختیار کی۔ ان کی یہی پائی کی رفتار بے حد تیز تھی۔ وہ بڑی تیزی سے پسپا ہو رہے تھے۔ ان کو پیچھے ہٹاتے ہٹاتے سائرس ان کے پڑاؤ پر جا پہنچا۔ وہاں اس نے بے شمار مال و اسباب اور سامانِ رسد سے لدی گاڑیاں کھڑی دیکھیں۔ مویشیوں کی بھاری تعداد بھی وہاں موجود تھی۔ اس کے حوالے بھاری تعداد میں قیدی بھی وہاں موجود تھے۔ سائرس نے جب پڑاؤ میں داخل

ہوتا چاہا تو میاگیتی گھوڑے دوڑاتے ہوئے اپنے پڑاؤ اور ایرانیوں کے درمیان آ گئے اور ایرانیوں کے مسلح کو پسپا کرنے کے لیے چیختے چلاتے ان پر حملہ آور ہونے لگے۔ لیکن ایرانیوں کے شدید دباؤ کے سبب ان میں ابتری پھیل گئی۔ افراتفری کے عالم میں وہ اپنے مال اسباب اور عورتوں کو بچانے کی کوشش کرنے لگے۔ گران عورتوں نے گاڑیوں کے عقب میں چھپتے ہوئے ان پر تیر پھینکنے شروع کر دیے۔ یوں میاگیتیو ں میں اور بھی بھگدڑ مچ گئی۔ وہ شدید افراتفری اور پریشانی کے عالم میں راہِ فرار اختیار کرنے لگے۔

سہ پہر ڈھلنے تک میاگیتیوں کے غول شمالی افق کی طرف جا کر نظروں سے غائب ہو چکے تھے۔ سورج ڈھلنے تک سائرس نے تعاقب کرنے والوں کو واپس بلا لیا اور میاگیتیوں کے اجڑے ہوئے پڑاؤ کی طرف لوٹ آیا۔ وہاں اس کے حکم سے بندھے ہوئے قیدیوں کی بندشیں کھول دی گئیں اور خوف زدہ مویشیوں کو باندھ دیا گیا۔ مال بر داری کی گاڑیاں لوٹ مار کے مال اسباب سے بھری ہوئی تھیں۔ عورتیں جنہیں میاگیتی مختلف آبادیوں کو اجاڑنے کے بعد وہاں سے ہانک رہے تھے سائرس کے سامنے پیش کی گئیں۔ اس نے انہیں آزادی کا مژدہ سنایا۔ وہ عورتیں اس پر اتنی خوش ہوئیں کہ فوراً ہی تھکے ماندے ایرانی بہادروں کے لیے کھانا تیار کرنے میں مصروف ہو گئیں۔ پورے چودہ گھنٹے تک گھوڑے پر سوار رہنے کے بعد سائرس گھوڑے سے اترا۔ اس نے تھوڑا سا دودھ پیا اور پانی میں بھگوئی ہوئی کچھ خشک خوبانیاں کھائیں۔

" کیا میں نے نہیں کہا تھا " اس نے اپنے آدمیوں سے کہا " کہ ہمیں اپنے دشمنوں کے پڑاؤ سے کھانے پینے کے لیے بہت کچھ مل جائے گا ؟ "

" ہاں۔ واقعی ! " وہ سب توصیفی انداز میں یک زبان چلائے " تو ہمارا پیغمبر ہے۔ تو ہمارا رکھوالا ہے ! تو نے ہمیں نقصان سے بچا کر فائدے میں رکھا ہے ! "

سائرس نے ان سے یہ بالکل نہ کہا کہ اس دن وہ تقریباً تباہی اور ہلاکت کے دہانے پر پہنچ چکے تھے ۔ اس نے شدت سے تمنا کی تھی کہ کاش اس شام اس کا بیٹا یا اس کی عیلامی بیوی اس کے ہمراہ ہوتے تاکہ وہ اپنی فکر ب اور پریشانیاں ان سے کہہ سکتا ۔ لیکن کیا وہ ایسا کر سکتا تھا ۔ ابی تس سرخ گھاٹی والی خونریزی کے بعد سے بے حد بدل چکی تھی ۔ اس کے لشکری اس کے گرد جمع تھے ۔ اس نے اپنے دونوں بازو تاریک ہوتے ہوئے آسمان کی طرف بلند کر دیے " دیکھو وہاں وہ سات محافظ ستارے جھلملاتے ہیں ۔ جو ہر گام ہماری رہنمائی کرتے ہیں ۔ تمہارا کیا خیال ہے کیا وہ آئندہ فتوحات کے سلسلے میں بھلا ہماری رہنمائی نہ کریں گے ؟ "

سرحدات کا پھیلاؤ

جب سائرس فاتحانہ مراکنڈا میں داخل ہوا تو شہر والوں نے اس کے اعزاز میں چبوتروں والے باغات میں شاندار ضیافت کی۔ کاروانوں کے اس شہر کے تاجروں نے ان باغات میں قالین بچھائے اور پھولوں کے درختوں پر چینی ساخت کی لالٹینیں روشن کیں۔ انہوں نے ہخامنشی بادشاہ کو ایک نقرئی کرسی پر بٹھایا۔ اس کے قدموں تلے ریشم بچھا ہوا تھا۔ ان کے شاعروں نے اس کی توصیف میں گیت گائے اور اسے تمام ہخامنشیوں سے عظیم تر ثابت کیا اور جمشید ہخامنشی سے بھی بڑا فاتح قرار دیا، جس نے شمال کے وحشیوں کو کچل دیا تھا۔ اس کی خون آشام تلوار نے، شاعروں نے گایا توران کے خیرہ سروں کو کچل کر ایرانیوں کو ایک عظیم الشان فتح سے ہمکنار کیا تھا۔ اس دن کے بعد، انہوں نے گایا، ایسی یادگار اور شاندار فتح پھر کسی فانی انسان کو نصیب نہ ہوسکی تھی۔

سائرس بڑے صبر کے ساتھ شاعروں کی یہ ثناخوانیاں سنتا رہا اور سوچتا رہا کہ اس دن وہ اتنا مصروف رہا تھا کہ اس کو اپنی تلوار، اس کی منقش نیام سے نکالنے کا موقع نہیں مل سکا تھا۔ اور یہ کہ سراتیوں اور صیاگیتیوں پر فتح حاصل کرنا آمو دریا کو لگام دینے سے زیادہ مشکل اور کٹھن کام ثابت ہوا تھا۔

شراب اور خوشی کے نشے میں سرشار مراکنڈا کے زعما آ آ کر سائرس کے سامنے سرنیاز و اطاعت خم کرتے رہے۔ اور اس کو اپنا بادشاہ اور حکمران تسلیم کرتے رہے اور حلف اٹھاتے رہے کہ وہ اس کے لیے جبڑ اور سنگِ مرمر کا ایک محل تعمیر کروائیں گے۔ جسے وہ سونے چاندی سے بھر دیں گے۔ اور شہر کی خوبصورت ترین عورتیں اس کے لطف و آرام کے لیے وہاں بھجوا دیں گے۔ سائرس نے ان کے ان نیک خواہشات پر ان کا شکریہ ادا کیا اور ان سے کہا کہ وہ اس سب کچھ کی بجائے اس کے لیے ایک ہزار دو کوہانوں والے اونٹ، ایک ہزار بیل گاڑیاں، ایک ہزار ہنرمند کاریگر اور لڑنے والے نوجوان جتنی تعداد بھی میتر کر سکتے ہوں، مہیا کر دیں۔ اس نے کہا کہ صرف انہی کی بدولت وہ مراکنڈا کے لیے جو کچھ کرنا چاہتا تھا، کر سکتا تھا۔

اس نے مراکنڈا کو اپنی نئی ریاست یا ستراپی سغد کا دارالحکومت قرار دے دیا سغد کو اس نے اپنی سلطنت کا نیا صوبہ یا ستراپی قرار دیا۔ سغد کا علاقہ بڑا وسیع و عریض تھا اور دو دریاؤں یعنی سمندر کے دریا (آمو) اور ریت کے دریا یا صحراؤں کے دریا (سیر یا سیحوں) کے درمیان پھیلا ہوا تھا۔ اس نے اپنی طرف سے وہاں ایک سغدی کو ہی ستراپ مقرر کیا۔ یہاں مشرق میں بھی اس نے جیسا کہ گشتاسپ کے معاملے میں کیا تھا اس جگہ کی حکومت کا انتظام کو انصرام مقامی امرا و زعما کے ہاتھوں میں چھوڑ دیا۔ مغرب میں اس نے استیاگس اور کروئی سس کی جگہ البتہ قابلِ اعتماد ایرانی اور میدی اور ارمنی زعما کو ستراپی کے عہدے عطا کیے تھے۔

" چند روز قبل " اس نے مراکنڈا کے زعماء سے کہا " تم لوگوں نے اپنی شہر پناہ کی حفاظت کے لیے مجھ سے مدد مانگی تھی۔ اب میں تمہارے شہر کی سرحدیں ایک ماہ کی مسافت پر دور شمال کی طرف تک پھیلا دیتا ہوں۔ اس طرح تم لوگ امن و چین سے اپنی تجارت جاری رکھ سکو گے۔ اور میرے خیال میں یہی ایک منافع بخش کام ہے جو تمہیں آتا

ہے۔"

سغد کے تاجروں کے نزدیک یہ ایک انتہائی انوکھی بات تھی کہ ان کی فصیلوں کے دفاع اور کاروانی راستوں کی حفاظت کے لیے ان کے دشمنوں اور وحشی قبائل کو دور دراز کے علاقوں کی طرف بھگا دیا جاتے۔ انہیں یقین نہیں تھا کہ ایرانی بادشاہ ایسا کٹھن کام انجام دے بھی سکے گا۔ لیکن ایک سال کے اندر اندر اس نے اپنے کہے کو پورا ثابت کر دکھایا۔ اس نے تمام وحشی قبائل کو ارال اور سیر دریا کے پار دھکیل دیا۔ سیر دریا کو ریتوں یا صحراؤں کا دریا بھی کہا جاتا تھا۔ یہ دریا مراکنڈا کے قریب کے پہاڑوں سے نکلتا تھا اور برق رفتاری سے بہتا ہوا چھ سو میل جانب شمال مغرب بحیرہ ارال میں جا گرتا تھا۔ اس دریا پر وحشی قبائل کبھی پل تعمیر نہ کر سکتے تھے۔ البتہ وہ کشتیوں اور جانوروں کی کھالوں کے ذریعے اسے ضرور عبور کر سکتے تھے۔ انہیں دوسرے کنارے پر آنے سے روکنے کے لیے سائرس نے اس جگہ سات قلعے تعمیر کروائے۔ یہ قلعے سات ستاروں کے ناموں پر تعمیر کیے گئے تھے۔ وہاں اس نے گھڑسوار سپاہیوں کی چوکیاں قائم کیں اور انہیں پیام رسانوں کے ذریعے آپس میں ملا دیا۔ نئے مفتوحہ علاقے کی دیکھ بھال اور انتظام و انصرام کے لیے اس نے وہاں ایک قلعہ بند شہر "سائرس کا شہر" آباد کیا۔ جسے بعد میں سائرا کہا جانے لگا۔ کسی حملے کی صورت میں ان سرحدی چوکیوں سے تیز رفتار قاصدوں کے ذریعے مراکنڈا اطلاع بھیجی جا سکتی تھی۔ اس طرح حملے سے نمٹنے کے لیے مراکنڈا سے بعجلت تمام سرحد کی طرف فوج روانہ کی جا سکتی تھی۔

جس سال سائرا شہر کی آبادکاری اپنے اختتام کو پہنچی، اسی سال ھندسوں نے آمو دریا پر بند کی تعمیر کا کام مکمل کر لیا۔ سیلاب کے دنوں میں بند کے عقب کی جھیل پانی سے بھر جاتی۔ اس جگہ پانچ آہنی دروازے اور سرنگیں بنائی گئی تھیں۔ یہ دروازے پانچ نہروں کی طرف کھلتے تھے۔ ان نہروں کے ذریعے سمندر تک کی وسیع و عریض اراضی کو

سیراب کیا جا سکتا تھا۔ گوراسیما کے ستراپ کو ان دریائی پانیوں کی تقسیم و انتظام کا کام سونپا گیا ساتھ ہی وہ ان پانیوں سے سیراب ہونے والے علاقوں کے باشندوں سے ٹیکس وصول کرنے کا ذمہ دار بھی قرار دے دیا گیا۔ سائرس نے اسے کہہ دیا تھا کہ ان لوگوں سے ٹیکس وصول کیے بغیر انہیں ہرگز پانی نہ دیا جائے۔

پھر جس صبح اس نے اس علاقے سے واپس ہونا تھا۔ اس صبح اسے ایک حیرت ناک واقعہ سے دوچار ہونا پڑا۔ صبح کے تارے کے آسمان پر جھلملانے کے وقت جب وہ نیند سے بیدار ہوا تو اسے اچانک احساس ہوا کہ وہ اپنے خیمے میں اکیلا نہ تھا بلکہ کوئی اور بھی وہاں موجود تھا۔ اس نے سوچا شاید یہ اس کا کوئی ملازم تھا جو اس کا سامان باندھنے میں مصروف تھا۔ کیونکہ وہ ہمیشہ سورج نکلتے ہی سفر پر روانہ ہو جایا کرتا تھا۔ لیکن سامان باندھنے کی یا کسی قسم کی کوئی آواز اسے سنائی نہ دے رہی تھی اس سکوت اور خاموشی میں اسے اپنے خیمے کے باہر اپنے ہزار محافظ سواروں کی مدہم آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔

پھر اس نے اپنے سامنے اندھیرے میں ایک سایہ سا حرکت کرتے دیکھا اس کی حرکت موہوم سی تھی۔ اب وہ سایہ خیمے کی دیوار کے ساتھ ساکت کھڑا تھا۔ سیاہی میں چھپے جسم کے اوپر چہرے کے سفید رنگ کی خفیف سی جھلک اندھیرے میں دکھائی دے رہی تھی۔ سائرس نے اپنے آدمیوں کو پکارنے کے لیے طویل سانس پھیپھڑوں میں بھری۔ جب اس نے ایسا کیا تو اس نامعلوم انسان نے اسے مخاطب کر ڈالا۔ یہ ایک عورت تھی۔ اس نے اس سے جو کچھ کہا اسے وہ بمشکل ہی سمجھ سکا "یہ دوسری بار تھی۔ جب وہ اس کے لوگوں کو جنہوں نے اسے کوئی نقصان پہنچایا تھا۔ نقصان پہنچانے آ گیا تھا۔"

سائرس اسے پہچان گیا۔ یہ تانی میرس تھی۔ جو اس وقت شدید غصے میں معلوم

ہوتی تھی۔ سائرس کو بڑی دیوی کا خیال آیا۔ وہ اپنی جگہ سے آہستہ آہستہ اٹھنے لگا دوسرے ہی لمحے وہ سختی سے اس کے بازو جکڑے ہوئے تھا۔ عورت اس کی گرفت سے آزاد ہونے کے لیے بری طرح تڑپ مچل رہی تھی۔ اس کی تیز گرم سانسیں سائرس کو اپنے چہرے پر محسوس ہو رہی تھیں۔ پھر اس نے اسے زور سے پیچھے کی طرف دھکیل دیا۔ وہ عورت تاریکی میں تحلیل ہوگئی۔ اس کے سانسوں کی آواز سنائی دینی بند ہوگئی تھی۔ لیکن اس کے قدموں کے قریب قالین پر کوئی چیز گری تھی۔ اس کا احساس ہوتے ہی وہ نیچے جھکا اور ہاتھ سے ٹٹول کر زرم دہات کا ایک بھاری خنجر اٹھا لیا۔ پھر وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا بھاری پردے کو ہٹا کر خیمے کے دروازے پر کھڑے دو نیزہ بردار محافظوں کی طرف بڑھ گیا جو اسے متجسس نظروں سے دیکھنے لگے۔

" یہ کون خیمے سے نکلا تھا؟" اس نے پرسش کی۔

نوجوان محافظوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ ایک محافظ نے اسے بتایا کہ صرف ایک عورت جو سیاہ لبادے میں ملبوس تھی خیمے سے باہر نکلی تھی۔ وہ ایک بے حد حسین عورت تھی۔ جس کے بال کھلے ہوئے تھے۔

" کیا تم نے اسے اندر داخل ہوتے دیکھا تھا؟"

اس مرتبہ دونوں نے ایک سا جواب دیا "نہیں۔ اپنے پہرے کے دوران ہم نے اسے اندر داخل ہوتے نہیں دیکھا"

وہ سائرس کے دائیں ہاتھ کو گھور رہے تھے۔ رات کے چراغ کی روشنی میں اس نے دیکھا کہ وہ اپنے ہاتھ میں خالص سونے کا خنجر تھامے ہوئے تھا اور وہ اپنی انگلیوں سے شیر پر سوار دیوی عشتار کی کھدی ہوئی شبیہہ کو محسوس کر رہا تھا۔ دیوی کا ایسا تحفہ وہ عرصہ ہوا وارنان کے بحر گیاہ میں قتل کے بعد گم کر بیٹھا تھا۔ یہ واقعہ سرائی تقریب کی بے حرمتی اور سرائی شہزادی تائی میرس سے اس کے ٹکراؤ کے بعد رونما ہوا تھا۔

تو یہ تائی میرسس ہی تھی جو اس جھٹپٹے کے وقت جب کہ لشکر گاہ کے سپاہی نیند سے بیدار ہونا شروع ہوتے تھے، اس کے خیمے میں گھس آئی تھی۔ اس کی آواز میں سائرس کے لیے جو غصہ اور نفرت تھی اسے اس نے اچھی طرح سے محسوس کیا تھا۔ وہ پراسرار طور پر اس کے خیمے میں داخل ہوئی تھی اور آرام سے باہر نکل گئی تھی۔ اسے اپنے محافظوں پر شدید تاؤ آیا۔

" رکھوالی کے اندھے کتو! تم نے ایک وحشی خانہ بدوش عورت کو میرے خیمے میں داخل ہوتے بھی دیکھا اور باہر نکلتے بھی اور اسے کچھ نہ کہہ سکے !"

جب اس کے حکم پر دوسرے سپاہی ہتھیار سنبھالے اس کے پاس پہنچے تو اس نے انہیں حکم دیا کہ وہ ان نوجوان نیزہ بردار پہریداروں کو اسی وقت قتل کر دیں۔ اس کے حکم فوری تعمیل ہوئی۔ پھر جب سائرس کا غصہ اترا تو اسے اپنے اس فعل پر بڑی پشیمانی ہوئی۔

ان نوجوان بہادروں نے شاید یہ سمجھا ہو گا کہ وہ حسین عورت جو چُپکے چُپکے پر اس کے خیمے سے باہر نکلی تھی۔ شاید اس کے حکم پر اس کے ساتھ رات گزارنے وہاں پہنچی ہو گی اور شاید اس وقت اس عورتوں کی محافظ عظیم دیوی نے ان پر اپنا سحر طاری کر دیا ہو گا۔

برف پوش پہاڑوں کے خطرات

اب ہنحامنشی بادشاہ نے اپنے نمایاں گھوڑے کی باگیں مشرق کی سمت موڑ دی تھیں۔ وہ طلوعِ آفتاب کی سرزمین کی جانب اپنے لیے نئے علاقے دریافت کر کے انہیں اپنی قلمرو میں شامل کرنا چاہتا تھا۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا۔ ہر چند کہ سفر کا چوتھا موسم سرما قریب آن پہنچا تھا۔ اہل کار اس کے پاس یہ درخواستیں لے کر آ رہے تھے کہ وہ اپنی فوج کے ساتھ جلد از جلد اگبتانا لوٹ چلے۔

مقتول محافظوں کی لاشیں وہاں سے لے جا کر دفنانے کے لیے سفید پوش درویشوں کی جماعت وہاں نمودار ہو گئی "یہ لوگ اس طرح یہاں لپک پڑے ہیں جیسے چیلیں مردار جانوروں پر لپک اٹھتی ہیں" ان درویشوں کو الف لیلوی جنوں کی مانند اچانک ہی سائرس کے خیمے کے قریب نمودار ہوتے دیکھ کر بوڑھے ایمیا نے چڑچڑے پن سے تبصرہ کیا۔ سائرس نے ان آوارہ گرد درویشوں کو اپنے پاس بلوایا۔

"تم جو کسی سردار یا قوم کی رعایا نہیں ہو۔ تم جو یہ شیخی بگھارتے رہتے ہو کہ تم سونے کے شہر کے باشندے ہو جہاں سورج ہمیشہ چمکتا رہتا ہے۔ جہاں اب تک

کوئی غیر ملکی قدم نہیں رکھ سکا۔ اب وقت آگیا ہے کہ تم اپنے اس شہنشاہ کی رہنمائی کرو۔ میرے پاس اس وقت چاندی کے خاصے ذخائر موجود ہیں۔ لیکن چاہتا ہوں کہ میرے پاس سونا بھی موجود ہو۔ یہ جگہ کہاں ہے جہاں سونا لانے والا دریا واں ہے ؟"

حقیقت یہ تھی کہ اس کی فوج میں اب مشرق میں بسنے والی اقوام کے خاصے لوگ بھی بھرتی ہو چکے تھے۔ اس لیے اتنی بڑی فوج کے اخراجات پورے کرنے کے لیے سائرس چاہتا تھا کہ اس کے پاس سونے چاندی کے بھاری ذخائر موجود ہوں عشتار کا خالص سونے کا بنا ہوا خنجر بھی اسے یہ احساس دلاتا رہتا تھا۔

اپنے کوادا کے ہم کیشوں کی مانند یہ سفید پوش آوارہ گرد درویش اس کی بات سن کر یوں مسکرائے گویا اس نے کوئی پُرمزاح بات کہہ دی ہو۔ پھر ان میں سے ایک بولا" ایک ریگتا ہوا کوڑھی بھی ہمارے ٹھہر کو تلاش کر سکتا ہے۔ اور وہاں پہنچ کر اچھا بھلا اٹھ کر کھڑا ہو جاتا ہے۔ اس کے اوپر سے ایک پَر ٹوٹا کبوتر بھی پرواز کر سکتا ہے۔ لیکن زمین پر حکمرانی کرنے والا کوئی بادشاہ وہاں کبھی نہیں پہنچ سکتا۔"

" اس قسم کی پہیلیاں" سائرس بولا" سلجھائے جانے سے کوئی واسطہ نہیں رکھتیں۔ بلکہ ان کا مقصد صداقت پر پردہ ڈالے رکھنا ہے اور میں اس پردے کو ہٹا کر رہوں گا"

پھر اس نے حکم دیا کہ ان درویشوں میں جو سب سے زیادہ تندرست و توانا اور سب کا نمائندہ دکھائی دیتا تھا، اسے باندھ کر ایک گھوڑے پر بٹھا دیا جائے اور اسے فوج کے ہمراہ کر دیا جائے۔ اس آوارہ گرد درویش نے اپنا نام بَدُو بتایا تھا لیکن اس نے اپنے باپ کا نام نہ بتایا تھا۔ وہ اسے یوں باندھے جاتے اور فوج کے ساتھ

کر دیے جانے پر قطعی افسردہ یا پریشان نہ دکھائی دیتا تھا۔ سائرس نے حکم دیا کہ آمو دریا کے ساتھ ساتھ ہوتے ہوتے مشرق کی سمت پیش قدمی شروع کر دی جائے۔ اسے یقین تھا کہ وہ اس راز کے دو اہم نکتوں سے آگاہ ہو چکا تھا جس کی وہ آوارہ گرد فقیر اتنی حفاظت کر رہے تھے۔ تجارتی قافلے اپنا سونا مشرق میں واقع ایک علاقے سے لاتے تھے اور کنوار لکے سفید پوش فقیروں نے اپنے وطن کی ایک نشانی یہ بتائی تھی کہ وہاں دریائے زرافشاں سونا لانے والا دریا بہتا تھا جو آگے چل کر آمو دریا سے جا ملتا تھا۔ اغلب تھا کہ یہ دریا ان انتہائی بلندیوں کی طرف بہتا ہو جیسا کہ ایرانی سائینسدانوں نے اندازہ لگایا تھا، جہاں ہر دم دبیز برف بھی رہتی تھی۔

فوج نے تیزی سے مشرق کی جانب پیش قدمی شروع کر دی۔ تجربہ کار سپاہیوں اور سرداروں کو سونا اگلنے والی سرزمین کی کشش اپنی جانب کھینچ رہی تھی۔ اب وہ سب بغیر کوئی سوال کیے یا بحث و مباحثہ کیے سائرس کے ہر حکم پر سر تسلیم خم کر رہے تھے۔ ان ویرانوں میں اس کی ذاتی خواہش اب ان کے لیے قانون کا درجہ رکھتی تھی۔

پھر تقریباً ایک دم ہی وہ کاروانوں کا راستہ چھوڑ کر بڑے دریا کے ساتھ ساتھ چلتے ہوتے سرخ پہاڑوں کی طرف مڑ گئے اور تنگ گھاٹیوں میں سے گزرتے ہوتے ان بلندیوں کی جانب رواں ہو گئے۔ جہاں کوئی آبادی نہ دکھائی دیتی تھی نہ کوئی ذی روح دکھائی دیتا تھا۔ وہ پہاڑوں کی بلندیاں ترا ئیاں چڑھتے اترتے آگے بڑھتے رہے۔ ان عظیم پہاڑوں کی چوٹیاں بادلوں میں پوشیدہ تھیں۔ سردی ہر دن گزرنے کے ساتھ ساتھ زیادہ ہوتی جا رہی تھی۔

اب ہڈ ذخوف زدہ نظر آنے لگا تھا۔ وہ سائرس کے سامنے اکڑ گھٹنوں کے بل جھک گیا اور اس سے التجا کی کہ وہ واپس لوٹ چلے۔

"کہاں؟ سائرس نے مطالبہ کیا۔" وہ کون سا راستہ ہے جو ہمیں تمہارے وطن تک لے جائے گا؟"

انتہائی مضطرب و بےچین ہو کر ہڈ نے سر جھکا لیا۔" اے بہت سی سرزمینوں کے عظیم بادشاہ۔ تم ان وادیوں کو عبور کرنے کی کوشش نہ کرو۔ کیونکہ تم ہرگز انہیں عبور نہ کر سکو گے۔ واپس لوٹ پڑو۔ اس سے قبل کہ برف سارے راستے بند کر دے۔"

اس نے ریشمئی گھستے کوڑھیوں کے بارے میں کچھ نہ کہا۔ سائرس نے دیکھا کہ اس جگہ جو پرندے تھے۔ وہ چوڑے پروں والے عقاب یا پہاڑی کوتے تھے اور وہاں کے درخت چھوٹے قدوں والے پائن کے درخت تھے۔ جو ہوا کے تھپیڑوں سے جھکے پڑ رہے تھے۔ البتہ دریا کے ساتھ ساتھ ایک پگڈنڈی مڑتی بل کھاتی دور تک چلی گئی تھی۔ اس پر پا پیادہ آدمی اور جانور چلتے رہتے تھے۔ یہ پگڈنڈی پہاڑوں میں سے ہوتی ہوئی ان کے دوسری طرف جا نکلتی ہو گی۔ مگر کس سمت ان کی راہنمائی کرے گی؟

بلندیاں چڑھتی ہوئی فوج سے کچھ دور کافی بلندی پر دریا ایک آبشار بناتا ہوا نیچے گر رہا تھا۔ پانیوں کے گرنے کی آواز تیزی سے چلتی ہوا کے دوش پر کسی غصیلے جانور کی گرج کی آواز کی مانند سنائی دے رہی تھی۔ سائرس نے جسمانی طور پر ان بلندیوں کے غیظ و غضب کو محسوس کیا۔ جو پارس کے پہاڑوں سے بھی زیادہ بلند تھیں۔

پھر ایک دن تیز و تند ہوا نے ایرانی فوج پر تنا ہوا بادلوں کا چھاتہ ہٹا دیا

دور نیچے گھاٹی کی انتہائی گہرائیوں سے گرد و غبار کا ایک طوفان کسی شیطانی بگولے کے رقص کی مانند اٹھا۔ اور گھاٹی کے اوپر بلند برف پوش چوٹیاں اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ نمایاں ہو گئیں۔ ہوا کی تندی سے برف بگولوں کی صورت میں رقص کرتی ہوئی اوپر جانے لگی۔ آدمیوں اور جانوروں نے ہوا کی تندی کا مقابلہ کرتے ہوئے اپنے قدم سختی سے چٹانوں پر جما لیے۔ برف و باد کے ان بگولوں نے انہیں نیم اندھا کر رکھا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ جگہ جہاں وہ کھڑے تھے۔ اپنی جگہ سے اکھڑ کر ان دیکھی گہرائیوں میں اترتی جا رہی ہو۔ ہڈ و چلّایا کہ یہ ہوائیں جلد ہی برفانی طوفان لے آئیں گی۔

تاہم دن ڈھلتے ہی ہواؤں کا زور ٹوٹ گیا۔ پہاڑوں کی چوٹیوں کے عقب میں نیلا آسمان نمودار ہو گیا۔ سورج کی کرنیں سامنے سے پڑتی ہوتی سپاہیوں کی آنکھوں کو خیرہ کرنے لگیں۔ آسمان کا گہرا نیلا رنگ ان کے لیے ہرگز مہربان ثابت نہ ہو رہا تھا۔ بلکہ اپنے لیے خطرات سے بھرپور دکھائی دے رہا تھا۔ ان کا راستہ گھاٹی سے نکلتے ہی دو راستوں میں بٹ جاتا تھا۔ اس کا ایک راستہ آبشار کی طرف اٹھتا چلا جاتا تھا۔ دوسرا راستہ مڑ تا بل کھاتا مشرق کی طرف جا نکلتا تھا۔ ہراول دستے کے ہیرکانی سردار سائرس کے پاس آئے اور اس سے دریافت کیا کہ وہ کس راستے پر ہو لینا چاہتا تھا انہوں نے اپنے سروں اور چہروں کو چمڑے کے خودوں سے ڈھانپ رکھا تھا اور اپنے لبادے اپنے جسموں کے گرد خوب کس کر لپیٹ رکھے تھے۔ تاکہ تیز کاٹتی سردی سے محفوظ رہیں۔ سائرس نے اپنے تمام کمانداروں کو صورتِ حال پر بحث کرنے کے لیے اپنے خیمے کے باہر آگ کے اس الاؤ کے پاس بلایا جو اس کے ملازموں نے ادھر ادھر سے لکڑیاں اور جھاڑیاں لا کر روشن کر دیا

تھا۔

"طوفان جلد ہی ہمیں آن لینے والا ہے۔" پہاڑی علاقوں کا علم رکھنے والوں نے اسے خبردار کیا۔"

"تو اس قیدی بدّو کو آزاد کر دو۔" سائرس نے حکم دیا۔ "اور دیکھو وہ کدھر کا رُخ کرتا ہے۔"

چونکہ انہیں اس تشویشناک صورت حال میں آزادانہ اپنی رائے کا اظہار کرنے کی اجازت دے دی گئی تھی۔ اس لیے بڑے بڑے سالاروں سے لے کر معمولی درجے کا سپاہی تک سب لوگ اپنے ڈر خوف کو عیاں کر رہے تھے اور اس مہم کے دوران پیش آنے والے خطرات کے بارے میں کھل کر اظہارِ رائے کر رہے تھے کہ ان بلندیوں کے نامعلوم خداؤں نے ان پر آگے بڑھنے کے راستے بند کر دیئے ہیں۔ ان بلندیوں میں ان کے نسایانی گھوڑے تین دنوں سے زیادہ زندہ نہ رہ سکیں گے۔ کیونکہ انہیں کھانے کے لیے کہیں بھی گھاس نہ مل سکتی تھی۔ انہیں یہ بھی معلوم نہ تھا کہ انہیں کون سا راستہ اختیار کرنا تھا۔ جس پر چلتے ہوئے وہ سونے کے شہر میں پہنچ سکتے تھے اور پہاڑوں کے اس پار جاتے کون سے لوگ ان سے مڈبھیڑ کے لیے تیار بیٹھے ہوں گے۔ سائرس نے اندازہ لگایا کہ صرف دو فکریں ایسی تھیں۔ جو باقی تمام فکروں پر حاوی تھی۔ ایک تو گھوڑوں کی فکر تھی۔ جن کے بغیر وہ اس اجنبی علاقے میں پاپیادہ بے بس و لاچار ہو کر رہ جاتے۔ اور دوسرے سورج کی ٹھنڈک کا خوف۔ یہ بلندیاں۔ یہ برفانی بلندیاں آہورا کے گھر تھیں۔ جو آریاؤں کا خدا تھا۔ اس کی ناراضگی کے خوف کے پیش نظر سب یہی رائے دے رہے تھے کہ انہیں مشرق کا سفر ترک کر کے واپس لوٹ چلنا چاہیئے۔

سائرس نے اس وقت تک اپنے خیالات کا اظہار نہ کیا جب تک تاریکی نے کائنات کو اپنے سیاہ لبادے سے نہ ڈھانپ لیا۔ اور سربفلک برف پوش چوٹیاں بھوتوں کی مانند خوفناک نہ دکھائی دینے لگیں۔ پھر اس نے پوچھا کہ ہڈّو نے فرار کے لیے کون سا راستہ منتخب کیا تھا؟

"وہ آدمی ہڈّو" ایک سردار نے لاپرواہی سے کہا۔ "اس راستے پر ہو لیا ہے جو دائیں طرف مڑ جاتا ہے۔"

سائرس الاؤ کے پاس سے اٹھ کر ایک باہر کو نکلی ہوئی چٹان پر چڑھ گیا۔ اور نیچے دائیں طرف نظریں دوڑانے لگا۔ اسے دور تاریکی میں ایک روشنی ٹمٹماتی دکھائی دے رہی تھی۔ یہ شاید کوئی چراغ تھا جو کہیں نزدیک ہی روشن تھا یا پھر کوئی الاؤ تھا جو کہیں دور جل رہا تھا۔ یہ روشنی متحرک نہ تھی بلکہ ساکن تھی۔ اس لیے سائرس نے فیصلہ دیا کہ یہ کوئی الاؤ تھا جو کہیں دور پہاڑ کی چوٹی پر جل رہا تھا۔ اگر واقعی ایسا ہی تھا تو ظاہر ہے کہ اسے انسانوں ہی نے جلایا ہوگا۔

"اس آوارہ گرد فقیر نے قسم کھائی تھی کہ وہ ہماری اپنی سرزمین تک ہر گز راہنمائی نہ کرے گا" سائرس نے کہا۔ "لیکن انجانے میں وہ ایسی حرکت کا مرتکب ہو چکا ہے۔"

"اس نے ایسا ہرگز نہیں کیا" اس سردار نے سنجیدگی سے کہا۔ "کیونکہ جب میں نے اس کی رسیاں کاٹیں تھیں تو اس نے مجھے خبردار کیا تھا کہ میں اس جگہ سے فوراً واپس ہو لوں۔ ورنہ اپنے جسم کو چیلوں کی ضیافت کے لیے تیار کر لوں۔"

سائرس کے ذہن میں یہ خیال گزرا کہ شاید یہ ہیرکانی سردار اپنی طرف سے

گھڑی گھڑائی باتیں اسے سنا رہا تھا۔ کیونکہ وہ اپنے وطن واپس لوٹ جانے کو بے تاب تھا۔ اس کی جگہ اگر کوئی ایرانی ہوتا تو وہ ہرگز اس سے جھوٹ نہ بولتا۔

"اب ہمیں اس روشنی کی راہنمائی میں آگے بڑھنا ہے۔" وہ سختی سے بولا۔ "اگر تم اور تمہارے ہزار سوار یہاں سونے اور آرام کرنے پر تلے بیٹھے ہو تو تمہیں اختیار ہے۔ صبح پو پھٹتے ہی لشکر گاہ یہاں سے چل پڑے گی۔ اس کا رخ جنوب کی ہوگا جہاں وہ آگ دکھائی دے گئی ہے۔"

اگلی صبح ان کی روانگی سے پہلے ستاروں کی روشنی دھندلاتے ہی برف کے گالے تیزی سے گرنے لگے۔ برف باری کی یہ تیزی اور شدت محسوس کرتے ہوتے سائرس نے روانگی میں تاخیر کرنی نامناسب سمجھی اور فوراً ہی اس جگہ سے روانہ ہوگیا۔ جیسا کہ اسے ڈر تھا برف باری کی بدولت وہ راہنما روشنی دکھائی دینی بند ہو چکی تھی۔ ہوائیں ان کی پشت پر تھیں اور انہیں آگے ہی آگے دھکیلتی جا رہی تھیں۔ اپنے گھوڑوں کی راسیں تھامے وہ برف باری میں اندھوں کی طرح راستہ ٹٹولتے ہوتے آگے بڑھ رہے تھے۔

جہاں زرتشت کی حکمرانی تھی

دوسرے دن کے طلوع ہونے تک وہ پہاڑوں کی ترائیاں اترتے ہوئے ایک ایسی وادی میں جا پہنچے۔ جو برف سے ڈھکی ہوتی تھی۔ اس جگہ جانور چٹانوں پر جمی ہوئی کائی اور جھاڑ جھنکاڑ سے بخوبی اپنی بھوک مٹا سکتے تھے۔ اس رات لشکر گاہ کے آدمی پائن کے درختوں کے نیچے الاؤ جلا کر آرام سے اس جگہ سو سکتے تھے۔ سائرس نے اس جگہ پہنچ کر پڑاؤ ڈالنے کا حکم دیا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ لشکر سے آن ملیں۔ لیکن ایسے لوگوں کی آمد کی رفتار بے حد سست تھی۔ اور وہ سب کے سب ہرگز لشکر گاہ میں شامل نہ ہو رہے تھے۔ ویسے بھی لشکر گاہ کے سپاہیوں میں پہلے سی تنظیم و ترتیب نہ رہی تھی۔ وہ اب بھوکے آدمیوں کے غول دکھائی دیتے تھے۔ سب لوگ یہی چاہ رہے تھے کہ وہ جلد از جلد اس راہنما روشنی تک جا پہنچیں۔ جو طوفان میں دور ٹمٹماتی دکھائی دے رہی تھی۔ تیسرے دن برف باری بند ہو گئی اور سورج طلوع ہو گیا اور بہتے ہوئے پانیوں کی آواز کہیں قریب سے سنائی دینے لگی۔

یہ وادی آگے جاتے جاتے بہت چوڑی ہو جاتی تھی اور اس کی ڈھلوان کے نیچے ایک ہرا بھرا میدان آتا تھا۔ جہاں ایک جھیل کا پانی چمک رہا تھا۔ سائرس نے

اس جگہ پہنچ کر اپنے عقب میں نگاہ ڈالی۔ اس کی نظروں کے سامنے سفید برف پوش چوٹیاں جگمگا رہی تھیں۔ جن کے درمیان سے وہ گزر کر آئے تھے۔ سائرس نے سوچا کہ موسم سرما میں اس کی فوج کا اسی راستے سے واپس جانا مشکل ہی ہو گا۔ جس راستے پر ایرانی لشکر مارچ کر رہا تھا۔ وہ ایک تنگ سا راستہ بلکہ پگڈنڈی تھی۔ یہ پگڈنڈی آگے چل کر کچھ چوڑی ہو جاتی تھی۔ یعنی چھکڑوں کا راستہ بن جاتی تھی۔ اس راستے پر انہیں عجیب وغریب مسافر سفر کرتے ہوئے دکھائی دیئے۔ یہ مسافر یا تو اندھے تھے۔ یا لولے لنگڑے۔ انہوں نے اپنے چہرے سورج کی طرف اٹھا رکھے تھے اور چلا چلا کر کہہ رہے تھے کہ اگرچہ وہ سورج کو نہ دیکھ سکتے تھے۔ لیکن اس کی گرمی بخوبی محسوس کر سکتے تھے۔ ان میں ایک بوڑھا جس نے کھال پہن رکھی تھی اور ہاتھ میں لاٹھی سنبھال رکھی تھی۔ ایرانیوں کو چلا چلا کر بتانے لگا کہ وہ سورج کی سرزمین میں داخل ہو چکے تھے۔ اس بوڑھے کے پہلو میں ایک کوڑھی کھڑا تھا۔ جو حتی الامکان یہ کوشش کر رہا تھا کہ اس کا ساتھی اسے نہ چھوسکے۔

سائرس نے ان اپاہجوں سے دریافت کیا کہ اس سرزمین پر کون حکومت کرتا تھا۔

"کوئی نہیں۔ یہاں کوئی قوی یا بادشاہ حکومت نہیں کرتا۔" ان سب نے یک زبان ہو کر اسے بتایا۔ "یہ زرتشت کی سرزمین ہے۔"

"اور وہ کہاں ہے؟"

اس پر کوڑھی نے وادی کے ایک دور دراز کے گوشے میں واقع ایک نیلگوں پہاڑ کی طرف اشارہ کیا۔ "وہاں!" اور اس کے بوڑھے ساتھی نے اثبات کیا۔

" وہاں جہاں باختریا کی آگ روشن ہے۔"

سائرس نے خیال کیا کہ وہ آگ وہی راہنما آگ ہوگی جو طوفان میں انہیں دور سے ٹمٹماتی دکھائی دیتی رہی تھی۔ جب وہ گھوڑے پر سوار آگے بڑھا تو ویسے ویسے زائرین کی تعداد میں اضافہ ہوتا گیا۔ ان زائرین نے اسے کسی سوال کا صاف اور صحیح جواب نہ دیا۔ بلکہ الجھے ہوئے جواب دیتے رہے۔ دیوتاؤں کا معبد۔ ان کا مسکن کہاں تھا؟ وہ اسے نہ پا سکتا تھا۔ ان زائرین نے اسے ذوق سے جواب دیا کیونکہ اس جگہ ایسی کوئی چیز موجود نہ تھی۔ پھر وہ جگہ کہاں تھی یعنی قربان گاہ جہاں خون کا نذرانہ دیا جاتا تھا؟ کہیں نہیں۔ زائرین نے جواب دیا۔ وہ جا کہاں رہے تھے؟ اپنی زندگیوں کی تجدید کروانے۔

ہخامنشی بادشاہ اس سے پہلے کبھی کسی ایسی سرزمین میں داخل نہ ہوا تھا جہاں نہ کوئی معبد تھا اور نہ کوئی جاتے قربانی جہاں پجاری پروہیت جمع رہتے تھے چلتے چلتے وہ اس راستے کے ایک طرف بنی ہوئی ایک جھونپڑی کے قریب آ کر کھڑا ہو گیا۔ اس نے اس جھونپڑی میں ایک لمبے چوڑے آدمی کو پنجروں میں بند کبوتروں اور چکوروں کی خدمت میں مصروف دیکھا۔ وہ آدمی اس وقت ایک پر ٹوٹے کبوتر کو سنبھالے اس کا ٹوٹا ہوا پر باندھنے میں لگا ہوا تھا۔ اس آدمی کا آدھا چہرہ سائرس کی طرف تھا۔ اس نے اسے غور سے دیکھا تو اسے پہچان گیا۔ یہ ہدّو تھا۔

" تم نے کوڑھیوں اور پر ٹوٹے پرندوں کے بارے میں صحیح بات کہی تھی۔" سائرس اس سے مخاطب ہو کر بولا۔" لیکن دیکھ لو۔ میں ہخامنشی بادشاہ اس وادی؛ باختریا میں پہنچنے میں کامیاب ہو چکا ہوں۔"

" اہورا مزدا تمہاری آمد کی نحوست سے اس سرزمین کو محفوظ رکھے!" ہدّو نے

کہا اور اپنے مریض پر جُھک گیا۔ سائرس کچھ دیر وہاں رکا رہا۔ پھر آگے بڑھ گیا وہ سفید پوش درویش پرندے کی یوں تیمارداری کر رہا تھا جیسے یہ انتہائی ضروری ہو۔ لشکر گاہ کے آدمی تازہ دودھ اور گوشت سے اپنی بھوک مٹا رہے تھے اور ان کے جانور ہری بھری چراگاہوں میں چرتے پھر رہے تھے۔ ان میدانوں خوب لمبی لمبی گھاس اگی ہوئی تھی۔ اس عظیم وادی کے کنارے پر پہنچنے سے پہلے سائرس اور اس کے سائنس دانوں نے یہ فیصلہ دیا کہ سردیوں میں یہ وادی گرم رہتی ہوگی کیونکہ یہ انتہائی نیچائی پر واقع تھی۔ برف پوش پہاڑوں سے بہتے آتے والے پانی کی بدولت ہر موسم میں اس کا ہرا بھرا پن برقرار رہتا ہوگا اور وہاں پانی کی کبھی کمی نہ پڑتی ہوگی۔ اور وہ سر فلک پہاڑوں کا عظیم سلسلہ بیرونی حملہ آوروں کے خلاف اس کی مدافعت کرتا ہوگا۔ ہر چند کہ سفید پوش آوارہ گردنقیروں نے اسے اس وادی میں داخل ہونے والے راستے کا راز پوشیدہ رکھا تھا۔ یہ عین ممکن تھا کہ اس وادی میں داخل ہونے کا اور بھی کوئی راستہ موجود ہو۔ اجنبیوں کی نگاہوں میں پہاڑی سلسلہ ایک روک تھا۔ اس وادی میں رہنے والے اس پہاڑی سلسلے میں واقع بہت سے ایسے دروں سے بخوبی آگاہ تھے جن کے ذریعے آسانی سے ان پہاڑوں کے اس پار آیا جایا جا سکتا تھا۔

اس وادی کے باشندے بڑے پریقین انداز میں اس وادی کو امن و سکون کی وادی کہتے تھے۔ لیکن وہ اس بارے میں کچھ نہ بتاتے تھے کہ اس وادی کے پار دور مشرق میں کیا تھا۔ "پہاڑوں کے عقب کی سرزمینیں" وہ مختصراً ان علاقوں کو اس طرح کہا کرتے تھے۔ بہت جستجو اور ترغیب کے بعد سائرس صرف اتنا ہی معلوم کر سکا کہ وہاں دریائے سندھ کا منبع واقع تھا۔ اس دریا میں سے کئی شاخیں نکل کر ان علاقوں میں پھیل جاتی تھیں جہاں قدیم وقتوں میں بڑے

بڑے خوشحال شہر آباد تھے۔ سائرس اس سرزمین ہندوستان تک پہنچ کر اس علاقے کو دیکھنا بھالنا چاہتا تھا۔ اسے شک تھا کہ باختری اس وادی سندھ کے لوگوں سے تجارتی تعلقات قائم کیے ہوئے تھے۔ کیونکہ ان کے گھروں میں آرائش وسجاوٹ کی ایک سے ایک عمدہ اور خوبصورت چیزیں موجود تھیں۔ اور وہ نہایت خوبصورت جنا ہوا کپڑا پہنتے تھے۔ ان کی عورتیں نت نئی وضع کے زیورات اور لباسوں میں ملبوس دکھائی دیتی تھیں۔ ان کے طبیب ایسی دوائیں تیار کرتے تھے جو بابل کے اطبا کو بھی معلوم نہ تھیں۔ ہرچند کہ وہ تحریری علم اتنا زیادہ نہ جانتے تھے اور لکھنا انہیں اتنا ہی آتا تھا جتنا کہ خود سائرس کو۔ یہ لوگ بہت سی سرزمینوں سے ہجرت کر کے وہاں آباد ہوتے معلوم ہوتے تھے۔ اور شاید وہ پناہ گزین تھے۔ اس کے باوجود وہ یکجا ہو کر سائرس سے اپنا ہر راز پوشیدہ رکھ رہے تھے۔

اب جب وہ ان کی سرزمین پر آ پہنچا تھا۔ اس کا خیال تھا شاید اس جگہ کوئی بادشاہ یا سردار حکومت کرتا ہوگا۔ اسے کہیں بھی کسی باقاعدہ شہر کے آثار نہ دکھائی دیے تھے۔ البتہ چند جھونپڑیوں پر مشتمل چھوٹی چھوٹی آبادیاں جابجا ادھر اُدھر بکھری پڑی تھیں۔ ایسی آبادیاں زیادہ تر پہاڑوں کی ترائیوں میں واقع تھیں۔ جو یوں دکھائی دیتی تھیں گویا ایک بڑے سے درخت پر پرندوں کے کئی گھونسلے بنے ہوں ہر جگہ اسے خالص سونے کے برتنوں میں تازہ دودھ اور خوراک پیش کی گئی اور ہر جگہ اسے یہی بتایا گیا کہ اس وادی کے رہنے والے کوئی ٹیکس وغیرہ کسی مندر یا دربار کو ادا نہ کرتے تھے۔

سائرس کو اس کا یقین نہ آیا۔ "تم اتنی بھاری مقدار میں سونا آخر کیوں کھود تے نکالتے رہتے ہو جب کہ تم اس کا مصرف تک نہیں جانتے؟"

اس پر باختریوں نے جواب دیا کہ وہ اس دھات کے خوبصورت برتن تیار کرتے

تھے۔ اس طرح یہ گھریلو استعمال میں لائی جاتی تھی۔ انہیں اپنے سناروں پر بڑا فخر تھا۔ وہ ایک انتہائی تجربہ کار اور سب سناروں کے استاد سنار کو سائرس کے پاس لائے اور اس کی مہارت اور ہنرمندی کا ایک نمونہ بھی اسے دکھایا۔ یہ ایک پروں والا گھوڑا تھا۔ جو پرواز کو پر تول رہا تھا۔ اس کی دم اور ایال ہوا میں لہراتے دکھائی دے رہے تھے۔ سائرس ہنرمندی کا یہ نمونہ دیکھ کر دنگ رہ گیا۔ شاہ کروئی سس کے خزانے میں جو نوادرات موجود تھے ان میں سے کوئی بھی ایسی ہنرمندی اور مہارت سے نہ بنایا گیا تھا۔ اور نہ ہی کسی میں یوں زندگی رواں دکھائی گئی تھی۔ سونے کے پروں والے گھوڑے کا یہ مجسمہ تو جیتا جاگتا معلوم ہوتا تھا۔ اس نے سنار سے دریافت کیا کہ وہ اس مجسمے کو کس قیمت پر اس کے ہاتھ فروخت کرنے پر آمادہ تھا۔ مگر اس شخص نے اسے فروخت کرنے سے انکار کر دیا اور کہا کہ اس نے اسے اپنی تمام تر مہارت اور کاریگری سے آہورامزدا کے لیے تیار کیا تھا اور وہ اس مجسمے جیسا کوئی دوسرا مجسمہ نہ بنا سکتا تھا۔

" تو پھر تم اپنا یہ تحفہ آہورا کے معبد میں کیوں نہیں رکھ دیتے ؟" سائرس نے دریافت کیا۔

" آگ کی قربان گاہ پر ؟" بادیش زرگر نے سر ہلایا۔" نہیں۔ زرتشت نے کہا تھا کہ خدائے برتر ہر آتش دان میں موجود ہے۔ یا پھر کہیں نہیں ہے۔"

ان الجھن آمیز باتوں نے ہخامنشی بادشاہ کے ذہن کو پراگندہ کر دیا باختریوں نے اپنے معبد کو اس سے پوشیدہ رکھا ہوا تھا۔ لیکن اپنے سونے کا راز انہوں نے اس پر عیاں کر دیا۔ سونا وہاں کسی کان میں سے نہ نکالا جاتا تھا۔ بلکہ یہ ان کی جھیل سے بہنے والے دریا زرافشاں کے ساحلوں کی ریت چھان کر اس میں سے نکالا جاتا تھا۔ یہ یاد آتے ہی کہ زرافشاں آمو دریا میں جا گرتا ہے سائرس نے خیال کیا کہ

یہ اس وادی سے باہر نکلنے کا ایک دوسرا راستہ ہوگا۔ جو سردیوں میں بھی کھلا رہتا ہوگا اور اس راستے سے تجارتی کاروان ہندوستان سے عجیب وغریب چیزیں اور نوادرات لاتے ہوں گے اور انہیں باختری اپنے سونے کے بدلے خرید لیتے ہوں گے۔ بدو نے اسے یہ یقین دلانے کی کوشش کی تھی کہ باختریا میں داخل ہونے کا راستہ صرف وہی تھا جوان دشوار گذار پہاڑوں میں سے گزرتا تھا حالانکہ یہ عین ممکن تھا کہ اس وادی میں آمد و رفت کے کئی راستے ہوں۔

اس وادی میں داخلے کے فوراً بعد ہی سائرس کو یہ معلوم ہوگیا تھا کہ یہ وادی جہاں کوئی حکمران نہ تھا اور جہاں کے لوگ خود مختارانہ اور آزادانہ زندگیاں بسر کرتے تھے' اس کی اپنی وادی انشان کے مقابلے میں جہاں اس کی حکومت تھی' زیادہ فیض رساں تھی۔ یہاں کوئی کیسپینی زرعی غلام نہ تھا۔ نہ یونانی ساحلوں کے غلام تھے۔ یہاں جتنا سونا موجود تھا۔ اتنا کروئی سس کے خزانوں میں بھی نہیں تھا۔ لیکن سونے کی یہ دولت یہاں بیکار بکھری پڑی تھی۔ وادی کے کھیتوں میں اچھی طرح سے ہل چلایا جاتا تھا اور کھیتی باڑی کی جاتی تھی۔ پہاڑوں کے پہلوؤں کی ہری بھری چراگاہوں میں مویشی چرتے پھرتے تھے۔ وہاں جھیل تھی۔ جس میں کبھی پانی کی کمی نہ پڑتی تھی۔ ایرانی سپاہی اس جگہ کو بہشت ارضی قرار دے رہے تھے۔ بس فرق صرف اتنا تھا کہ اس جگہ کی حسین دوشیزائیں اجنبیوں سے کتراتی نہیں۔

یہ بات بظاہر ناممکن دکھائی دیتی تھی کہ اس جگہ کا کوئی حکمران نہ ہو پھر بھی یہاں کے باشندے امن وچین سے کسی قاعدے کسی قانون کی پروا نہ کرتے ہوئے زندگیاں گزارتے رہیں۔ اس کا خیال تھا کہ اگر واقعی ان لوگوں پر کوئی حکمران تھا تو اس وقت وہ اس سے پوشیدہ رہ رہا ہوگا۔ بے چین و مضطرب سائرس اس اسرار پر سے پردہ اٹھانے کے لیے بے تاب تھا۔ اس کی سوچوں کا دھارا بار بار زرتشت اور متعلق

جلتی رہنے والی آگ کی طرف مڑ جاتا تھا۔ زرتشت اس کے خیال میں ایک بھگوڑا تھا جو پہاڑوں میں جا چھپا تھا۔ یا اس پہاڑ پر جا کر چھپ گیا تھا جو تمام پہاڑوں سے الگ تھلگ کھڑا تھا۔ اس پہاڑ پر کسی زندگی کے آثار نہ دکھائی دیتے تھے۔ اس کے گاؤں کے میزبانوں نے بھی میڈیا اور ایران کے عظیم بادشاہ کو اس پہاڑ پر چڑھنے کا راستہ بتانے کی زحمت گوارا نہ کی تھی۔ سائرس نے بھی اس پہاڑ کے بارے میں اپنی دلچسپی کو ان سے چھپایا تھا۔

جب نئے سال کی تقریبات کا موقع آیا تو سائرس نے ان تمام جشنوں میں شرکت کی جو اس موقع کے لیے منعقد کیے گئے تھے۔ وہ مہمانِ خصوصی کی حیثیت سے گھڑ دوڑ اور سپاہیوں کے رقص میں شریک ہوا۔ اس رات ایک عظیم الشان ضیافت منعقد کی گئی۔ اس کے بعد سائرس اپنی خیمہ گاہ میں واپس آ گیا۔ اس کی خیمہ گاہ اس پہاڑ کے دامن میں واقع تھی جس پر مسلسل آگ روشن رہتی تھی۔ اس آگ کو روشن رکھنے والے کبھی دکھائی نہ دیتے تھے۔ اس نے اپنے محافظوں کو ہدایت کی کہ وہ دن بھر کی مصروفیات کے سبب بہت تھک چکا تھا اور آرام کرنا چاہتا تھا۔ اس لیے اسے تنگ نہ کیا جائے۔ اپنے سونے کے کمرے میں جا کر اس نے اپنے جسم پر سے ہتھیار اتارے اور ایک چھوٹا سیاہ لبادہ پہن لیا۔ اس کے بعد اس نے اپنے پرانے ملازم بوڑھے ایمبا کو بلوا بھیجا۔

" ہم وہ دیکھنے جا رہے ہیں۔ جو ہم سے پوشیدہ رکھا گیا ہے " اس نے ایمبا سے کہا۔

ان کے پہاڑ پر چڑھنے کے دوران چاند طلوع ہو گیا۔ وہ دونوں ماہر اور تجربہ کار کوہ پیما تھے اور سائرس نے دن کی روشنی میں پہاڑ کی چوٹی پر پہنچنے والا راستہ بھی دیکھ لیا تھا۔ یہ ایسا راستہ تھا جس پر لوگ اکثر چڑھتے اترتے رہتے تھے کیونکہ

یہ استعمال شدہ معلوم ہوتا تھا۔ یہ راستہ سیدھا پہاڑ کی چوٹی پر جا پہنچتا تھا۔ بلندی پر پہنچتے پہنچتے سائرس کے کانوں میں انسانی آوازیں سنائی دینے لگیں تھیں۔ سائرس کے کانوں میں ان آوازوں کی بازگشت زیر و بم کی طرح سنائی دے رہی تھی گویا وہاں موجود لوگ کوئی مناجات وغیرہ پڑھ رہے تھے۔ اس نے خیال کیا کہ شاید نئے سال کے آغاز کے موقع پر زرتشت کے پیروکار اپنے اس بسیرے میں کوئی مذہبی رسم وغیرہ ادا کر رہے تھے۔ وہ اور ایبا چٹان میں کھدے ہوئے قدمچوں پر پاؤں رکھتے ہوئے اوپر چڑھتے رہے۔ پھر بالآخر وہ سفید چونے کے پتھر کے ایک چبوترے پر آن پہنچے۔ جو جلتی آگ کی روشنی سے روشن ہو رہا تھا۔ سائرس نے برف پوش چوٹیوں کے حلقے کو گھورا۔ جو اس جگہ کو اپنے احاطے میں لیے ہوئے تھیں۔ اس وقت ایک آدمی اس کے پہلو میں آ کر کھڑا ہو گیا۔

”عظیم بادشاہ کو کون سا جستس یہاں کھینچ لایا ہے ؟“

یہ آواز سائرس کے لیے جانی پہچانی تھی۔ یہ وہ ماگی تھا جو اگتیانا میں بنار کی تعمیر کے سلسلے میں بیگار بھگتتا رہا تھا۔ وہ گئے گزرے سالوں کے مقابلے میں اب خاصا دراز قد دکھائی دے رہا تھا شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ اس نے اس وقت لمبی سفید عبا پہن رکھی تھی۔

مقدس آگ ایک چوٹی پر جل رہی تھی اور اس چوٹی کے نیچے بہت سے سفید پوش درویش موجود تھے۔ یہ کوئی قربانگاہ نہ دکھائی دیتی تھی۔ چوٹی کے نیچے ایک جگہ نیچے سے لائی ہوئی لکڑیوں کا ایک بھاری ڈھیر پڑا تھا۔ آدمی کے ہاتھوں کی بنائی ہوئی عبادت گاہ کی وہاں کوئی علامات نہ دکھائی دیتی تھیں جب سائرس یہ سب کچھ دیکھ چکا تو اس نے جواب دیا۔

”میں پیغمبر زرتشت کی تلاش میں ہوں۔ تم لوگوں نے اسے کہاں پوشیدہ

دکھا ہوا ہے ۔"

کچھ کہے بغیر ماگی اسے ہمراہ لیے تاریک چٹان کی بلندی پر چڑھنے لگا۔ ایک جگہ پہنچ کر وہ رک گیا اور زمین پر گاڑی ہوئی ایک تختی کو ہاتھ سے چھُوا۔ "ہم نے اسے یہاں دفن کیا ہے ۔"

اس جگہ کچھ عجیب سی روشنی بکھری پڑی تھی۔ یہ جلتی ہوئی آگ اور چاند کی ملی جلی روشنی تھی۔ سفید پوش درویش سائرس اور اس کے ملازم کی طرف قطعی کوئی توجہ نہ دے رہے تھے۔ اب انہوں نے دوبارہ اپنی مناجات شروع کر دی۔ سائرس کو اس کے الفاظ بخوبی سمجھ آ رہے تھے۔

"اس نے بڑی بڑی بادشاہتوں کی سرزمینوں سے راہ فرار اختیار کی۔

اس نے بڑے بڑے امیروں سرداروں سے دامن چھڑا لیا۔

اس نے اپنے ساتھیوں کو چھوڑ دیا۔ اس نے تمام معبدوں اور ان کے پجاریوں سے تعلق توڑ لیا۔

اس نے جھوٹے شہزادوں اور ہتھیار بردار آدمیوں سے پیچھا چھڑا لیا اور روشنی پالی۔"

سائرس نے بے شمار دیوتاؤں کی مذہبی رسومات میں حصہ لیا تھا۔ اور ان رسومات کی ادائیگی کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ مگر ایسی سادہ سی مذہبی رسومات اس نے کہیں نہ دیکھی تھیں۔ اس نے کوئی سوال نہ کیا اور زرتشت کے پیرو کار اپنی مناجات گانے میں مگن رہے۔ کچھ آدمی اس دوران چوٹی پر چڑھتے اور الاؤ میں لکڑیاں جھونکتے رہے۔ پھر انہوں نے بلسان کی چھڑیاں اٹھائیں، اور انہیں رات کے آسمان کی چاروں طرف بلند کر دیا۔

پھر آہستہ آہستہ صبح کی سپیدی رات کی سیاہی پر غالب آنے لگی۔ دور دراز کی چوٹیوں کے عقب میں شفق کی سرخی نمودار ہونا شروع ہو گئی۔ پورا چاند مغرب کی جانب ڈوبتا ہوا دھندلانے لگا۔ پھر سفید پوشوں نے اپنی مناجات گانا بند کر دی اور نیچے وادی میں جانے کے لیے پہاڑی سے اترنے لگے۔ نیچے بکھرے ہوئے مکانوں میں ابھی تک سکوت اور خاموشی طاری تھی۔ کیونکہ رات گئے تک جشن منانے کے بعد ان کے تھکے ہارے مکین ابھی تک پڑے سو رہے تھے۔ سیاہ بکریوں اور بھوری سفید بھیڑوں کے گلّے پہاڑوں کے سرسبز پہلوؤں میں چرتے دکھائی دے رہے تھے۔ باقی درویشوں کے پیچھے جانے کے بعد دو درویش آگ کی دیکھ بھال کے لیے وہیں رک گئے۔ اور سائرس ماگی اور ابیبا کے ساتھ نیچے اتر آیا۔ اسے اس وقت پارس گرد میں سنگِ مرمر کے شاندار معبد میں بنی ہوئی آہورا اور آتر کی دوہری قربان گاہ کا خیال آ رہا تھا۔ جن پر مقدس آگ روشن رہتی تھی۔ یہ معبد اس نے اپنے نئے محل کے قریب ہی تعمیر کروایا تھا۔

جب سائرس نے ماگی سے زرتشت کی موت کے بارے میں سوال کیا تو اس نے اسے بتایا کہ زرتشت کو چند سال قبل وحشی قبائیلیوں نے قتل کر دیا تھا۔ اس کے پیروکار اس کی لاش اس وادی میں دفنانے لے آئے تھے جس کی جانب وہ فرار ہو رہا تھا۔ جو اس کے خیال کے مطابق امن و سکون کی وادی تھی۔

"پھر تم کیا اسے پیغمبر نہیں کہتے؟"

ماگی کے چہرے پر تحیر کے آثار نمودار ہوتے۔ "نہیں۔ وہ ہمارا معلم تھا۔"

" تو اس نے تمہیں یہ سکھایا تھا کہ سورج کا آہورا تمام دیوتاؤں سے بڑا تھا؟"

وہ اب چلتے چلتے بستی کے قریب ایک ندی کے کنارے جا پہنچے تھے۔ وہاں ایک عورت اپنا گھڑا بھر رہی تھی۔ اس نے ان کی طرف کوئی توجہ نہ کی۔ اس کے قریب ہی مرغیاں اور چوزے چر چگ رہے تھے۔ اور ایک کتا اپنے اگلے پنجوں پر تھوتھنی ٹکائے کاہلی سے بیٹھا اونگھ رہا تھا۔

" نہیں۔ یہ نام آہورا مزدا بہت سے دیوتاؤں میں ایک نام ہے۔ اور وہ اکیلا ہی وجود رکھتا ہے۔ یعنی اس کے سوا اور کسی خدا یا دیوتا کا وجود نہیں۔"

" یعنی صرف تمہاری اس وادی میں ہی یہ عقیدہ رائج ہے؟"

" اس عقیدے کو ہر جگہ پھیلانے کی ضرورت ہے کہ آہورا مزدا ایک اور صرف ایک ہی خدا ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔"

ماگی کی باتوں اور رویے سے خود اعتمادی کا اظہار ہوتا تھا۔ لگتا تھا جیسے اس وادی کے تمام اختیارات اسی کے ہاتھ میں تھے۔ ہر چند کہ وہ کوئی فریضہ انجام دیتا کبھی نہ دکھائی دیا تھا۔ اسے اس ذمہ داری کا احساس تھا جو اسے تفویض کی گئی تھی۔ سائرس سے رخصت ہوتے ہوتے اس نے اس کے آگے سر جھکا دیا اور اس سے ایک درخواست کی " اے بہت سی سرزمینوں کے شہنشاہ۔ تم یہاں بن بلائے مہمان بن کر نازل ہوتے ہو۔ تمہاری فوج کی موجودگی کے سبب یہاں کا امن و سکون تہہ و بالا ہو چکا ہے۔ اور تم ہمارے لیے یہاں امن و امان

بحال نہیں کر سکتے ۔ تم باختر یا کو اسی حال میں چھوڑ دو جس حال میں تم نے اسے پایا ہے ۔ اور اسے اپنی قلمرو میں شامل کرنے کی ہر گز کوشش نہ کرو ۔" اس نے مغرب کی سمت ہاتھ بلند کیا ۔ اور سائرس ہخامنشی کی آنکھوں میں دیکھا ۔

" وہاں میں نے بدی کی قوتوں کی حکمرانی دیکھی ہے ۔ تمام بادشاہ جو وہاں حکومت کرتے ہیں ان میں تم سب سے زیادہ رحم دل اور بردبار ہو ۔ تم میں زیادہ انسانیت ہے ۔ تم میں ایسا آہنی عزم موجود ہے کہ دریاؤں کے دھارے کو موڑ دو ۔ اور شہروں کو تمام بلاؤں اور وباؤں سے پاک کر دو ۔ لیکن تم میں وہ کچھ ٹھیک کرنے کی قوت نہیں جو تم نے دیکھ نہیں رکھا ۔ ہمیں تنہا چھوڑ دو ۔

اے عظیم بادشاہ ۔ ہم اپنی روحوں کے سکون کے لیے جس چیز کے متلاشی ہیں ۔ تم اسے نہیں سمجھ سکو گے ۔ پس ہمیں ہمارے حال پر چھوڑ دو ۔"

لفظ " روح " سائرس کے لیے نیا اور عجیب سا لفظ تھا ۔ اس نے خیال کیا شاید یہ ان درویشوں کا اختراع کیا ہوا کوئی لفظ تھا جس کے معنی مطلب عام لوگ نہ سمجھ سکتے تھے ۔ اس لفظ کے استعمال سے ماگی نے شاید اسے بے وقوف بنانے کی کوشش کی تھی ۔ اور یوں جھوٹا اور خوشامد سے اپنا الو سیدھا کر رہا تھا ۔

" اب تک میں نے سچ کو سمجھنے کی کوئی تکلیف گوارا نہ کی تھی ۔" وہ خفگی سے بولا ۔" جان لو کہ میں ، سائرس ، جھوٹ سے سخت نفرت کرتا ہوں ۔"

ماگی نے اپنا جھکا ہوا سر ایک جھٹکے سے اوپر اٹھایا ۔" ہم سچائی کی خدمت کرتے

ہیں ! ہم جھوٹ کے دشمن ہیں ۔"

سائرس کافی دیر تک اسے ٹٹولتی نظروں سے دیکھتا رہا ۔ پھر بولا "میں اس کی باتیں پہلے بھی کافی سن چکا ہوں ۔ اب ماگی ، تمہارے لوگ اسے میرے سامنے ثابت کر کے دکھائیں ۔ تم اپنی شہادت دو ۔ میں ، سائرس اس کے جھوٹے یا سچے ہونے کے نتیجے کے مطابق باختریا کی تقدیر کا فیصلہ کروں گا ۔"

بعد میں جب وہ تھوڑی دیر کے لیے سستانے کے لیے اپنے بستر پر لیٹا تو اسے خیال آیا کہ اس نے یونانیوں کا لفظ "تقدیر" اپنی زبان سے ادا کیا تھا ۔ ایمبا اس کا لبادہ اٹھا کر ایک طرف رکھتے ہوئے بڑبڑا رہا تھا "اتنے ڈھیر سارے سونے کی موجودگی میں باختریوں کے لیے امن و چین سے زندگی بسر کرنے کے خواب دیکھنا نری حماقت ہے

۸

باختریوں کا مقدمہ

سائرس نے اپنے شکار کے لباس میں ملبوس اپنے گھر کے برآمدے میں بیٹھ کر زرتشت کی شہادت سنی۔ اس وقت اس کے پاس کوئی قانون بردار یا کاتب موجود نہ تھے جو ہر کہی سنی بات کو ورطۂ تحریر میں لاتے جاتے۔ تاہم اس کی یادداشت اچھی تھی۔ وہ ہر کہی سنی بات کو بخوبی یاد رکھ سکتا تھا۔ لیکن اس کی تسلّی نہ ہو سکی۔ برآمدے کی سیڑھیوں کے نیچے بھانت بھانت کے لوگوں کا ہجوم اکٹھا ہو گیا تھا۔ جو گواہیاں دینے کے لیے بے چین ہوئے جا رہے تھے۔ سائرس نے انہیں حکم دیا کہ وہ باری باری آکر اس کے سامنے پیش ہوں۔ ان لوگوں میں ماگی موجود نہیں تھا۔ اس کی جگہ سفید پوشش فقیروں کے ایک بڑے نے سائرس کے سامنے آکر وثوق سے شہادت دی کہ اس نے سچائی کو دیکھا تھا۔ ایک کسان عورت نے اس کے سامنے آکر بتایا کہ بیمار مویشی اب اپنی بیماریوں سے چھٹکارا پاکر تندرست ہو چکے تھے۔ ایک کوڑھی نے اسے بتایا کہ اس کی بیماری اب رخصت ہوتی جا رہی تھی۔ ایک نہ ایک دن وہ اپنے موذی مرض سے کلی طور پر چھٹکارا پاکر تندرست ہو جائے گا۔

سائرس نے ان سب کی باتیں بڑے صبر و سکون کے ساتھ سنیں۔ اور اس

نتیجے پر پہنچا کہ وہ لوگ اپنے آباؤ اجداد کے خداؤں کو ترک کر چکے تھے۔ وہ اب نہ اناہیتا کو مانتے تھے۔ نہ جنگوں کے طاقت ور خدا مہر کو۔ (پھر بھی اس زرگر نے سونے کے پروں والے گھوڑوں کا جو مجسمہ بنایا تھا وہ خدائے جنگ و جدل مہر کے گھوڑے ہی کا مجسمہ تھا جس پر سوار ہو کر وہ سورج کی جانب پرواز کیا کرتا تھا) سورج کو وہ روشنی اور حرارت پہنچانے والی چیز کے علاوہ اور کچھ نہ سمجھتے تھے۔ (اس موقع پر سائرس کو ملی تسی سائنس دانوں کا فلسفہ یاد آ رہا تھا کہ کائنات سورج کے گرد چکر لگاتی تھی۔)

" نہیں " بہت سی آوازوں نے کہا " انسانی قربانیوں کا پیاسا یہ خدا مہر جو ہے۔ یہ جھوٹوں کا خدا ہے۔ یہ بہت بڑا فتنہ گر ہے۔ یہ سبزہ زاروں کو ویران کر دیتا ہے۔ آبادیوں کو خالی کر دیتا ہے۔ عظیم بادشاہ نظر نہ آنے والی بدی کی قوتوں کی حمایت کیوں کرتا ہے۔ جو بیماریوں، جنگوں اور قحطوں جیسے ہتھیاروں سے مسلح ہو کر انسانی آبادیوں پر حملہ آور ہوتی ہیں اور انہیں تباہی و ہلاکت کے گڑھے میں دھکیل دیتی ہیں۔ مہر تو سراسر ہلاکت اور تباہی کا نام ہے۔ اسے نیکی اور بھلائی سے کوئی واسطہ نہیں۔"

" تو پھر " سائرس بولا " تم آہورا کو کیا سمجھتے ہو ؟ کیا وہ تمام خداؤں کا خدا نہیں ؟"

" آہورا واقعی خدائے عقل ہے۔ اسے کسی نے نہیں دیکھ دکھا۔ اس کے بارے میں کوئی بھی کمل علم نہیں رکھتا۔ بھلا سورج کے اندر بھی کوئی دیکھ سکتا ہے ؟ وہ مالک ہے لیکن بزرگ و برتر نہیں۔"

" پھر بزرگ و برتر کون ہے ؟"

" وہ جس نے ہمیں پیدا کیا۔ اس کی ذات ہمارے لیے ایک اسرار

ہے ۔"

ایک ہندوستان سے آنے والے زائر نے اسے بتایا کہ وہاں آگ تمام خداؤں کا مظہر سمجھی جاتی تھی ۔ خصوصاً وشنو کی آگ ۔"

" اچھا یہ بتاؤ ۔" سائرس بولا ۔" یہ تمہارے اندر پراسرار شے کون سی موجود ہے ۔ یہ روح ؟"

اس پر انہوں نے جواب دیا کہ روح اس ہستیٔ بزرگ و برتر کی تخلیق تھی ۔ جس نے سورج کو سرچشمۂ روشنی و حرارت کی حیثیت سے تخلیق کیا تھا ۔ تاکہ زمین پر زندگی قائم رہے ۔ روح ہر انسان میں موجود تھی ۔ روح کا وجود ہی انسانوں کو زندہ رکھے ہوتے تھا جسم کی موت سے روح کی موت بھی ہرگز واقع نہ ہوتی تھی روح زندہ رہتی تھی ۔ یہ غیر فانی شے تھی ۔

سائرس نے اندازہ کیا کہ شاید روح سے ان کی مراد فراواشی سے تھی یعنی ایسی نادیدہ روح کو ہر دم اس کے دائیں پہلو کی طرف موجود رہتی تھی ۔ یعنی نیکی کے پہلو کی طرف ۔ اور اکثر اس سے ہمکلام بھی ہوتی رہتی تھی ۔ یقیناً اس کا فراواشی ان تمام اسرار سے آگاہ تھا جو انسانوں سے پوشیدہ تھے ۔ تاہم سائرس یہ ماننے کو تیار نہ ہوا کہ اس کا فراواشی ایک غیر فانی چیز تھا اور اس کے مرنے کے بعد بھی اس نے زندہ رہنا تھا ۔

زرتشتیوں نے وضاحت کی کہ ہر انسان کی موت کے بعد اس کی روح آسمانوں کی طرف پرواز کر جاتی تھی ۔ وہاں اسے انصاف کے پل پر سے گزرنا پڑتا تھا ۔ اگر وہ روح کسی نیک آدمی کی ہوتی تھی ۔ جس نے ہمیشہ اپنے اعمال اور خیالات کو پاکیزہ اور نیک رکھا تھا تو ایسی صورت میں اس روح کے لیے اس پل پر سے گزرنا مشکل نہ ہوتا تھا ۔ اس پر سے گزر کر وہ حیاتِ ابدی کی دنیا میں داخل ہو جاتی

تھی۔

سائرس نے ان کی یہ باتیں سن کر سوچا کہ اس طرح روح کا معاملہ ایرانیوں کے پرانے قانونی مقدمات کی مانند بن جاتا تھا کہ ایک مستغیث اپنے جرم یا نیکی کی بدولت یا تو سزا پاجاتا تھا۔ یا انعام کا مستحق قرار پاجاتا تھا۔

" پھر میرے سامنے کوئی ایسا ثبوت پیش کرو جس سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ جسم کی موت کے بعد بھی روح زندہ رہتی ہے۔" اس نے کہا۔

زرتشتیوں نے آپس میں صلاح مشورہ کیا۔ پھر ایک آدمی عاشیر نامی کو بلا بھیجا سائرس خاموشی سے اس آدمی کا انتظار کرنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد کچھ لوگ درختوں کی شاخوں کی بنی ہوئی ایک پچالی اٹھائے اس کے سامنے آ گئے۔ اس پچالی پر ایک بے حد ضعیف آدمی لیٹا ہوا تھا جس کے سر کے بال اور داڑھی سب برف کی مانند سفید تھے اور وہ اتنا لاغر اندام تھا کہ اس کی ہڈیوں پر محض چمڑا ہی منڈھا ہوا دکھائی دیتا تھا۔ سفید پوش درویشوں نے سائرس سے کہا کہ عاشیر نے مقدر کا نام پالیا تھا۔ کیونکہ وہ ان کے استاد کا سچا پیرو کار رہا تھا۔ زرتشت جہاں کہیں بھی گیا تھا۔ وہ سائے کی طرح اس کے ساتھ ساتھ رہا تھا۔ اس نے اس کے گھر بحیرۂ ہیرکانیہ سے لے کر گشتاسپ کے گھر تک اس کا ہر جگہ ساتھ دیا تھا۔ اب عاشیر قریب المرگ تھا۔ نئے سال کی آمد سے چند گھنٹوں قبل اس نے ایک رویاء دیکھا تھا۔

" نیند کی حالت میں؟"

" نہیں۔ عالم بیداری میں۔ کیونکہ وہ آنکھیں کھولے موت کی آمد کا انتظار کر رہا تھا۔"

پچالی پر دراز بوڑھے نے ہاتھ اٹھا کر انہیں خاموش ہونے کا اشارہ کیا۔ پھر

اپنا سر بلند کر کے سائرس کی طرف دیکھا۔ اور بولا "اس وقت میں پوری طرح بیدار تھا۔ یہ وہ وقت تھا جب چاند کی روشنی ماند پڑ رہی تھی اور سورج کی روشنی تیز ہو رہی تھی۔ اس وقت زرتشت میرے کمرے میں داخل ہوا تھا اور اس نے کہا تھا "تم جو خدائے بزرگ و برتر کے وفادار ہو۔ تم اب جلد ہی عالم فانی کو خیر باد کہہ کر عالم جاودانی کی طرف سدھارنے والے ہو"

سائرس نے سوچا کہ خود زرتشت کی موت کوئی اچھے حالات میں واقع نہ ہوئی تھی وہ ایک وحشی حملہ آور کے نیزے کے وار سے مرا تھا۔

"کیا تم خود یہ یقین رکھتے ہو" سائرس نے پوچھا "کہ تم خدائے بزرگ و برتر کی سچی خدمت کر کے ہمیشگی کی زندگی پالو گے؟"

بوڑھے کے چہرے پر مسرت ناچنے لگی "ہاں مجھے اس کا پختہ یقین ہے" اس نے کہا۔ اس کی بوڑھی آنکھوں میں انوکھی چمک پیدا ہو گئی تھی "یہ میرا عقیدہ ہے۔ خدائے بزرگ و برتر کے سچے خادم اسی طرح سرخروئی حاصل کریں گے"

سائرس نے بچالی والوں کو اشارہ کیا کہ وہ عاشیر کو وہاں سے لے جائیں۔

"پھر میں۔ سائرس" وہ کچھ سوچے سمجھے بغیر بولا "یہ کہتا ہوں کہ چونکہ میں تمہاری طرح کسی ایسے خدا کا خادم نہیں ہوں۔ اس لیے میں اس کے فیصلوں سے اپنے آپ کو مستثنیٰ سمجھتا ہوں۔ میں دوسروں کی تقدیروں کا فیصلہ کرتا چلا آیا ہوں۔ لیکن میری تقدیر کا فیصلہ کرنے کا حق کسی کو نہیں پہنچتا"

اس پر بوڑھے عاشیر نے احتجاجاً اپنا ہاتھ بلند کیا۔ بچالی اٹھانے والے جاتے جاتے رک گئے۔ "خدائے بزرگ و برتر ہر کسی کی تقدیر کا مالک ہے" بوڑھا عاشیر بولا "خواہ وہ عام آدمی ہو یا قوی یا بادشاہ۔ وہ تمہاری تقدیر کا بھی مالک ہے

سائرس۔ اسے بہت سی سرزمینوں کے حکمران، اسے رکھوالے۔ اس سے کسی کا بھید پوشیدہ نہیں۔ وہ ارض و سما کا مالک ہے۔"

" اگر میں نے اپنے لوگوں کی خدمت کرنے کا حلف نہ اٹھا رکھا ہوتا تو میں شاید اس خدائے بزرگ و برتر کی وفاداری کا حلف اٹھا لیتا۔" سائرس بولا۔" لیکن ایک حلف کی موجودگی میں ایسا دوسرا حلف اٹھانا مجھے غداری معلوم ہوتا ہے۔ اب لے عاشیر الوداع۔ میں تم سے تمہارے رویاء کے بارے میں کوئی سوال نہیں کرنا چاہتا۔" اتنا کہہ کر وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ جس کا مطلب تھا۔ اب زرتشتیوں کا مقدمہ اپنے اختتام کو پہنچا۔

جب وہ اپنے شکاریوں کی مشّف کتوں کے ہمراہ آمد کا انتظار کر رہا تھا تو اس کے ذہن میں یہ خیال آ رہا تھا کہ اپنی پیدائش کے وقت ہی سے اسے رکھوالے کا لقب عطا کر دیا گیا تھا۔ مویشیوں کے گلوں کی رکھوالی کرنا ایک سیدھی سادی بات تھی۔ اسی طرح باختریا کے کسانوں چرواہوں کو اپنی نگران آنکھوں میں رکھنا بھی آسان سی بات تھی لیکن ایرانیوں، میدیوں، ارمنیوں، کیپے دوشیوں، لیبڈیوں، یونانیوں اور مشرق میں بسنے والے مختلف اقوام سے تعلق رکھنے والے لوگوں پر حکومت کرنا ایک انتہائی مشکل اور دوسری قسم کی بات تھی۔ کیا انہوں نے اسے "بہت سی قوموں' بہت سی سرزمینوں کا بادشاہ" نہ کہا تھا؟ جب ایسا اس کے نایانی گھوڑے کی راسیں تھامے اس کے پاس آیا تو سائرس نے فیصلہ کیا کہ اسے زرتشتیوں کو ان کے حال پر چھوڑ دینا چاہیئے۔ کیونکہ وہ لی قیسیوں ہی کی مانند ایسے لوگ تھے جو اسے کوئی فائدہ نہ پہنچا سکتے تھے۔

اس کے جاسوسوں نے اسے اطلاع دی تھی کہ زرتشت کے پیروکار اب صرف گشتاسپ کے پار تھیا ہیرکانیہ ہی میں نہیں بلکہ ہندوستان جیسی دور دراز کی جگہوں

میں بھی پیپل چکے تھے یعنی ان کی تعداد اب مسلسل بڑھ رہی تھی۔

اگلے دن صبح سویرے اٹھ کر سائرس جب اپنے کمرے سے باہر نکلا تو اس کے کانوں میں اپنے اسوارن کے بہادروں کے گانے کی آواز سنائی دی تھی۔ اس کی فوج میں اب اتنی قوموں کے لوگ شامل ہو چکے تھے کہ ایرانیوں نے مناجات پڑھنا بند کر دیا تھا۔ اب ان میں زرتشت کے پیرو کار بھی شامل ہو گئے تھے۔

سائرس نے فیصلہ کیا کہ اسے اس وادی سے باہر نکلنے والا کوئی اور راستہ تلاش کر کے جس قدر جلد ممکن ہو سکے وہاں سے رخصت ہو جانا چاہیے۔

اس کا اس وادی سے رخصت ہونا کچھ اس وجہ سے بھی ضروری تھا کہ اس کی بے شمار فوج وہاں بیکار ہی پڑاؤ ڈالے ہوتے تھی۔ اس پرسکون وادی میں رہتے ہوتے فوجی تن آسان اور سواری کے گھوڑے موٹے اور سست ہوتے جا رہے تھے۔ اس وادی کی شدید سردیوں کا بھی اسے خیال تھا۔ اسے وہ وقت بھی یاد تھا جب اس کی فوج نے سارڈیس اور اگبٹانا جیسے شہروں کے قریب سخت قسم کی سردیاں جھیلی تھیں۔ ان علاقوں میں رہتے ہوتے اس کے فوجیوں میں کئی اخلاقی برائیاں پیدا ہو گئی تھیں۔ وہ فاحشہ عورتوں کے پیچھے پھرنے لگے تھے۔ شراب کی کانوں پر منڈلانے لگے تھے۔ آوارہ گردی کے عادی ہو گئے تھے۔ اس وادی میں وہ آتی جاتی عورتوں کو دور سے گھورنے پر اکتفا کرتے تھے۔ وقت گزاری کے لیے وہ آپس میں معنوی جنگیں لڑا کرتے تھے۔ انہوں نے بھاری تعداد میں سونے کے ظروف اور نوادرات خرید رکھے تھے۔ فوجیوں کے درمیان سونے کی خریداری کا ہر دم بازار گرم رہتا تھا۔ سائرس انہیں کاروانوں کے راستے پر چلاتے ہوئے مشرق کا سفر کر کے دریائے سندھ تک پہنچنا چاہتا تھا۔ اس طرح اس کا ارادہ باختر یا کو بھی مراکنڈا کی طرح مہمات کا مستقر بنانے کا تھا۔

یہ ماگی تھا جس نے فوراً ہی سائرس کو یہ منصوبہ ترک کرنے پر آمادہ کر لیا۔ زرتشت کے مقدمے کے وقت وہ وادی سے غائب ہو گیا تھا۔ پھر وہ دریائے زرافشاں کی سمت جانے والے راستے پر حکومت کے تمام ہرکاروں کے آگے آگے نمودار ہوا۔ یہ سخت کوش گھڑ سوار جو مغربی درباروں سے آتے تھے، سائرس کی فوج کو، جو برفانی پہاڑوں میں سے گزر کر اس وادی میں پہنچ چکی تھی۔ پہاڑوں کے اس پار علاقوں میں کسی بھی جگہ تلاش کرنے میں ناکام رہے تھے۔ ان پہاڑوں کے دروں کو اس وقت برف نے بند کر رکھا تھا۔ ماگی نے ان قاصدوں کو پہاڑوں کے اس پار کے علاقوں میں چکراتے دیکھا تھا اور انہیں اکٹھا کر کے آمو دریا کے ساحلوں والے کھلے راستے سے وادی میں لے آیا تھا۔

سائرس کا رابطہ اپنے ستراپوں سے عرصہ ہوا منقطع ہو چکا تھا۔ پھر بھی وہ مغرب کی جانب سے پریشان نہ تھا۔ وہ پہاڑوں کی سیاحت سے لطف اندوز ہوا تھا۔ کئی سرزمینیں دریافت کر کے اس نے مسرت محسوس کی تھی۔ اب وہ کافی دیر تک بیٹھا اپنے ستراپوں کی طرف سے آتے ہوتے پیغامات کاتبوں کی زبانی پڑھا کر سنتا رہا۔

وہ اپنے دارالحکومت سے طویل عرصہ تک غیر حاضر رہا تھا۔ ہرکاروں کے پیغامات میں اسے مغرب کے حالات کی جو خبریں دی گئی تھیں۔ ان میں سے بہت سی انتہائی افسوسناک تھیں۔ ہارپیگ کا انتقال ہو گیا تھا۔ اناطولیہ کے ستراپوں نے اس سے جلد از جلد واپس چلے آنے اور حالات سنبھالنے کی درخواست کی تھی۔ گوبارو نے اس سے درخواست کی تھی کہ وہ جلد از جلد واپس آ جائے اور بابل والوں کی خبر لے، جہاں کی زمین مسلسل موت کا شکار بنتی جا رہی تھی جب کہ بل شنزر اپنی عیاشیوں میں گم تھا۔ سائرس نے بل شنزر کے بارے میں استفسار کیا تھا کہ وہ کون تھا۔ اور اسے جواب

ملا تھا کہ وہ شاہِ بابل بوزیندسس کا بڑا بیٹا تھا۔

اپنے آبائی شہر پارس گرد سے متعلق خبروں نے بھی اسے بہت پریشان کیا تھا اپنے باپ کی چار سالہ غیر حاضری سے فائدہ اٹھا کر کمبی سس نے بھاری فوج کے ساتھ مصر پر حملہ کرنے کا منصوبہ بنا رکھا تھا۔ فرعونِ مصر ایک زمانے میں کروئی سس کا اتحادی رہ چکا تھا۔ کمبی سس نے خود اسے کبھی اس منصوبے کے بارے میں نہ لکھا تھا۔ حالانکہ وہ اپنے ہر خط میں اپنے باپ کو خزانے کے سالانہ حساب کتاب سے آگاہ کرتا رہتا تھا اور اس کی فتوحات پر اظہارِ فخر و مسرت کے ساتھ اپنی نیک خواہشات کا اظہار کیا کرتا تھا۔ اب سائرس کو پشیمانی ہوئی کہ آخر اس نے اپنے بیٹے کو اس مہم میں اپنے ساتھ کیوں نہ لے لیا تھا۔ یہ ایک قدرتی امر تھا کہ اس کا بیٹا پارس گرد میں اپنی کمان میں رہنے والی بھاری فوج کو کسی نہ کسی مہم میں استعمال میں لاتے۔ لیکن مصر کی مہم!

ایمی تس کی طرف سے آیا ہوا خط سائرس نے کاتب سے دو مرتبہ پڑھوا کر سنا۔ گشتاسپ کے گھر طبی ہسپتال میں اس نے ایک بیٹی کو جنم دیا تھا اس نے اسے خط میں اپنے خاوند کے لیے اچھی صحت اور شاندار فتوحات کی دعا کی تھی۔ اور ساتھ ہی گھریار و جیسے دانا تے عالم کی بیٹی نے اپنے مخصوص طریقے سے ڈھکے چھپے الفاظ میں اپنی ایک خواہش کا اظہار بھی کیا تھا۔ یعنی وہ زندگی کرتا ہی کے دیہاتی قلعے میں رہنا چاہتی تھی۔ وہ اپنی بیٹی کو ایسی ہی پر امن جگہ پر پروان چڑھانا چاہتی تھی۔ اس امر نے سائرس کو خاصا متعجب کیا کہ وہ اپنی اس بیٹی کے ساتھ جو کسی طرح ہخامنشیوں کا نام اور عزت حاصل نہ کر سکتی تھی، عمر کے لیے اس سے جدا رہ کر زندگی گزارنا چاہتی تھی ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اس نے زرتشتی مذہب قبول کر لیا ہو اور اپنے آبائی مذہب سے پھر گئی ہو۔

جب کاتب اسے تمام خطوط پڑھ کر سنا چکے تو وہ ان کے پاس سے اٹھ کر سوچ و فکر کرتے آتشدان کے قریب جا کر بیٹھ گیا۔ کمرے میں اس کے تمام کماندار جمع تھے اور اس کی جانب سے حکم کے منتظر تھے۔ سائرس اتنی دیر تک بیٹھا سوچ و فکر میں غلطاں رہا جتنی دیر دودھ کو ابلنے میں لگتی ہے۔ پھر اس نے حکم دیا کہ فوج کے تمام سپاہی اپنی صفیں درست کر لیں۔ اور واپس مغرب کی طرف کوچ کریں۔

یوں سائرس نے اپنی آبائی سرزمین کی طرف واپسی کا طویل سفر شروع کر دیا۔ رخصت ہوتے ہوئے اس نے باختریا کو سغد سے ملحق ایک نئی ریاست یا ستراپی بنا دیا۔ اس جگہ کا ستراپ اس نے ایک بہادر لائق اور تجربہ کار لیڈی سردار کو بنا دیا۔ اور اس کے خراج کی ایک موزوں رقم مخصوص کی۔ باختریا سے روانہ ہوتے وقت اس نے اپنے ہمراہ صرف دس ٹیلنٹ خالص سونا لیا۔ اس نے اپنے لیے اڑتے ہوئے گھوڑے کا سونے کا مجسمہ چن لیا تھا اور ساتھ ہی اس کے بنانے والے زرگر کو بھی اپنے ہمراہ لے لیا تھا۔ اس نے باختریوں سے وعدہ کیا کہ وہ بیرونی دشمنوں کے خلاف ان کی حفاظت کرے گا اور ان کی حسین وادی کا دفاع کرے گا۔ ایسا عہد وہ ہر اس علاقے کے باشندوں سے کیا کرتا تھا جسے وہ فتح کرتا تھا۔

اس کے وادی سے رخصت ہونے پر وہاں کے لوگوں نے نہ تو کسی خوشی کا اظہار کیا اور نہ ہی غم کا۔ نہ ہی انہوں نے کوئی احتجاج ہی کیا۔ باختری بھی یونانیوں کی مانند اس کی آمد کو تقدیر کا معاملہ سمجھتے تھے۔ جس کو ٹالا جانا ممکن نہ تھا۔ جب سائرس اپنے برآمدے سے نیچے اتر کر اپنے گھوڑے پر سوار ہوا تو اس نے ماگی کو بلا لانے کا حکم صادر کیا۔ اور اس وقت تک اس کی آمد کا منتظر رہا جب تک وہ سفید پوش درویش اس کے پاس نہ آن پہنچا۔

” تمہاری خواہش پوری ہو رہی ہے “! اس نے ماگی سے کہا ” میں اب اس

وادی سے رخصت ہو رہا ہوں۔ اگر تمہیں مجھ سے کوئی کام آن پڑے تو تم بذاتِ خود میرے پاس پہنچ جانا۔ میں ہر حال میں باختریا کی مدد کرنے کو تیار ہوں گا۔ جو میری قلمرو کا سب سے مہربان اور مہمان نواز علاقہ ہے۔"

ماگی نے تفہیمی انداز میں سر کو جنبش دی۔" میں نے تمام سرزمینوں کے بادشاہ کی بات سن لی اور سمجھ لی ہے۔"

جب وہ دریائے زرافشاں کے مڑتے بل کھاتے کنارے پر گھوڑے دوڑاتے ہوئے اس وادی سے رخصت ہونے لگے تو سائرس نے مڑ کر پہلی رات کے پڑاؤ پر نگاہ ڈالی۔ مناروں کے سائبان تلے اسے وہی راہنما روشنی جلتی دکھائی دے رہی تھی۔ یہ اسی طرح ٹمٹماتی ہوئی جل رہی تھی جیسی بلندیوں پر برفانی طوفان میں ان کی راہنمائی کرتے ہوئے جل بجھ رہی تھی۔

فوج نے گھر واپس جانے کے لیے اب نیا راستہ اختیار کیا تھا۔ راستے میں آریا اور درنگیا نہ کے نئے صوبے بنتے گئے۔ ان علاقوں سے تازہ دم سپاہی لشکر گاہ میں بھرتی کیے گئے۔ صحرائے نمک میں پہنچنے تک فوج کی کل تعداد پانچ لاکھ سے بھی تجاوز کر چکی تھی۔

پھر سائرس کرمانیہ کی جانی پہچانی بلندیوں پر جا پہنچا۔ اس جگہ ایرانی قبائل کی بھاری تعداد آباد تھی۔ اس وقت سائرس کے عقب میں اس کی عظیم فوج چلی آ رہی تھی۔ اس کے پیچھے اور اس کے سامنے اس کی وسیع و عریض سلطنت پھیلی ہوئی تھی۔ شعراء جو اس کی آمد کی خبر سنتے ہی اس جگہ لپک پڑے تھے۔ اس کی عظمت اور شان و شوکت کے قصیدے پڑھ رہے تھے اور قسمیں کھا رہے تھے کہ جب سے روئے زمین پر تہذیب و تمدن نے جنم لیا تھا اس وقت سے لے کر اب تک انسانی آنکھوں نے اتنی بڑی شہنشاہیت کا نظارہ نہ کیا تھا۔

لیکن جب سائرس پارس گرد کے دریا کے قریب پہنچا تو وہ اپنی سلطنت کی بجائے اپنی آبائی وادی کے متعلق سوچنے لگا۔ اس وادی ہی اس نے ہمیشہ امن و سکون محسوس کیا تھا۔ یہ وادی اس کے لیے آرام وچین کا ایک گہوارہ تھی۔ پھر جب اس نے سرسبز وادی کی بلندی پر آگ کی مرمریں قربانگاہوں پر نظر ڈالی تو وفورِ مسرت سے وہ چلا اٹھا۔

لیکن جوں جوں دن گزرتے گئے۔ اس کا سکون وچین رخصت ہوتا گیا۔ بظاہر پانچ سال گزرنے کے بعد بھی وادی میں کوئی تبدیلی پیدا نہ ہوئی تھی۔ لیکن اس کی غیر موجودگی میں اس کے اندر خاصی تبدیلی رونما ہو چکی تھی۔ خفیہ طور پر ہوشیار اور کن سوئیاں لینے والے ان ملازموں نے جنہیں" بادشاہ کے کان اور آنکھیں" کہا جاتا تھا۔ اسے اس تبدیلی یا برائی کے بارے میں آگاہ کر دیا تھا۔ اس تمام عرصے میں وہ جو کچھ دیکھتے اور سنتے رہے تھے۔ وہ انہوں نے سب اس کے گوش گزار کر دیئے تھے۔ کسنداں اب بہت مغرور اور تنگ مزاج ہو گئی تھی۔ وہ اب چاہنے لگی تھی کہ ہر کوئی بھی اس سے ملنے آیا کرے۔ وہ پہلے اس کے سامنے رکوع میں جھک کر اس کی پاپوشوں کو چھوا کرے۔ انہوں نے سائرس کو ان فوجی افسروں کی غداری کے بارے میں بتایا تھا جنہوں نے اس کی بجائے کمبی سس کی وفاداری کا حلف اٹھایا تھا اور اسے یہ ترغیب دینی شروع کر دی تھی کہ وہ پارس گرد سے نکل کر اپنے باپ کے مقابلے میں زیادہ سے زیادہ جنگیں لڑنا اور فتوحات حاصل کرنا شروع کر دے۔ انہوں نے اسے کمبی سس کے اس حسد و رقابت کے بارے میں بھی بتایا جو اسے اپنے باپ سائرس سے تھا۔ ہر چند کہ وہ اسے انتہائی فرمانبردارانہ انداز میں خط لکھا کرتا تھا اور اسے اس کی فتوحات پر مبارکباد کے پیغامات ارسال کیا کرتا تھا لیکن جب کسنداں اور کمبی سس سائرس کے سامنے ہوتے تھے تو ان میں سے

کوئی بھی اس پر اپنے دلی جذبات عیاں نہ کرتا تھا۔ اب سائرس کو احساس ہونے لگا تھا کہ اسے قانون کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اپنے بیٹے کو اپنے ہمراہ مشرق کی مہم پر ضرور لے جانا چاہیئے تھا۔

سائرس اس امر سے آگاہ نہ تھا کہ وہ خود بھی بدل چکا تھا۔ اپنے کمرے کی تنہائیوں میں بیٹھا وہ اکثر زرتشت کو یاد کرتا رہتا تھا۔ زرتشت کی یادیں اسے بہت تکلیف دیا کرتی تھیں۔ اسے یوں محسوس ہوتا تھا جیسے باغ زیاسے آنے والی آوازیں اسے پکار رہی ہوں۔ اکثر اوقات انہی پریشان خیالوں میں گم وہ اپنے تخت پر بیٹھے ہوتے انصاف کے طلبگاروں کی آوازیں بھی نہ سن پاتا تھا۔ اسے اپنے دانا وفہیم باپ کمبی سس کی یہ بات بھی اکثر یاد آتی رہتی تھی کہ ایک عظیم الشان سلطنت کی تشکیل سے اس وادی کا امن وچین تہہ و بالا ہو جائے گا۔ ایک شام سورج غروب ہونے کے وقت جب غلام اس کے دربار میں روشنیاں کرنے آئے تو سائرس سے انصاف مانگنے والوں کی آہ وزاری بالکل برداشت نہ ہو سکی وہ ایک دم اپنے تخت سے اٹھ گیا اور اپنے محافظوں کو حکم دیا کہ وہ ہرگز اس کے ساتھ نہ آئیں۔ اس نے ارغوانی قبا کو اپنے شانوں سے گر جانے دیا۔ اور ستونوں کی قطاروں میں سے گزرتا ہوا باغ کو جانے والے راستے پر ہو لیا۔ جہاں اس کے بچپن کے زمانے کا پرانا پھاٹک ابھی تک نصب تھا۔ اس جگہ وہ اپنے لڑکپن کے ساتھیوں کے ساتھ اساتذہ عقل سے درس لیا کرتا تھا۔ اس جگہ اب اڑتے پروں والے پتھر کے بنے ہوئے بیل کھڑے تھے۔ اس جگہ سے نیچے بوڑھا ایبیا ایک لحیم شحیم آرامی سے گپ شپ میں مشغول تھا جس نے اپنے کندھوں پر شال اوڑھی ہوئی تھی۔ سائرس کو دیکھتے ہی وہ چلایا کہ وہ دوڑوں میں حصہ لینے والے گھوڑے برائے فروخت اس کے پاس لایا تھا۔ سائرس انہیں نظر انداز

کرتا ہوا دریا کی طرف بڑھ گیا۔

چلتے چلتے وہ ایک ایسی چھوٹی چٹان پر آکر کھڑا ہو گیا۔ جہاں سے وہ دریا کی سرگوشیاں بخوبی سن سکتا تھا۔ جو اس جگہ سے ایک تیر گرنے کے فاصلے پر بہہ رہا تھا۔ اس چٹان پر کھڑے ہو کر وہ مغربی پہاڑیوں پر پڑنے والی سورج کی الوداعی کرنوں کو گھورنے لگا۔ یہ الوداعی کرنیں اور شفق پر چھانے والی سرخی اسے کسی تکلیف دہ خیال کی طرح محسوس ہو رہی تھی۔ یہاں کھڑے ہوتے وہ دیر تک اپنے فراموشی کی جانی پہچانی آواز سننے کا منتظر رہا۔ مگر اسے سوائے پانی بہنے کی آواز کے کوئی آواز سنائی دی۔ اسے ایسا اور گھوڑوں کے سوداگر کے تاریک ہیولوں کے سوا اور کوئی چیز نہ دکھائی دی، جو اس کے تعاقب میں اس جگہ آن پہنچے تھے۔ وہ کہیں بھی مکمل طور پر تنہا نہ رہ سکتا تھا۔ پھر ایک اور آدمی اس کی طرف بڑھ آیا اور بولا۔

"اے عظیم بادشاہ! گزشتہ سالوں میں میں نے تمہیں خبردار کیا تھا۔"
یہ شخص بہت عمر رسیدہ تھا۔ اس کی کمر خمیدہ تھی۔ وہ ہاتھ میں چھڑی لیے اس کا سہارا لیے کھڑا ہوا تھا۔ سورج کی ہلکی کرنوں سے اس کے لبادے پر سونے کے دھاگے سے کیا ہوا کام جگمگا رہا تھا۔ اس کے ایک کان میں چاندی کا بالا جھول رہا تھا۔ "ہاں۔" وہ بولا۔ "میں تھا جس نے سب سے پہلے تمہیں ہارپیگ کی پیش قدمی کی خبر کی تھی۔ جواب مرچکا ہے۔ اور میدی فوج کی آمد کی خبر دی تھی جواب تمہاری ماتحت بن چکی ہے۔"

سائرس نے جب جھک کر اس آدمی کا چہرہ غور سے دیکھا تو اس نے اس بابل کے یہودی تاجر کو پہچان لیا۔ جو برسوں پہلے سامان تجارت لے کر اس کے گھر آیا تھا۔ "مجھے یاد ہے۔" وہ بولا۔ "اور اب؟"

" ہیں بیرونی پھاٹک پر انتظار کر رہا تھا" وہ بولا" کیونکہ میں صرف تم سے بات کرنا چاہتا ہوں" اس کی تیز کالی آنکھیں سائرس کو اپنے جسم میں پیوست ہوتی محسوس ہو رہی تھیں" بابل میں شاہ بنو نیدس نے اپنے بڑے بیٹے بل شزر کو اپنے ساتھ حکومت میں شریک کر لیا ہے۔ یعنی اب ایک اقلیم میں دو بادشاہ ہو گئے ہیں۔ وہ اب اپنے ملک کی مضبوطی اور استحکام کی کوشش کرنے لگے ہیں۔ انہوں نے غزہ سے سمندری ساحلوں تک پھیلی ہوئی اپنی تمام افواج کو بابل بلوا لیا ہے۔ رتھ بانوں اور نیزہ اندازوں کی بھاری تعداد اب تک بابل میں جمع ہو چکی ہے۔ ان کی یہ فوجی تیاریاں سب سائرس ہخا منشی کی فتوحات کا زور توڑنے کے لیے ہیں"

سائرس کو حیرانی ہوئی کہ اس یہودی تاجر کی ان اطلاعات کے پیچھے اس کا کون سا مقصد پنہاں تھا۔ کیوں کہ وہ ان باتوں سے پہلے ہی باخبر تھا۔ اسے اس کے جاسوسوں نے یہ خبر پہنچائی تھی کہ نبو نیدس کی اپنے بیٹے سے علیحدگی ہو چکی تھی، اس کا خیال آتے ہی سائرس ایک دم ہنس پڑا۔ بالکل اسی طرح کی باتیں اس کے اور اس کے بیٹے کمبی سس کے متعلق بھی کہی جا سکتی تھیں۔ اور حقیقت کیا تھی؟ اس خبر کی حقیقت کے بارے میں سوچتے ہوئے سائرس نے محسوس کیا کہ اس کے پاس اپنے تمام تفکرات اور پریشانیوں کو دور کرنے کا موقع موجود تھا۔ وہ ایسے موقع کے بارے میں آخر سوال کیوں کرے؟ اس نے دونوں ہاتھوں کو زور زور سے آپس میں رگڑا اور یہودی سوداگر سے اظہار ممنونیت کیا۔ پھر اس نے ایما کو اپنے ہمراہ چلنے کو کہا اور آرامی تاجر سے کہا کہ وہ اس سے تمام گھوڑے خریدنے کو تیار ہے۔

یوں پر امید اور پر یقین ہو کر وہ اپنے دربار کی طرف روانہ ہو گیا۔ اس کے

باہر برآمدے میں درباری اور ملازم اس کا انتظار کر رہے تھے۔ ان کی آنکھیں اتنے گھنٹوں تک اس کی ہر حرکت کا گہرا جائزہ لے رہی تھیں۔ کشمکش اور بے یقینی کی گھڑیاں اب گزر چکی تھیں۔ سائرس کے برآمدے میں پہنچتے ہی وہ اسے راستہ دینے اِدھر اُدھر ہٹ گئے۔ سائرس سیدھا کیمبی سس کی طرف بڑھ گیا۔ جواب بیس سال کا ہو چکا تھا اور کسی جنگجو کی مانند لمبا چوڑا مضبوط جسم کا مالک تھا۔ اس نے اپنا بازو کیمبی سس کے گرد ڈال دیا اور پُرمسرت انداز میں اسے بوسہ دیا۔ اور اتنی بلند آواز میں کہ سب سن سکیں، کہنے لگا "اب وقت آن پہنچا ہے کہ تم سپارد اور مشرقی سرزمینوں کی افواج کی کمان سنبھالو اور اس سے قبل کہ سردیوں کی برفباری پہاڑی راستوں کو بند کر دے، کسی فیصلہ کن مہم پر روانہ ہو جاؤ۔ آؤ میں اس سلسلے میں تم سے کچھ صلاح مشورہ کرتا ہوں۔ کیونکہ اس مرتبہ ہماری راہیں ایک ہوں گی۔"

سقوطِ بابل۔ اس شہر کے خدوخال

۵۴۰ ق م کے موسم سرما میں بابل میں یہ اطلاع پہنچی کہ ایرانیوں اور میدیوں کا بادشاہ سائرس اپنی مشرقی مہمات سے فارغ ہو کر اپنے پہاڑی محل میں واپس آچکا تھا۔ اس کے ساتھ ہی بابل میں یہ اطلاع بھی پہنچی کہ اس کے ہمراہ گھڑسوار قبائلیوں کی بھاری تعداد بھی پارس گرد پہنچی ہوئی تھی۔

اغلباً اس شہر کا سب سے زیادہ باخبر حلقہ گودیوں کے ساہوکاروں کا تھا۔ یہ لوگ شہر کی فصیلوں سے باہر رونما ہونے والے ہر واقعہ کو گہری آنکھ سے دیکھنے کے عادی تھے۔ ان لوگوں کا طبقہ دربار کے امرا اور راسا گیلہ کے معبد کے عہدیداروں اور محنت کشوں کے نگرانوں سے کمتر درجے کا سمجھا جاتا تھا۔ یہ لوگ جانتے تھے کہ سائرس ایک ان پڑھ شخص تھا۔ وہ کسانوں کے ایک حکمران کا بیٹا تھا۔ اس نے اپنے بے تہذیب اور شوریدہ سر گھڑسوار دستوں کے ذریعے سمیریوں کے صحراؤں تک کے تمام علاقے پائمال کر ڈالے تھے۔ اس نے ابھی تک کھلے علاقوں ہی میں جنگیں لڑی اور انہیں فتح کیا تھا۔ سارڈیس جیسا قلعہ بند شہر بابل کے مقابلے میں کوئی مضبوط حیثیت نہ رکھتا تھا۔

جسکے گردِ عظیم اور دوراندیش بخت نصر نے ناقابلِ تسخیر قسم کی فصیلیں تعمیر کروا رکھی تھیں۔ اِس موسمِ سرما میں شہر کے ساہوکاروں کو تعمیرات کے بازار میں کساد بازاری اور ہر چیز کی چڑھتی ہوئی قیمتوں نے ویسے بھی بے حد پریشان کر رکھا تھا۔ سب دیا ہیں تھیں، جنہیں معبد کے تقدیر شناس مردوک کے، جو بعل مردوک تھا اور بابل کا سب سے بڑا خدا تھا، غصّے سے تعبیر کر رہے تھے۔

وہ سال حسبِ معمول مردوک کی علامتی موت اور اس پر اس کے خدّام کی ماتم و زاری کے جلوس اپنے اختتام کو پہنچا۔ نئے سال کے عظیم بحرانوں اور گڑبڑ کے سال کی حیثیت سے ریکارڈ کیا گیا۔ اس کا آغاز نسان کی ضیافت سے ہوا۔ جسے غیر معمولی شان و شوکت سے منعقد کیا گیا۔ شاہ بنونیدس جو اپنے زمانۂ حکومت میں نئے سال کی تقریبات سے زیادہ تر غیر حاضر رہا کرتا تھا۔ اس موقع پر اساگیلہ کی عبادت گاہ میں داخل ہو کر اپنی تمام تر عقیدتوں اور محبتّوں کے ساتھ مردوک کے ہاتھ تھامے تیار دکھائی دے رہا تھا۔ مردوک کے خوف ناک سراپے کو اس وقت ہیرے جواہرات جڑے سونے کے ہاروں اور تاج سے سجایا گیا تھا۔ اور یہ اِس امر کی علامت تھی کہ مردوک دوبارہ زندہ ہو چکا تھا۔

لیکن ساہوکاروں نے دوبارہ روزہ جشن کے دنوں میں جو بات خاص طور پر نوٹ کی وہ یہ تھی کہ اساگیلہ کے ساہوکارہ کے عہدیداران غلام گردشوں میں یہ قیاس آرائیاں کرتے دکھائی دیتے رہے تھے کہ بنونیدس کے خلاف مردوک کا غصّہ ابھی تک کم نہیں ہوا تھا۔ اور اس لیے کلدانی سلطنت پر نحوست کے سائے بدستور منڈلا رہے تھے۔ حساب کتاب کی میزوں پر ہونے والی باتوں کی نسبت غلام گردشوں میں یہ اڑنے والی افواہیں شہر کے ساہوکاروں کے نزدیک زیادہ اہم تھیں۔ ان ساہوکاروں نے یہ بھی دیکھا تھا کہ اُس

بارہ روزہ ضیافت کے دنوں میں عام کھجور کی شراب کی بجائے لبنان سے انگور کی شراب درآمد کی گئی تھی۔ اور ایسا ولی عہد بل اکی حفاظت کرے، بل شزر کے حکم سے کیا گیا تھا۔ (کبار نہروالے یہودی تاجر اسے یہی کہا کرتے تھے۔)

اس قسم کی تفصیلات ان ساہوکاروں کو اس خوامصحت کی گہرائی کا اندازہ لگانے میں مدد دیتی تھیں۔ جو بنونیدس اور مردوک کے پجاریوں کے درمیان چل رہی تھیں۔ بنونیدس مردوک کا مہاپجاری بھی تھا اور بابل کا حکمران بھی۔ ساتھ ہی یہ افواہیں بھی عام تھیں کہ بل شزر جو تمام مسلح افواج کا کماندار تھا۔ عوام کی جانب سے اپنے باپ بنونیدس کی کسی کمزوری کے خلاف کسی ایسے ردِ عمل کا منتظر تھا۔ جس سے فائدہ اٹھا کر وہ اپنے باپ کو معزول کر دے اور خود تختِ اژدر پر بیٹھ جائے۔ یوں دوسرا بخت نصر بن جائے۔ جو بابل کا زبردست فاتح و معمار حکمران ہو گزرا تھا۔ ایسا محلاتی انقلاب لانے کے لیے ضروری تھا کہ بل شزر ایک مشہور دشمن کے خلاف شاندار فتح حاصل کر کے دکھادے۔ اس کی ایک قیمت ہوا کرتی تھی۔ اور شہر کے ساہوکار اس قیمت سے بخوبی واقف تھے۔ ایک نسل تک ان کی سرحدات پر امن رہا تھا۔ اور اب وہ گنوار اور شوریدہ سر ہنی منشی اس جگہ نمودار ہو گیا تھا۔ بل شزر اس دشمن پر وہ فتح حاصل کر کے دکھا سکتا تھا جس کی وہ توقع کر رہا تھا۔

بوڑھا بنونیدس احمق نہیں تھا۔ اس نے کسی شاطر کا دماغ پا رکھا تھا۔ وہ عظیم بخت نصر کا کوئی حقیقی نواسا نہیں تھا۔ اس کی ماں البتہ کلدانی تھی۔ وہ حرّان میں چاند دیوتا سین کے معبد میں پجارن تھی۔ بنونیدس نے بابل کا تخت بخت نصر کا حقیقی نواسا کہلانے کے دعویدار کو، جو ظاہر ہے ایک جھوٹا شخص تھا۔ قتل کر کے حاصل کیا تھا۔

اب ضیافت کے آغاز سے پہلے بنونیدس نے ایک زبرجدی تختی پر ایک پیش گوئی کندہ کروائی تھی "میرے قدموں میں سائرس ایرانی کا سر جھکے گا۔ اس کی تمام سلطنت میرے ہاتھوں میں آجائے گی۔ اس کے تمام خزائن میرے تصرف میں ہونگے" جب یہ تختی تیار کرلی گئی۔ تو بنونیدس نے اپنے آدمیوں سے کہا کہ اگر سائرس اس تختی کو دیکھے گا تو وہ اس پر کندہ تحریر کو ہرگز نہ پڑھ سکے گا۔

یہ تختی تیار کروا کے بنونیدس نے انتہائی ذہانت اور عیاری کا ثبوت دیا تھا۔ یہ پراپیگنڈہ کا ایک موثر ہتھیار بھی بن گئی تھی۔ اس پر کندہ تحریر پڑھنے کے بعد اساگیلہ کے درباریوں نے ایکدم سمجھ لیا کہ اس طریقے سے بنونیدس نے بل شزر پر سبقت حاصل کرنے اور اس کا اعزاز چھیننے کی کوشش کی تھی۔ اگر وہ ہنحامنشی بادشاہ پر کسی قسم کی فتح حاصل کرتا تو اس کا اعزاز سیدھا اس کے باپ کو جاتا۔ جس نے زبرجد کی اس تختی پر پہلے ہی سے فتح کی پیش گوئی کندہ کروا رکھی تھی۔ ایسا ظاہر تھا اس نے بابل کے دیوتاؤں کے اشارے پر ہی کیا تھا۔ اپنے گھروں کے خفیہ کمروں میں شہر کے ساہوکار اس پر بھی قیاس آرائیاں کیا کرتے تھے کہ کچھ عجب نہیں کہ بل شزر اپنے باپ کے مقابلے میں جلد ہی انتقال کر جائے گا۔ کیوں کہ وہ شراب کا بڑا رسیا واقع ہوا تھا۔

اور پھر نئے سال کے موقع پر شاہ بنونیدس نے ایک غیر متوقع فتح حاصل کرلی۔ اس فتح میں معلوم ہوتا تھا بابل کے دیوتا اس کی مدد کر رہے تھے۔ اس دن صاف و شگاف چمکتے آسمان پر نحوست کی علامت کوئی بادل نمودار نہ ہوا۔ نہ گھی گرد و غبار کے شیطانی بگولے نے زمین سے اٹھ کر

رقص کیا۔ مینارِ بابل اپنے ہزاروں باشندوں کے سامنے عجیب نشان و شوکت کا نظارہ پیش کر رہا تھا۔ شاہراہ جلوس کے دونوں طرف شہریوں کے ٹھٹ کے ٹھٹ لگے تھے۔ وہاں شاہراہِ اداد یہ کانسی کے بتے ہوئے شہریوں کے مجمعوں سے لے کر دریغشتار کے نیلے میناروں تک لوگوں کے ہجوم کا یہ عالم تھا کہ ان میں برا بر اگلی صفوں میں آنے کے لیے دھکم پیل ہو رہی تھی۔ اور شاہی محافظ انہیں بار بار پیچھے دھکیل رہے تھے۔ تاریک بند گلیوں میں غلامی کے نشانات داغے غلام بھرے ہوئے تھے۔ عام آدمیوں کسانوں، گلہ بانوں اور بوجھ ڈھونے والوں کو محافظوں کے حفاظتی گھیرے کے عقب میں کھڑے ہونے کی اجازت دے دی گئی تھی۔ اونچے طبقے سے تعلق رکھنے والے لوگ، دھاتوں کے کاریگر کاتب، نانبائی، قصائی اپنی من پسند جگہیں سنبھالے ہوئے تھے۔ تاجر ساہوکار اور مختلف کاموں کی نگرانی کرنے والے لکڑی کے قدمچوں پر چڑھے ہوئے تھے۔ امیر کبیر لوگوں میں سے بعض اپنے سروں پر سرخ رنگ کے کپڑے کے سائبان تانے ہوئے تھے۔ امراکے محلات اور مکانوں کی بالکونیوں میں امراء اور ان کے اہل خاندان جنہوں نے سرخ قبائیں زیب تن کیے آرام سے بیٹھے نیچے کا نظارہ کر رہے تھے۔ بڑوں نے جواہرات کے اور بچوں نے پھولوں کے ہار اپنے گلوں میں ڈال رکھے تھے۔ ان میں سے بعض اپنے ان آباؤ اجداد کی نقل کرتے معلوم ہو رہے تھے جو اکد کے عظیم حکمران سارگون اوّل کے زمانے میں ہو گزرے تھے۔

اپنے گرد و پیش کا پرشکوہ نظارہ دیکھ کر ایک یونانی مرزبان فردش تاجر بول اٹھا ”میں تو کہتا ہوں۔ اس شان و شوکت کے سامنے سردانا پلس کے دربار کی شان و شوکت کوئی حقیقت نہیں رکھتی“ اس یونانی تاجر کا مقصد اپنے

ان الفاظ سے اپنے میزبان ساہوکاروں کی چاپلوسی کرتا تھا۔ لیکن اس بات پر ان میں سے بیشتر کھلکھلا کر ہنس پڑے۔ کیونکہ سردانا پلس سے مراد اشور بنی پال تھا۔ جو کتابیں جمع کرنے والا، درندوں کا شکار کھیلنے والا آخری اشوری حکمران تھا۔

شاہراہِ جلوس کے دو رویہ کھڑے تماشائیوں کے درمیان گھٹیا اور پست طبقے کے لوگ بھی گھسے پڑ رہے تھے۔ جادو منتر کرنے والے، شگون فروخت کرنے والے، طوائفیں جو عشتار کی کوئی نشانی لگائے ہوئے تھیں۔ نجومی، رمال، جیوتشی، عام چور ڈاکو، اور بنو نیدس کے محکمۂ جاسوسی کے سربراہ ریموت کے جاسوس وغیرہ۔ ان میں کچھ کبار نہر کے کنارے بنے ہوئے مکانوں میں رہنے والے یہودی بھی تھے جن کا دعویٰ تھا کہ ان کے آبا اُر کے عروج کے زمانے میں دو دریاؤں کے پار والی سرزمین کے باسی ہوا کرتے تھے۔

پھر اس وقت تماشائیوں کو بھوک وباؤں مہنگائی اور خداؤں کی ناراضگی کی تمام فکریں بھول گئیں جب اساگیلہ کے کھلے ہوئے دروازے سے سڑک باہر نکلا۔ اس کے ساتھ ہی فضا بے شمار قرناؤں کی آوازوں سے تھرا اٹھی۔ اور بھاری تعداد میں کبوتر پھڑ پھڑاتے ہوئے نیلگوں شفاف آسمان کی طرف پرواز کرنے لگے۔ بابل کا یہ خدا اپنے سواری کے اتھ دہے پر تن کر کھڑا ہوا تھا اور اس رتھ میں سوار تھا۔ جسے پجاری کھینچ رہے تھے۔ یہ پجاری بلند آوازوں میں اسکی شان میں حمد وثنا کر رہے تھے۔ ایسی شان وشوکت کے ساتھ یہ خدا اپنے معبد سے گویا اپنے ماننے والوں کو یہ یقین دلانے نکلا تھا کہ وہ نیا جنم لے چکا تھا۔

اس دیوتا سے جوس کے ساتھ ساتھ بربط بجاتی عورتوں اور جنگی طبل بجاتے مردوں کی قطاریں چلی آ رہی تھیں۔ تماشائی اس جلوس دیکھتے ہوئے نعرے لگا رہے تھے۔ مردوک کی جے پکار رہے تھے۔ جس نے بتا جنم لیا تھا۔ مردوک میں پرانے دیوتاؤں کی تمام قوتیں یکجا ہو گئی تھیں۔

نرگال کی۔ جو شہر بابل کا دیوتا تھا۔ جو جنگوں کا مردوک تھا۔

زابدہ کی، جو قتل و غارت گری کا مردوک تھا۔

انلیل کی، جو عقل و فہم کا مردوک تھا۔

شمش کی، جو انصاف کا مردوک تھا۔

پھر جونہی مردوک کی سواری شاہراہ جلوس کی طرف مڑی۔ ایک غیر متوقع بات ظہور پذیر ہوئی۔ تماشائی توقع کر رہے تھے کہ مردوک کی سواری کے پیچھے نرگال اور دوسرے قدیم خداؤں کی علامات نمودار ہوں گی۔ لیکن علامات کی بجائے مردوک کے پیچھے ان خداؤں کی اپنی سواریاں چلی آ رہی تھیں۔ ہر دیوتا ایک رتھ میں سوار تھا جسے سفید رنگ کے خچر کھینچ رہے تھے۔ حرّان کا سین دیوتا، سپار کا شمش جو اپنے پہروں والے دھاڑتے ببر پر سوار تھا۔ اروک کی عشتار جو ہتھیاروں سے مسلح اور نقاب پوش تھی۔

دیوتاؤں کی یہ قطار طویل ہوتی چلی گئی۔ اس وقت تماشائیوں میں جو ذی فہم اور صاحب ادراک تھے ان پر یہ حقیقت آشکارا ہوئی کہ اس جلوس کے موقع پر بابل بھر کے خدا اکٹھے کیے گئے تھے۔ تاکہ ایک عظیم الشان خدائی تماشا تیار کیا جا سکے۔ اور ایسا بنونیدس کے حکم ہی سے کیا گیا تھا۔ اور اسکا مقصد محض نئے سال کی مسرتوں میں اضافہ کرنا نہیں

تھا۔ لیکن کیا یہ عجیب و غریب دیوتا سب حفاظت کی خاطر اساگیلہ کے تحفہ بند شہر میں لائے گئے تھے؟ اگر ایسا تھا تو شہر کو کسی قسم کا خطرہ لاحق ہو سکتا تھا؟ یا کیا وہ وہاں بابل کی قوت میں اضافہ کرنے کے لیے لائے گئے تھے؟ اگر ایسا تھا تو کس آفت ناگہانی کے خلاف؟

تمام دن شام ڈھلے تک تمام تماشائیوں کے ذہنوں میں یہ سوال کلبلاتے رہے اور ان سوالوں کا جواب دینے والا کوئی نہ تھا۔ شگونوں کی صحت کرنے والے، نجومی اور فالوں کی تشریح کرنے والے اس موقع سے فائدہ اٹھا کر خوب لوگوں کو بے وقوف بنا رہے تھے اور انہیں لوٹ ٹھگ رہے تھے۔ انہوں نے ایک ہی دن میں خوب سارے چاندی کے سکے اور سستی قسم کے زیور بٹور لیے تھے۔ حالانکہ ان کے کہنے پر واقعی یقین کرنے والوں کی تعداد معدودے چند تھی۔ بابل کے لوگ بڑے سرعت پسند واقع ہوئے تھے۔ آج کے دن کے سفر میں ان کے لیے خاص دلچسپی کا پہلو پنہاں تھا۔

شام کے وقت اشیائے خوردونوش سے لدی میزوں پر ایکور کے معبد کی جانب سے ایک افواہ اڑتی ہوئی آئی۔ جہاں جلوس کے بعد مردوک نے واپس آکر اپنی مخصوص جگہ سنبھال لی تھی۔ یہ افواہ یہ تھی کہ مردوک کو اب تمام چھوٹے خداؤں پر فوقیت حاصل ہو گئی تھی اور بلند مقام حاصل ہو گیا تھا۔ اس کا نقطہ وہ جلوس کے وقت تماشائی دیکھ چکے تھے۔ لیکن معبد کے پروہت نذریا نے اس سلسلے میں کچھ بھی نہ کہا تھا۔ نذریا بادشاہ کا آدمی اور اس کا ترجمان تھا اور اس کا مطلب یہ تھا کہ خود بنو نبیدس اپنے عوام کے سامنے اس کی وضاحت نہ کرنا چاہتا تھا۔ رسم کے مطابق وہ مردوک کے ہاتھ تھامنے کے بعد سے پھر کبھی دکھائی نہ دیا تھا۔

شہر کے ساہو کاروں کا خیال تھا کہ زیرک و دانا بنو نیدس نے اس طرح عوام کی توقعات کو تحریک دینے کی کوشش کی تھی۔ اب اس سال خواہ کیسے ہی واقعات کیوں نہ رونما ہوتے انہیں اس کی ان مرسوم اور اس جشن سے منسوب کیا جاتا۔ ساہو کاروں کے خیال میں بنو نیدس نے ایک بار پھر بلشزر پر سیاسی سبقت حاصل کر لی تھی۔

اس رات بابل کے ترپن ۵۳ معبدوں کے دروازوں پر بڑے بڑے چراغ جلتے رہے۔ زمینی دیوتاؤں کے تین سو معبدوں اور آسمانی دیوتاؤں کے چھ صد معبدوں میں بھی روشنیاں ہوتی رہیں۔ اس کے علاوہ سڑکوں کے ساتھ ساتھ چلی جاتی والی دیواروں کے نہاں خانوں میں واقع ان گنت چھوٹے چھوٹے معبدوں کو بھی اس رات روشن کیا گیا۔ نور و رنگ کے اس سیلاب نے لوگوں کے دلوں کو بلند توقعات اور امیدوں سے لبریز کر دیا۔ اور وہ آنے والے واقعات کے بارے میں پر امید ہو بیٹھے۔

ایگوریل کے پشتوں اور اس کے بڑے بڑے پھاٹکوں سے باہر جن پر مسلح محافظوں کا پہرہ رہتا تھا، کیار نہر کے کنارے بکھرے ہوئے مکانوں کے مکینوں کو البتہ اس قسم کے جلسوں سے کوئی دلچسپی نہ تھی اور نہ ہی وہ اس سے عام بابلیوں کی مانند اچھا یا برا شگون لے رہے تھے۔ یہودی مزدوروں کو نہر کے کنارے واقع اپنی بستی میں اپنے لیے کوئی عبادت گاہ بنانے کی اجازت نہ تھی۔ اس موقع کے لیے وہ نہر کے کنارے بنے ہوئے ایک خالی کمرے کو استعمال کرتے تھے وہاں وہ تاریکی میں جمع ہوتے تھے اور سرگوشیوں میں عبادت کرتے تھے۔ یہ سرگوشیاں اتنی مدھم ہوتی تھیں کہ سکوت کا سینہ چاک کرنے میں ناکام رہتی تھیں اس رات اس اندھیرے کمرے میں سرگوشیوں میں یسعیاہ کا باب پڑھا جا رہا تھا۔

بل جھک گئی بت ڈگمگا گیا۔ ان کے بت جانوروں پر سوار تھے۔ جوان کے بوجھ سے لڑکھڑا رہے تھے۔ ان کے لیے ان کا بوجھ اٹھانا مشکل ہو رہا تھا۔"

یہ الفاظ اگر زریا کے ایجنٹوں کے سامنے دہرائے جاتے تو انہیں ان میں کوئی غداری کی جھلک نہ دکھائی دیتی۔ لیکن وہ لوگ جنہوں نے جلوس کا نظارہ کیا تھا۔ جس میں دیوتا اپنے جانوروں پر سوار تھے اور بل مروک کی سواری کے عقب میں چلے آ رہے تھے، یہ الفاظ خاصے معنی خیز ثابت ہو سکتے تھے۔ وہ سمجھ سکتے تھے کہ بتوں کی وہ پریڈ شہر کو اس کے بوجھ سے ہرگز نجات نہ دلا سکتی تھی۔

کبار نہر کے کھڑے ہوتے گندے پانیوں کے کناروں پر موت اپنا راگ گا رہی تھی۔ نئے سال کے آغاز کے بعد ہر روز ریموت کے مسلح محافظ گلیوں میں گھوم پھر کر فقیروں، کوڑھیوں، اندھوں، فاقہ مست معذوروں اور بیماریوں کو ہانک کر ایک جگہ جمع کر دیتے تھے۔ ریموت اپنے ان آدمیوں کو "صفائی کرنے والا عملہ" کہا کرتا تھا۔ یہ عملہ تمام گلیوں سے جمع کیے جانے والے بھانت بھانت کے غلیظ انسانوں کو اکٹھا کر کے انہیں اینگوریل کے مشرقی دروازے سے نیچے نہر کے کنارے بلند ہوتے جانے والے کوڑے کرکٹ کے ڈھیروں کی طرف دھکیل دیتا تھا۔ اور انہیں حکم دیتا تھا کہ وہاں بیٹھ کر وہ جی بھر کر اپنا پیٹ بھر لیں۔ کوڑے کرکٹ کے ان ڈھیروں کے پاس بیٹھ کر یہ غلیظ اور معذور لوگ اپنے سروں پر منڈلاتی گدھوں کو کمزور بازوؤں سے مسلسل دور ہٹانے کی کوشش کرتے رہتے تھے اور راہ گیروں سے دردناک آوازمیں بھیک مانگتے رہتے تھے۔ کبھی کبھار کوئی راہ گیر رحم دلی کے جذبے سے مجبور ہو کر کانسی کا چھوٹا سکہ ان کی طرف اچھال دیتا تھا تو وہ اس سکے کو چھیننے کے لیے آپس میں کتوں کی طرح لڑنے لگتے تھے۔

وقفوں وقفوں سے لوگ ان دھتکارے ہوتے انسانوں کا گہری نظروں سے

مشاہدہ کرتے ہوئے نہر کے کنارے سے گزرتے تھے اور ان انسانوں میں جو زیادہ اچھی حالت میں ہوتے تھے انہیں کہتے تھے "اپنی آنکھیں اٹھا کر ان پہاڑیوں کی طرف دیکھو۔ وہیں سے تمہاری مدد پہنچنے والی ہے "

ان دھتکارے ہوئے انسانوں میں چند ایک ہی ایسے ہوتے تھے جو کہنے والوں کی بات پر عمل کرتے تھے۔ جس دن ہوا بند ہوتی تھی اور موسم قدرے خنک ہوتا تھا۔ تو اس دن انہیں بیرونی فصیل کے پرے مشرق میں دور دور تک سرسبز و شاداب پہاڑی سلسلہ بکھرا دکھائی دیتا تھا۔ ان معذور اور مرتے ہوئے لوگوں میں سے کسی کے دل میں بھی کبھی شہر چھوڑنے کا خیال نہ آیا تھا۔ جس جبلت نے ان ہزاروں لوگوں کو شہر کی فصیلوں تلے رہنے پر مجبور کر رکھا تھا وہ انہیں وہیں رکھے ہوئے تھی۔ اموت کے محافظ بھی انہیں نہر کے پار دیکھنے کی کوئی کوشش نہ کرتے تھے۔ کیونکہ وہ نہر سے لاکھ دور دھکیلے جانے کے باوجود دوبارہ رینگتے گھسٹتے اپنی کوڑے کرکٹ کے ڈھیروں کے قریب آ بیٹھتے تھے۔

بڑے سال کی ضیافت کی رات کی اگلی رات تھی جب کبار نہر کے غلیظ فقیروں نے ایک معجزہ رونما ہوتے دیکھا۔

انہوں نے شہر کے امیر کبیر ساہو کار یعقوب عیسی کو وہاں آتے دیکھا۔ اچھی خوراک کے سبب اس کی صحت بہت اچھی تھی۔ وہ فربہ اندام تھا۔ اس نے نہایت قیمتی قبا پہن رکھی تھی جسے زمین پر لگنے کے ڈر سے وہ اسے اپنے سونے کی انگوٹھیوں سے مزین ہاتھ سے سنبھالے ہوئے تھا۔ اس کے دوسرے ہاتھ میں میٹھی خوشبو کی شیشی تھی جسے وہ بار بار سونگھ رہا تھا۔ اس کا ایک غلام جو سیاہ فام تھا اس کے گنجے سر کے اوپر ایک سائبان تانے ہوا تھا اور دوسرا غلام جو سفید فام

تھا چھڑی ہاتھ میں لیے بھکاریوں کو اس سے دور ہٹا رہا تھا۔ جو اسے دیکھتے ہی بلند آوازمیں خیرات کے لیے چلانے لگے تھے "اے معزز شخص! اے مردوک کے پیارے ہم فاقہ مستوں کی مدد فرما!"

یعقوب عجیبی ان کی جانب کوئی شیکل یا شیس پھینکنے کی بجائے کوڑے اور نجاست کے ڈھیروں سے بچتا بچاتا یہودیوں کی عبادت گاہ کی طرف بڑھ گیا اور اس کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا۔ اندر اتنا اندھیرا تھا کہ کچھ دکھائی نہ دیتا تھا اور مرگ آسا سکوت طاری تھا۔ دروازے پر پہنچ کر چھڑی بردار غلام بھکاریوں کو دور رکھنے کی کوشش کرنے لگا۔ یعقوب عجیبی نے اپنی قبا اتاری اور ان بھکاریوں سے بولا "ان پہاڑیوں کی طرف دیکھو جہاں سے تمہاری مدد پہنچنے والی ہے" اس کے بعد یہ امیر کبیر ساہوکار یہودیوں کی قیدی نوآبادی کے خفیہ کمرے میں اندھیروں میں گم ہو گیا۔

جو یعقوب عجیبی نے دیکھا

یعقوب یا جیکب عجیبی قدیم ایوانِ عجیبی کا معروف بڑا رکن تھا۔ وہ قسطنطین اور قزعزوں کے لین دین کا کاروبار کرتا تھا۔ اس سال اس کے ساتھ ایسا عجیب و غریب واقعہ پیش آیا کہ وہ اپنی تمام تر احتیاط پسندی اور زیرکی کے باوجود خود کو اس سال کی ایک عظیم ترین سازش میں ملوث ہونے سے محفوظ نہ رکھ سکا۔ وہ اپنی اس کی طرح بے خوف اور نڈر واقع ہوا تھا۔ جو یروشلم سے پکڑ کر لائی ہوئی ایک قیدی عورت تھی۔ اور اپنے باپ کی طرح زیرک رنہیم واقع ہوا تھا۔ جس کا تعلق بابل سے تھا۔ اس کا اپنا محکمہ جاسوسی تھا اور وہ اپنے جاسوسوں پر بھاری رقومات خرچ کیا کرتا تھا۔ اس کا یہ محکمہ جاسوسی ریمرت کے محکمہ جاسوسی کی نظروں سے پوشیدہ تھا۔ یعقوب کے محکمہ جاسوسی کے اراکین ایک دوسرے کے لیے بھی اجنبی ہوا کرتے تھے۔ اپنے ان جاسوسوں کے ذریعے اسے ان گھڑسواروں کے بارے میں معلوم ہوا تھا جو اپنے آپ کو گھوڑوں کے تاجر بتاتے تھے۔ پھر اپنے طور اس نے ان گھڑسواروں کی اصلیت معلوم کر لی تھی۔ اس سلسلے میں اسے بھاری رقم بھی صرف کرنا پڑی تھی۔ لیکن یہ رقم اس وقت اس کے لیے کوئی اہمیت نہ رکھتی تھی۔

کیونکہ اس وقت موت اسے چند ہاتھوں کے فاصلے پر دکھائی دے رہی تھی۔

اپنے جاسوسوں کی رپورٹوں کا معائنہ کرتے ہوئے اسے یہ بات معلوم ہوئی کہ اس دن کا پہلا واقعہ یعنی یوم ضیافت کے بعد کا پہلا واقعہ دو نوجوان عاشق معشوق کی ملاقات تھی۔ عاشق کا نام نوسکو تھا۔ وہ ایتھنز کا رہنے والا تھا۔ جب کہ اس کی معشوق ایک کیسی تھی۔ ان کی ملاقات کوئی غیر معمولی واقعہ نہ تھا۔ ان دونوں نے اس جشن کی رات کو اپنی تمام رقم نائو نوشی میں اڑا دی تھی اور اب انہیں بھوک ستا رہی تھی۔ اس کیسی ایبل نے نوسکو سے جدا ہوتے وقت اس سے وعدہ لیا کہ وہ ہرگز کسی ساہوکار کے پاس جا کر معمولی سا قرض نہ لے گا۔ جب کہ نوسکو نے اس سے وعدہ کیا کہ وہ ہرگز کسی دوسرے آدمی کے ہاتھوں اپنا جسم فروخت نہ کرے گی۔ نوسکو سے جدا ہوتے ہی ایبل اپنا وعدہ بھول گئی۔ اور ایک آزادی گھڑسوار کے پیچھے پیچھے چل پڑی۔

ایبل نے اس وقت اپنے خوبصورت سر پر ایک اسکارف اوڑھ رکھا تھا۔ اور اس طرح وہ قانون شکنی کی مرتکب ہو رہی تھی کیونکہ بابلی قانون کے تحت کسبی عورتوں کو معزز خاندان دار خواتین کی مانند سکارف یا نقاب اوڑھنے کی سخت ممانعت تھی۔ اس نے اپنے نازک ہاتھ میں عشتار کا نقش تمام رکھا تھا۔ وہ کوئی معبد کی وقف کی ہوئی کسبی نہ تھی۔ لیکن پھر بھی وہ اپنے آپ کو اس خیال کے پیش نظر عشتار کے معبد کی کسبی کہا کرتی تھی کہ مرد معبدوں کی کسبیوں کی طرف عام کسبیوں کی نسبت زیادہ متوجہ ہوتے تھے۔ اس وقت اس کے پاس پھوٹی کوڑی بھی نہ تھی اور اسے بھوک بھی سخت ستا رہی تھی۔ تجربے نے اسے سمجھا دیا تھا کہ قیمتی اندازا گھوڑوں پر سوار قبائلی سرداروں کے پاس بالعموم زر و جواہر سے بھرے ہوئے کیسے ہوا کرتے ہیں۔ اس قسم کے قبائلی سردار بابل میں شاذ و نادر ہی

دیکھنے میں آتے تھے۔ یہ قبائلی سوار اچھی خوراک کے سبب اچھی صحت والا اور تندرست فربہ اندام تھا۔ اس کے عقب میں ایک تلوار بردار چلا آرہا تھا۔ اس نے بھی صاف ستھرے اور سلیقے کے کپڑے پہن رکھے تھے اور وہ بھی گھوڑے پر سوار تھا۔ ایلی شارع ادادے سے کر قلعہ اساگیلا تک ان کے پیچھے پیچھے چلتی رہی۔ وہاں پہنچ کر وہ دونوں سوار عظیم بینار کو دیکھنے لگے۔ پھر وہ گھوڑوں سے نیچے اتر پڑے اور شاہی محل کے وسیع و عریض اسفالٹ کی اینٹوں سے بنے ہوئے صحن میں نصب تختیوں کو دیکھنے لگے۔ صحن میں لگی تختیوں کی ایک قطار پر نبوپلاسر اور بخت نصر کے شاندار کارناموں اور فتوحات کی تفصیل درج تھی۔ اور ایک تختی جو باقی تختیوں سے الگ دکھائی دے رہی تھی، تیسرے کلدانی حکمران نبونیدس نے وہاں نصب کروائی تھی۔ اس تختی میں اس نے سائرس کا خاکہ اڑا رکھا تھا۔ اس نئی تختی پر کندہ تحریر پڑھنے کے لیے لوگ مسلسل اس کی طرف آجا رہے تھے۔ وہ گھڑسوار اس تختی کے سامنے آکر کھڑے ہو گئے اور اس پر کندہ تحریر کو گھورنے لگے۔

موقع غنیمت جان کر ایلی دوسرے لوگوں کو دھکیلتی ہوئی آگے بڑھی۔ اور اپنے سر سے رومال اتارتے ہوئے گویا سہارے کے لیے آرامی گھڑسوار کی ران پکڑلی۔ بس اس کے ایک نظر اس پر ڈالنے کی کسر تھی پھر وہ سمجھ جاتی کہ وہ گھڑسوار اس کا خریدار بننا چاہتا تھا۔ اس نے انتہائی مہذب انداز میں تیزی سے آرامی زبان میں اس تختی کی تضحیک کا حال انہیں سنانا شروع کیا۔ وہ قبائلی گھڑسوار اسے دیکھ کر بے حد حیران ہو رہے تھے۔

”اس پر کیا لکھا ہوا ہے؟“ دراز قد تلوار بردار نے آرامی زبان میں دریافت کیا۔ ایلی خود پڑھنا نہ جانتی تھی۔ اس نے تماشائیوں سے دریافت کیا پھر ان

دونوں کو بتایا۔" میرے قدموں میں سائرس ایرانی کا سر جھکے گا۔ اس کی تمام سلطنت میرے ہاتھوں میں آ جائے گی۔ اس کے تمام خزائن میرے تصرف میں ہوں گے۔"

یہ سن کر داڑھی والا آدمی مسکرایا۔ اس کی اس کی مسکراہٹ سے ہمت پا کر ایبل نے اسے بنونیدس کے اس تسخیر کے بارے میں بتا دیا کہ اگر سائرس اس تختی کو دیکھے گا تو اس پہ درج تحریر پڑھنے سے قاصر رہے گا۔

اس مرتبہ تلوار بردار قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔" ہاں شاید وہ نہ پڑھ سکے گا۔" وہ ہنستے ہنستے بولا۔" لیکن اناہیتا اور آہورا کی قسم! وہ اسے پڑھنے کی کوشش ضرور کرے گا۔"

ایبل ان اجنبی خداؤں کے متعلق کچھ نہ جانتی تھی۔ بابلی جو ان کے آس پاس جمع تھے۔ انہیں بے چین نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ آدمی ایک دم خونخوار ہو گیا اور اس نے قہقہے برساتے تلوار بردار کو پیچھے ہٹا لیا اور اسے ساتھ لیے وہاں سے روانہ ہو گیا۔ ایبل بھی ان کے تعاقب میں چل پڑی۔ اس نے ابھی تک امید کا دامن نہ چھوڑا تھا۔ وہ یوں ظاہر کر رہی تھی گویا وہ ان کے حکم کی تابع تھی۔

اپنے گھوڑوں کے قریب پہنچ کر اساگیلہ کے متجسس محافظوں کی نظروں کے سامنے تلوار بردار نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اس کی نظروں میں ہوسناکی کی بجائے سوچ و فکر کے سایے رقصاں تھے۔ اس نے اس سے کہا۔" لڑکی، ہم تمہارا جسم نہیں بلکہ تمہاری آواز خریدیں گے۔ آؤ ہمارے ساتھ چلو۔"

اس کے لہجے میں تحکم تھا۔ ایبل اس کی بھوری آنکھوں کو نہ پڑھ سکی۔ نہ یہ فیصلہ کر سکی کہ آیا دونوں آدمی اس کے خواہش مند تھے۔ یا دونوں میں سے کوئی بھی نہیں

تھا۔ تلوار بردار نے اس کے سامنے ہاتھ کھول کر اسے لبڈیا کے چھ سونے کے سکے دکھائے۔ انہیں دیکھتے ہی اس نے فوراً حساب لگا لیا کہ ان کے بدلے بارہ گنا زیادہ خالص چاندی حاصل ہو سکتی تھی اور اسی قدر وہ اس تمام عرصہ میں نہ کما سکتی تھی جب سے اس نے بحیثیت طوائف اپنے پیشے کا آغاز کیا تھا۔ وہ ان سواروں کے سامنے یوں کھڑی ہو گئی کہ اساگیلہ کے محافظوں کو سونے کی جھلک نہ دکھائی دی۔ اس طوائف ابلی کی یہ شہادت تھی۔

اس وقت نوسکو یعقوب عجیبی کی حساب کتاب کی میز پر اس کے سامنے بیٹھا تھا۔ وہ اس مہاجن سے مزید قرضے کی درخواست کر رہا تھا۔ اس قسم کے چھوٹے چھوٹے معاملات یعقوب خود نمٹایا کرتا تھا۔ ساتھ ہی وہ اپنے دروازے پر ہر دم ایک عموری مسلح محافظ بھی تعینات رکھتا تھا۔ کیوں کہ اکثر اوقات قرض خواہ اس سے لڑائی جھگڑا شروع کر دیتے تھے اور اس سے قرض ملنے سے انکار پہ اسے قتل کرنے کی کوشش بھی کر ڈالتے تھے۔ نوسکو خطرناک دکھائی دینے کی بجائے اس وقت بے حد بھوکا دکھائی دے رہا تھا۔ کافی غور و فکر کے بعد یعقوب نے جمع خرچ کا حساب رکھنے والے غلام کو نوسکو کے حساب کتاب کی تختیاں لانے کی ہدایت کی۔ میز پر صاف و شفاف پانی کے ایک گھڑے کے قریب بازار کے بھاؤ کے اندراجات کی تختیاں پڑی تھیں۔ تلوں کے بیجوں کی قیمت فی گور گیارہ شیکل تک جا پہنچی تھی۔ اور عمدہ قسم کے انگوروں کی شراب غیر مصدقہ اطلاعات کے مطابق فی جار نو شیکل کے حساب سے بک رہی تھی۔ اس مہنگی شراب کو ایک جاگیردار ہی خرید سکتا تھا۔ غریب لوگ محض کھجور کی شراب پر ہی قناعت کر سکتے تھے اور انگور کی شراب کے بس خواب ہی دیکھ سکتے تھے جو انسانوں پر خود فراموشی کی کیفیت طاری کر دیتی تھی۔

" تم نے اپنا نام کیوں تبدیل کر لیا ہے ؟ " یعقوب نے نوسکو سے تساہل سے استفسار کیا۔

نوسکو نے اس پر جواب دیا کہ اس کی وجہ یہ تھی کہ شاید اس طرح آگ کا دیوتا نوسکو گلخن کی گرمی میں اس کی مدد کرے گا۔

" تمہارے خاندان کے لیے اینٹیں بنانا اور انہیں رنگ کرنا کوئی مشکل کام نہیں بس مشکل یہ ہے کہ تم انہیں فروخت کرنا نہیں جانتے ! "

جب نوسکو کے حساب کتاب کی تختیاں آ گئیں۔ تو یعقوب نے ان کے اوپر پڑی ہوئی تختی اٹھا کر ایک طرف رکھ دی۔ یہ اس نے ربیوت کے انسپکٹروں کے معائنے کے لیے تیار کروا رکھی تھیں۔ اس کے نیچے کی تختی پر ان شیکلوں کا صحیح حساب درج تھا جو اس نے نوسکو کو بطور قرض دے رکھے تھے۔ دس شیکلوں پر نوسکو پر چالیس فی صد سود عائد ہوتا تھا۔ بالائی فرات کے اینٹوں کے بھٹے پر کام کرنے والے سات مزدوروں کی ضمانت اور مویشیوں کا گلہ۔ تیس گابھن بھیڑیں۔ جن کے دودھ اور گوشت پر ان کا گزارا تھا۔ یعقوب اپنے حساب کتاب کی تختیوں پر قرض داروں کے اصل زر اور سود اور ضمانت کا جو حساب رکھتا تھا۔ اس کے لیے وہ انتہائی پیچیدہ اشارے استعمال کرتا تھا۔ یہاں اس تختی پر نوسکو کے حساب کے علاوہ بالائی فرات کے اینٹوں کے بھٹے پر کام کرنے والے ان مزدوروں کا حساب کتاب درج تھا جنہوں نے اس سے قرض لے رکھا تھا۔ اس قرض کی ادائیگی تک یعقوب نے ضمانت کے طور پر ان کے تمام مویشی اپنی ملکیت میں لے رکھے تھے۔ عدم ادائیگی کی صورت میں وہ ان کا مالک بن جاتا۔ اتنی بھی اس کی مہربانی تھی کہ اس نے ان مویشیوں سے ان مزدوروں کو فائدہ اٹھانے سے نہ روک رکھا تھا۔ بلکہ ان مویشیوں کا دودھ اور گوشت فروخت کر کے اکثر اوقات وہ ان کے لیے کھانے کے لیے

جو اور کھجوروں کا بھی انتظام کر دیتا تھا۔ "میں تمہیں دس ٹیکل اور دے سکتا ہوں۔" اس نے پیش کش کی۔ "اس زمین کی ضمانت کے طور پر۔ وہ زمین بالکل بنجر اور ویران ہے۔" دریا کے کنارے واقع وہ زمین جو میڈیا کی دیوار کے قریب واقع تھی۔ قیمتوں کے چڑھاؤ کے ساتھ اچھا منافع دے سکتی تھی۔

"مجھے کم از کم بارہ ٹیکل چاہئیں۔" لڑکا چلایا۔

کوئی جواب دیے بغیر یعقوب اس غلام کی طرف مڑ گیا جس نے مٹی کی ایک تازہ تختی تیار کر لی تھی اور اسے حساب لکھوانے لگا۔ لڑکا اپنے ہونٹ کاٹتے ہوئے انتظار کرنے لگا۔ پھر دروازے پر متعین عبوری محافظ نے بے چینی سے اپنی جگہ سے حرکت کی اور وہ نوجوان طوائف ایبل دوڑتی ہوئی کمرے میں داخل ہو گئی۔ اس نے نوسکو کو بازو سے پکڑ لیا اور چلا چلا کر اس سے کہنے لگی کہ وہ چاندی کے عوض کوئی چیز رہن نہ رکھے کیونکہ اب ان کے پاس سونے کے سکے آ گئے تھے۔

"جھوٹ کیوں بکتی ہو!" نوسکو درشتی سے بولا۔

لڑکی اپنے عاشق اور مہاجن کی موجودگی میں اپنے ساتھ پیش آنے والا واقعہ سناتے ہوئے ذرا نہ ہچکچائی اور اس نے انہیں بتا دیا کہ کس طرح دو آرامیوں سے اس کی مڈبھیڑ ہوئی تھی۔ جن کے گھوڑے بڑے شاندار تھے۔ انہوں نے اس کی آواز کے بدلے اسے سونے کے سکے عطا کیے تھے۔ ایبل کا خیال تھا وہ شاید کوئی جاسوس ہوں گے۔ یا پاگل ہوں گے۔ اس نے نوسکو سے کہا کہ وہ اس کی مدد کے لیے اس کے ساتھ ساتھ رہے ورنہ وہ قبائلی اسے مزدور اٹھا کر لے جائیں گے۔

یعقوب عجیبی اس کے دورانِ اپنے کمرے میں چلے آنے پر پہلے غصّے سے لال پیلا ہو اٹھا۔ پھر اس کی کہانی سن کر تحیّر زدہ ہوا۔ اب وہ کسی گہری سوچ میں غرق ہو گیا۔ گھوڑوں کے قبائلی سردار پاگل یا فاتر العقل نہیں ہوا کرتے تھے۔ مصر یا لیڈیا سے

آنے والے جاسوسوں کے پاس خرچ کرنے کے لیے سونے کے سکے ضرور ہوا کرتے تھے۔ اگر وہ گھڑسوار واقعی جاسوس ہوتے تو کیوں نہ وہ ریوبت کو ان کی اپنے شہر میں موجودگی سے آگاہ کر دے۔ ریوبت اس کی اس خدمت پر خوش ہو کر اسے بھاری انعام دے سکتا تھا۔ ساتھ ہی ان جاسوسوں کی گرفتاری کا انتظام بھی کر سکتا تھا۔

وہ لڑکی مسلسل نوسکو سے درخواست کر رہی تھی کہ وہ اس کے ساتھ چلے۔ جب ان کے پیچھے پردہ گر گیا تو عیلی نے اپنے عموری محافظ کو ان کا تعاقب کرنے کا حکم دیا پھر تھوڑی دیر انتظار کرنے کے بعد اس نے اپنا خچر دروازے پر لانے کا حکم دیا۔ اس پر سوار ہوتے ہوتے اس نے اپنے لحیم شحیم عموری محافظ کے گھونگھریلے بالوں والا سر تلاش کیا۔ جلد ہی وہ اسے گودیوں میں پڑے۔ بید کے گٹھوں کے درمیان سے گزرتا ہوا پل کی جانب بڑھتا دکھائی دے گیا۔ وہ اس کے تعاقب میں چل پڑا دل ہی دل میں وہ اس پر انتہائی الجھن محسوس کر رہا تھا کہ کہیں اس لڑکی نے کوئی گپ تو نہ سنائی تھی اور اس کی باتوں پر یقین کر کے وہ کہیں احمق تو نہ بن رہا تھا۔

ایل اور نوسکو پل پر کھڑے ان امیر کبیر سوداگروں سے باتوں میں منہمک تھے جنہیں اس کی کوئی پروا نہ معلوم ہوتی تھی کہ انہوں نے پل پر آمدورفت میں رکاوٹ ڈال رکھی تھی۔ یعقوب اپنے خچر کو ایڑ لگا کر ان کے قریب آکر رک گیا وہ آرامی، عبرانی اور اکدی زبانیں بخوبی جانتا تھا۔ اس لیے ان سوداگروں کی باتوں سے اسے معلوم ہوا کہ وہ یہ جاننا چاہ رہے تھے کہ مختلف مہینوں میں دریا کے بہاؤ کی کیا کیفیت ہوتی تھی اور اس دریا کا خدا کون تھا۔

" میدانوں میں رہنے والے میرے آقاؤ " یعقوب فدویانہ انداز سے

ان کے قریب آتے ہوئے ان سے مخاطب ہوا۔" قدیم وقتوں میں یہاں لوگ پانیوں کے خدا کے حضور قربانیاں پیش کیا کرتے تھے۔ مگر اب چونکہ ان میں بہت خوشحالی اور فارغ البالی پیدا ہو چکی ہے۔ اس لیے انہوں نے اسے بھلا دیا ہے۔"

" پھر تو وہ بے وقوف ہیں۔" آرامی سوداگر بڑبڑایا۔" کیوں کہ دریا کے بغیر بھلا شہر کہاں رہے گا؟ کیا ریت پر عمارتیں کھڑی ہوں گی؟"

" نہایت شاندار عمارتیں، کیا تم ایسا نہیں سوچتے؟" سوداگر کا ملازم سونے کے پتروں کی طرح چمکتی ہوئی میناروں کی چوٹیوں کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ ان کے بارے میں یعقوب جانتا تھا کہ ان پر صرف زرد رنگ کی ٹائلیں جڑی ہوئی تھیں۔" یہ زمین بیمار اور ستم زدہ ہے" وہ بولا۔" اس پر رہنے والے بھلا کیوں کر خوشحال اور فارغ البال کہے جانے کے قابل ہیں؟"

" یہ بابل کا راز ہے" یعقوب ان سوداگروں کو دیکھ کر الجھن میں پڑ گیا تھا۔ کیونکہ ان کے رویّے سے یوں لگتا تھا گویا مالک ملازم تھا اور ملازم مالک۔ ملازم کی باتیں فہم و دانائی سے بھرپور تھیں جب کہ مالک کی محض چرواہوں اور ملازموں جیسی۔ شہرت وعظمت کا زمانہ دوسرے شہروں نے بھی دیکھا ہے" وہ بھرپور اخلاق سے بولا" پھر نادیدہ خداؤں نے انہیں تباہ و برباد کر دیا۔ بابل مردوک کا پیارا شہر ہے یہ قائم رہے گا۔ یہ اس وقت تک قائم رہے گا جب تک تم موت کے ہاتھوں زمین کی گہرائیوں میں نہیں اتر جاتے، یا جب تک یہ دنیا قائم ہے۔"

پل پر جمع ہو جانے والی ٹریفک نے انہیں مجبور کیا کہ وہ وہ جگہ چھوڑ کر آگے روانہ ہو جائیں۔ پل کے دوسرے کنارے پر پہنچ کر ملازم نے ایبل کو خالص سونے مزید سکے عنایت کیے۔ یعقوب کے خیال میں یہ سکے لیڈیا کی ٹکسال میں ڈھالے گئے

تھے۔ یعنی سارادیس کی ٹیکسال میں۔ اس کے خیال میں ایسی روانی سے باتیں کرنے والے، لاپروائی سے سکے لٹانے والے لبے خوف دکھائی دینے والے آدمی شاید ہی کرتے کے جاسوس ہوسکتے تھے۔ وہ یہ جاننے کے لیے بے تاب تھا کہ ان کا ٹھکانہ کہاں تھا اور وہ کس کے لیے کام کر رہے تھے۔

" اگر تم لوگوں کے پاس گھوڑے برائے فروخت موجود ہیں " اس نے تجویز پیش کی " تو میں انہیں دیکھنا چاہوں گا۔ ہرچند کہ بابل والے خچروں اور رتھوں میں جوتنے والے گدھوں کو زیادہ ترجیح دیتے ہیں "

اپنی عادت سے مجبور ہو کر یعقوب نے اپنے خریدنے والی چیز کی اہمیت بہت گھٹا کر بیان کی۔ ان دونوں آدمیوں نے اس کی بات سے لطف لیتے ہوئے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا " ہمارے پاس کچھ اچھے گھوڑے موجود ہیں " مالک بولا۔ " ہم وہ تمہیں دکھائیں گے " اس پر ملازم نے بھی اپنے مالک کی ہاں میں ہاں ملائی۔ " ہاں۔ اگر تم ہمیں راستے میں بابل کے عجائبات کے بارے میں زیادہ سے زیادہ معلومات فراہم کرتے جاؤ "

یعقوب نے ایک بار پھر مالک اور ملازم کے رویوں میں تبدیلی کا مشاہدہ کیا۔ ملازم اس طرح باتیں کر رہا تھا گویا وہی مالک ہو۔ یعقوب کا ذہن ان کے بارے میں کسی نتیجے پر پہنچنے میں کشمکش و پیچ کے عالم میں تھا۔ یہ آدمی کیا واقعی جاسوس تھے یا واقعی کوئی قبائلی گھوڑوں کے سوداگر تھے۔ وہ اپنی اس صلاحیت پر بڑا ناز کیا کرتا تھا کہ وہ اجنبیوں کے بارے میں صحیح اور محتاط اندازے قائم کرنے میں کبھی غلطی نہ کرتا تھا۔ اس وقت اسے ان سوداگروں کے لیے راہنما کا کردار ادا کرتے ہوئے بڑی مسرت محسوس ہو رہی تھی۔ اسے ان تمام برائیوں کا علم تھا جو بابل کو اپنی گرفت میں لیے ہوئے تھیں۔ اس نے انہیں اپنی ماں کی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ پھر بھی وہ اس شہر سے

غیر معمولی انسیت اور وابستگی محسوس کرتا تھا۔ جہاں کہیں سے بھی وہ گذرے سنہری چوٹی والا مینار بابل اور متعلق باغات کی سرسبزی ان کی نظروں میں رہے۔ ان کی اونچائی ایگو ربل کی تین سو فٹ اونچی دیواروں سے بھی بلند تھی جن کے باہر نکلے ہوئے بنار نیمتی بل کے ناقابل تسخیر اندرونی پشتوں پر گویا ڈھال بنے ہوئے تھے۔

اس وقت وہ سوداگر بالکل خاموش رہے جب انہوں نے فصیل کے قریب سے فرات کو ایک چھوٹی کشتی میں دوبارہ پار کیا۔ اس کشتی کو جو غلام کھے رہے تھے انہوں نے ہاتھوں میں لمبے لمبے ڈنڈے سنبھال رکھے تھے ان ڈنڈوں کی مدد سے وہ کشتی کو اس سمت بہنے سے بچا رہے تھے جہاں دریا کا پانی دیوار میں بنی ہوئی ایک محراب کے اندر سے بہتا ہوا دوسری طرف جا رہا تھا۔ یعقوب نے وضاحت کی کہ دریا کا یہ پانی محاصرے کی صورت میں اہل بابل کی ضروریات پوری کرتا تھا ساتھ ہی بخت نصر نے وسیع پیمانے پر غلہ گودام بھی تعمیر کروائے تھے۔ جہاں محاصرے کے ایام میں محفوظ رکھا ہوا غلہ عرصۂ دراز تک لوگوں کی ضروریات کے لیے کافی پڑ سکتا تھا۔ ہاں عظیم بخت نصر نے اہل بابل سے کہہ رکھا تھا کہ جب تک ایگو ربل اور نیمتی بل ایک دوسرے کے شانہ بشانہ کھڑی ہیں۔ کوئی دشمن ان کے شہر میں گھس آنے کی جراءت نہ کر سکتا تھا۔

ملازم نے پانی میں ایک تنکا پھینک دیا اور اسے لہروں کے دوش پر لمحہ بہ لمحہ بہتے ہوئے دور جاتے دیکھنے لگا۔ "تم اس دریا کے خدا کے بارے میں کچھ کہنا تو بھول ہی گئے ہو گئے" وہ بڑبڑایا۔

پانی گویا اسے مسحور کیے دے رہا تھا۔ اس دریا میں سے ایک نہر جا نکلتی تھی بڑی تعداد میں غلام بالٹیاں سنبھالے اس نہر کا پانی ایک آبپاشی کے نالے میں پھینک رہے تھے۔ ان کے سروں پر ایک نگران مستعد کھڑا ان کے کام کی نگرانی کر رہا تھا اور

دیکھ رہا تھا کہ کس قدر پانی اس نالے میں ڈالا جا چکا تھا۔ سوداگر کے ملازم نے گھوڑے پر سوار آگے بڑھ کر بانس تھامے ہوئے ایک نحیف و نزار سانولے سے غلام کا چہرہ ہاتھ سے اپنی طرف پھیرا۔ اس غلام کی آنکھیں بالکل سفید تھیں یعنی وہ اندھا تھا۔

درختوں کے ایک باغ کے دروازے پر پہنچ کر ان کے گھوڑے کچھ بدکے۔ لیکن ان کے سوار مضبوطی سے اپنی زینوں پر بیٹھے رہے۔ دروازے پر ایک ایسے آدمی کی لاش لٹک رہی تھی جس کی کھال کھنچوا دی گئی تھی۔ وہ لاش خون میں نہائی ہوئی تھی۔ اسے لمبے لمبے کیلوں کے ذریعے دروازے سے لگایا گیا تھا۔

"کیا یہ کوئی مقتول دشمن تھا؟" ملازم نے پوچھا "یا پھر کوئی حکومت کا باغی تھا؟"

یعقوب نے لاش کے نیچے کندہ تحریر کو پڑھا "اس شخص نے ایک بھیڑ چرائی تھی اور رپورٹ اس کی گمشدگی کی دی تھی۔"

اس کے بعد یعقوب اپنے ساتھیوں کو ساتھ لیے تیزی سے گارے کی اینٹوں کی بنی ہوئی عمارت کے پاس سے گزر گیا۔ جہاں ناجائز بچوں کی اس وقت تک پرورش و پرداخت کی جاتی تھی جب تک وہ کپڑا بننے کے کارخانوں میں بیچے جانے کے قابل نہ ہو جاتے تھے۔

" یہ سب اپنے بوجھ تلے دبے ہوئے سسک اور کراہ رہے ہیں۔" ملازم نے دانتے زنی کی۔ ان کے سامنے اپنے خچر پر سوار معزز و محترم یعقوب کو راستہ دینے کے لیے لدے ہوئے گدھے اور چھکڑوں کی لمبی چوڑی قطار دھول اڑاتی ہوئی ایک طرف ہٹ رہی تھی۔ جانوروں کے علاوہ برہنہ پا قلیوں کی قطاریں بھی جو کی بوریاں اور بام کی لکڑی کے صندوق اپنے سروں پر لادے چلی جا رہی تھیں۔ یعقوب

جانتا تھا کہ جانوروں کے مقابلے میں ان کرائے کے بوجھ ڈھونے والوں کی حالت ہمیشہ ابتر ہوا کرتی تھی۔ انہیں اپنی محنت کا بے حد کم معاوضہ ملا کرتا تھا۔ "تم آخر انہیں اپنے بوجھوں سے، ایسی بیگار سے کب نجات دلاؤ گے؟" ملازم کے لہجے میں تجسس تھا۔

یعقوب کو ایک دم ہی کچھ یاد آ گیا۔ اس کے ذہن میں ان الفاظ نے دستک دی جو اس نے طویل عرصہ قبل بابل کی گلیوں میں سے سنے تھے۔ اور جنہیں وہ قریب قریب فراموش کر چکا تھا کہ دیوتا بابل کو اس کے بوجھ سے ہرگز نجات نہیں دلا سکتے تھے یہ غداری کے مترادف الفاظ کہنے والے نہر کے کنارے بنے ہوئے کچے پکے مکانوں میں رہنے والے یہودی علیحدگی پسند تھے۔ تاہم یعقوب کو یقین نہ تھا کہ ان آرامیوں نے نہر کے کنارے کے اس غلیظ اور گندے علاقے کی سیاحت کی ہو گی۔

وہ بلا تکان شہر کے ہر حصے کو گھوم پھر کر دیکھ رہے تھے وسط شہر کی سیاحت کرتے ہوئے وہ امراء کے ہر علاقے اور غریبوں کی ہر آبادی کا بھرپور جائزہ لے رہے تھے۔ وہاں کی گلیاں اور سڑکیں دیکھ بھال رہے تھے یعقوب جو جانوروں پر زیادہ دیر سواری کرنے کا عادی نہ تھا۔ خاصی تھکاوٹ اور اکتاہٹ محسوس کرنے لگا تھا۔ جب کہ اس کے ساتھی ہنوز پہلے کی مانند تازہ دم اور توانائی سے بھرپور تھے۔ جب وہ گھوم پھر کر کھجوروں کے ایک باغ کے قریب پہنچے تو آرامیوں نے شام کی ٹھنڈی فضا میں اپنے گھوڑوں کو سرپٹ دوڑا دیا۔ اور ایسی زبان میں باتیں کرنے لگے جو یعقوب کے نزدیک اجنبی تھی۔ ان کے پیچھے پیچھے اپنے خچر پر ہچکولے کھاتے اپنے کان ان کی باتوں پر لگائے یعقوب اسی خیال میں ذہن میں آہستہ ہی ایک دم چونک گیا کہ وہ دونوں اپنی قومی زبان میں باتیں کر رہے تھے۔ وہ

آرامی زبان بھی بڑی روانی سے بول رہے تھے۔اس نے اپنے طور حتمی نتیجہ یہ اخذ کیا کہ اس کے ساتھی واقعی غیرملکی جاسوس ہی تھے۔ان کا تعلق کسی ایسی سرزمین سے تھا جو کہیں دور دراز میں واقع تھی۔لیکن یہ مصر ہرگز نہیں ہو سکتی تھی۔اس نے ان کے ہمراہ ان کے پڑاؤ تک جانے کا فیصلہ کیا۔اس طرح وہ دیوت کے لیے ان جاسوسوں کی گرفتاری آسان بنا سکتا تھا۔اس نے پہلی مرتبہ نوٹ کیا کہ وہ کتنے ماہر گھڑ سوار تھے۔انہوں نے نرم چمڑے کے بوٹ پہن رکھے تھے۔وہ اپنی زینوں پر بہت جم کر بیٹھے ہوئے تھے۔لگتا تھا وہ گھڑسواری کے عادی تھے۔

وہ کھجوروں کے ایسے جھنڈ کی طرف مڑ گئے جو دوسرے سینکڑوں ہزاروں جھنڈوں سے کچھ مختلف نہ دکھائی دیتا تھا۔وہاں درختوں کے سایوں تلے درجن بھر کے قریب لگاموں والے ایسے تنومند اور شاندار گھوڑے کھڑے تھے جیسے کہ ان نام نہاد آرامیوں کے تھے۔زمین پر بچھے کمبلوں پر چار آدمی لیٹے ہوتے تھے۔جو ان کے آتے ہی فوراً اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔انہوں نے اپنی پیٹیوں پر تیر کمان اور ترکش باندھ رکھے تھے۔ان کے ہُڈ ان کے چہرے چھپاتے ہوتے تھے۔پانچواں آدمی،جو سفید بالوں والا تھا۔لنگڑاتا ہوا تلواربردار کا رکاب میں پھنسا ہوا پاؤں تھامنے آگے بڑھا۔پھر تلواربردار نے کرخت لہجے میں کوئی حکم دیا۔جسے سنتے ہی چاروں آدمیوں نے اپنے کمبل تہہ کر کے اپنی زینوں کے پیچھے باندھ لیے۔پھر دونوں آرامی اپنے گھوڑوں سے اترآئے۔تلواربردار نے اپنا ہتھیار اس سفید بالوں والے بوڑھے کے حوالے کر دیا۔"تم دیکھتے ہو ہمارے پاس کتنے اچھے گھوڑے موجود ہیں۔" اس نے معقوب سے کہا۔"لیکن میں یہ نہیں سوچتا کہ تم انہیں خریدنے کے قابل ہو گے۔"

یعقوب علیبی کو ایک دم ہی شدید خوف نے اپنی گرفت میں لے لیا۔وہ اس

وقت نہتا اور تنہا ایسے دشمنوں کے نرغے میں پھنسا ہوا تھا جو مسلح تھے۔ اور جو یا تو میدی ہو سکتے تھے یا ایرانی۔ شاید انہوں نے گھوڑوں کے سوداگروں کی حیثیت سے شہر میں داخل ہو کر شہر کی فصیلوں اور دفاعی انتظامات کو گھوم پھر کر اچھی طرح سے دیکھ لیا تھا۔ لیکن ان کے رویوں سے یہ ظاہر نہ ہوتا تھا کہ وہ اسے دھوکہ دینے کا کوئی ارادہ رکھتے تھے۔ اس نے اندازہ لگایا کہ اس کے اس جگہ سے زندہ سلامت واپس جانے کے امکانات بہت کم تھے۔ اس خیال نے اس کے اندر کچھ جرات اور ہمت پیدا کر دی۔ اس نے دلیرانہ اپنا رخ اس عجیب بدلے ہوئے لیڈر کی طرف پھیرا اور پھولی ہوئی سانسوں کے درمیان کہنے لگا۔

" میں نے دیکھ لیا ہے کہ تمہارے پاس واقعی بڑے شاندار اور عمدہ گھوڑے موجود ہیں۔ اور ہر آدمی کے لیے ایک فالتو سواری "

وہ بہیس بدلا ملازم اس کی بات پر خوشدلی سے ہنسا۔ اس کے ساتھی اس کے سامنے یوں مودبانہ کھڑے تھے گویا وہی ان کا آقا ہو۔ وہ اس کے سامنے بالکل خاموش کھڑے تھے۔ اس سے یعقوب نے اندازہ لگایا کہ اس کا عہدہ شاید بہت اونچا ہوگا " بابلی۔ تمہاری ماں نے واقعی کسی احمق کو جنم نہیں دیا " اس نے راستے زنی کی " آج کے دن میں خاص طور پر تمہارا ممنونِ احسان ہوں۔ کیوں کہ تم نے مجھے وہ راستہ دکھا دیا ہے جس کے ذریعے میں تمہارے شہر میں داخل ہو سکتا ہوں " وہ اپنے بازو لہراتے ہوئے بے تحاشہ ہنسا۔ گویا اس کی زبان سے کوئی لطیفہ ادا ہوا تھا " ہاں مانگو کیا مانگتے ہو۔ اپنے خاندان اور قبیلے کے لیے تم جو کچھ بھی مانگو گے میں دوبارہ بابل آکر تمہیں عطا کر دوں گا " اتنا کہنے کے ساتھ ہی وہ اچھل کر ایک تازہ دم گھوڑے پر جا بیٹھا۔ اور اسے ایڑ لگا دی۔ باقی آدمیوں نے بھی اس کی تقلید کی اور گھوڑوں پر بیٹھ کر اس کے پیچھے سرپٹ بھاگ اٹھے۔ جلد ہی وہ

شام کے دھندلکے میں درختوں کے جھنڈ میں غائب ہو گئے۔ یعقوب نے سڑک پر ان کے گھوڑوں کی ٹاپوں کی آوازیں سنیں۔ وہ مشرق کی طرف جا رہے تھے۔

اپنے خچر کو آرام دیتے اور اپنی سانسیں درست کرتے ہوئے یعقوب اس افسر کی باتوں پر، جو ایرانی ہی ہو سکتا تھا، الجھن آمیز انداز میں سوچنے جا رہا تھا "راستہ جس کے ذریعے میں تمہارے شہر میں داخل ہو سکتا ہوں" انہوں نے سوائے اس کے کچھ نہ کہا تھا کہ بڑی دیواروں کے ساتھ ساتھ وہ میل کے دائرے میں گھوم پھر لیا تھا، جن میں اندر داخل ہونے کا کوئی اور راستہ نہ تھا سوائے ان بڑے بڑے بھاری بھرکم آہنی پھاٹکوں کے جن پر ہر دم مسلح محافظ تعینات رہتے تھے۔

اگلے دن یعقوب ہرگز اسا گیلہ دموبت سے ملنے نہ گیا۔ بلکہ اس نے اپنے دفتر جا کر اپنے ایجنٹوں کو حکم دیا کہ وہ اس نوعمر طوائف ایلی اور اینٹیں بنانے والے نوکر کو تلاش کر کے اس کے پاس لے آئیں اور پتہ چلائیں کہ گزشتہ روز ان کی کیا مصروفیات رہیں۔ اس کے کارندے جلد ہی اس نوجوان جوڑے کو اس کے پاس لے آئے۔ یعقوب نے ایلی سے خود پوچھ گچھ کی۔ اس لڑکی نے اسے بلا کم و کاست ساری کہانی سنا دی، اور اس امر کا خاص طور پر تذکرہ کیا کہ اس نے ان آدمیوں کو اس تختی پر درج وہ تحریر پڑھ کر سنائی تھی جس میں سائرس ہنجا منشی کا خاکہ اڑایا گیا تھا۔

ناقابلِ یقین قسم کے شک و شبہ نے یعقوب کے ذہن میں کچھ ویسی ہی کہانی شروع کر دی۔ اس نے سب کو اپنے دفتر سے نکال دیا اور تنہا اپنی میز پر بیٹھ کر گہرے سوچ و فکر میں گم ہو گیا۔ پھر اس نے اپنے عودی لاٹھی بڑا دا اور چھتری بردار کو بلوایا اور باہر دھوپ میں نکل آیا اور پاپیادہ خاموشی سے شارع زبابا کی طرف روانہ ہو گیا اس شارع پر سے گزر کر وہ مشرقی دروازے سے ہوتا ہوا کمہار نہر کے بھرے پرے

کے کنارے پر جا پہنچا۔ اس نے اپنے سلیپر اتارے اور عبادت گاہ میں داخل ہو گیا۔ جہاں معمول کے مطابق راہنما اس کا انتظار کر رہے تھے۔

وہ یعقوب کی ماں کے رشتہ دار تھے۔ قبائل کے بڑے جو موسیٰ کے قانون کو سینے سے لگائے ہوئے تھے اور اپنے پیغمبروں کی ہدایت کے مطابق اور کسی قانون کی بالا دستی تسلیم نہیں کرتے تھے۔ جن کے دلوں میں یہوا کے عبادت گاہ کی یادیں موجود تھیں۔ ہر چند کہ ان میں سے جو سب سے معمر تھے انہوں نے بھی اس کی زیارت نہ کر رکھی تھی نہ اسے دیکھ رکھا تھا۔ یعقوب نے ان کے پاس پہنچ کر انہیں اس دن کے غیر معمولی واقعہ سے آگاہ کیا کہ اس نے اپنی آنکھوں سے میڈیا اور ایران کے عظیم بادشاہ سائرس کو دیکھا تھا۔ وہ اسے شارع اداو پر ملا تھا۔ وہ بابل میں داخل ہوا تھا۔ اساگیلہ میں داخل ہوا تھا اور اس نے بو نیدس کی وہ زبرجد کی تختی بھی دیکھی تھی جس میں اس کی تحقیر و تضحیک کی گئی تھی۔

" وقت رخصت سائرس نے مجھ سے کہا تھا "مانگو کیا مانگتے ہو۔ جو اپنے خاندان یا قبیلے کے لیے جو کچھ بھی مانگو گے۔ میں جب دوبارہ بابل آؤں گا تو تمہیں عطا کر دوں گا"

نہر کے کنارے واقع اس اندھیرے کمرے میں ہونے والی سرگوشیاں بمشکل ہی سنائی دیتی تھیں۔ یعقوب کو یقین تھا کہ وہ ہخامنشی جیسا کہ طوائف ایبل نے شہادت دی تھی، پڑھ لکھ نہ سکتا تھا، مگر وہ اپنے وعدے کا سچا ضرور ثابت ہو گا۔

اور تمام خزائن میں، اس نے خاموش بڑوں سے دریافت کیا۔ کون سے خزائن زیادہ اہمیت والے اور قیمتی تھے؟

سونے کے وہ ظروف اور نوادرات جو بخت نصر، یروشلم کا تباہ کار، ہیکل سلیمانی

کومیامیٹ کرتے وقت وہاں سے اٹھالیا تھا۔

وہ سر جوڑے سوچتے رہے اور یسیعیاہ کے حوالے سے باتیں کرتے رہے۔

کبار کی آبادی میں ٹوہ لیتے پھرنے والے ریبوت کے جاسوس نے اسے جا کر خبر دی کہ یہودی پھر سازشوں میں مصروف تھے۔ وہ سائرس ہخامنشی کے درود کی افواہیں اڑا رہے تھے اور یہ کہتے پھر رہے تھے کہ اس کی آمد کے ساتھ ہی وہ اپنے ہیکل سے اٹھائے گئے سونے کے ظروف اور نوادرات واپس لینے میں کامیاب ہو جائیں گے۔

ریبوت نے اپنے طور اس اطلاع کا تجزیہ کیا تو اس نتیجے پہ پہنچا کہ یہ کوئی نئی اطلاع نہیں تھی۔

پچھلے سالوں میں یہودی پیغمبر میڈیا والوں کی آمد اور اپنی نجات کی خبریں لوگوں کو سناتے پھرتے رہے تھے اور ایسی کوئی بات رونما نہ ہوئی تھی۔ اب بھی شاید کچھ نہ ہوگا۔ ہاں اس امکان کو البتہ نظرانداز نہ کیا جا سکتا تھا کہ یہودی جو یروشلم واپسی کے خواب دیکھتے رہتے تھے۔ اور اپنا ہیکل دوبارہ تعمیر کرنے کی باتیں کرتے رہتے تھے۔ اسے سجانے کے لیے وہاں سے اٹھائے گئے سونے کے ظروف اور نوادرات چوری کرنے کی کوشش کریں۔ اگر واقعی ایسا ہی تھا تو کیوں نہ ان کے سرکردہ لیڈروں کی جن میں دوسرا کردار ادا کرنے والا العیقوب عجیبی بھی اب شامل ہو چکا تھا، عوام کے سامنے کھال کھنچوا کر کاٹھوں پر لٹکوا دیا جاتے تاکہ معتقد یہودیوں کو عبرت ہو۔

کیا عظیم بخت نصر نے اپنے زمانے میں یروشلم میں ایسے ہی شوریدہ سر یہودی لیڈروں کی کھال نہیں کھنچوا دی تھی؟

ہمیشہ فتح یاب رہنے والے بخت نصر نے باغی یہودی بادشاہ صدقیا کو گرفتار کر کے اس کے تمام بچوں کو اس کی آنکھوں کے سامنے قتل کروا دیا تھا۔ پھر اس نے صدقیا کی آنکھیں نکلوا دی تھیں۔ اس نے یروشلم کو تہہ و بالا کر دیا تھا اور یہودیوں کے ہیکل کی اینٹ سے اینٹ بجا کر اسے پیوندِ زمین کر دیا تھا!

پس یہی سوچ کر دیوت نے شاہ بنونیدس کو یہودیوں کی سازش سے مطلع کر دیا۔

•••

بنونیدس کا راز

ان گرمیوں میں بنونیدس نے کچھ مخبوط الحواس معلوم ہونے کی اداکاری کرنی شروع کی۔ نئے سال کی تقریبات کے بعد اور اپنے عہد حکومت کے آخری موسم گرما کے دوران وہ اپنے محل ہی میں بیٹھا رہا۔ وہ بوڑھا ہو رہا تھا۔ وہ نقلی داڑھی لگاتا تھا جس میں گھرے گھونگھر پڑے ہوئے تھے اور خاص مواقع پر جب اسے اپنے سائنس دانوں سے ملنے یا غیر ملکی وفد سے ملنے کی ضرورت پڑتی تھی، وہ اپنی گردن کے پیچھے گدی پر نقلی سیاہ بالوں کی گرہ لگاتا تھا۔ روایاتی طور پر اشوریہ کے ابتدائی حکمران سیاہ رنگوں والے اور خوفناک جبلوں والے ہوا کرتے تھے۔ اور بابل کلدانی حکمران خاندان اپنی رعایا میں اپنا خوف طاری رکھنے کے لیے ان اشوریہ حکمرانوں کی نقالی کیا کرتا تھا۔ دیوتاؤں کا خوف، بادشاہ کا خوف، بادشاہ کے ملازمین کا خوف سب مل کر رعایا کو تابع فرمان بنائے رکھتے تھے۔ وباؤں اور قلتِ خوراک کے زمانے میں ایسا کرنا ضروری بھی تھا اور یہ موسم گرما کچھ زیادہ ہی سخت تھا۔

معبدوں کے نگرانِ اعلیٰ طاقتور اور بارسوخ زربا نے تالیں نکالنے کے بعد اعلان کیا کہ مردوک اہل شہر سے سخت ناراض تھا اور اس کی ناراضگی ابھی تک

رفع نہ ہو سکی تھی۔ اس اعلان کے دو ہرے مقاصد تھے۔ ایک تو یہ کہ اس کی بدولت نچلے طبقوں میں خوف وہراس پیدا کیا جا سکتا تھا۔ جس سے وہ مردوک کے پجاریوں کے خلاف ہو سکتے تھے۔ جو خفیہ طور پر اسے بابل کے اس سب سے بڑے خدا کی قدرتوں میں کوتاہی کرنے پر برا بھلا کہتے رہتے تھے۔ درحقیقت اساگیلہ کی چاردیواری کے اندر پجاری اور پروہت اپنا کھویا ہوا اثر و رسوخ دوبارہ حاصل کرنے کی کوششوں میں مصروف تھے۔ وہ اسے دربار سے چھین لینا چاہتے تھے۔ ینار اور ایکور کا معبد بھی شاہی محل کے خلاف ان کی کوششوں میں شریک تھے۔ مردوک کے طاقتور پروہتوں کے سوا اور کوئی بھی بنونید س کو ملعون و مردود نہ قرار دیتا تھا۔ جس کے متعلق سب کو یقین تھا کہ وہ پاگل ہو چکا تھا۔ اس نے انسانی زندگی سے تعلق رکھنے والے معاملات سے خود کو الگ تھلگ کر لیا تھا۔ اور ہر دم نادیدہ طاقتوں سے محو راز و نیاز رہنے لگا تھا۔

اس کا کردار سمجھ میں نہ آنے والا کردار بن چکا تھا۔ وہ طویل عرصہ تک بابل سے دور رہ کر مغربی سرزمینوں پر مسلسل سفر کرتا رہا تھا اور دو دریاؤں کے پار کی سرزمینوں پر جا پہنچا تھا۔ ان سرزمینوں پر اس نے اپنے آپ کو بے حد قدیم معبدوں اور مقبروں کی از سر نو تعمیر میں مصروف کر لیا تھا۔ اس نے وہاں کھدائی کروا کر عرصۂ دراز سے مدفون تختیاں دریافت کی تھیں اور ان پر کندہ مرموز تحریریں پڑھوانے کا انتظام بھی کیا تھا۔ اس نے بغیر کسی واضح سبب کے دور مغربی صحرا میں تیما نامی مقام پر ایک اجڑے کھنڈر بڑے شہر کے آثار دریافت کر کے اس شہر کو از سر نو تعمیر کروا لیا تھا۔ اور وہاں بڑی آب و تاب والے محلات اور معبد تعمیر کروائے تھے۔ تمام تعمیراتی سامان بابل سے منگوایا جاتا رہا تھا۔ یوں اس طریقے سے اپنے آپ کو اساگیلہ سے غیر حاضر رکھتے ہوئے، اس پیر فرتوت نے مردوک اور اس کے پجاریوں، یعنی اپنے حریفوں کی عزت و

تو نینوا دو کوڑی کی کر کے سکھ ڈالی تھی۔

پھر بنوخدنیسس نے سمندر تک پہنچنے والے مغربی کاروانی راستوں کی تعمیر کروائی تھی۔ اس طرح اس نے بابل کو اس عظیم فاتح سائرس کی فتوحات کا معاوضہ دلانے کی کوشش کی تھی۔ ایرانی اب شمال کی طرف جانے والے تمام راستوں کے مالک تھے یہ راستے اناطولی ساحل کے بالائی دریاؤں تک جا نکلتے تھے۔ یوں شمال کی سونا اگلنے والی زرخیز زمینیں ان کے قبضے میں تھیں۔ ساتھ ہی قدیم اشوری سلطنت کا تمام علاقہ بھی ان کے قبضے میں تھا۔ میدیوں کے جانشینوں کی حیثیت سے وہ بڑے وسیع و عریض علاقوں کے مالک بن چکے تھے۔ فونیقی تجارتی بندرگاہیں اور فلسطین تک ان کی قلمرو میں شامل ہو چکے تھے۔ قوت و اقتدار میں وہ بابل کی ٹکر کے بن چکے تھے۔ اسی طرح جنوب میں دوبارہ سر اٹھانے والے ایلامی دو دریاؤں کے دہانوں کی سرزمین پر اپنا دعویٰ جتا رہے تھے۔ ان دریاؤں کا ڈیلٹا اگر سمندر تک رسائی کے کام نہ آ سکتا تھا تو کم از کم ماہی گیری کے کام ضرور آ سکتا تھا۔

بابل کی افواج تعداد میں اتنی ہی زیادہ نہیں جتنی کہ مٹ جانے والے اشوریوں کی ہوا کرتی تھیں۔ بل شزر نے یہ دیکھ لیا تھا۔ لیکن نئی کلدانی افواج اشوریوں کی مانند جدید ترین اور نئے ہتھیاروں سے مسلح نہ تھیں۔ ان کے جنگی رتھ بہت چھنگے اور مضبوط تھے مگر انہیں صرف میدانوں میں لایا جا سکتا تھا۔ صرف جنگجو اور لڑاکے میدیوں کے ساتھ اتحاد کر کے ہی کلدانی افواج اس قابل ہوئی تھیں کہ وہ نینویٰ میں جا گھسیں اور اسے تباہ و برباد کر ڈالیں۔ اب میدی گھڑسوار سائرس کی ماتحتی میں آ گئے تھے۔ اب اساگیلہ کے منصوبہ ساز مائل بہ عروج ہخامنشی سے دو دو ہاتھ کرنے کے فیصلے کرنے لگے تھے۔ چونکہ یہ امر ناگزیر دکھائی دیتا تھا۔ بابلی سلطنت ہی اب ایسا علاقہ باقی رہ گئی تھی جسے ایرانیوں نے فتح نہ کیا تھا۔ حالانکہ وہ اگبتانا اور سمندروں تک کے تمام

علاقے جو بابل کے آس پاس واقع تھے فتح کر چکے تھے۔ یہ ایرانیوں کے دوا ہم شہروں پارس گرد اور اگبتانا اور بحیرہ روم کے درمیان پھیلی ہوئی تھی۔ یہ مشرق اور مغرب کے تجارتی راستوں پر پھیلی ہوئی تھی۔ اور اساگیلہ کے منصوبہ ساز ان راستوں کو اپنے لیے محفوظ رکھنا چاہتے تھے۔ وہ فراعین مصر کے اتحادی چلے آ رہے تھے۔ اور اس اتحاد کو ہر قیمت پر قائم رکھنا چاہتے تھے۔ اور یہ فراعنہ یہ جاننے کے لیے بے تاب تھے کہ اب جب کہ کروئی سس کی سلطنت باقی نہ رہی تھی اور وہ خود زوال پا چکا تھا تو دو دریاؤں کے اس تاریخی میدان کا مالک کون ہو گا؟ مصریوں نے پہلے ختیوں کی آمد دیکھی تھی۔ پھر حریانیوں کی، پھر اشوریوں اور میدیوں کی، پھر انہوں نے ان طاقتور شمالی اقوام کو ٹکڑے ٹکڑے ہوتے بھی دیکھا۔ مصری بابلیوں کو ہر قسم کی جنگی امداد دیا کرتے تھے۔ وہ اس امر سے بخوبی آگاہ تھے کہ جب تک فرات کے کنارے مرودک کا شہر مضبوطی سے قائم تھا، کوئی حملہ آور نیل تک نہ پہنچ سکتا تھا۔

مصریوں سے باہمی معاہدۂ امداد کے علاوہ اساگیلہ کے منصوبہ سازوں نے سائرس کو شکست دینے کے لیے اپنی سٹریٹیجی مکمل کر رکھی تھی۔ یہ بخت نصر کی مضبوط قلعہ بندیوں کے سہارے بنائی گئی تھی۔ سب سے پہلے میڈیا کی دیوار کی رکاوٹ تھی جو سپار کے مقام پر دو دریاؤں کے درمیان واقع تھی۔ یہ فصیل اتنی مضبوط تھی کہ گھڑ سوار اسے فتح نہ کر سکتے تھے۔ اس فصیل کے عقب میں بل شزر کی افواج دشمن کی منتظر کھڑی تھیں۔ ان افواج کے عقب میں بابل کا شہر واقع تھا۔ جو ناقابل تسخیر قلعے کی صورت میں تھا۔ اس کی فصیلوں تک پہنچ کر وحشی ایرانی اور میدی بے بس ہو کر رہ جاتے۔ اسی طرح جیسے ان سے قبل وحشی سندی اور حوریانی ان دیواروں کے قریب آ کر ان سے محض اپنے سر پھوڑ کر واپس چلے گئے تھے۔ بابلی ایسی غلطی ہرگز نہ کرنا چاہتے تھے جیسا کہ کروئی سس نے کی تھی کہ اپنی فوجیں سائرس سے لڑنے کے لیے اس کے پہاڑوں میں بھیج

دیں۔ خود سربل شزر نے ایسا کرنا چاہا تھا۔ مگر اسے جبراً اس حماقت سے باز رکھا گیا تھا

پس بابل منتظر رہا۔ وہ اپنی تمام جنگی تیاریاں مکمل کرکے دشمن سے دو دو ہاتھ کرنے کے موقع کے انتظار میں لگ گیا۔ بابل میں تقریباً چھ سالوں سے سائرس کی آمد کا انتظار کیا جا رہا تھا۔ اور اس عرصے میں وہ دنیا کے دور مشرقی علاقوں کو تسخیر کرتا پھر رہا تھا۔ فصیلوں کو مضبوط بنانے کی قیمت بابلی باشندوں کے سروں پر ایک بھاری بوجھ بن کر مسلط ہو گئی تھی۔ وہ اس بوجھ تلے دبے ہوئے سسک رہے تھے، کراہ رہے تھے۔ پھر جونہی سائرس کے سرحدوں پر نمودار ہونے کے آثار پیدا ہوتے تھے بنو نیدس نے فتح کی تختی پر خاص و عام کے پڑھنے کے لیے نصب کروا دی تھی۔ اس طرح اس نے اس فاتح ایرانی حکمران کو میدان عمل میں کودنے کا چیلنج دیا تھا۔ ساتھ ہی اپنی رعایا کو یہ یقین بھی دلایا تھا کہ وہ اپنے دشمن پر فتح یاب ہوں گے۔

بل شنزر کی سائرس کے خلاف محاذ آرائی

جونہی موسم گرما اپنے اختتام کو پہنچی اور فصلوں کی کٹائی شروع ہوئی، سائرس شمالی جانب سے نمودار ہوگیا۔ اپنی پہاڑیوں سے اتر کر وہ ترائیوں میں دریائے دجلہ تک بڑھتا گیا۔ اس کے ایرانی سپاہی بابلی سرزمینوں پر گھوڑے دوڑاتے ہوتے پکی ہوئی فصلیں کاٹنے لگے۔ وہاں کے باشندے ان کے خوف سے اپنے گھر بار چھوڑ کر دریائے دجلہ کے کنارے واقع ایک قصبے اوپس کی سرحد پر جاکر پناہ گزین ہو گئے ایرانی آہستہ آہستہ آگے بڑھتے رہے اور پکی فصلیں اپنے لیے ذخیرہ کرتے اور قصبات میں لوٹ مار مچاتے رہے۔

سائرس کی پیش قدمی کی اطلاع میدی فصیل کے عقب میں پڑاؤ ڈالے بل شنزر تک پہنچ گئی۔ بابل کے اس جنگجو شہزادے کے لیے یہ اطلاع ایک نیزے کا وار ثابت ہوئی۔ پانچ سالوں سے وہ بابل کا حقیقی حکمران بنا پھر رہا تھا۔ نبونیدس نے نئے سال کے جشنوں کے موقع پر اس پر دوبارہ سبقت حاصل کرلی تھی۔ اور لوگوں کی نظروں میں اپنے آپ کو اس سے برتر ثابت کردیا تھا۔ اس لیے وہ مجبور ہوگیا تھا کہ ہر دم میدی فصیل کے قریب اپنا لشکر لیے پڑا رہے۔ وہ ایک بہت تجربہ کار

سپاہی تھا۔ اس لیے وہ فصیل تلے اپنی افواج کو بیکار خیمہ زن رکھنا سخت ناپسند کرتا تھا۔ وہ شان و شوکت اور نمود و نمائش کا دلدادہ تھا۔ اس لیے اسے سپاہ جیسے تجارتی قصبے میں اپنا پڑاؤ سخت ناپسند تھا۔ پھر اسے اپنے باپ پر بھی کوئی اعتماد نہ تھا۔

بل شزر کے پاس جو اطلاعات پہنچ رہی تھیں۔ ان کی روشنی میں اسے یہ اندازہ قائم کرنے میں کوئی مشکل پیش نہ آ رہی تھی کہ ایرانی اور میدی آنے والی سردیوں کے لیے خوراک ذخیرہ کر رہے تھے۔ انہیں دیکھ کر لگتا تھا جیسے انہوں نے جنگ کی کوئی تیاری نہ کر رکھی تھی اور بل شزر چاہتا تھا کہ انہیں یوں غلہ اور اناج کاٹتے، ذخیرہ کرنے کے دوران اچانک جالیا جائے۔ اس کا یہ اچانک حملہ نتیجہ خیز ثابت ہو سکتا تھا۔ تاہم جب تک اسے غلہ کاٹنے والوں کی طعنہ زنی کا سامنا نہ کرنا پڑتا وہ شاید وہیں پڑاؤ ڈالے پڑا رہتا۔

اس شام اس نے خوب ڈٹ کر شراب پی تھی۔ اور مخمور ہو گیا تھا۔ اس کی اسی مخمور حالت کے دوران اس کی خدمت پر مامور لڑکیوں میں سے ایک لڑکی اپنے چہرے پر نقاب ڈال کر باہر بالکونی کی ٹھنڈی ہوا میں نکل آئی تھی، وہ ایک دبلی پتلی سی، سست الوجود لڑکی تھی۔ جو بل شزر ہی کی مانند اپنی بابل سے جلاوطنی کو ہر دم بری طرح محسوس کرتی رہتی تھی۔ بالکونی کے نیچے ایک صحن تھا جو خاصا وسیع و عریض تھا۔ وہاں ذبح کرنے کے لیے مویشی بندھے ہوئے تھے۔ ساتھ ہی جگہ جگہ بوڑھی غلام اور بوڑھی عورتیں چکیاں پیسنے میں مصروف تھے۔ چکیاں چلنے کا شور فضا میں گونج رہا تھا۔ اس شور میں چکیاں چلانے والی عورتوں اور مردوں کی آوازیں بھی شامل تھیں پھر ان میں سے کوئی باواز بلند اکدی زبان میں پکارا۔ ”نیچے آ۔ اور خاک نشین ہو۔ اے بابل کی کنواری بیٹی۔ ننگی زمین پر بیٹھ جا۔ تیرے بیٹھنے کے لیے کوئی تخت نہیں ہے

اے کلدانیوں کی بیٹی . . ."

یہ طعن آمیز بات ہوا سے مخاطب ہو کر کہی گئی تھی۔ مگر درحقیقت یہ بل شمزر کی خدمت گار اس حسین لڑکی ہی کو سنائی گئی تھی۔ چیکوں کی گڑگڑاہٹ میں اب بلند سیٹیاں اور قہقہے بھی شامل ہو چکے تھے۔ اس ملے جلے شور کے درمیان وہ آواز دوبارہ بلند ہوئی "چکی چلا اور غلہ پیس۔ اپنا مقنع اور نقاب اتار دے۔ اپنی لہراتی زلفوں کو عریاں کر دے . . ."

یہ سنتے ہی وہ لڑکی ایک دم وہاں سے بھاگ کر اسی گرم و حابس فضا والے کمرے میں آگئی۔ اس کے پیچھے پیچھے بل شمزر بھی کمرے میں واپس آ گیا جو لڑکی کی لاعلمی میں اپنی محمور حالت میں اٹھ کر اس کے پیچھے بالکونی میں جا کر کھڑا ہو گیا تھا۔ ان غلاموں کی طعن آمیز باتیں اسے گہرے نشتر بن کر لگی تھیں۔ ان نشتروں کی چبھن کم کرنے کے لیے اس نے کمرے میں پہنچتے ہی اپنے آپ کو پھر شراب و شباب میں غرق کر لیا۔ اس پر یہ بات عیاں ہوئی تھی کہ دشمن کی فوجیں اس کے گرد و پیش کے علاقوں میں یوں دندنا رہی تھیں۔ جیسے انہیں اس کا کوئی خوف نہ تھا ان پر اس کی شہرت اور کارناموں کا کوئی رعب طاری تھا نہ ان پر اس شہرت اور کارناموں کا کوئی رعب طاری تھا۔ انہیں اس شور بدسری کا ایک تلخ ترین سبق سکھانے کی ضرورت تھی۔

پس وقت ضائع کیے بغیر وہ اپنے نیزہ اندازوں اور رتھوں کے ساتھ بیدی فصیل کے شمالی سمت روانہ ہو پڑا اور دریائے دجلہ کی طرف پیش قدمی کرتے ہوئے حملہ آوروں کو تلاش کرنے لگا۔ شمال کی طرف سے چلنے والی ہوا بابلیوں کے مخالف چل رہی تھی اور خاک و گرد کے طوفان اٹھا رہی تھی بیپل اور بید مجنوں کے درخت اس ہوا کے تھپیڑوں سے جھکے پڑ رہے تھے۔ گرد و غبار کی تہوں میں آسمان پر سرخ سورج چمکتا دکھائی دے رہا تھا۔ یہاں تک کہ حملہ آوروں کے

دیہاتوں کے مکانات کو تاخت و تاراج کرنے کے بعد انہیں اور کھیتوں کو آگ لگا دینے سے سیاہ دھوئیں کی چادر نے سورج کا چہرہ ڈھانپ دیا۔ تیز ہوا نے اس آگ کے شعلوں کو اور بھی بھڑکانا شروع کر دیا اور آگ بڑھتے بڑھتے میدان میں ہر طرف پھیلنے لگی۔ اس آگ کے سامنے بابلیوں کے رتھوں میں جتے ہوئے گھوڑے بھڑک اٹھے۔ اور نیزہ بردار سڑکیں چھوڑ چھوڑ کر آگ سے پناہ لینے کے لیے ندیوں نالوں اور ہرے بھرے کھیتوں کی طرف بھاگنے لگے۔

پھر اگویا ہوا کے دوش پر سواری کرتے ہوئے ایرانی گھڑ سوار اچانک ان کے سامنے نمودار ہو گئے۔ ان کی صفوں میں صفیں دھوئیں کی چادریں چاک کرتی ہوئی بابلیوں پر لپک پڑیں۔ ہر سوار کے ہاتھ میں نیزہ چمک رہا تھا۔ جو اس نے اپنے گھوڑے کے سر سے بلند کر رکھا تھا۔ انہوں نے اپنے سامنے ڈھالیں تان رکھی تھیں۔ وہ کسی طوفان بلا خیز کی مانند ہلکے ساز و سامان سے آراستہ بابلی نیزہ برداروں پر پل پڑے جب بل شزر کے تمام رتھ ان گھڑ سواروں کے خلاف اکٹھے ہو گئے تو انہیں ایکدم ہی تیروں کی بارش نے آن لیا۔ پہلے ہی ہلے میں آدھے سے زیادہ ناکافی لباس پہنے ہوئے رتھ بان ہلاک ہو گئے اور رتھوں میں جتے ہوئے گھوڑے بدک اٹھے۔ پھر جب انہیں بمشکل تمام قابو کر کے آگے بڑھایا گیا تو نیاتی گھڑ سوار برق رفتاری سے گھوڑے دوڑاتے ہوئے ان کے سامنے سے گزرنے لگے۔ وہ گھڑ سوار فوج کے مقابلے پر ان فرسودہ سے مبتلا رتھوں کو دیکھ کر قہقہے بلند کر رہے تھے۔ وہ دوڑتے ہوتے ان رتھوں پر مسلسل تیر بھی چھوڑتے جاتے تھے۔

جب رات گہرائی تو ہوا کے ساتھ ساتھ آگ کا پھیلاؤ بھی کم ہوتا گیا۔ بابلی سالاروں نے اپنے سپاہیوں کو رات کے لیے پیچھے ہٹانا شروع کر دیا۔ لیکن ایرانی میدان چھوڑتے ہوئے نہ دکھائی دیتے تھے۔ انہیں اس انوکھی جنگ میں لطف محسوس

ہو رہا تھا۔ دھندلکے میں بھی وہ پیچھے ہٹتی ہوئی بابلی فوج پر مسلسل حملے کرتے رہے۔ اور اسے لڑنے پر مجبور کرتے رہے۔ بابلی سرداروں نے اپنے نیزہ اندازوں کی سہولت کے لیے مشعلیں روشن کرلی تھیں۔ ان شعلوں کی طرف تاریکی میں چھپے ہوئے ایرانیوں کی جانب سے مسلسل تیر چھوڑے جا رہے تھے۔ تاریکی نے ایرانی سپاہیوں کو چھپا رکھا تھا جو تھکی ہاری بابلی فوج کا مسلسل تعاقب کرتے ہوئے اس پر حملہ آور ہو رہے تھے۔ ان حالات میں بابلی افواج کہیں بھی پڑاؤ نہ ڈال سکتی تھیں۔ چنانچہ بابلی سالاروں نے مجبور ہو کر واپس فصیلوں کا رُخ کیا۔ تاریکی ان کے رتھوں کو پوشیدہ نہ کر سکی تھی۔ ان کے پہیوں کی گڑگڑاہٹ اور گھوڑوں کی ہنہناہٹ کی آوازیں مسلسل ان کا پتہ دے رہی تھیں۔

بل شزر کے تھکے ہارے، پیاس سے نڈھال سپاہی اس شہر کے قریب پہنچتے ہی سڑک سے اتر اتر کر ان تاریک وادیوں میں جانے لگے جہاں ندیاں دو دریاؤں کے درمیان واقع فصیل کی طرف نکلتی تھیں۔ اس نے سائرس پر فتح حاصل نہ کی تھی اس کے کہنے کے مطابق تیز ہوا اور آگ اور تاریکی نے اسے سائرس پر فتح حاصل نہ کرنے دی تھی۔

خداؤں کا زنداں

اسی شام اساگیلہ میں بونیدس نے اپنے تخت پر بیٹھ کر اپنے تاریخوں کا حساب رکھنے والوں کی زبانی یہ اعلان سنا کہ اس وقت تشری یعنی ماہ اکتوبر کے نئے چاند کا پہلا گھنٹہ شروع ہو چکا تھا۔ بونیدس نے اس پر اپنی روایتی توقع کا اظہار کیا کہ وہ مہینہ مردوک کی رعایا کے لیے بڑا سعد ثابت ہو گا۔ پھر تاریخوں کی تختیوں کے رکھوالوں نے پانی کی گھڑی کے اوپر پرانی علامت ہٹا کر ایک سنئے ہلال کی علامت لگائی اور اس روایتی دعا کے ساتھ وہاں سے رخصت ہو گئے کہ بابل کا بادشاہ سدا سلامت رہے۔ اس کی عمر دراز ہو۔ تقریباً تیرہ صدیوں سے یہ تارہ دان سورج اور ستاروں کی چالوں کا صحیح صحیح حساب رکھتے چلے آ رہے تھے، اب یہ بابلی وقائع نگاروں کا کام تھا کہ وہ تشری یعنی اکتوبر کے مہینے میں رونما ہونے والے واقعات کو ورطۂ تحریر میں لاتے۔

سب سے پہلے کیلنڈر کے استعمال اور تاریخ نویسی یا وقائع نویسی کا آغاز سارگون اوّل کے عہد میں ہوا تھا۔ سیلابوں، خشک سالی، انقلابات، حملوں سب واقعات کا تختیوں پر باقاعدہ اندراج کیا جاتا تھا۔ اور ہر چھوٹے بڑے اہم، غیر اہم واقعات کو

تحریر کر لیا جاتا تھا۔ سارگون کے عہد کے بعد بھی وقائع نگاری کا کام پہلے کی مانند جاری رہا۔ اور زمانوں کی تاریخ تختیوں پر تحریر کی جاتی رہی۔ ماضی کے افکار اور رسوم ورواج کی سختی سے حفاظت ایک تعین بن چکی تھی اور ان میں کسی قسم کی تبدیلی کی کسی برائی کی مانند سخت مخالفت کی جاتی تھی۔ پجاریوں پروہتوں کے قول کے مطابق مردوک نے اپنے محبوب شہر بابل کو ابد تک کے لیے محفوظ کر رکھا تھا۔ بنونیدس نے جب تخت اٹھ در پر اپنا دعویٰ کیا تھا تو اس نے یہ کہا تھا کہ مردوک نے اسے خواب میں آکر کہا تھا کہ وہ مردوک کا پسندیدہ اور محبوب بندہ تھا اور مردوک کے محبوب بندے عظیم بخت نصر کا حقیقی اور جائز وارث تھا۔

جب اس نے وقائع نگاروں اور نجومیوں کو رخصت کیا تو اس وقت معبد کے دو پجاری اس کے چبوترے کے سامنے آکر کھڑے ہو گئے۔ انہوں نے اپنے لمبی آستینوں والے بازو سامنے کی طرف پھیلا رکھے تھے۔ پروہت جس نے اپنے سر کی پٹی پر مردوک کی علامت، بیلچہ لگا رکھی تھی، اپنی پیش گوئی سنانے لگا "اس مہینے وہ آئے گا جس سے مردوک خوش ہے۔ مردوک یعنی ہمارا سب سے بڑا خدا۔ آنے والا ایک ریوڑ کی حفاظت کرنے والے چرواہے کی مانند ہو گا۔ وہ ان سب کو آزاد کر دے گا جو غلامی کی زنجیروں میں جکڑے کراہ رہے ہیں۔" پروہت بولتے وقت کسی گہری سوچ میں غرق معلوم ہوتا تھا۔ اس کی آمد مردوک کے پیارے شہر بابل کے لیے بڑی سعد ثابت ہو گی۔"

دل ہی دل میں سخت بے چینی اور اضطراب محسوس کرتے ہوئے بنونیدس نے ان مستقبل بین جھانکنے والوں کو دربار سے رخصت کر دیا۔ انہوں نے معمول کے مطابق اپنی پیش گوئی میں بنونیدس کا نام نہ لیا تھا۔ یہ پیش گوئی اسے بے حد پراسرار اور الجھن میں ڈالنے والی معلوم ہو رہی تھی۔ معبد کی ملکیت میں ہزاروں ہی مویشیوں

کے گلے تھے۔ لیکن اسے گڈریوں اور ایسے لوگوں سے جو غلامی کی زنجیروں میں جکڑے ہوتے تھے، شاید ہی کوئی واسطہ تھا۔ بہرکیف اس نے معبد کے پجاریوں کو حسب روایت سونے کے توڑے انعام میں دیئے۔ اس کے بعد اس نے دربار سے نکل کر اپنی شورا کو تلاش کیا۔ نئے چاند کی اس شام اس نے اپنی توقع کے مطابق اسے اس زیر زمین واقع بڑے سے کمرے میں کام میں مصروف پایا جو غیر ملکی خداؤں کا زنداں کہلاتا تھا۔

وہ سب خدا اس کے بنائے ہوئے تدمچوں پر ایستادہ تھے۔ ان کے مہیب سائے سفیدی کی ہوئی دیوار پر پڑ رہے تھے۔ اپنے عجیب وغریب سفروں کے دوران بنونیدس نے ان خداؤں کو ان کے شہروں سے اٹھوا کر بابل پہنچا دیا تھا۔ سپار کے تمش کو، جس کے سر پر سورج کی شعاعوں جیسا تاج تھا، نابود ہو جانے والے اشوریوں کے خدا اشور کو، جو بڑا مجسم شمیم اور مہیب ناک تھا، شوشینک کو، جو شوشان کا بدصورت خدا تھا اور تمام قیدی خداؤں میں سب سے بڑا تھا وہاں کچھ خدا ایسے بھی موجود تھے جنہیں بخت نصر ان کی سرزمینوں سے اٹھا لایا تھا۔ اس کمرے کے دور دراز کے حصے میں ایک فانوس جو سونے کا بنا ہوا تھا روشن تھا وہاں قربانگاہ کی میز بھی رکھی تھی اور وہ منقلہ بھی تھا جو یروشلم کے ہیکل سے اٹھا لایا گیا تھا۔

اس کے وقائع نگاروں نے اپنے ریکارڈ میں تحریر کیا تھا "گرمیوں کے مہینوں کے آخر تک اکاد اور مغربی سرزمینوں کے تمام خدا، خواہ وہ زمین کے اوپر تھے یا نیچے، بابل میں پہنچا دیئے گئے تھے۔"

جب بنونیدس ان قیدی خداؤں کے زنداں میں داخل ہوا تو اسے جانے پہچانے خوف نے اپنی گرفت میں لے لیا۔ جب اس نے اپنے عقب میں کانسی

کا بھاری پھر کم دروازہ بند کیا، تو جلتے چراغ کی لو لمحہ بھر کے لیے تھرتھرا گئی۔ اس کا سایہ اوپر تک لہرا گیا۔ اس نے قد مجوں پر ایستادہ دیوتاؤں کے مہیب سایوں کو خوفناک طریقے سے لہراتے دیکھا۔ ان کی جواہرات جڑی چمکتی ہوئی آنکھیں اسے گھور رہی تھیں۔ اس کی بیٹی شمورا نے اس کے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے اس کی طرف دیکھا۔ اس کے ہاتھ میں ایک چراغ تھا۔ وہ اس کی روشنی میں سپار کے سورج دیوتا شمش کے سینے پر کھدے ہوئے حروف پڑھ رہی تھی۔ یہ پرانا سامری رسم الخط تھا۔ لیکن شمورا اسے پڑھ سکتی تھی اس وقت تک اس نے ان سیاہ پتھروں کے اجسام پر کھدی ہوئی تمام تحریریں پڑھ کر ان کی نقول تیار کر لی تھیں، جنہیں گزرے ہوئے طویل زمانے نے قریب قریب مٹا ڈالا تھا۔ شمورا کو اس وسیع و عریض تاریک کمرے میں مجسموں ان ہیبت ناک اجسام سے کوئی خوف محسوس نہ ہوتا تھا۔ بنزیدس جانتا تھا کہ ایک عورت ایسے رازوں کو کھوج نکالتی ہے جو مردوں کے لیے ممنوعہ ہوتے ہیں۔ اس نے دیکھا کہ وہ عجیب سی شکل والے ایک تین ٹانگوں والے سٹینڈ پر لوبان جلا رہی تھی۔ شاید وہ کسی دیوتا کی علامتی عبادت کر رہی تھی۔ جب اس نے اسے مردوک کے پجاریوں کے مقصد کے بارے میں بتایا تو اس نے خشونت سے اپنا سر جھٹکا۔

”یہ غالباً کوئی پیش گوئی نہیں ہے اور نہ ہی اسے معمہ کہا جا سکتا ہے۔ زدیا ہرگز اکیور کے اخ اغماض برتنے والوں کو نہیں روک سکتا۔ وہ ایسی جرأت نہیں کر سکتے۔ ہاں بلاشبہ“ پھر کچھ سوچتے ہوئے اس نے کہا۔ ”وہ دوہرا مطلب رکھنے والے باتوں سے آپ کا مضحکہ اڑانے کی کوشش کرتے ہیں۔ جہاں تک اس چرواہے کا تعلق ہے جو آنے والا ہے تو وہ کوئی بھی ہو سکتا ہے۔ یہ پروہت بے حد چالاک اور ذی فہم ہیں۔ وہ اپنے میں سے کسی شخص

کو کھڑا کر کے یہ اعلان کر سکتے ہیں کہ یہی ہے وہ آدمی جس کے آنے کی ہم نے پیش گوئی کی تھی۔ یہی ہے مردوک کا محبوب ملسے خوش کرنے والا۔ ایسا آسانی سے ہو سکتا ہے اور عوام ہر ایسی پیش گوئی پر یقین کر لیتے ہیں جو پوری ہوتی نظر آ رہی ہو آپ نے انہیں جواب کیا دیا تھا؟"

"میں نے انہیں کوئی جواب نہیں دیا۔"

"ہاں یہی ہونا تھا۔ وہ غالباً آپ کی خاموشی کی بجائے آپ کی ناراضگی کے لیے تیار ہو کر آئے تھے۔ لیکن چونکہ انہوں نے آپ کو سب لوگوں کے سامنے یوں برا بنایا ہے۔ اس لیے آپ کو ان کے خلاف فوری قدم اٹھانا چاہیئے اور ان کی عزت و توقیر گھٹانے کے لیے کچھ کرنا چاہیئے۔"

پرامید دل سے اس کے فیصلے کا منتظر رہتے ہوئے جونیڈس اپنی بیٹی کی لڑکی سادگی کی تعریف کرنے لگا۔ شمورا اس پر آن پڑنے والی مشکلات اور ابتلا سے ذرا نہ پریشان ہوتی تھی اور نہ ہی وہ خواہ مخواہ ہمدردی اور رحم جیسے قیمتی جذبات دوسروں پر بلا دریغ لٹانا پسند کرتی تھی۔ چونکہ وہ زیادہ تر باغ کی چھت پر اپنے کمرے تک محدود رہا کرتی تھی اس لیے اہل دربار اس کی بہت کم جھلک دیکھ پاتے تھے۔ اس نے اپنا نام بابل کی روایتی ملکہ شمورا یا سمیرامس سے تبدیل کر رکھا تھا۔

اپنا مصری انداز کے مصنوعی بالوں سے آراستہ سر جھٹکتے ہوئے شمورا کہنے لگی "عشتار کی ستارہ بردار شبیہ کے ساتھ آپ دربار میں جائیے۔ آپ کی حیثیت اس کے انتہائی اطاعت گزار اور منظور نظر خادم جیسی ہو۔ اور پھر اعلان کر دیجیے۔ اس اعلان کو اساگیلہ سے باہر تمام گلیوں میں پھیل جانا چاہیئے۔ وہ اعلان یہ ہو کہ عشتار بابل کو اپنی حفاظت میں لینے لگی ہے۔ اور یہ بات اس نے آپ کو خواب میں

آگ کبھی ہے۔ آپ کل ہی یہ اعلان کروا دیجئے۔ اس اعلان کے ہوتے ہی مردوک کے پجاری فرطِ غیظ و غضب کے، جو انہیں اپنی ہتک اور شکست پر ہوگا، اپنی انگلیاں چبائیں اور باہم لڑائی جھگڑا کرنے لگیں گے۔ وہ ظاہر ہے اعرک کی دیوی کی ہتک کرنے کی جرأت نہیں کریں گے۔"

بونیدس نے اپنی آنکھیں بند کرلیں اور سکون کی گہری سانس کھینچی۔ عشتار جنگجو دیوی تھی۔ جو زرخیزی اور خوشحالی کی دیوی تھی، وہ مردوں میں بہت مقبول تھی۔ اور عورتوں کی اکثریت بھی خفیہ طور پر اس سے گہری عقیدت رکھتی تھی۔ اس انتہائی کھٹن اور ابتلا کی گھڑی میں ایک خدا کا ظہور لوگوں پر زبردست اثر مرتب کرسکتا تھا۔

" ایک ایسا شخص جس کا کوئی خدا نہیں ہوتا اور وہ جب گلیوں میں چل رہا ہوتا ہے اس نے مشفقانہ لہجے میں اپنا زاد کیا " تو اس کا تعاقب کرنے والا بھوت اسے مار گراتا ہے۔" بھروہ بولا۔ "تمہاری فہم و فراست ایک ایسی ڈھال کی مانند ہے جو میری بوڑھی زندگی کی حفاظت کرتی رہتی ہے۔"

شمورا نے اس کی ان احمقانہ باتوں کا کوئی جواب نہ دیا۔ اس نے اپنا سر جھکایا اس کے نقلی بالوں کی لہریں اس کی آنکھوں کے سامنے لہرانے لگیں۔ " آپ وہی کیجئے جیسا کہ میں نے کہا ہے۔" وہ قدرے تیز لہجے میں اپنے باپ سے بولی "آپ کو اپنی تمام امیدیں اور توقعات اعرک کی دیوی سے وابستہ کرلینی چاہئیں۔ اور آپ کے رویے سے یہ بات صاف ظاہر ہونا چاہیئے۔ لیکن کوئی تقریر کرنے کی کوشش آپ ہرگز نہ کیجئے۔" اس نے اپنی پتلی انگلیاں اس کے رخسار پر پھیریں۔" اور اس کے متعلق زیادہ سوچئے بھی نہیں۔ بس جا کر اپنے پلنگ پر سو رہیئے۔ اور صبح جب ملازم پہ لباس شاہی پہنانے آئیں تو اس وقت آپ انہیں اپنا خواب سنا دیجئے۔"

جب وہ واپسی کے لیے مڑنے لگا تو وہ پیچھے سے پکاری "خواہ کچھ بھی ہوجائے

آپ کو مرت اور صرف عشتار ہی سے مدد مانگنی ہے۔"

فرما نبردار انہ بنو بندس اپنی بیٹی کو اپنے چراغ کے ساتھ چھوڑ کر وہاں سے واپسی کے لیے مڑ گیا۔ ایسا کرتے ہوتے اسے دوبارہ بھیانک صورت غداروں کی موجودگی کا احساس ڈراوا دینے لگا۔ اپنے پیچھے اس نے شمورا کی آواز سنی جو شمس کے جسم پر کھدی ہوئی تحریر پڑھ رہی تھی: "وہ جس کا جسم زمین کے اوپر بے بسی کی حالت میں پڑا ہے۔ وہ جسے کوئی کفن دفن نصیب نہیں ہوا۔ وہ جو بچے کی پیدائش کے وقت مرگئی تھی۔ وہ جس کا دودھ پیتا بچہ بھی مرگیا تھا۔ وہ جس نے اپنے آپ کو پانی میں ڈبو کر ہلاک کر لیا تھا۔"

بنو بندس بدقسمت لوگوں کی روحوں کی اس مناجات سے واقف تھا۔ شمورا کے بارے میں اسے معلوم تھا کہ وہ بڑی دیوی ماں کی عقیدت مند تھی۔ جس کا ایک ادنیٰ سا پرتو عشتار تھی۔

غلام گردش میں داخل ہوتے ہوئے بنو بندس کا اضطراب بڑھتا جا رہا تھا۔ اس غلام گردش میں شمورا کا خواجہ سرا اس کی واپسی کا منتظر کھڑا تھا۔ بابل کے بادشاہ کو دیکھتے ہی وہ پتھر پر سے اٹھ گیا اور اس کے سامنے رکوع میں جھک گیا۔ کیا اس نے سر اس لیے اتنا جھکا رکھا تھا کہ وہ بنو بندس کے گول مٹول مضحکہ خیز سراپے پر زیر لب مسکرا رہا تھا؟ کیا شمورا واقعی اس کی حفاظت کرنا چاہتی ہے؟ جیسا کہ اس نے کہا تھا یا پھر وہ اپنے خفیہ ہتھکنڈوں سے اپنے آپ کو اپنے باپ سے بھی اونچے درجے پر پہنچا دینا چاہتی تھی؟

اپنی خواب گاہ میں جا کر سو رہنے کی بجائے وہ غیرارادی طور پر پھاٹک کی جانب مڑ گیا۔ وہ تیزی سے اس کے دونوں طرف کھڑے سنگ مرمر کے بنے ہوتے اڑنے پروں والے عفریتوں کے دبدبہ پیکر مجسموں کے درمیان سے گزر گیا

بڑا ہے گویا اپنے ساتھ ساتھ چلتے محسوس ہو رہے تھے۔ اور بہا کتا ہوا وہ سیع و عریض صحن میں آ گیا۔ جہاں نیزہ بردار محافظ پہرے پر کھڑے تھے وہ اپنے بادشاہ کورات کے اس پہر محافظوں کے بغیر تنہا صحن میں آتے دیکھ کر شدید حیرت سے دوچار ہو گئے اور اپنے ہاتھوں میں جلتی لالٹین بلند کیے اسے دیکھتے رہ گئے آسمان پر عشتار کا نیچے جھکا ہوا ستارہ ہنوز کے منارے سے زیادہ آب و تاب سے چمک رہا تھا۔ اس کے سوا آسمان پر اور کسی شگون کی علامت موجود نہ تھی۔ بنوکدنیس نے رات کی ٹھنڈک اپنے رگ وپے میں سرایت کرتے محسوس کی۔ اسی لمحے اس نے اپنے عقب میں کچھ حرکت سی سنی اور تیزی سے پلٹ گیا اس کے سامنے ایک نیزہ بردار کسی سنگی مجسمے کی مانند ایستادہ تھا۔ اس نے اپنی لالٹین اونچی اٹھا رکھی تھی۔ اس لالٹین کی روشنی میں صحن کی تنگ دیوار گویا اپنی ہیئت بدلے ہوئے دکھائی دے رہی تھی۔

اس دیوار کی سطح پر الفاظ یوں جگمگا رہے تھے گویا وہ فاسفورس سے لکھے گئے ہوں۔ یہ چار الفاظ تھے جو آرامی زبان میں لکھے گئے تھے۔ یا پھر یہ عبرانی زبان بھی ہو سکتی تھی۔ بنوکدنیس نے انہیں کافی آسانی سے پڑھ لیا۔ "تیری سلطنت کے دن گنے جا چکے ہیں!"

جب وہ صحن میں داخل ہوا تھا تو یہ چمکتے الفاظ اس دیوار پر موجود نہیں تھے۔ وہ انہیں گھورتا رہا یہاں تک کہ وہ آہستہ آہستہ معدوم ہو گئے۔ بنو کدنیس نے محافظ کے پریشان چہرے کی طرف دیکھا۔ یہ لحیم شحیم شخص ایک عموری تھا اور کسی حیوان کی طرح ان پڑھ اور جاہل تھا۔ اس لیے وہ ان حروف کے معنی مطلب کو نہ سمجھ سکتا تھا نہ انہیں پڑھ سکتا تھا۔ اس کے عقب میں ایک سایہ سا لہرایا اور غائب ہو گیا۔ بنوکدنیس پہچان گیا کہ وہ کوئی عورت تھی جو سر پر

پانی کا گھڑا رکھتے تیزی سے بھاگی چلی جا رہی تھی۔

پھر جب بنوزیدس بالآخر اپنی خواب گاہ میں پہنچا تو اس نے اونگھتے ہوئے غلاموں اور بربط بجانے والوں کو وہاں سے رخصت کر دیا۔ جن کے سازوں سے پھوٹنے والے نغمات اس کے تھکے ہوئے دماغ کو راحت پہنچاتے ہوتے اسے نیند کی آغوش میں پہنچا دیا کرتے تھے۔ وہ چمکتے ہوئے چاروں حروف اس کے خفتہ اندیشوں کو بیدار کر رہے تھے۔ ایک انجانے سے خوف نے اسے اپنی گرفت میں لے رکھا تھا اور اسے نیند نہ آرہی تھی اس کے خیالات ان آخری گھنٹوں کے دوران پیش آنے والے واقعات کی طرف بھٹک رہے تھے اور کسی ایسی آسمانی قوت کی پناہ لینے کی خواہش بڑی شدت سے اس کے دل میں موجزن تھی جو ایسی حالت میں کہ شمویا واقعی اسے دھوکہ دینے کی کوشش کرے، اس کی حفاظت و نگہبانی کر سکے۔

جب شدید تکان نے اس پر ہلکی سی نیند طاری کر دی تو اسے اپنے کان میں کوئی آواز یہ کہتی سنائی دی "تو اپنے وزیروں مشیروں کے ہجوم سے اکتا چکا ہے۔ اب نجومیوں، ستارہ دانوں، فال نکالنے والوں اور ماہ بہ ماہ پیش گوئیاں کرنے والوں سے کہہ کہ وہ کھڑے ہو جائیں اور تجھے ان آفات سے بچانے کی کوشش کریں جو عنقریب تجھ پر نازل ہونے والی ہیں"۔ بنوزیدس نے یہ آواز غور سے سننے کے لیے سر بلند کیا اور قیاس کیا کہ شاید یہ آواز نیچے صحن سے آرہی تھی "تجھے کوئی نہ بچا سکے گا"۔

بنوزیدس کو یہ اندازہ نہ ہو سکا کہ اس کے شدید ترین دشمن اس کے اپنے ہی خیالات تھے۔ اس کی سوچ اس طرف جا ہی نہ سکی۔

سنگ جراحت کی کھڑکیوں سے صبح کی سپیدی نمودار ہوئی اور اپنی شدید

تھکاوٹ اور اضمحلال کے عالم میں شاہ اپل کی صرف یہ خواہش تھی کہ وہ اندیشوں کے خوف سے نجات حاصل کرلے۔ جب اس کے ملازم سونے کے بڑے سے پیالے میں پانی لیے کمرے میں داخل ہوئے تو اس نے ان سے اپنے خواب کے بارے میں کچھ نہ کہا۔ اس نے عشتار کے خواب میں دکھائی دینے کا قطعاً ذکر نہ کیا بلکہ چلا کر بولا کہ وہ اسی دم اپنے محل سے سپار جانا چاہتا تھا تاکہ اپنے بیٹے کی فوج سے جا ملے۔

اس نے ریوت اور اپنے مشیروں سے بھی کہا کہ وہ اپنی افواج میں جا کر ان کا حوصلہ بلند رکھنا چاہتا تھا۔ اپنے طور اس کا خیال تھا کہ اگر بل شزر حملہ آوروں پر فتح یاب ہوا تو ایسی صورت میں فتح کا سہرا اس کے اپنے سر بندھے گا۔ اس خیال نے اسے بے حد سکون بخشا اور وہ اپنے چھت والے ہر طرف سے بند رتھ میں، جسے سفید خچر کھینچ رہے تھے، آرام سے اونگھنے لگا پھر جلد ہی عظیم مینار کی چوٹی رتھ کے میدان میں آ نکلنے کے بعد نگاہوں سے اوجھل ہو گئی۔

شمالی جانب سپار کی طرف سفر کرتے ہوئے بونیدس کو جو بات سب سے زیادہ یاد رہی وہ یہ تھی کہ اس نے دھوئیں کے مہیب بادل کو سورج کی طرف بڑھتے دیکھا تھا۔ دھوئیں کی چادر سے خوف و دہشت کی حکمرانی تھی۔ لوگ بھاری تعداد میں اپنے دیوتا شمس کے معبد کی جانب بھاگے جا رہے تھے۔ گلیاں اور بازار سب خوف زدہ مرد و زن اور بچوں سے بھرے ہوئے تھے جن کا رُخ شمس کے معبد کی طرف تھا۔ بونیدس کے مرجع رتھ پر نظر پڑتے، اور اس میں بونیدس کو عصائے شاہی اور انگوٹھی پہنے دیکھتے ہی وہ سب اس پر چیخنے چلانے لگے وہ اس سے مدد کے طلب گار ہو رہے تھے اور چیخ چلا کر اسے برا بھلا بھی کہہ

رہے تھے۔ ان کا خوف دبرا ن اپنے بادشاہ کے زرف سے بڑھا ہوا تھا۔

"ہمارے آباء کے خدا کو اس کی حقیقی جگہ پر واپس بھیج دے! توجس نے اسے اپنے معبد سے اٹھوا لیا ہے! دیکھو سورج غائب ہو چکا ہے اور ہمارا معبد ویران پڑا ہے!"

بونیدس کو یوں محسوس ہوا جیسے اسے کسی بھیانک خواب نے اپنی گرفت میں لے لیا ہو اور وہ بیدار نہ ہو سکتا ہو۔ بالکونیوں پر چڑھی ہوئی عورتیں بھی اسے دیکھتے چیخ چلا رہی تھیں "توجس نے غیر ملکیوں کو ہم پر مسلط کروا دیا ہے! اور ہمارے کھیتوں کو نہروں کے پانی سے محروم رکھنے کے لیے ہم پر مالیہ وصول کرنے والے مسلط کر دیے ہیں اور ہمارے معبد کو اس کے دیوتا سے محروم کر ڈالا ہے۔ اس آگ کو بجھا دے جو ہمارے کھیتوں کو جلا رہی ہے!" ساری کی آبادی شہر چھوڑ چھوڑ کر بھاگ رہی تھی۔ سامان سے لدے جانور اور چھکڑے گلیوں میں ہر جگہ دکھائی دے رہے تھے۔ ہر طرف افراتفری مچی ہوئی تھی اور کوئی بھی شہری آبادی کی نگرانی کرتا نہ دکھائی دے رہا تھا۔

وہاں سے چھوٹے بڑے حکام سب غائب ہو چکے تھے۔ یہ لوگ اور شہر کے امیر کبیر لوگ جن کے پاس بہترین ذرائع نقل و حمل موجود تھے۔ عام خوف زدہ آبادی سے پہلے ہی شہر سے فرار ہو چکے تھے۔

بونیدس نے جب بل شزر کے گھڑ سوار محافظوں کو دیکھا تو اسے کچھ حوصلہ ہوا۔ یہ خود والے نیزہ باز لوگوں کو ہٹاتے ہوئے اس کی طرف بڑھتے چلے آ رہے تھے۔ اس سلسلے میں وہ اپنی تلواروں اور چابکوں کا بھی بے دریغ استعمال کر رہے تھے۔ ان کے درمیان بل شزر کا رتھ اس کے رتھ کی طرف بڑھتا چلا آ رہا تھا۔ پھر جونہی دونوں رتھ پہلو بہ پہلو ہوئے بونیدس نے چلا کر اپنے بیٹے

سے کہا۔

"تم فصیل سے کیوں ہٹ آئے ہو؟"

بل شنزر کے جسم پر سونے کی بنی ہوئی ذرہ بکتر اور دوسرے ہتھیار سجے تھے۔ اس نے اپنے عصبائے شاہی تھامے اور انگوٹھی پہنے باپ کو تیز نظروں سے دیکھا "اس لیے کہ ایرانی وہاں آن پہنچے ہیں"۔ اس نے جواب دیا۔

بنونیدس کی سمجھ میں کچھ نہ آسکا۔ جنگ و جدل سے متعلق باتوں کو وہ دوسروں پر چھوڑ دینے کا عادی تھا۔

"کیا وہاں جنگ ہوئی تھی؟"

"بس اسے جنگ نہیں کہہ سکتا"۔ بل شنزر کا دھیان دھوئیں کی چادر میں گم سرحد کی طرف مڑ گیا۔ "ایک بھیڑیا نمودار ہوا تھا اور یہ مویشی بھاگ اٹھے"۔ اس نے اپنا بازو جھنجھلاتے ہجوم کی طرف لہرایا جسے اس کے محافظ پیچھے دھکیل رہے تھے۔ اپنے لہجے میں نفرت کا زہر بھرتے ہوئے اس نے اپنے باپ کو بتایا کہ کس طرح اس کی افواج اپنے سرداروں کی حکم عدولی کرتے ہوئے بھاگ کھڑی ہوئی تھیں اور ایرانی ان بھگوڑوں کا تعاقب کرتے، انہیں مارتے کاٹتے میدی فصیل تک آن پہنچے تھے۔ بل شنزر نے بیمار کی فصیل کے اندر موجود خوف زدہ لوگوں کے ہجوم پر کوئی خیال ضائع کرنے کی ضرورت محسوس نہ کی۔ اس کے نقطۂ نظر سے خوف زدہ سپاہی اب کسی کام کے نہ رہ گئے تھے۔ اس لیے ہی کہا۔

"ایگور بل اور تیمتی بل کے پیچھے جا کر میری قوت ایک نیا جنم لے گی"۔ اس نے اعلان کیا" وہاں رہتے ہوئے میں ایرانی کافروں کو اچھا سبق

دے سکوں گا۔" اس کی نظروں نے اپنے باپ کو ٹٹولا۔" اور آپ؟"

بنو بیدیس نے اپنے گاڑی بان کو حکم دیا کہ وہ مڑے اور اپنا رتھ سردار بل شزر کے رتھ کے عقب میں لگا دے۔ وہ سرحد پر اس وقت پہنچا تھا جب اس کی افواج کو شکست ہو چکی تھی اور شکست خوردہ سپاہیوں کو اس کی موجودگی کوئی فائدہ نہ دے سکتی تھی۔

جو مردوک کو خوش کرتا ہے

اس شام کھیتوں میں جلنے والی آگ بجھ گئی اور آسمان صاف ہو گیا۔ سورج نکلتے ہی سائرس کے قاصد گھوڑوں پر سوار سپار میں داخل ہوئے۔ وہ پکار پکار کر اپنے گھروں میں چھپے ہوئے لوگوں سے کہہ رہے تھے۔ "اے لوگو! اپنے گھروں سے باہر نکل آؤ۔ اپنے مویشیوں کو اکٹھا کر لو۔ انہیں پانی پلاؤ۔ اپنے خاندانوں کے کھانے پینے کا انتظام کر لو۔ گیر دار کا وقت گزر چکا ہے اور ہخامنشیوں کا امن و امان قائم ہو چکا ہے۔ یہ عظیم بادشاہ سائرس کا اعلان ہے!"

ان اعلانچیوں کے عقب میں بانسریاں بجانے والے اور بجیرے بجانے والے چلے آ رہے تھے۔ ان کے پیچھے سائرس سپار میں داخل ہو رہا تھا۔ اس وقت سورج آسمان پر پوری آب و تاب سے چمک رہا تھا۔ یوں اس نے سپار میں اپنا داخلہ ڈرامائی انداز کا بنایا۔ خوف زدہ شہریوں کی تمام نگاہیں اس پر جمی ہوئی تھیں۔ انہیں امید تھی کہ یہ کافر فاتح اب ان کے قتل عام کا حکم دے گا اور اپنے سپاہیوں کو شہریوں کی تباہی و بربادی کی کھلی اجازت دے دے گا۔ سائرس گھوڑے پر سوار شمس کے معبد کے سامنے جا کر رک گیا۔ جب اس نے اندر داخل ہو کر دیکھا کہ وہاں پوجنے

کے لیے کوئی دیوتا موجود نہیں تھا تو اس نے حیرت بھرے لہجے میں اس کی وجہ دریافت کی اور پوچھا کہ اس جگہ کا دیوتا آخر کہاں تھا۔

اس پر راب آلی یعنی شہر کے میئر نے شہر کے بزرگ آدمیوں کے ساتھ آگے بڑھ کر اطاعت گزاری کے طور پر اس کے حضور مٹی اور پانی سے بھرے ہوئے برتن پیش کیے اور اسے بتایا کہ بابلی ان کے دیوتا شمس کو ایک بیل گاڑی میں اپنے معبد سے اٹھوا کر لے گئے تھے اور اس سبب ان کے شہر پر ہمیشہ بڑے عذاب اور آفتیں نازل ہوتی رہتی تھیں۔ بارشیں ہونا بند ہو چکی تھیں اور زمین خشک ہو کر تڑخ چکی تھی۔ جو تھوڑی بہت جو اور جوار کی کاشت ہوتی تھی، یہ آدھے سے زیادہ پیداوار بابلی لے جاتے تھے۔ اب آخری پیداوار نذر آتش ہو چکی تھی۔ میئر نے فاتحین کے دلوں میں رحم و ہمدردی کے جذبات کو تحریک دینے کے لیے یہ بھی کہا کہ اب سپار کے شہری زندہ لاشوں کی مانند ہو چکے تھے اور اپنی قبروں میں پاؤں لٹکائے بیٹھے تھے۔

"یہ قانون ہے کہ زبردست زیردست کو کوئی نقصان نہ پہنچائے۔ میں سائرس جو قانون کی حکمرانی چاہتا ہوں، سمجھتا ہوں کہ تمہیں تکلیف دی گئی ہے کون اس کی شہادت دے گا؟"

اس صبح سائرس نے اپنا جواہرات اور موتی جڑا ہوا میدیوں کا بھاری سونے کا تاج سر پر سجایا تھا اور اشوری بادشاہوں جیسی ارغوانی رنگ کی جھالر دار قبا زیب تن کی تھی۔ اس کے پاس صرف ایک جواہرات سے مرصع خنجر تھا یا دگار خنجر، جو اس کی پیٹی سے بندھا لٹک رہا تھا۔ اس کے ہاتھ میں کوئی شاہانہ علامت نہ تھی۔ اس کے دونوں طرف اس کے تلوار بردار اور کمان بردار کھڑے تھے۔ اپنی سفید ہوتی ہوئی داڑھی، سورج سے سنولائے چہرے اور گہری بھوری آنکھوں کے ساتھ اس کا سراپا بڑا بارعب

اور پُروقار دکھائی دے۔ مرضی خداوندی تو وہ تھی ان کے زیرِ بحث رہی۔ اپنی شخصیت
کا اچھا تاثر چھوڑنا چاہتا تھا۔ وہ اپنی دانشمندی اور نیم و نزاکت کا مظاہرہ کرنا چاہتا
تھا کہ اس اہم شہر کی رعایا اس پر اعتماد کرنے کو تیار ہو جائے۔

جب سپار کے لوگوں نے یہ دیکھا کہ وہ واقعی ان کی باتیں سننے کو تیار تھا۔ اور
اس کا ارادہ ہرگز ان کے سرکردہ افراد کو اپنے نامعلوم خدا کے حضور قربان کرنے
کا نہ تھا تو وہ اور بھی زیادہ تعداد میں معبد کے دروازے پر جمع ہو گئے۔ وہ اس
پر آمادہ ہو چکے تھے کہ اسے بابلیوں کے جور و ستم کی کہانی سنائیں اور ان کے مظالم
کی شہادت دیں۔ انہیں لگتا تھا جیسے وہ ان کی شہادتیں سننے کے بعد ان کے ساتھ
ضرور انصاف کرے گا۔

" اب میرا فیصلہ یہ ہے " اس نے شہادتیں سن چکنے کے بعد کہا " کہ ایک نام
نہاد بادشاہ جو عظیم بنوکد نصر (بخت نصر) کا کوئی حقیقی وارث نہیں۔ محل بکاری
بن بیٹھا ہے اور اس نے اپنے بیٹے کو تم پر حکومت کرنے کی ایسی فوج کے ساتھ کھلا
چھوڑ دیا ہے جو ٹڈی دل کی طرح تمہاری ساری پیداوار کھا جاتی ہے۔ وہ تمہارا
معبود شمس اپنے معبد سے اٹھا کر بابل لے گیا ہے۔ یوں اس نے تمہارے مذہبی
معاملات میں مداخلت کی ہے۔ وہ صرف نام ہی کا حکمران ہے اب وہ تم لوگوں کو
جو نقصان پہنچا ہے اس کی تلافی کی جائے گی اور تمام ظلموں اور بے انصافیوں کا خاتمہ
کر دیا جائے گا۔ یہ میرا عظیم بادشاہ سائرس کا کہنا ہے "

اس وقت بھی جب سپار کے بڑے سائرس کے فیصلے پر خوش ہو رہے تھے
اور اپنے ہنخامنشی بادشاہ کی اطاعت قبول کرنے پر مطمئن دکھائی دے رہے تھے
ان کے دلوں میں یہ شک موجود تھا کہ آیا وہ اپنے قول کا پاس بھی کرے گا یا نہیں
نئے حکمران ہمیشہ اس طرح انصاف پسندی اور نقصانات کی تلافی کے دعوے اور وعدے

وعید کیا کرتے تھے ۔ بہت سالوں پہلے بخت نصر سے بعد اساگیلہ کے تخت پر بہت سے بادشاہ رونق افروز ہوئے تھے۔ خوف و دہشت کی فضائیں سپار والوں کے لیے بھی اطمینان بخش ثابت ہوتا رہا تھا کہ وہ کم از کم زندہ تو رہے تھے۔ ایسا ہی اطمینان انہیں اب بھی محسوس ہو رہا تھا کہ فاتح ایرانیوں نے سپار میں قتلِ عام اور غارتگری نہ شروع کر دی تھی ۔ اور فصیلوں کے اندر محفوظ غلّے کو نہ لوٹ لیا تھا۔ حقیقت یہ تھی کہ ایرانی سپاہیوں نے بھاگے ہوئے جانور اور لدے ہوئے چھکڑے بھی دوبارہ شہر میں واپس پہنچا دیے تھے ۔ انہوں نے شہر کے باہر اپنا پڑاؤ ڈالا تھا ۔

اگلے دن سپار والوں نے دیکھا کہ فصیلوں کے باہر ایرانی پڑاؤ اجڑ چکا تھا۔ سپار اور دریاؤں کے درمیان کھڑی دیوار نے کوئی جنگ ہوتے نہ دیکھی ۔

سائرس بابل کی طرف بڑھا چلا جا رہا تھا ۔

پہاڑ دن پر ایرانی لشکر کا وہ دستہ نمودار ہوا جس کی قیادت اس کا بیٹا کمبی سس کر رہا تھا ۔ جو بالکل تازہ دم تھا ۔ اور ہرگز تھکا ہوا یا بے آرام نہ دکھائی دیتا تھا ۔ گوبارو عیلامی جتھوں کی قیادت کر رہا تھا ۔ وہ فراک نما لباس پہنے ہوئے تھے ۔ انہوں نے اپنی چمڑے کی چنٹوں والی ڈھالیں اور نیزے سنبھال رکھے تھے اور بڑی تیزی سے مارچ کر رہے تھے ۔ دجلہ کے سرچشمہ و آب کی طرف سے آرامی بھی نیچے اتر آئے ۔ ان کے منقش خود اور لوہے کی ڈھالیں دھوپ میں چمک رہی تھیں ۔ سائرس کے ہمراہ مشرق کے گھڑ سوار یعنی ہیرکانی ، پارتھی سغدی اور باختری بڑھے چلے آ رہے تھے ۔ پیلے بالوں والے میدی سرتاپا لوہے میں ڈوبے دریائے فرات کے چوڑے میدان میں جسے سرما کی خشک سالی نے خاصا سکیڑ دیا تھا ، بھرے ہوئے تھے ۔ ناقابلِ انتقال ہزار سوار جواب بڑھ

کر پانچ ہزار ہو گئے تھے۔ اپنے نیزے اور کمانیں سنبھالے گھوڑوں پر بیٹھے دائرے کی صورت میں بڑھ رہے تھے۔ جب سب اکٹھے ہو گئے تو ہزاریات یعنی کماندار نے رپورٹ دی کہ کل فوج کی تعداد ساٹھ ہزار تھی اور یہ ہر قسم کی آزمائش میں پوری اترنے کے لیے تیار تھی اور ہر روک ہر حد کو اپنے قدموں تلے پامال کر ڈالنے کی ہمت رکھتی تھی۔

یہ سنتے ہی بوڑھے گوبارو نے اپنی آنکھیں بند کر لیں اور اپنے استخوانی ہاتھ بلند کیے "کیا تمہارے سوار یہ صلاحیت رکھتے ہیں کہ وہ سیمبہ بلائی دیواروں کے پشتوں سے گزر جائیں جو موٹائی میں بیس کیوبٹ ہیں اور کیا ان میں اتنی طاقت موجود ہے کہ اپنے تیران دیواروں کی چوٹیوں سے اوپر نک چھوڑ سکیں جن کی بلندی ساٹھ ساٹھ کیوبٹ ہے۔ میں تمہیں بتاتا ہوں کہ بابلیوں نے ایگوریل اور نیمتی بل جیسی فصیلیں تمہارے جیسی فوجوں کے خلاف ہی بلند کی ہوئی ہیں۔ تمہاری ہمت و جرأت تمہیں ایسے پر ہرگز عطا نہ کرے گی کہ تم اڑتے ہوئے ان پشتوں کو عبور کر جاؤ۔ اور نہ تمہاری مہارت ان کی بنیادوں کو کھودنے میں تمہارے کسی کام آسکے گی۔ یہ بنیادیں تو پاتال تک چلی گئی ہیں۔ میں یہ سب کچھ جانتا ہوں۔ اس لیے کہ میں نے اپنی جوانی میں بخت نصر کے ہندسوں کی یہ فصیلیں تعمیر کرنے میں مدد کی تھی یہ فصیلیں کبھی گرائی نہیں جا سکتیں۔"

"بھرے باپ۔ تم اندر کیونکر داخل ہو سکو گے؟" سائرس نے تیزی سے سوال کیا۔

تمام سرکردہ لوگ دریا کے کنارے بچھائے گئے ایک قالین پر بیٹھ گئے۔ گوبارو بہت خوف زدہ دکھائی دے رہا تھا۔ اسے طرح طرح کے وہم ستا رہے تھے۔ اس نے غور کیا تھا کہ سائرس ہخامنشی باختریا کی آگ سے واپس لوٹنے کے

بعد بہت کچھ بدل چکا تھا۔ وہ اب اپنے سترابوں اور کمانداروں سے صلاح مشورہ کرنے کی کوئی ضرورت نہ محسوس کرتا تھا۔ اس کی بے صبری اب بہت بڑھ چکی تھی اور وہ کسی ان دیکھی قوت سے راہنمائی طلب کرتا دکھائی دیتا تھا۔ شاید یہ اس کا ذراداشی تھا۔ اپنے فراواشی کی راہنمائی کے آگے وہ اپنے ساتھیوں کی عقل و فہم پر ہرگز بھروسہ کرتا نہ دکھائی دیتا تھا۔ اب اس نے اپنے تمام سالاروں اور مشیروں کو بلوا لیا تھا اور انہیں جلد از جلد کوئی تدبیر سوچ نکالنے کا حکم دیا تھا۔ وہ اسی طرح تھوڑے ہی وقت میں بڑے بڑے کام کروا لینے کا عادی ہوتا جا رہا تھا۔ اس نے ایک سوداگر کے بھیس میں بابل کے دروازے سے اندر شہر میں داخل ہو کر بڑا خطرہ مول لیا تھا اور اس کے دشمن اسے پہچان بھی گئے تھے۔

گوبارو اتنا زیرک و دانا ضرور تھا کہ وہ ہخامنشی فاتح سے بحث وتمحیص سے ہمیشہ اجتناب برتا کرتا تھا۔ اس مرتبہ بھی اس نے چالاکی کی آڑ میں پناہ لی: "تمہارا باپ ہر فر تمہیں کیوں نہ بتائے کہ تم نے کیا دیکھا ہے۔ کیا بابل کی فصیلوں کی ناقابل شکست قوت؟ میں کہتا ہوں۔ واپس لوٹ چلو۔ بابلی کسی حملے سے نہیں ڈرتے۔ لیکن وہ اپنے خداؤں سے ضرور ڈرتے ہیں۔ ان کا یہ خوف ابھارو اور انہیں بتاؤ کہ تم مردوک کی خدمت کے لیے بھیجے گئے ہو۔ جو خداؤں کا خدا ہے۔ اساگیلہ کے مذہبی راہنما بونیدس کی سازشوں سے تنگ آئے ہوئے ہیں۔ اعلان کر دو کہ تم سب سے بڑے خدا مردوک کی پہلے سی عزت و توقیر بحال کرنے آئے ہو۔ یہ بابلیوں کے ذہنوں میں کھلبلی مچانے والی بات ہوگی اور پھر۔"

"اس کا کوئی فائدہ نہیں" سائرس چلایا "کسی وقت یا وقت کے بعد کچھ کہنا۔ وقت اب ہے اور میں اسے استعمال کرنے لگا ہوں" وہ کمبی سس کی طرف مڑ گیا اور اس سے کچھ کہنے کو کہا۔

کمبی سس نے فوراً ہی اپنی بات کہہ ڈالی اور بغیر کسی ہچکچاہٹ کے کہہ ڈالی جس سے یہ ثابت ہوتا تھا کہ اس نے اپنا منصوبہ پہلے ہی سے تیار کر رکھا تھا۔ اس نے مسئلے میں یونانیوں کی منطق بھی ملا دی تھی۔ یہ تسلیم کرتے ہوئے کہ مروک کے شہر کو حملے کے ذریعے زیر کرنا مشکل تھا اور اس کا محاصرہ بھی نہ کیا جا سکتا تھا۔ فصیلیں اتنی دور دور تک پھیلی ہوتی تھیں کہ انہیں گھیرے میں لینا مشکل تھا اور ان فصیلوں سے باہر کا علاقہ ویران اور اجاڑ سا تھا۔ اس لیے کوئی فوج وہاں زیادہ عرصہ تک قیام نہ کر سکتی تھی۔ اسی لیے انہیں چاہیئے کہ وہ اس میدان سے ہٹ جائیں اور زمین کی روئید گی کو آگ لگا دیں اور اپنا رُخ فرعون کے نیل کی زرخیز سرزمینوں کی طرف موڑ لیں۔ بابلیوں کو جب کھانے کو کچھ نہ ملے گا تو خود بخود ان کے ہوش ٹھکانے آ جائیں گے اور وہ اطاعت قبول کر لیں گے۔

سائرس کے چہرے پر ایک سایہ سا لہرا گیا "میرے بیٹے۔ تم ایک اچھے کماندار ہو" وہ سنجیدگی سے کہنے لگا "لیکن بحیثیت حکمران تم اتنے لائق اور قابل ثابت نہ ہو سکو گے۔ میں نے اس سرزمین کے لوگوں کو ہخامنیشوں کا امن وامان عطا کرنے کا وعدہ دیا ہے۔ کیا میں اپنا وعدہ توڑ دوں؟ کیا میں اسے جلا دوں، تباہ کر دوں، جو کچھ اب میرا ہے۔ یہ عظیم میدان اب ہمارا ہے میرے بیٹے۔ صرف شہر ہی ہے جو ہمارے خلاف مسلح مدافعت پر تیار کھڑا ہے۔

" پھر تم میرے شہر شوشان آ جاؤ۔ گوبار و نے تیزی سے مداخلت کی " وہاں سردیوں کے لیے اپنا پڑاؤ جما لو۔ اپنی افواج کو سستانے اور آرام کرنے کا موقع دو اور بابلیوں کو ان کے حال پر چھوڑ دو۔ شہریوں کے پاس بھاری سامانِ رسد موجود ہو گا لیکن دیہاتوں میں بسنے والوں کے پاس نہیں۔ جب دیہاتی بھوک

سے بے تاب ہو کر لوٹ مار کرنے لگیں گے اور آمادۂ بغاوت ہو جائیں گے تو تمہارے لیے موقع ہو گا کہ ایک دم ان پر ٹوٹ پڑو۔ اگر تمہیں یہ بات منظور ہو تو۔"

"فصلوں کی کٹائی کا جشن تو اب منایا جانا ہے۔ وہ دن بعد پھر سارے بابلی میری حفاظت میں آرام سے اپنے گھروں میں رہیں گے۔ یہ کرنا ٹھیک رہے گا۔"

اس کے ساتھی اس کی باتیں سن کر خاموش ہو گئے۔ وہ یہ سمجھ رہے تھے۔ کہ شاید پاگل پن کا کوئی بھوت اس کے وجود میں حلول کر گیا ہے اور اس کی بدولت اس کا دماغ متاثر ہو گیا ہے جو یہ ایسی اکھڑی اکھڑی باتیں کر رہا ہے ان کی خاموشی کو محسوس کرتے ہوئے سائرس نے ان کی طرف دیکھا اور کہا۔" ایک دیوتا نے پیغمبر۔ زرتشت نے ایک مرتبہ کہا تھا۔ کیا میدیوں، ایرانیوں اور بابلیوں کا عظیم بادشاہ وہ کام پورا کرنے میں ناکام رہے گا جس کو زرتشت نے شروع کیا تھا؟"

گوبارو نے گہری سانس لی " لیکن بابل وادی باختر یا سے بالکل مختلف ہے "

لیکن سائرس کو اس کے خیالات نے حوصلہ دے رکھا تھا " میں نے اس وادی میں داخل ہونے کا راستہ تلاش کر لیا تھا۔ ہر چند کہ اس وقت برف و باد کے شدید طوفان ہماری پیش قدمی میں مزاحم ہو رہے تھے۔ وادیٔ باختر یا میں داخل ہونے سے اس قلعہ بند شہر میں داخل ہونا زیادہ آسان ہے۔ ایک یہودی شہری، ایک طائف اور ایک اینٹیں بنانے والے نے مجھے شہر میں داخلے کا راستہ دکھایا تھا "

" جنگ کے ذریعے ؟ "

" بغیر کسی جنگ وجدل کے۔ بغیر کسی ہنگامہ آرائی اور گیرو دار کے "

" ایسا بھلا کیونکر ممکن ہے ؟ " گوبارو اپنا اضطراب چھپاتے ہوئے بولا۔

سائرس ایک بار پھر مسرت سے ہنسا "اگر تم اساگیلہ کی قلعہ بندیوں میں داخل ہو سکتے ہو تو کیا تم بابل کی فصیلوں میں نہیں داخل ہو سکتے ؟"

ایک بار پھر اس کے ساتھی خاموش ہو گئے۔ سائرس پھر غور و فکر میں ڈوب گیا "ایسا کرنا بالکل سیدھا سادا اور آسان سا ہے۔ البتہ اس کے بعد بڑی مشکلات ضرور پیش آئیں گی۔ بعد کا کام خاصا مشکل ثابت ہو گا" اس نے سفید بالوں والے وجیہہ گوبارو کو نظر بھر کر دیکھا "اے باپ۔ اب مجھے دکھائی دے گیا ہے کہ کیا کرنا چاہیئے۔ سب سے پہلے تمہیں ہی اندر داخل ہونا چاہیئے تم ان فصیلوں کو اچھی طرح جانتے ہو اور شہر کے چپے چپے سے بھی اچھی طرح واقف ہو"

لگتا تھا گویا سائرس مذاق کر رہا ہو۔ مگر گوبارو مسکرایا "اپنی جوانی کے دنوں میں یہ کام مجھے اتنا مشکل نہ معلوم ہوتا۔ اب میں ستر سال کا ہو چکا ہوں۔ سائرس۔ اور مجھ میں اتنا دم خم نہیں کہ کسی حملہ آور دستے کی قیادت کر سکوں۔"

" لیکن تمہارے پاس ایک متاثر کن پہلو اور سمجھ بوجھ تو ہے۔" سائرس اپنی جگہ سے اٹھ گیا اور اپنے بازو پھیلا دیئے "یہ یقین کر لو کہ وہ راستہ تمہارے لیے تیار ہی ہو گا"

پھر اس نے اپنے سرداروں کو بلوایا۔ سائنس دان اور پیغامبر بھی کام شروع کرنے کے لیے بلوائے گئے۔ تاریکی کی ساعتوں میں ہی اس نے اپنا کام شروع کر دیا۔ اطلاعچیوں کو ایک اعلان دے کر سدا اور بابل کی بڑی سڑک کے کناروں پر بکھرے ہوئے دیہاتوں کی طرف جانے کا حکم دیا گیا "مردوک، خداؤں کے خدا نے عظیم بادشاہ سائرس کو جس نے اسے خوش کیا ہے۔ اپنا محبوب

بند چن لیا ہے۔ اس نے سائرس کرا ں کا نام لے کر پکارا ہے۔ اور اپنی خصوصی خدمت کے لیے اپنے ساتھ رکھ لیا ہے۔ مردوک سائرس کے ساتھ ساتھ چلتا ہے۔ مردوک نے سائرس کے ہاتھ تھام رکھے ہیں۔ یہ باتیں ہوش دگرش کے ساتھ سن لو اور انتظار کرو کہ سائرس کب ظہور کرتا ہے؟"

جب اعلانچی اپنے گھوڑے دوڑاتے ہوئے پڑاؤ سے جانے لگے تو ہر کانی محافظوں کے دو دستے بھی ان کے پیچھے پیچھے درمیانی رفتار سے چل پڑے۔ پھر گوبارو اپنے اعلیٰ سپاہیوں کے ساتھ جنوب کی طرف چل پڑا۔ اس کے ہمراہ بانسریاں اور بجیرے بجانے والے بھی تھے۔ سائرس البتہ انجینئروں کے ساتھ دریائے فرات سے کھجوروں وغیرہ کے باغات کی طرف نکالی گئی نہروں کے معائنے کے لیے چل پڑا۔ انہوں نے ایک پرانے حزینۂ آب کے گرد چکر لگایا جو بڑی نیچائی پر واقع تھا اور اس وقت اس کی دلدلی سطح پر لمبی لمبی گھاس اور دیگر جھاڑ جھنکاڑ اگا ہوا تھا۔ نہروں پر بیگار بھگتنے والے یہودیوں نے انہیں بتایا کہ اس تالاب کو سارگون اول یا عظیم ملکہ سمیرامس نے قدیم زمانوں میں تعمیر کروایا تھا۔ انہوں نے انہیں یہ بھی بتایا کہ وہاں سے کھودی جانے والی مٹی کنارے پر ڈھیر کر دی گئی تھی اور مٹی کے پشتے بن کر پتھر جیسے بن گئے تھے۔ یہ تالاب خشک سالی کے ایام میں چڑھتے دریا کا پانی ذخیرہ کرنے کی غرض سے تعمیر کیا گیا تھا۔ مگر بعد میں اس منصوبے کو بے کار سمجھ کر ترک کر دیا گیا تھا۔

ان یہودی غلاموں سے تھوڑی دیر تک باتیں کرنے کے بعد سائرس نے ان کے کام چھڑوا کر انہیں ساتھ لیا۔ اور تالاب کا اچھی طرح معائنہ کرنے کے بعد حکم دیا کہ فوج کے پڑاؤ سے چھکڑے اس جگہ لائے جائیں اس کے بعد اس نے ان یہودیوں اور اپنے سپاہیوں کو حکم دیا کہ وہ پشتے کے پتھر توڑ دیں۔ یہ پتھر پشتے

کے بہت اندر تک دریا کی تہہ میں اترتے چلے گئے تھے ۔ ساتھ ہی دریا سے تالاب کی طرف جانے والی نہر بھی دوبارہ کھود لی گئی۔ پشتہ توڑا جاتا رہا اور دریا کا پانی نہر میں سے گزرتا ہوا تالاب کی طرف جاتا رہا۔ یہاں تک کہ وہ تالاب اور اس میں سے نکلنے والی تمام نہریں پانی سے بھر گئیں اور ان کے نیچے دریائے فرات کی سطح آہستہ آہستہ نیچی ہوتی گئی ۔

درنادیدہ

اگلے دن غروبِ آفتاب کے وقت اساگیلہ کے محل میں ڈیوٹی پر حاضر کاتبوں نے مٹی کی تختیوں پر تحریر کیا کہ فصلوں کی کٹائی کا جشن شاہ بنونیدس کے حکم سے تمشزی کے مہینے کی تیرہ تاریخ کو منایا جائے گا۔ بنونیدس نے اس وقت جواہرات جڑا لبادہ پہن رکھا تھا۔ اس نے کاتبوں کی ان تختیوں پر تحریر شدہ اعلان پر دستخط کیے۔ اور عبادت کے لیے وہاں سے رخصت ہو گیا۔

کاتبوں نے اپنی بالکونی سے یہ حقیقت بھی ریکارڈ کی کہ دریائے فرات سے آنے والی رود بار میں پانی کی سطح نیچی ہوتی چلی جا رہی ہے۔ انہوں نے اس واقعہ کو اپنی آنکھوں سے اپنے خاص طریقے سے دیکھا تھا۔ اس طرح کرنے ہر سے محل میں کاتبوں نے اپنی اہمیت میں اضافہ کر لیا۔ اور اپنی رشوتوں کا ریٹ بھی بڑھا دیا۔ کیونکہ کسی ریکارڈ کا مطالبہ کرنے کے لیے ہر خاص و عام کو ان کی طرف رجوع کرنا پڑتا تھا۔

چراغوں کے جلنے کے وقت، جب جشن کا وقت شروع ہوتا تھا۔ شہر کے تمام پھاٹک بند کر دیے گئے۔ اور اجنبیوں کا داخلہ بند کر دیا گیا۔ بل شہزر نے اپنے رتھ میں سوار ہو کر ایگور بل کے اوپر چکر لگایا۔ اس کی فوج فصیلوں کے ساتھ ساتھ بنی ہوئی برجوں میں بالکل

تازہ دم اور تیار بیٹھی تھی۔ منڈیروں پر ہر قسم کا سامانِ حرب موجود تھا۔ نیزے اور تیر برسانے والے اور پتھر پھینکنے والے بھی تیار بیٹھے تھے۔ تیل کی دیگیں جلتے چولہوں پر چڑھی تھیں۔ کسی بھی خطرے کا اعلان ہوتے ہی سپاہی رتھوں میں سوار ہو کر تیزی سے مقامِ خطرہ کی طرف جا سکتے تھے۔ بلند میناروں پر چڑھتے ہوئے نگرانوں نے اطلاع دی تھی کہ میدان میں دور دور تک کسی بھی خطرے کی علامات موجود نہ تھیں۔ ریوت کے جاسوسوں نے بتایا تھا کہ ایرانی ہنوز سمیر اُس کے پرانے تلاب کے پاس پڑاؤ ڈالے ہوئے تھے۔ اور ناچنے گانے اور اپنا کوئی مذہبی تہوار منانے میں مصروف تھے۔

محل کے رصدگاہ کے مینار پر عشتار کا ستارہ طلوع ہونے کے بعد کلدانی ستارہ شناسوں نے آسمان پر اس رات کے لیے کوئی اہم شگون دریافت کرنے کے لیے اپنی جگہیں سنبھال لی تھیں۔ اپنا معائنہ ختم کرنے کے بعد بل شزر دریا کی ڈھلوان پر اتر آیا۔ اور خندق میں آہستہ روی سے بہنے والے پانی کو متجسس نظروں سے دیکھنے لگا۔ پھر تیزی سے اس ایوان کی طرف بڑھ گیا جہاں لڑکیاں بربط اور تیز شرابیں لیے اس کی منتظر تھیں۔ اساگیلہ کے اندرونی پشتے کے گرد محافظوں کی تبدیلی عمل میں آ چکی تھی۔ بل شزر ہر طرح سے مطمئن ہو کر مصالحے دار گوشت اور تیز شرابوں سے سجی ہوئی میز کے پاس جا کر بیٹھ گیا۔ معبد کے صحن میں جلتی روشنیوں میں مٹھائی فروش اپنے تھیلوں میں مقدس روٹیاں سجائے انہیں فروخت کر رہے تھے۔ اساگیلہ میں ہر چہار سمت سے موسیقی پھوٹ رہی تھی اور رات بھر کے لیے روشنیاں کی گئی تھیں۔

بابل اپنے شہریوں کے لحاظ سے مختلف حصوں میں تقسیم تھا۔ امیر کبیر خاندان اپنے باغات ڈھونڈ رہے تھے۔ تاجر اور ہنرمند روشن گلیوں میں گھوم رہے تھے۔ کبار کے فقراء دریا کی ڈھلوانوں میں اتر رہے تھے۔ وہاں ایک نیچی سی پتھر کی سیلابی دیوار کے قریب پہنچ کر وہ تاریکی میں صبر و سکون سے انتظار کرنے لگے۔ ان میں جو یہودی تھے۔ وہ اپنے

معمول کے مطابق خاموشی سے دعائیں مانگنے لگے۔ اب تک دریا کی سطح بے حد نیچے تک جا چکی تھی اور اس کی تہہ میں پڑے ہوئے پتھر دکھائی دینے لگے تھے۔

چونکہ تمام بلند جگہوں پر خوب روشنیاں ہو رہی تھیں۔ اور وہاں لوگ ضیافتیں اڑانے کے لیے جمع تھے۔ اس لیے ناخواندہ مہمانوں پر کسی نظر نہ پڑی۔ وہ فصیل میں دریا کے اوپر بنی ہوئی محراب کے راستے گھٹنوں تک پانی میں چلتے ہوئے اندر داخل ہو گئے۔ جب وہ کناروں کی ڈھلوانیں چڑھ کر اوپر آ گئے تو کبار کے خانہ بدوشوں نے لکڑی کے بھاری بھرکم رکاوٹی دروازے کھول دیے۔ اور ان سے سرگوشیاں کرنے اور اشاروں سے انہیں کچھ بتانے لگے۔ ان اجنبیوں نے کوئی آواز بلند نہ کی۔ اور نرم چمڑے کے بوٹ پہنے آگے ہی آگے بڑھتے رہے۔ ان کی تلواریں، ہاتھوں کی کلہاڑیاں اور نیزے سب ان کے سیاہ لبادوں میں چھپے ہوئے تھے۔ یہ ہیرکانی اور پارتھی اپنے سرداروں کی راہنمائی میں اساگیلہ کی طرف بڑھتے رہے۔ بہانگوں پر متعین محافظوں نے ان اجنبیوں کو اس مقدس محل میں داخلے سے روکنے کے لیے کچھ نیزہ بازی کی۔ مگر جلد ہی وہ مغلوب ہو گئے۔ حملہ آوروں نے انہیں پکڑ کر بے بس کر دیا۔ اور داخل ہو گئے۔ اندر داخل ہوتے ہی وہ ادھر ادھر بکھر گئے۔ ان میں سے کچھ پہرے داروں کی روشنیوں سے منور ستونوں کی طرف بڑھ گئے۔ اور کچھ عظیم مینار کی بیرونی سیڑھیاں چڑھتے ہوئے اوپر جانے لگے۔

وسیع و عریض صحن میں عظیم مینار مناروں کی طرف سر اٹھائے کھڑا تھا۔ جشن کی اس رات کوئی آدمی اس کی چوٹی پر موجود نہ تھا۔ درعشتار کے دوہرے میناروں پر موجود نگران رات کے اس پہر شمالی سمت نظریں جمائے ہوئے تھے۔ خندق سے پرے مشعل برداروں کا ایک جلوس بابل کی طرف پیش قدمی کرتا تھا۔ زرق برق کپڑے پہنے ہوئے گھڑسوار ایک کرسی اٹھائے ہوتے تھے۔ جس پر سونے میں ڈوبا کوئی شخص بیٹھا تھا اس نے سنہرے کپڑے پہن رکھے تھے۔ میناروں کے نگران یہ جانتے

سے قاصر تھے کہ آیا کرسی نشین کوئی انسان تھا یا پھر یہ کسی دیوتا کا مجسمہ تھا۔ اس کے عقب میں بانسریاں اور بجیرے بجانے والے چلے آ رہے تھے۔ جب ہوا میں کچھ تیزی پیدا ہوئی۔ ان کے گانے کی اور موسیقی کی آواز بھی نگرانوں کو صاف سنائی دینے لگی۔ نگرانوں نے اس جلوس کی خبر اپنے افسروں کو دی۔ جو یہ خبر محل کے ایوان ضیافت میں بل شنزر کو پہنچانے چلے گئے۔

وہاں بابلی ہنرمندوں کے سونے چاندی، کانسی، پتھر اور لکڑی کے بنائے ہوئے منفرد دیوتاؤں کے مجسموں کے پیچھے سرخ رنگ کے کشیدہ کاری کیے ہوئے پردے سرسرا رہے تھے۔ یہ دیوتاؤں کے مجسمے خوشبوؤں کے بخارات کے پردے سے بادشاہ کے چہرے کٹ پر دراز بل شنزر کو دیکھ رہے تھے۔ جو نبوندس پونکہ اس جگہ نمودار ہوا تھا۔ اس لیے بل شنزر پہرے تھا۔ سے اس کے چہرے کٹ پر لیٹا تھا۔ اس نے وہاں لیٹے لیٹے نگرانوں کی دی ہوئی رپورٹ سنی۔ اور اسے درخور اعتنا نہ سمجھا کیونکہ اس رات شہر میں بے شمار مشعل بردار جلوس نکل رہے تھے۔ اور یہ جلوس جو تھا۔ یہ تو شکا ہی دیر عشار میں دا ہو کتا تھا۔

اس رات بہار یاد رجگوبل شنزر کو یہ خیال سوجھا کہ اسے ان سونے چاندی کے برتنوں میں شراب پینی چاہیے۔ جو فاتح اعظم بخت نصر یروشلم کے ہیکل سے اٹھا لایا تھا اس نے حکم دے کر وہ برتن اس کمرے میں منگوائے اور انہیں اپنی بیگمات اور ان خواتین کے حوالے کر دیا جو دربار کے امیروں، وزیروں کی خدمت کیا کرتی تھیں۔ اور جو اس وقت ایوان میں موجود تھیں۔ اور انہیں حکم دیا کہ وہ اسے ان برتنوں میں شراب لا کر پلائیں وہ عورتیں ان برتنوں میں اسے شراب لا لا کر پلانے لگیں۔ اور خود بھی پینے لگیں جلد ہی سارا ایوان ہنسی قہقہوں کی آوازوں سے گونجنے لگا۔ انہوں نے سات شاخے شمعدان میں موم بتیاں روشن کیں۔ اور اسے بل شنزر کے قریب دیوار کے ساتھ لاکر

رکھ دیا۔ اس حرکت کو ان بوڑھے یہودیوں نے بھی دیکھا جو محل کے باغات میں بیگار بھگتا کرتے تھے۔ اور مالیوں باغبانوں کا کام کرتے تھے۔ انہوں نے یہ سب نظارہ سیب کے درخت کے جھنڈ میں جھاڑیوں کے عقب میں رہتے ہوئے دیکھا تھا۔ اس جگہ سے روشن ایوان کا تمام نظارہ صاف دکھائی دیتا تھا۔

اسی ہی وقت انہوں نے کسی آدمی کے ہاتھ کی انگلیوں کو سات شانے شمعدان کے اوپر پردے کے پیچھے نمودار ہوتے دیکھا۔ اس ہاتھ نے سفید چونے کے پتھر کی بنی ہوئی دیوار پر کچھ الفاظ لکھے۔

بل شزر نے اس ہاتھ کی حرکت کو دیکھ لیا۔ وہ مڑ کر دیوار پر لکھے الفاظ کو گھورنے لگا۔ اس کے چہرے کی رنگت متغیر ہوگئی۔ پھر ان یہودی غلاموں نے اسے ان الفاظ کے معنی مطلب بتانے کا مطالبہ کرتے ہوئے سنا۔ اس کے ساتھی وہ الفاظ پڑھنے سے قاصر رہے۔ اور عورتیں بھی اس عجیب و غریب تحریر کو نہ پڑھ سکیں۔ اس پر بے صبر ہے بل شزر نے کلدانی علماء کو بلایا۔ جب کلدانی ستارہ شناس، ہیئت دان اور تقدیر کے بھید جاننے والے اس ایوان میں پہنچے تو بل شزر نے انہیں حکم دیا کہ وہ اسے ان الفاظ کے معنی مطلب بتائیں۔ اس وقت رات اپنے آخری پہر سے گذر رہی تھی۔ بل شزر شراب کے نشے میں مخمور کچھ لاپروا اور کچھ طیش کے عالم میں دکھائی دے رہا تھا۔ اس نے پہلے تو اس پیغام پڑھنے والے کو سرخ خلعت سے نوازنے کا اعلان کیا۔ پھر اس نے بلند عہدے کی سونے کی زنجیر دینے کا وعدہ کیا۔ پھر اعلان کیا کہ وہ اس پیغام کو پڑھنے والے کو اپنے ساتھ شریک حکومت کرے گا۔ یعنی بابل کا تیسرا بادشاہ بنا دے گا۔ کلدانی علماء اسے اس سے زیادہ نہ بتا سکے کہ وہ پیغام عبرانی زبان میں لکھا گیا تھا۔

یہ بل شزر کی بیوی تھی جس نے یہ تجویز پیش کی کہ وہ پیغام پڑھنے کے لیے انہیں

کسی یہودی کو دہاں بلوانا چاہیے۔ چنانچہ تھوڑی دیر بعد دیکھنے والوں نے ایک یہودی کو ایوان میں داخل ہوتے دیکھا۔ اس وقت تک عیش طرب میں مشغول لوگوں نے اپنا شور وغوغا بند کر دیا تھا۔ اور ایوان میں مکمل خاموشی چھا چکی تھی۔ بل شنزر نے اسے حکم دیا کہ وہ اس کے چھپر کٹ کے عقب میں دیوار پر لکھی ہوئی تحریر پڑھ کر سنائے۔ کیا اس کا اس سے کوئی تعلق تھا؟

نوجوان یہودی غلام نے جواب دیا کہ ہاں یہ خدا نے تیری سلطنت کے دن گن لیے ہیں اور اسے ختم کر دیا ہے" اس نے مزید وضاحت کی "تمہیں تولا گیا تھا۔ مگر تم کم نکلے" اس نے مزید کہا "تیری سلطنت تقسیم ہو چکی ہے۔ اس کے ٹکڑے ٹکڑے ہو چکے ہیں۔ اور اسے میدیوں اور ایرانیوں کو دے دیا گیا ہے۔

ایوان میں مرگ کا سا سکوت چھا گیا۔ سب لوگ بل شنزر کی طرف دیکھ رہے تھے۔ جیسے ابھی میدیوں نے اور ایرانیوں نے شمالی فصیل سے مار بھگایا تھا۔ ان کی گھورتی نگاہوں کے سامنے بل شنزر چھپر کٹ سے اٹھا اور اس نے حکم دیا کہ اس یہودی کو سرخ خلعت اور سونے کی زنجیر عطا کی جائیں۔

اور اسی عرصہ میں باغ میں پوشیدہ یہودی مالیول نے بونیدس کے بیٹے کا قتل ہوتے ہوئے بھی دیکھا۔ یہ اس وقت ہوا جب ایوان کے باہر متعین پہریدار دوڑتے ہوئے ایوان میں داخل ہوئے اور یہ اطلاع دی کہ نامعلوم دشمن باہر صحن میں گھس آئے تھے۔ بل شنزر نے اس کا یقین نہ کیا۔ دیوار پر لکھی تحریر نے اسے آتش زیر پا کر رکھا تھا۔ اس نے پاس پڑا ہتھیار سنبھالا اور اپنے افسروں کو ساتھ لیے بغیر دوڑتا ہوا ہال سے باہر نکل گیا۔ اس کے افسر اس کے پیچھے جانے کے لیے عورتوں میں راستہ بناتے اور دھکم پیل کرنے لگے۔

پس بل شنزر اور اس کے ساتھی نیم مسلح حالت میں صحن کی تاریکی میں نکل

اور رسوا ہوا کرتا تھا۔ اب جو بل شزر کے قتل کی خبر عام ہوئی تو وزرا تے اعلیٰ نے شارع مردوک پر واقع اپنے محلات میں آپ کو بند کر لیا۔ اور آئندہ واقعات کے ظہور پذیر ہونے کا انتظار کرنے لگے۔ بیرونی فصیلوں پر موجود گیریزن کے کمانداروں کو کوئی بھی حکم دینے والا موجود نہ تھا جس کے سپاہی یا تو پڑے سو رہے تھے۔ یا شدید شش و پنج کے عالم میں حملہ آوروں کو اندر بڑھتے دیکھ رہے تھے۔ شہر کے اکثر حصوں میں لوگ اس افراتفری اور گردوار کے عالم میں بھی پڑے خوابِ خرگوش کے مزے لے رہے تھے۔ انہیں کوئی علم ہی نہ تھا کہ ان کے بادشاہوں کی حکومت کا خاتمہ ہو چکا تھا۔ اور اب کسی اور نے ان کی جگہ لے لی تھی۔

جب کرسی پر بیٹھے گوبارد کو محرابی دروازے سے گزار کر دریا سے نکال کر اوپر پہنچا دیا گیا تو اس کے عیلامی سپاہی مارچ کرتے ہوئے محل کے صحن میں داخل ہو گئے۔ وہاں انہیں کسی مزاحمت کا سامنا نہ کرنا پڑا۔ گوبارد ایوانِ ضیافت میں داخل ہو گیا اور بل شزر کے خالی چھپر کھٹ پر جا کر بیٹھ گیا۔ وہ رات کو زیادہ دیر تک چلتے رہنے کے سبب بہت تھک چکا تھا۔ اس نے حکم دیا کہ غلام گردشوں سے سارے غلاموں اور عورتوں کو ہٹا دیا جائے اور خزائن پر قبضہ کر لیا جائے۔ جب اس کے افسر سیڑھیاں اتر کر خداؤں کے قید خانے میں پہنچے تو ان لمبے چوڑے خوفناک صورت مجسموں کے نظارے نے انہیں تھرا دیا۔ انہوں نے اس عورت سے جس نے ہاتھ میں شمع اٹھا رکھی تھی، دریافت کیا کہ کیا وہ وہاں عبادت کیا کرتی تھی اور شب بیداری کیا کرتی تھی؟

”میری شب بیداریوں کا سلسلہ اب ختم ہو چکا ہے“ بنو نیدس کی بیٹی شمورا نے جواب دیا۔ اور اپنی پیٹی میں اڑسا ہوا خنجر نکال کر بلند کیا۔ اس سے قبل کہ عیلامی دوڑ کر اسے روکتے اس نے خنجر اپنے سینے میں اتار لیا۔ اور زمین پر گر گئی۔ اس کا خون دیوتاؤں کے مجسموں کے نیچے ٹائلیں لگے فرش پر تیزی سے بہنے لگا۔

... وہ منیٰ داخلی دروازے سے اندر آتے ہوئے ہیر کا مرں کی تلوار روا ... سہمے
البدوہ ہی ار گیا۔ یہ دیکھ کر عورتوں نے چیخنا چلانا شروع کر دیا۔ غلام ایوانوں سے اندھا
دھند افراتفری کے عالم میں چیختے چلاتے باہر بھاگے کہ اندھیرے سے دشمن آگھ دیے
تھے جنہوں نے ان کے آقاؤں کو قتل کر ڈالا تھا۔ غلام گردشیں چیختے بھاگتے غلاموں اور کنیزوں
سے بھر گئیں۔ ریمو نے تمام شاہی سپاہی اپنی رہتے ہوئے یہ سب کچھ دیکھا اور چپکے
سے اپنے گھر کی طرف کھسک گیا۔ شور و غل کی آوازوں نے نبونیدس کو نیند سے بیدار کر دیا
وہ چلا چلا کر اپنے خادموں کو بلانے لگا۔ جو اس کے سامنے آ کر گھبرانے لگے۔ وہ پانی
پر چلتے ہوئے آئے ہیں نہیں ... ان کے پیچھے پیچھے روشنیوں کی مشعلیں بھی آئی ہیں۔
جن کے درمیان سورنے کا خدا اپنے تخت پر متمکن ہے۔ ..

نبونیدس بھاگتا ہوا دریا کے موڑ کی طرف گیا۔ وہاں اس نے اپنے نیچے مشعلیں
جلتی ہوئی دیکھیں جو متحرک تھیں۔ اور بے شمار گھڑ سوار دیکھے جو پانی میں چلتے ہوئے آرہے
تھے۔ یہ اس محرابی دروازے میں سے گذرتے ہوئے آرہے تھے جو دریا کا پانی روکنے
کا کام دیتا تھا۔ اب یہ دروازہ کھلا ہوا تھا۔ اور دریا کا پانی دونوں طرف بے حد کم
ہو چکا تھا۔ اس محرابی دروازے پر کوئی محافظ یا پہرہ دار نہ دکھائی دے رہا تھا۔

جب نبونیدس نے سنا کہ بل شنزر کو قتل کر ڈالا گیا تھا۔ تو شدید خوفزدگی کے عالم
میں بھاگتا ہوا پہلے اس کمرے کی طرف گیا۔ جو شمورا کا کمرہ ملاقات تھا۔ پھر شاہی اصطبل
کی طرف بھاگ کھڑا ہوا۔ جہاں اس نے ایک چاروں طرف سے بند رتھ میں بیٹھ کر عشار
کے شہر اروک کا رخ کیا۔

برس ہا برس سے اہل بابل باقاعدہ حکومتی نظم و نسق کے تحت زندگیاں گزارتے چلے
آرہے تھے۔ حاکموں کا شہریوں پر مکمل کنٹرول تھا۔ حکام کی فرمانبرداری اور قانون کی پابندی
ہر شہری پر لازم تھی۔ بادشاہ کی ذات سب سے بلند و برتر سمجھی جاتی تھی۔ وہ سب کا آقا

دن طلوع ہوتے ہی گورباروتے نے اپنا پہلا اعلان کیا: "اب نیا دن طلوع ہو چکا ہے ہر شخص معمول کے مطابق اپنا کام انجام دے۔ کوئی دروازہ بند نہ کیا جائے۔ اور نہ گلیوں میں ہتھیار لے کر نکلا جائے۔ بابل میں جنگ ختم ہو چکی ہے۔ اور امن وامان کے نئے زمانے کا آغاز ہوتا ہے۔ عظیم بادشاہ سائرس کے حکم سے"

اس پر آب رساں دریا کی ڈھلوانوں میں اتر گئے جبکہ پانی دوبارہ چڑھنے لگا تھا۔ کشتیاں اور تختے معمول کے مطابق مچھلیاں اور اناج ادھر ادھر پہنچانے لگے۔ بوجھ سے لدے جانور گلیوں بازاروں میں پھرتے دکھائی دینے لگے۔ گودیوں کے مہاجنوں نے اپنے دفاتر کھول لیے۔ اور خبریں اکٹھی کرنے اور حصص کی فروخت میں مصروف ہو گئے۔ وہ معبد کی جائیدادوں کے حصص فروخت کرنے کے لیے زیادہ چیخ پکار کر رہے تھے۔ کیونکہ ان کا خیال تھا کہ ایرانی بے دین ہونے کے ناطے سے معبد کی تمام چیزیں قرق کر لیں گے۔ یعقوب عیبی النز مختلف خیال کا حامی تھا۔ اس نے مردوک کی کارپوریشن کے حصص خرید لیے تھے۔

فصیلوں پر گیریزن نے تاحال شہر کے پھاٹک بند کر رکھے تھے۔ انگور بل اور نمینی بل کی فصیلیں پہلے کی مانند قلعہ کی صورت کے معبد اور محل کے مقابل سر اٹھائے کھڑی تھیں۔ جہاں اب گوبارو کی افواج قابض ہو چکی تھیں۔ شہریوں نے یہ معجزہ رونما ہوتے دیکھا تھا کہ راتوں رات، بلاکسی کشت وخون کے حکومت بدل چکی تھی۔ رقت گزر گیا۔ نہ تو کسی کو قتل کیا گیا نہ ہی کسی کو قید میں ڈالا گیا۔ اور لوگوں نے سابق بادشاہ کے سپاہیوں کا مذاق اڑانا شروع کر دیا۔ جو خندق کے قریب کی بلند فصیلوں پر پہرہ جمائے بیٹھے تھے۔ انہوں نے ان سپاہیوں سے پوچھنا شروع کیا کہ آخر وہ کس کا پہرہ داری کر رہے تھے اور کس چیز کی حفاظت پر یوں کمربستہ کھڑے تھے۔ وہ آخر قیام وطعام کے لیے فصیلوں سے نیچے کب اتریں گے؟ دن ڈھلتے ہی فوج کے افسران نے شہر کے پھاٹک کھول دیئے۔

انہیں ہنونیدس کی طرف سے کوئی حکم نہ ملا تھا۔ اور وہ اپنے طور کوئی جنگ شروع کرنے کی حماقت نہ کرنا چاہتے تھے۔ غروب آفتاب کے وقت ایکور کے معبد سے پجاریوں کا ایک وفد گوبارو کی خدمت میں پہنچا۔ اور اس سے دریافت کیا کہ وہ آغران سے کیا چاہتا تھا۔ گوبارو نے اس وفد کو بتایا کہ اسے اپنے طور کسی کام کا اختیار حاصل نہ تھا۔ بلکہ وہ عظیم بادشاہ سائرس ہخامنشی کا نمائندہ تھا۔ جو اب بابل والوں کا حکمران بن چکا تھا اور جس نے بابل کے دکھی اور مظلوم باشندوں کو اپنی امان و حفاظت میں لے لیا تھا۔ گوبارو نے انہیں مزید بتایا کہ سائرس نے یہ سب کچھ مردرک، سب خداؤں کے خدا کے حکم سے کیا تھا۔ کیونکہ مردرک اپنے ماننے والوں کی حالتِ زار اور اپنی عبادت میں کوتاہی پر سخت کبیدہ خاطر تھا۔

پجاریوں نے جلد ہی جلدی آپس میں صلاح مشورہ کیا۔ اور گوبارو سے پوچھا کہ نئے حکمران سائرس ہخامنشی کو تحفوں کی صورت میں سونے چاندی کے کتنے توڑے درکار ہوں گے۔ اور قیمتی پتھر اور دوسری اشیا کس حد تک اس کے لیے کافی ہوں گی۔ اس کے خادم فاقہ مستیوں اور وباؤں کے ستائے ہوئے ایکور کے باشندے اسکی کون سی خدمات بجا لانے کے لائق ہوں گے؟۔

"سائرس نے مجھ سے کہا تھا" گوبارو نے جواب دیا "کہ وہ بابل کے سب لوگوں کے لیے تحفے لے کر آئے گا۔ ان سے کچھ لے گا نہیں"

اس پر وفد کے اراکین سائرس کی مدح سرائی میں مصروف ہو گئے۔ انہوں نے گوبارو کے سامنے اپنے بازو پھیلا دیے۔ جو سائرس، عظیم بادشاہ کا نمائندہ تھا۔ "تحقیق" انہوں نے کہا "ہماری پیش گوئی پوری ہوئی۔ کہ چرواہا بہت دور سے آئے گا۔ وہ خداؤں کے خدا مردرک کے خادموں کی گردنوں سے غلامی کا جوڑا اتار پھینکے گا اور اسکی عبادت کو بحال کر دے گا"

لیکن نہر کبار کے کنارے یہودی دنو رِ مسرت سے پ... آکر اپنے بازو لہرا رہے تھے اپنے گانے ایک ہی راگ الاپ رہے تھے "وہ بابل سرنگوں ہو چکا ہے! عظیم شہر بابل جو تمام شہروں کی کسبی تھا، اب اس کا سقوط واقع ہو چکا ہے!"

سائرس کا فیصلہ

تشری کے چاند کے انتیسویں دن کاتبوں نے اپنی تختیوں پر لکھا کہ اس دن عظیم بادشاہ سائرس بابل میں داخل ہوا اور اسی دن سے اس کے عہد حکومت کے پہلے دن کا آغاز ہوا (انہوں نے اپنی تاریخ بنونیدس کے سالوں کے حساب سے نہ لکھی تھی۔ جسے اروک میں گرفتار کر لیا گیا تھا اور اگبتانا بھیج دیا گیا تھا)

سائرس کو یقین تھا کہ اسکی شخصیت بابلیوں پر متاثر کن تاثر چھوڑے گی۔ وہ گھوڑے پر سوار ہو کر پام کی شاخوں پر سے، جو اس کے سامنے بچھائی گئی تھیں، گزرتا ہوا دربار عشتار میں داخل ہوا۔ دو رویہ کھڑے لوگ اپنے رومال لہرا رہے تھے اور سبز رنگ کی شاخیں ہاتھوں میں پکڑے ہوئے تھے۔ سائرس کے عقب میں اس کے پانچ ہزار مسلح محافظ نمودار ہوئے۔ انہوں نے تلواریں نیاموں میں ڈال رکھی تھیں۔ اور نیزے لٹکا رکھے تھے۔ دور افق پر ایرانی لشکر کے پڑاؤ کے خیمے دور دور تک پھیلے دکھائی دے

تھے۔ اس نے اہل بابل پر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ اس کا طرزِ حکومت بابلی بادشاہوں کے طرزِ حکومت سے مختلف ہوگا۔ پھر جیسا کہ اس نے گوبارو کو بتایا تھا۔ اس کا سب سے دقیق مسئلہ یہ تھا کہ وہ بنونیدس کی جگہ لینے کے بعد کام کس طرح کرے گا؟

ہر چند کہ وہ شاہانہ پوشاک زیب تن کرتا تھا جو اسے سجتی بھی خوب تھی۔ وہ نہ تو عصائے شاہی اپنے ہاتھ میں رکھتا تھا اور نہ ہی انگوٹھی لگاتا تھا جو حکمران ہونے کے نشانات تھیں ہزاروں آنکھوں کی موجودگی میں، گوبارو کو ہر دم اپنے ہمراہ رکھے، وہ زیادہ تر گھوڑے پر ہی سوار رہا کرتا تھا کہ ہر خاص و عام اسے اچھی طرح سے دیکھ سکے۔ پھر اس نے مردوک کے معبد کے پروہتوں پجاریوں کو اپنے حضور بلایا۔ اور ساتھ ہی تمام کاتبوں کو بھی بلایا تا کہ وہ اپنا فریضہ انجام دے سکیں۔ پھر اس نے اپنا پہلا اعلان کیا۔ جسے اس غرض سے کہ سب لوگ بخوبی سمجھ سکیں۔ بابلی اور ایلامی دونوں زبانوں میں کیا گیا۔

"میں سائرس ہوں"۔ اس نے سننے والوں سے کہا "میں زمین کے چوتھائی حصے کا حکمران ہوں۔ انشان کا بادشاہ ہوں اور کمبی سس کا بیٹا۔ میرا خاندان ـــــ" اس نے لوگوں کو یقین دلاتے ہوئے کہا "بابل اور بنو کا عقیدت مند اور ان کا محبوب ہے۔ انہیں میری حکمرانی پسند ہے۔ میری بادشاہت پر ان کا سایہ ہے"۔

اس طرح اس نے اپنے آپ کو عظیم بخت نصر جیسا قرار دیا "میں اس قدیم شہر بابل میں داخل ہوا ہوں۔ امن و امان سے، میرے داخلے پر اس شہر کے باشندوں نے بڑی خوشیاں منائی ہیں۔ اور سکھ کی سانس لی ہے۔ اب میں ان کے بادشاہوں کے محل میں بیٹھ کر اپنی حکومت قائم کروں گا"۔

سائرس میڈیا اور ایران جیسے دور دراز کے علاقوں کا بادشاہ تھا۔ لیکن اب اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ بابل کو اپنا دارالخلافہ بنائے گا۔ اس نے پھر متوجہ پجاریوں کی طرف ہاتھ پھیلایا ـــ

وہ عظیم دیوتا مردوک کو عرصہ سے ایک منصف مزاج اور سچے حکمران کی تلاش تھی۔ جو اس شہر پر پوری رواداری اور انصاف سے حکومت کر سکے۔ چنانچہ اس نے مجھے خواب میں اپنا جلوہ دکھایا اور مجھے میرے نام سائرس سے مخاطب کیا۔ اور مجھے حکم دیا کہ میں اس شہر کی طرف پیش قدمی کروں۔ اس نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے ہدایت کی۔ کہ میں اس کے شہر جا کر اسکے کھوئے ہوئے احترام و تقدس کو بحال کروں۔ وہ بابل کے سفر میں میرے ساتھ ساتھ رہا۔ اور اس نے بلا کسی جنگ و جدل اور خون ریزی کے مجھے اپنے شہر میں داخل کروا دیا۔ میرے ذریعے اس نے اپنے شہر کو غاصبوں اور بدقماشوں کے چنگل سے چھڑا لیا۔ اور نبونیدس کو جو اس کا کوئی خوف یا احترام نہیں رکھتا تھا اور الحاد اور گمراہی کی طرف مائل تھا، میرے ہاتھوں گرفتار کروا دیا۔"

جب بجاریوں نے بڑبڑاتے ہوئے اسکی باتوں پر صاد کیا تو اس نے اپنے عقب میں موجود لوگوں کی جھگھٹوں کی طرف بازو لہرایا۔" تمام سامریہ اور اکد میں میں نے کسی دشمن کو سر اٹھانے کا موقع نہیں دیا۔ بابل کے اندرونی حالات کے بارے میں میں ہمیشہ محتاط سوچیں رکھتا ہوں۔ اور اس کے معبدوں کے متعلق بھی میری سوچیں روا دارانہ ہیں۔ پس میں اس کے باشندوں کی گردنوں سے غلامی کا جوا اتار پھینکوں گا میں تباہ شدہ گھروں کی مرمت کرواؤں گا۔ اور معبدوں کی از سر نو تعمیر و مرمت کرواؤں گا۔ اب میں حکم دیتا ہوں کہ یہ کام جلد از جلد شروع کر دیے جائیں۔"

ہر چند کہ ہخامنشی بادشاہ نے اس موقع کے حسب حال باتیں کہی تھیں۔ اس نے آخر میں ایک غیر معمولی عہد کیا تھا۔ اب بابلی منتظر تھے کہ ان کا فاتح اس بارے میں کہاں تک سچا ثابت ہوگا۔ انہیں اس سلسلے میں زیادہ دیر تک انتظار نہ کرنا پڑا۔ سائرس جب بھیس بدل کر بابل میں داخل ہوا تھا۔ تو اس نے بہت کچھ دیکھ لیا تھا۔ اس نے اب بابلیوں کو یہ بتانا مناسب نہ سمجھا کہ وہ بابل میں بحیثیت فاتح

داخل ہونے سے قبل ہی آسا گیلہ آ چکا تھا۔ اس نے بونیدس کی زیر جدی کی تختی پر کندہ اپنا مضحکہ آرائی تحریر کی طرف اشارہ کیا "یہ سب کذب اور دروغ گوئی ہے" اس نے کہا پھر اس نے حکم دیا کہ اس تختی کی جگہ ایسی تختی کھڑی کی جائے جس پر اس کا حکم کندہ ہو۔ (اور وہ لوگ جو یہ جانتے تھے کہ ایرانی بادشاہ پڑھنا نہیں جانتا اس پر حیرت زدہ ہونے لگے۔) جب اس نے محل کے کاتبوں کو اپنے مشکل اور پیچیدہ طرزِ تحریر میں واقعات کا ریکارڈ رکھتے دیکھا تو اس نے فوراً ہی انہیں اپنے فرائض سے سبکدوش کر دیا اور حکم دیا کہ ہر تحریر پڑھنے جاننے کے قابل اکدی، عیلامی اور ایرانی زبانوں میں ہونی چاہیے۔ جب اس نے غلاموں کے سوداگروں کو انہیں منڈی میں برائے فروخت لے جانے کے لیے داغتے دیکھا تو اس نے حکم دیا کہ برائی کو فروغ دینے والے مجرموں کی حیثیت سے غلاموں کے سوداگروں کو داغا جائے۔ اس نے حکم دیا کہ ہر ایسا کام جو اچھا ہو اور جسے دوسروں کی حمایت حاصل ہو۔ اسکی حوصلہ افزائی کی جائے۔ اور اسکی انجام دہی میں مدد دی جائے اور ایسا کام جو برا ہو اس کی حوصلہ شکنی کی جائے۔ اور اسے ختم کرنے کی کوشش کی جائے۔ بابلی سائرس کے اس حکم کی تعمیل میں متامل تھے جس پر اس نے اسے منوانے کے لیے خاصی بے رحمی سے کام لیا۔

اس نے دیکھا کہ معبد کے منتظمین کے پاس قیمتوں کا ایک پیمانہ تھا جس کے مطابق ایک بیل، ہل اور سروکے شہتیر سب کے بدلے دو شیکل چاندی حاصل ہو سکتی تھی یعنی دو شیکل چاندی کی قیمت یہ سب چیزیں ہوا کرتی تھیں۔ سائرس نے غلاموں اور بیلوں کی قیمتیں بڑھا دیں۔ درحقیقت اس نے ایسا اس لیے کیا تھا کہ غلام اور بیل زراعت اور کھیتی باڑی میں بڑے کارآمد ثابت ہوا کرتے تھے۔ معبد وں کی لوہے کے ہلوں کی خرید و فروخت پر اجارہ داری قائم تھی۔ سائرس نے حکم کہ تمام ہلوں کو کھیتوں اور باغات میں کام کرنے والوں تقسیم کر دیا جائے تاکہ وہ زمینوں پر زیادہ سے زیادہ پیداوار اگا سکیں۔ ایک جلسے میں اس نے آبپاشی کے پانی پر سے ٹیکس ہٹا دیا اور کہا بہتا ہوا پانی سورج کی دھوپ

کی مانند تھا جس سے کسی کو فیض اٹھانے سے نہیں روکا جا سکتا تھا۔

"تم آہفرز مین کی موت کا کس طرح خاتمہ کرو گے؟" اس نے سختی سے پرسش کی تھی۔ "یہ تمہاری زمین مر رہی ہے۔ تم ایسی حالت میں اسے کیونکر زندہ رکھ سکتے ہو۔ کر اسے پانی کا ایک قطرہ بھی نہیں مل پا رہا۔ زمین پانی کی صحیح فراہمی کے سبب ہی زرخیز بن سکتی ہے۔ اور اس میں آسانی سے بیج پھوٹ سکتے ہیں۔ اسی طرح پانی ہی کی بدولت ہری بھری گھاس اگا کرتی ہے۔ جس پر تمہارے مویشی پھل پھول سکتے ہیں۔ اس لیے میرا حکم ہے کہ پانی کو کہیں بھی اور کسی صورت میں بھی نہ روکو۔ اسے کھلا چھوڑ دو۔ اور ہر کسی کو اس سے فائدہ اٹھانے دو۔

بابلیوں نے اس کا ہر حکم ماننے کا وعدہ کیا۔ لیکن خفیہ طور پر انہوں نے متفقہ فیصلہ یہ کیا کہ وہ حسب سابق اپنے کام کرتے رہیں گے۔ سائرس کو اس کا علم ہوا تو چونکہ اسے غصہ بہت جلد آ جاتا تھا، تو وہ بابلیوں کی منافقت پر چراغپا ہو گیا۔ اسے ان طرز کہن اڑانے والے لوگوں پر شدید طیش آیا۔ وہ معبدوں کے وفد کے سامنے گرجنے برسنے لگا۔

"یہ سات بدروحیں کون ہیں جن کے بارے میں تم کہتے ہو کہ وہ اس گناہوں سے بھرے فصیل دار شہر کے ہر شہری کے تعاقب میں رہتی ہیں؟ میں تمہیں ان کے نام بتاؤں کیا ہیں؟ تم انہیں اچھی طرح اپنی کھوپڑیوں میں بٹھا لو۔ انسانی جسموں کی میل۔ جسموں کی بیماریاں ذہنوں کی بیماریاں۔ فاقہ زدگی حرص و ہوس۔ بزدلی کمزوری اور دوسروں کے خلاف شک و شبہ اور بیجا خوف اور حسد۔

اس کے غیظ و غضب کے سامنے پجاری تھرا اٹھے۔ انہوں نے اس کے سامنے تابعدارانہ جھک کر اس کی وضاحت کی تصدیق کی اور آپس میں یہ فیصلہ کرنے کے لیے رخصت ہو گئے۔ کہ ایرانی فاتح پرانے سدی جنگجو سرداروں کے مقابلے میں کچھ زیادہ

ہی مبہم وزہانت کا مالک تھا۔ انہوں نے تسلیم کیا۔ جیسا کہ انہیں ابتدا ہی سے شک تھا۔ کہ وہ کسی خدا کا ماننے والا نہ تھا۔ اس لیے اسکا کوئی آسمانی محافظ نہ تھا "اگر کسی آدمی کا کوئی خدا نہ ہو" انہوں نے کہا "تو صرف اس کی اپنی طاقت بھلا کیونکر اس کی حفاظت کر سکتی ہے؟" اور جہاں تک سات بد روحوں کا تعلق تھا تو پہلے کی مانند اب بھی ان کا وجود تھا۔ یہ بد روحیں ہر اس ذی روح پر جھپٹ پڑنے کو تیار رہتی تھیں۔ جو قدیم رسوم و رواج کی ادائیگی میں کوتاہی کرتا تھا۔

ابتدائی چند دنوں تک سائرس گلیوں میں اپنے عجیب وغریب رویوں اور باتوں کے سبب شہریوں کی توجہ اپنی طرف مبذول کیئے رکھتا۔ گھڑی میں تولہ گھڑی میں ماشہ اور انتہائی سنجیدہ اور سخت گیر بخت نصر اور پر اسرار سے بونیڈس کے برعکس یہ نیا حکمران بغیر کسی رکھ رکھاؤ کے گھوڑے پر سوار محل سے نکل آتا تھا۔ اور آزادانہ گلیوں اور شاہراہوں پر گھومتا پھرتا تھا۔ وہ اپنے وزراء اور فقیروں سے یکساں تیز و تند انداز میں بحث کرنے کا عادی تھا۔ اس کے حکم اور فیصلے بے حد اچانک اور متوقع قسم کے ہوتے تھے۔ انہیں ورطۂ تحریر میں نہ لایا جاتا تھا۔ اور نہ ہی تحریری حالت میں اس کے افسروں کے پاس پہنچایا جاتا تھا اور نہ ہی انہیں محفوظ رکھا جاتا تھا۔ وہ کرتب دکھاتے ہاتھی سے زیادہ دلچسپ اور پرلطف شخصیت تھا۔ ایسی حالت تک میں بھی وہ جب غصے کے عالم میں انتہائی خطرناک نظر آرہا ہوتا تھا۔ سائرس کا غصہ جو برق آسمانی کی طرح تباہ کن دکھائی دیتا تھا۔ تماشائیوں کے خوف میں اضافہ کیا کرتا تھا۔ ساتھ ہی ان کے تجسس و دلچسپی کو اور بھی ابھار دیا کرتا تھا۔ اکثر اوقات وہ انہیں دلچسپ و پرلطف کہانیاں سنانے کو بھی رک جایا کرتا تھا۔ اپنے فصیلوں کے پہلے معائنے کے دوران اسے ایک ایسا رتھ دکھائی دیا تھا۔ جسمیں جنگلی گدھے جتے ہوئے تھے۔ جنہیں اس کام کے لیے سدھایا ہوا تھا۔ اس نے بابلی رتھ بان سے کہا۔ "سن۔ ایک مرتبہ ایک

آدمی نے ایک جنگلی گدھے سے کہا: "میں تجھے رتھ میں جوتتا ہوں تو بار برداری کا کام کر۔ اس کے بدلے میں تجھے کھلایا پلایا کروں گا۔" گدھا مان گیا۔ لیکن جب اسے رتھ میں جوتنے کے لیے طوق پہنایا گیا تو اس نے اپنی حماقت پر ماتم کیا اور کہا "یہ اپنا کھلانا پلانا جاری رکھو اور خود بھی طوق پہن لے۔ اور مجھے بھی یہی کام کرنے دے۔

تماشائیوں کو اس وقت بھی یہ کہانی یاد تھی جب سائرس نے بابلی فوج کا فیصلہ کیا کہ اس کا کیا کیا جائے۔ اس نے فوج کے چھوٹے بڑے تمام عہدیداروں کو پیش کش کی تھی کہ وہ یا تو اس کی ماتحتی میں حسبِ سابق اپنے فرائض انجام دیتے رہیں۔ یا سبکدوش ہو کر اپنے گھروں کو چلے جائیں۔ اس پر تمام سپاہیوں نے اس کی ماتحتی میں رہتے ہوئے اپنے فرائض کی انجام دہی کو ترجیح دی۔ ان کے لیے یہی فیصلہ زیادہ مناسب تھا کیونکہ اس طرح بابل میں رہتے ہوئے انہیں اپنے اور اپنے خاندانوں کے لیے خوب کھانے پینے پہننے کو مل جاتا تھا۔ اور ان کی ذمہ داریاں بھی معمولی سی ہوا کرتی تھیں۔ اور کام بھی انہیں بہت کم کرنا پڑتا تھا۔ پہلے پہل سائرس اس سے مطمئن ہو گیا تھا۔ لیکن پھر اسے روزانہ ان سپاہیوں کا فصیلوں کے گرد صرف مارچ کر کے بیٹھ رہنا بہت برا محسوس ہونے لگا۔ اس نے کہا کہ بابل کو تو کسی محافظ فوج کی ضرورت نہ تھی۔ اور پھر اس کے حکم دیا کہ ان افواج کو غیر ملکی سرحدوں پر بھیجا جائے جہاں ان کی افادیت ثابت ہو سکے۔ اس پر دو تہائی بابلی فوج نے اپنی ملازمت چھوڑ کر اپنے گھروں کو جانے کا فیصلہ کر لیا۔ ایک ہفتے کے اندر، بخت نصر کے زمانہ[۱۶] من کے بعد پہلی مرتبہ ایگور بل اور نیمیتی بل کی فصیلیں سپاہیوں سے خالی ہو گئیں۔

آزاد شہریوں کی حیثیت سے یہ سابق سپاہی اپنا خمیر، کھجوروں تلوں کے تیل اور گوشت کا ہفتہ وار راشن حاصل کرنے کے اہل تھے۔ سائرس کو معلوم ہوا کہ قدیم زمانے میں ماربینو یعنی امرا و شرفا کا یہ فرض ہوتا تھا کہ وہ مقررہ تعداد میں

سپاہی بھرتی کر کے حکومت کے حوالے کیا کرتے تھے۔ ان سپاہیوں کو بابلی فوج میں شامل کر لیا جاتا تھا۔ پھر رفتہ رفتہ سپاہیوں کی بھرتی کی جگہ امراء و روسا خزانے کو بھاری رقوم بھجوانے لگے۔ پھر ایسا کیا جانے لگا کہ ان رقومات کا حساب کتاب درج ضرور کیا جاتا تھا۔ لیکن رقومات بہت کم دی جاتی تھیں۔ کیونکہ امرأ وغیرہ خزانچیوں اور کلرکوں کو رشوتیں دے کر ادائیگیاں "ال جایا کرتے تھے۔ ہر نئے سال کے جشن کے موقع پر خزانے کے عملے کی اسی طرح چاندی ہوا کرتی تھی۔ سائرس پر یہ حقیقت کھلی کہ اہل بابل فطرتاً آرام طلب اور تن آسان تھے۔ پرانے رسوم و رواج اور قوانین کو وہ صرف اس لیے سینے سے لگائے ہوئے تھے کہ ان کی بدولت انکی زندگیاں سخت کوشی اور اور محنت و مشقت سے دور کاہلی اور تن آسانی سے گذر رہی تھیں۔

ایسی صورتِ حال میں اس کے لیے ایسا کرنا مشکل تھا کہ وہ اپنا وہ وعدہ پورا کرے کہ وہ اس بڑے شہر کے رسوم و رواج اور طرزِ حکومت سے کوئی تعرض نہ کرے گا۔

دو غیر ملکیوں ریبوت اور زریانے جو بالترتیب محکمۂ جاسوسی اور معبدوں کے سربراہ تھے، بنوئیدس کی غیر حاضریوں کے زمانے میں اور بل شزر کی امورِ حکومت سے عدم دلچسپی اور عدم توجہی کی صورت میں انتظامِ حکومت سنبھالے رکھا تھا۔ جب یہ دونوں سائرس، اپنے نئے بادشاہ کے حضور پیش قیمت تحائف لے کر حاضر ہوئے تو اس نے یہ تحائف محض چھو کر انہیں واپس لوٹا دیے۔ اس نے ریبوت اور زریا کو ان کے عہدوں پر بحال رکھا۔ اور شوشان اور پارس گرد کے قانون بردار ان کے ساتھ کر دیئے تاکہ وہ ہر کام ہر واقعہ کا جائزہ لیتے رہیں اور اسے رپورٹ کرتے رہیں "یہ قانون بردار ہے"، اس نے وزیروں کو خبردار کرتے ہوئے کہا تھا، "اپنے ساتھ کوئی لکھی ہوئی تختیاں نہیں رکھتے۔ لیکن ان کی آنکھیں اور یاد

یاد داشت بہت عمدہ ہیں۔ محتاط رہنا۔ اور یہ یاد رکھنا کہ تم خود بھی اپنے قوانین کے تابع ہو۔"

سائرس بابل میں رہ کر بے حد مایوسی اور اکتاہٹ محسوس کرنے لگا تھا۔ اس نے اپنے بیٹے اور گوبارو کی موجودگی اس کا اظہار کیا: "سارڈیس میں لوگ جنگلی گھوڑوں کی طرح تھے۔ جو جدھر منہ اٹھتا تھا اسی طرف چل پڑتا تھا۔ یہاں لوگ بیلوں کی مانند ہیں جن کی گردنوں میں طوق پڑے ہوں۔ اور وہ اسی وقت اپنا لو جو جو کھینچتے ہیں جب انہیں مارا پیٹا جاتا ہے۔"

وہ اس بلند و بالا محل سے اور آسمان کی خبر لاتے ہوئے مینار سے دور چلا جانا چاہتا تھا۔ شہزادی شمورا کی خودکشی کی خبر سننے کے بعد اس نے کبھی معلق باغات میں قدم نہ رکھا تھا۔ جہاں لٹکی ہوئی انگور کی بیلیں نیچے گلیوں اور سڑکوں کی بدصورتی کو نگاہوں سے اوجھل کیے ہوئے تھیں۔ اسے یوں محسوس ہوتا تھا کہ جیسے بڑی دیوی اپنی پجارنوں کے اس معبد میں اپنی تمام تر طاقت و جبروت کے ساتھ موجود تھی۔

"تم ہر دن گنتے ہو" گوبارو معترض ہوا تھا "اور ہر دن کے گزر جانے کا افسوس کرتے ہو۔ ان سیاہ سروں والے بابلیوں کو اپنی سوچ و فکر میں تبدیلی پیدا کی مہلت دو۔ ایک برتن ساز ـــ" اس نے سائرس کو مضطرب دیکھ کر جلدی سے اضافہ کیا "اپنے ہاتھوں سے گیلی مٹی کا مرتبان بڑی تیزی سے بنا سکتا ہے۔ لیکن اسے بنا چکنے کے بعد وہ اسے کوئی اور شکل نہیں دے سکتا۔ کیونکہ بھٹی میں تپ کر وہ پختگی اختیار کر چکا ہوتا ہے۔"

"لیکن اگر وہ اسے توڑ دے تو پھر اس کے لیے ایسا کرنا ممکن ہو جاتا ہے۔"

پھر ہخامنشی بادشاہ نے شہر کو نقصان پہنچائے یا تباہ کیے بغیر اس میں تبدیلیاں لانے کا فیصلہ کر لیا۔ پہاڑوں سے آنے والے حتیٰ کہ لسوں اور کاسیوں نے بھی اس سے قبل ایسی کوشش کی تھی۔ لیکن یہ کوشش ہمیشہ شہر کے اپنی پرانی بنیادوں پر از سرِ نو تعمیر ہونے

ہونے پر منتج ہوتی رہی تھیں ۔ سائرس نے عمارتوں کا ایک پتھر بھی اپنی جگہ سے تبدیل نہ کیا۔ لیکن اس نے شہر کے باشندوں میں ایک عظیم تغیر ضرور پیدا کر دیا"۔ ان سے کہہ دو "اس نے گوبارو کو ہدایت کی ہے کہ نیا سال، درحقیقت ان کے لیے ایک نیا دن لے کر آئے گا"

میں نے مختلف اقوام کو یکجا کر دیا

جب موسم بہار کے ساتھ ہی نسان کا چاند طلوع ہوا۔ تو سائرس نے حکم دیا کہ نئے سال کی تقریبات اسی طرح منائی شروع کر دی جائیں جیسا کہ ہمیشہ سے منائی جاتی رہی تھیں اس نے خود شاہراہِ جلوس پر نمودار ہو کر ان تقریبات کے آغاز کا اعلان کیا۔ اس موقع پر شاہراہِ جلوس پر اس کے ہمراہ عیلامی نیزہ بردار محافظ بھی تھے۔ وہ اس صاف ستھری چوڑی سڑک پر چلتا ہوا اساگیلا کے پھاٹک تک گیا۔ جہاں اس نے نیزہ برداروں کو چھوڑا اور مردوک کے منتظر پجاریوں کی طرف بڑھ گیا۔ پھر وہ اسے اپنے ہمراہ لیے اروک کے معبد کی سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئے۔ انہوں نے قدمچوں کے آغاز پر علامتی روک کو ہٹایا۔ تاکہ سائرس معبد میں داخل ہو سکے۔

جب سائرس بابل کے معبد کے ہاروں سے لدے مجسمے کے سامنے جا کر کھڑا ہوا تو اس نے اقتدار کی نشانی، اپنی چھڑی اس کے قدموں میں ڈال دی اور اسطرح یہ ظاہر کیا کہ وہ اپنا اقتدار بابل کے مالک کے حوالے کر رہا تھا۔ پھر جب سائرس نے اپنے ہاتھ دیوتا کے ہاتھوں رکھے تو مہاپجاری نے اسے اس کی چھڑی واپس تھمادی کہ دیوتا اپنی اس عزت و تکریم سے بے حد خوش ہوا تھا۔

اور اس کو سائرس کی یہ تابعداری بے حد پسند آئی تھی۔ اس لیے وہ اقتدار اسی کے ہاتھ میں دیکھنے کا متمنی تھا۔

پھر پجاریوں نے مل کر سائرس عظیم بادشاہ کے حق میں دعائے خیر کی۔ اس طرح انہوں نے ہخامنشی فاتح کو بابل کے قدیم حکمرانوں سارگون اوّل سے لے کر عظیم بخت نصر تک کا خطاب بخشا۔

جب شاہراہ جلوس کے دو رویہ لوگوں کے ٹھٹ ٹھٹ لگنے لگے تو انہیں پیچھے ہٹانے کے لیے کوئی محافظ وغیرہ متعین نہ کیے گئے۔ اس موقع پر محل سے قاصد ہر خاص و عام کے لیے سائرس کا حکم لے کر نمودار ہوئے۔ انہوں نے اعلان کیا کہ بابل کا حاکم عظیم بادشاہ سائرس کا بیٹا کیمبی سس ہوگا۔ اس سرزمین کی تقسیم ہرگز نہ کیا جائے گا۔ جیسا کہ سارگون اوّل اور بخت نصر کے عہد میں کیا جاتا تھا۔ اس کی سرحدات کو سمندر سے سمندر تک وسعت دی جائے گی۔ یعنی دور بڑے سمندر سے لے کر خلیج فارس تک۔ اس طرح بابل کو ایک باقاعدہ سٹراپی یا صوبے کی شکل دی جائے گی۔ یہ عظیم ہخامنشی سلطنت کا ایک صوبہ ہوگا۔ اسے شوشان سے ملحق کر دیا جائے گا۔ اور گو بار وشوشان کے علاوہ بابل (جسے ایرانی بابرش کہا کرتے تھے) کا بھی سٹراپ ہوگا۔

"وہ سب جو بالائی سمندر اور زیریں سمندر تک کے علاقوں میں حکومت کر رہے ہیں" سائرس نے اعلان کیا "اور مغربی سرزمینوں کے حکمران جو خیموں میں رہا کرتے ہیں۔ یہ سب۔۔۔ یہاں بابل میرے قدموں میں بھاری اخراج ادا کیا کریں گے"

وہ شہر جو دور دراز کے علاقوں میں واقع ہیں۔ مثلاً یتما۔ حرّان اور سپار وغیرہ۔ ان کی سابقہ حیثیتیں بحال کی جائیں گی۔ اور ان کی زرعی زمینوں کو از سرِ نو قابلِ کاشت بنایا جائے گا۔

اور دور دراز کے علاقوں کے جو معبود اساگیلہ میں محبوس ہیں۔ انہیں رہا کر دیا

جائے گا اور انہیں ان کے خالی معبدوں میں واپس پہنچا دیا جائے گا۔ شمش کو اس کے سپار والے معبد میں واپس بھیج دیا جائے گا۔ اور سترشینگ کو شوشان کے معبد میں ۔ سامریہ اور اکدکے وہ تمام معبود جنہیں بنونیدس خداؤں کے خدا کے غضب کو للکارتے ہوئے بابل اٹھالایا تھا، ان کے معبدوں میں واپس پہنچا دیے جائیں گے۔ یہ سب معبود اپنے معبدوں میں ہمیشہ رہیں گے۔ اور اپنے ماننے والوں کے لیے خوشحالی اور خیروبرکت کے ذریعے ثابت ہوں گے ۔"

اور معبدوں کی رہائی کے ساتھ ہی وہ تمام لوگ بھی جو بابل میں غلامی اور کسمپرسی کی زندگی بسر کر رہے ہیں ۔ آزاد کر دیے جائیں گے۔ عظیم میدانوں کے باشندے عموری، پہاڑوں میں بسنے والے عیلامی، علوم و فنون میں دسترس رکھنے والے مانی، سمندری علاقوں کے کشتی بان اور ملاح۔ اور غروب آفتاب کے ساحل کے فونیقی۔ وہ لوگ جو خواہ جنگوں کے سلسلے میں سابق بادشاہوں کی قید میں آکر ان کے غلام بن گئے ہیں۔ یا یونہی بیگار میں پکڑ لیے گئے ہیں۔ ان سب لوگوں کو یکجا کر کے انہیں ان کے گھروں میں آباد کر دوں گا ۔"

پس اس سال ۵۳۸ میں سائرس نے بابل کی فصیلوں کے اندر غلامی اور ذلت کے پاتال میں لپٹی انسانیت کو اس کا صحیح مقام دینے کی کوششوں کا آغاز کیا۔ اس اقدام سے اس کا مقصد یہ تھا کہ صوبوں میں کھیتی باڑی اور ماہی گیری کرنے کے لیے اچھی خاصی آبادی پیدا ہو جائے ۔

اس کے نیم وحشی دماغ میں یہ بات بیٹھی ہوئی تھی کہ بابل کی سب سے بڑی خرابی یہی تھی کہ یہ شہر غلامی کی لعنت کے پھلنے پھولنے کا سب سے بڑا مرکز بن چکا تھا۔ چونکہ اس نے اپنی یادداشت میں تمام تفصیلات محفوظ کر رکھی تھیں۔ اس لیے اس نے سابق سپاہیوں کو سپارا اور اوپس جیسے سخت زمینوں والے کھیتوں کی طرف بھیجنے

بیں بڑی احتیاط سے کام لیا تھا۔ اور اسے یہ بھی یاد تھا کہ نہر پر بیگار بھگتنے والے یہودی مزدوروں نے بابل کا ذخیرہ آب گھٹانے میں اس کی مدد کی تھی جبکہ نہر کے کنارے پر آباد یہودیوں نے دریاسے اساگیلہ کی طرف جانے میں اس کی بڑی مدد کی تھی۔

اس کے پرائیوٹ ریکارڈ میں، جو مٹی کے کیلنڈر کی صورت کا تھا، مختصر الفاظ میں لکھا ہوا تھا: میرے سپاہی پرامن طریقے سے بابل کے طول وعرض میں گھومتے پھرتے تھے۔ سارے سامریہ اور اکد میں میں نے کبھی لوگوں کے دل میں اپنا خوف اور رعب جاگزین کرنے کی کوشش نہیں کی۔ میں نے اپنی توجہ زیادہ تر بابل اور تمام دوسرے شہروں کے اندرونی حالات کے سدھارنے پر مبذول رکھی تھی۔ میں نے ان شہروں کے باشندوں کو اس بوجھ سے نجات دلادی تھی جس کے وزن سے ان کی کمریں جھکی جا رہی تھیں۔

کبار میں عبادت گاہ کے بڑوں نے یعقوب عجیبی کو تلاش کیا۔ وہ پہلا یہودی تھا جس نے سائرس کی آمد کی پیش گوئی کی تھی۔ وہ سائرس کے بابل میں داخلے کے بعد اس کے سامنے آنے سے گریزاں تھا۔ کیونکہ اس سے خوف محسوس ہوتا تھا۔ عبادت گاہ کے بڑے چاہتے تھے کہ یعقوب اس کے حضور پیش ہو کر اسے بابل میں یہودیوں کی حالتِ زار کے بارے میں بتاتے۔ اور اس سے انصاف کا طلب گار ہو۔ دوسرے مہاجن اور یہودی تجار بھی یہی چاہتے تھے۔

ان کا استدلال یہ تھا کہ یعقوب ہی کو تمام یہودیوں کی نمائندگی کرنی چاہیے۔ کیونکہ وہ بنوخفشی بادشاہ سے سقوطِ بابل سے قبل بھی ملاقات کر چکا تھا۔ یعقوب عجیبی مان گیا۔ سائرس سے ملنے پر اس نے بل پر اس سے اپنی ملاقات کا کوئی تذکرہ نہ کیا۔ کیونکہ سائرس نے بھی یہ ذکر نہ چھیڑا تھا۔ یعقوب نے اس سے ایک ایسے اجنبی کی حیثیت سے ملاقات کی جو اس کے حضور اپنا ذاتی تحفہ لے کر حاضر ہوا تھا۔

"میرے پاس انتالیس ٹالینٹ اور اونچاس من چاندی ہے جو میں عظیم بادشاہ کی خدمت میں بطور ہدیہ پیش کرتا ہوں" اس نے سائرس کے حضور پہنچ کر کہا۔

یعقوب عیبی نے سائرس کے حضور اپنا مال و دولت بطور ہدیہ نذر کرتے ہوئے یہودیوں کی خاص ڈپلومیسی سے کام لیا تھا۔

سائرس نے اس کی اور وفد کے بڑوں کی طرف دیکھا۔ اور مسکرایا "یہ مناسب تو ہو گا کہ میں تمہاری چاندی میں ایک من کا اضافہ کر دوں اور تمہیں دو ٹیلنٹ اور دے دوں۔"

یعقوب نے جواب دینے کے لیے اپنی ہمت مجتمع کی۔ یہ وہی قیمتی لمحہ تھا جب وہ سائرس سے کوئی درخواست کر سکتا تھا۔ کیونکہ وہ سخاوت کے موڈ میں دکھائی دے رہا تھا۔ اس نے مودبانہ گزارش کی: "اس کی بجائے عظیم شہنشاہ مجھ پر ایک ادنیٰ سی مہربانی کر دیں تو ان کا احسان عظیم ہوگا۔ اس مہربانی کے ثمر سے میرے علاوہ میرے ہم کیش بھی یکساں فیض یاب ہوں گے۔"

"تو گویا تم صرف اپنے لیے یا اپنے خاندان کے لیے کچھ طلب نہیں کرتے بلکہ اپنے قبیلے کے لیے کچھ حاصل کرنے کے متمنی ہو؟"

یہ لفظ وہی تھے جو سائرس نے ایک سال قبل پام کے درختوں کے جھنڈ میں اس سے کہے تھے۔ اپنے اس خاص انداز سے سائرس نے بابل کے اس ساہوکار کو اطمینان سے بات کرنے کا حوصلہ بخش دیا۔ اور اس نے جلدی سے کہا: "ہاں اے عظیم بادشاہ، میں اپنے قبیلے ہی کے لیے کچھ مانگنا چاہتا ہوں۔"

"ہاں ہمارے لیے" یہودی اکابرین یک آواز چلا اٹھے "ہم جو قانونِ موسیٰ کے نگہبان ہیں۔ جو ان کے بعد یوشع اور پھر دوسرے پیغمبروں میں منتقل ہوتا رہا۔ جن کا ہیکل یروشلم میں ہے جس کی اینٹ سے اینٹ بج چکی ہے۔ جس کے تبرکات

سب لوٹ لیے گئے ہیں۔"

پھر انہوں نے سائرس کو بتایا کہ کس طرح بخت نصر نے یروشلم کو تباہ کیا تھا اور اس کے ہیکل سلیمانی کو پیوند زمین کر دیا تھا۔ اور اس کے تمام تبرکات لوٹ کر بابل لے آیا تھا۔ اور انہیں خداؤں کے زندان میں سونے چاندی کانسی پتھر اور لکڑی کے دیوتاؤں کے ساتھ رکھ دیا تھا۔ اور یہودیہ کی آبادی تہ تیغ کرنے کے بعد باقی آبادی کو غلام بنا کر بابل لے آیا تھا۔ وہ ان کافروں کی مانند کسی بت کو نہ پوجتے تھے۔ ان کا کوئی دیوتا نہ تھا جیسا کہ سامریہ اور اکدس بسنے والوں کے دیوتا ہوا کرتے تھے۔ وہ ایک ان دیکھے خدا کی عبادت کرتے تھے۔ ان کا معبد ان کا ہیکل تھا جس کے تبرکات بخت نصر بابل اٹھا لایا تھا۔ ان متبرک برتنوں کو بل شضر نے اپنی ضیافت میں استعمال کیا تھا۔ اب وہ عظیم بادشاہ سے گزارش کرتے تھے کہ وہ ازراہ لطف یہ تبرکات انہیں لوٹا دے۔"

"ہاں ایسا ہی ہوگا۔" سائرس نے انہیں یقین دلایا۔

یہودی اکابرین بے ساختہ اس کی حمد و ثنا کرنے لگے۔ اور اسے دعائیں دینے لگے۔ اب عظیم بادشاہ انہیں ـــــ تمام بابلی یہودیوں کو طوقِ غلامی سے بھی نجات دے دے۔ تاکہ وہ آزادانہ اپنے وطن یہودیہ جاسکیں۔ اور اپنا ہیکل از سر نو تعمیر کر کے اس میں وہ تبرکات سجا سکیں۔ کیونکہ اس شہر اور ہیکل کی تباہی کے بعد یہوا وہاں سے رخصت ہو چکا تھا۔

سائرس نے ان کی تمام باتیں سنیں اور کہا۔ "یہ میرا حکم ہے کہ وہ تمام لوگ جو اپنے اپنے وطنوں سے پکڑ کر بابل لائے گئے ہیں۔ اب آزاد ہیں اور خوشی سے اپنے وطنوں کو واپس جا سکتے ہیں۔ کیا یہودی دوسروں سے مختلف ہیں؟ میرے حکم کے دائرے میں سب لوگ آتے ہیں۔ تم لوگ جب چاہو اپنے وطن واپس جا سکتے

جب اکابرین اس کے سامنے تعظیماً رکوع میں جھکنے کے بعد رخصت ہونے لگے تو سائرس نے یعقوب عجیبی کو وہیں روک لیا ۔

"تم اسے مرد دانا ۔ تم کیا اپنے ہیکل کی تعمیر کرنے کے بعد وہاں کوئی خدا نہ سجاؤ گے ؟"

لمحہ بھر کے لیے یعقوب خاموشی سے سائرس کے چہرے کو دیکھتا رہا ۔ پھر بولا ۔

"اے عظیم شہنشاہ ۔ آپ جانتے ہیں ہم یہودی کسی بے جان مجسمے کو نہیں پوجا کرتے ہم یہوا کی عبادت کرتے ہیں ۔ وہ انسانی نظروں سے پوشیدہ ایک ان دیکھا خدا ہے ۔ ہم اپنے ہیکل کی تعمیر اس کی وجہ عبادت کے لیے کریں گے ۔ اس کی تعمیر کے لیے میں اپنی کثیر دولت وقف کروں گا ۔"

یعقوب عجیبی آدھا یہودی آدھا بابلی تھا ۔ اپنے وطن کی نسبت اسے بابل سے زیادہ لگاؤ محسوس ہوتا تھا یہی لگاؤ اس وقت اس کے پیروں کی زنجیر بن گیا تھا ۔ اس کے علاوہ اس کے بہت سے ساتھی بھی ایسے تھے جن کی زندگیاں فرات کے کناروں پر بسر ہوئی تھیں ۔ جہاں ان کے بچے پیدا ہوئے تھے ۔ پھلے پھولے تھے ۔ یعقوب ہرگز اپنے ہم مذہبوں کے ساتھ یہودیہ کا سفر نہ کرنا چاہتا تھا ۔ جواب محض ایک نام ہی رہ گیا تھا ۔

اس شام یہودی کبار کے کنارے اپنی عبادت گاہ میں جمع ہوئے یسعیاہ کی آواز انتہائی جوش و مسرت کی جھلک لیے اس عبادت گاہ میں گونجنے لگی ۔

"پس کہا اللہ تعالیٰ نے ، میں اپنے بندے سائرس کا دایاں ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور تمام اقوام کو اس کے قدموں میں جھکا دیا ۔ تمام بادشاہوں کے تاج میں نے اس کے سامنے گرا دیے ۔ میں نے اس کے سامنے وہ دو بڑے دروازے کھول دیے جو اب کبھی بند نہ ہوں گے . . . ۔

—— ۔ ۔ ۔ اس نے سائرس سے کہا۔ میں تیرے آگے آگے چلوں گا۔
اور اس گمراہ قوم کو صراطِ مستقیم دکھاؤں گا۔ میں پیتل کے وہ بھاری بھرکم دروازے توڑ دوں گا۔ اور لوہے کی رکاوٹیں سب ہٹا دوں گا۔

—— ۔ ۔ اور میں تجھے اندھیاروں کے خزانے اور خفیہ جگہوں پر پوشیدہ دولت عطا کروں گا۔ تاکہ تو جان لے کہ میں خدائے جبار و قہار، جس نے تجھے تیرے نام سے پکارا ہے۔ خدائے اسرائیل ہوں۔ ۔ ۔ "

یہ پس کہا اللہ تعالیٰ نے —— کہ سائرس، میرا چرواہا ہے۔ اس نے میری خوشنودی کے کام کیئے ہیں۔ اس نے یروشلم کی آبادکاری ممکن بنائی ہے اللہ تعالیٰ نے یروشلم سے خطاب کیا ہے۔ اے یروشلم! اب تو از سرِ نو تعمیر ہوگا۔ تیرا ہیکل بھی دوبارہ تعمیر ہوگا۔ تیری بنیادیں پھر مستحکم کی جائیں گی۔ ۔ "

نغمہ خوانوں کی روانگی

پھر بابل کے پانیوں سے مزدور، نہریں کھودنے والے، اور معلق باغات کے مالی، باغبان، اینٹوں کے بھٹوں سے اور اسفالٹ کے کارخانوں سے سیاہ پڑے ہوئے بھٹیوں پر کام کرنے والے اور بدروؤں سے بھنگی اور کوڑا کرکٹ اٹھانے والے سب نکل آئے۔ یہ غلام یہودی اپنی عورتوں بچوں اور اپنے مال اسباب سے لدے گدھوں اور مویشیوں کے ساتھ ہجرت کے لیے تیار ہو گئے۔ یہودا اور بن یمین قبیلوں کے سرداروں اور اکابرین نے تشتری کے بعد اپنا مذہبی تہوار دھوم دھام سے بلا روک ٹوک منایا۔ انہوں نے منطلہ کی ضیافت کی تقریب بھی کھلم کھلا منائی۔ اس کے سرداروں نے اپنے قبیلے کے افراد کی گنتی کی۔ اس موقع پر سائرس کا خزانچی مہرداد اگبتانا سے آن پہنچا تھا۔ اس نے اپنی نگرانی میں اساگیلہ سے یہودیوں کے تبرکات نکلوا کر ان سونے چاندی کے ظروف کی گنتی کروائی۔ اور انہیں یہودی اکابرین کے حوالے کر دیا۔ پھر یہودیہ کے ایک شہزادے ششبزر نے اپنے لوگوں اور ان کے مال اسباب سمیت مغربی صحراؤں کے پار سفرِ ہجرت کا آغاز کیا۔

یعقوب عجیبی اور اس کے ساتھی یہودی ساہوکار اور وہ یہودی خاندان جو بابل میں رہتے ہوئے خوب پھلے پھولے اور خوشحال ہوئے تھے اس سفر خروج میں شامل نہ ہوئے۔ انہوں نے اس میں اپنا نقصان دیکھا تھا۔ انہیں معلوم تھا کہ یہودیہ کا شہر بالکل تباہ و برباد ہو چکا تھا اور ایک ہولناک ویرانے میں تبدیل ہو چکا تھا۔ حضرت داؤدؑ کے اس شہر کی عظمت و شوکت رخصت ہو چکی تھی۔ دو نسلوں تک تو بابل کے یہ یہودی وہیں اپنے گھر بناتے اور اپنی تجارت کو فروغ دیتے رہے تھے۔ وہیں ان کے خاندان پھلتے پھولتے رہے تھے۔ اور اب ان کے بچے بابلی زبان کے سوا کوئی زبان نہ بول سکتے تھے۔ اور یہودی مذہبی اکابرین جو قانونِ موسیٰؑ کو سینے سے لگائے ہوئے تھے فرات کے کنارے اپنی عبادت گاہوں میں اسی طرح عبادات کرتے اور مذہبی رسوم کی ادائیگی کرتے رہے تھے۔ جیسا کہ ان کے باپ دادا کیا کرتے تھے۔

بابل ہی میں رہنے کو ترجیح دینے والے ان امیر کبیر یہودیوں نے یروشلم جانے والے قافلے کو ہیکل کی تعمیر کے لیے بھاری مقدار میں چاندی دی۔ یہ قافلہ زیادہ تر مزدوروں اور اسی قبیل کے لوگوں پر مشتمل تھا۔ جب انہوں نے شارع اداد کے پل پر چلنا شروع کیا۔ تو ان کے ہمراہ مال اسباب سے لدے جانوروں کی بھاری تعداد تھی اور کوئی چھکڑے وغیرہ نہ تھے کیونکہ ریگزاروں کے سفر میں چھکڑے کام نہ دے سکتے تھے۔ ان کے ہمراہ سات سو گھوڑے، چار سو اونٹ اور دو سو خچر تھے۔ ان کے لدے ہوئے گدھوں کی تعداد چھ ہزار تھی ہجرت کرنے والے خود گھوڑوں، اونٹوں اور خچروں پر سوار تھے۔ اس قافلے کے ہمراہ دو سو کے لگ بھگ ایسے مرد اور عورتیں بھی تھے جو ساز بجاتے اور گاتے جا رہے تھے۔

اسپاگیلہ کے چبوترے سے سارٹس اور گوبارد یہودیوں کی اس ہجرت کا نظارہ کر رہے تھے اور انہیں گاتے بجاتے سن رہے تھے۔ گوبارد نے اس سے قبل دوسرے جلوسوں کو اپنے دیوتاؤں کے مجسموں کے ساتھ کشتیوں، رتھوں اور چھکڑوں میں اپنے علاقوں کی طرف روانہ ہوتے دیکھا تھا۔ اس نے عشتار کو بھی اپنے دروازے سے گزر کر اروک جانے والی سڑک پر ہو لیتے ہوئے دیکھا تھا۔

"لیکن ان یہودیوں کے ہمراہ ان کے کسی معبود کی شبیہہ نہیں"، اس نے کچھ حیرت سے کہا "یقیناً ان کا معبود ویران ہی ہو گا"

سارٹس نے سرہلا کر گوبارد لوبڑھا ہو تا جارہا تھا۔ وہ ابھی تک یہ یقین رکھتا تھا کہ کسی شبیہہ میں کوئی آسمانی طاقت ضرور حلول کیے ہوتی تھی۔ یا پھر وہ اس شبیہہ کو اپنی خصوصی قوت سے نوازے ہوئے ہوتی تھی۔ گوبارد خود بڑی دھوم دھام سے منوشنک دیوتا کے انتہائی قدیم اور انتہائی کریہہ المنظر مجسمے کو اس کے اصل گھر شوشان کے معبد میں اٹھوا کر لے گیا تھا۔ جہاں سے اشور بنی پال اسے اٹھوا لایا تھا۔ اس پر اس کے عیلامی، جنہیں گوبارد دوسرے لوگوں سے بہت افضل اور برتر سمجھتا تھا۔ انتہائی ممنون و مشکور تھے۔ تاہم شوشنک کی عدم موجودگی میں بھی وہ بطریق احسن اپنا کام چلاتے رہے تھے۔ وہ اس طرح کہ انہوں نے اپنے خدا کی عدم موجودگی اپنی عقیدت و محبت کا دھارا اپنے اضافی دیوتا گوبارد کی طرف موڑ رکھا تھا۔

"میں کبھی نہیں سمجھ سکا کہ یہ مختلف النوع دیوتا آخر کس قسم کی قوت و اختیارات رکھتے ہیں"، سارٹس نے کہا "ماگی اپنے آہورا مزدا کی کوئی واضح تشریح میرے سامنے نہیں پیش کر سکے جبکہ وہ خداؤں کا خدا کہتے ہیں۔ یہ آہورا مزدا لگتا ہے۔ الیسا ہی ان دیکھا معبود رہے جیسا کہ یہودیوں کا یہوا ہے۔ جس کے متعلق وہ کہتے ہیں

کہ وہ کائنات میں ہر جگہ موجود ہے۔"

"آہورا کے ماننے والے ابھی بہت کم تعداد میں ہیں۔"

سائرس نے اس کا اعتراف کیا۔ لمحہ بھر کے لیے اس کے ذہن میں ایک نیا خیال پیدا ہوا۔ کیا واقعی ایسے کسی خدا کا وجود تھا جو ان دیکھا تھا اور کائنات میں ہر جگہ موجود تھا؟ نیکی اور بدی جس کے تابع تھیں۔ اسے بھلا کیا نام دیا جا سکتا تھا؟ کیا یہ ممکن تھا کہ مانگی بابل میں داخل ہو جائیں۔ اور اپنے عقیدے کا یہاں پرچار شروع کر دیں اس نے بات بدلتے ہوئے کہا۔ دریا کے بہتے ہوئے پانی سے خندق اور کیا نہر دونوں بھری جا سکتی ہیں۔ بخت نصر نے اپنے شہر کی حفاظت کا واقعی بڑا اچھا منصوبہ تیار کیا تھا۔ لیکن اس نے اس کی صحت کے لیے کچھ نہیں کیا۔

اس سال کے ہر چاند کے ساتھ بابل کے خدوخال میں تبدیلی آتی گئی۔ فوج اور یہودی کے رخصت ہونے کے بعد عبوری بھی دریا کے پار اپنے وطن سدھار گئے۔ آرای اپنے ریوڑ ہنکاتے ہوئے مغرب کی طرف چلے گئے۔ سمندری ساحلوں پر بسنے والے اپنی پام کی لکڑی کی کشتیوں میں بیٹھ کر اپنے ساحلوں کو واپس سدھار گئے۔

اس وقت بابل کی تاریخ رقم کرنے والے کاتبوں نے لکھا کہ طوریں پہاڑوں کے عقب سے نمودار ہونے والے کارواں، فونیقی شہروں سیدون طائر سے آنے والے وفود عظیم بادشاہ سائرس کی خدمت میں بیش قیمت تحائف لے کر حاضر ہونے لگے تھے۔ ان آنے جانے والوں کی بدولت مشرق و مغرب کی سڑکوں پر بڑی چہل پہل اور گہما گہمی دکھائی دینے لگی تھی۔ معلق باغات اور بینار بابل میں کوئی تبدیلی پیدا نہ ہوئی تھی۔ وہ بدستور شان و شوکت سے سر اٹھائے اپنی جگہوں پر کھڑے رہے تھے۔ لیکن ان کے نیچے شہر کے خدوخال بدلنے لگے تھے، وہاں مختلف اقوام سے تعلق رکھنے والے لوگ بڑی تعداد میں گھومتے پھرتے دکھائی

دینے لگے تھے۔ چونکہ پتیل کے بھاری بھرکم پھاٹک کھول دیے گئے تھے۔ اور ایگور بل اور نینی بل کی عظیم دوہری فصیلیں رفتہ رفتہ ویران ہوتی جارہی تھیں۔

یہ کسی نے نہ دیکھا کہ ایک عظیم تبدیلی ظہور پذیر ہونے کو تھی۔ کاہنوں نے رقم کیا کہ وہ زمانہ عظیم بحرانوں اور تبدیلیوں کا زمانہ تھا۔ وہ لوگ اور وہ دیوتا جو بابل کو خیر آباد کہہ گئے تھے پھر کبھی وہاں لوٹ کر نہ آئے۔ اور عشتار اور بنو کے نام بھی اب کم سے کم لیے جانے لگے تھے۔

ایک زمانہ اختتام پذیر ہو رہا تھا اور اسے انسانی نظریں نہ دیکھ سکتی تھیں۔ قدیم مشرقی سامی شہنشاہتیں تاریخ کے صفحوں سے ہمیشہ کے لیے غائب ہو گئیں۔ اور ایرانیوں اور آرین یونانیوں کے نئے دور کا آغاز ہوا۔

ماگی کا بلاوا۔ تمام راستے سمندر کی طرف جاتے ہیں

انسان قدیم زمانے کی شام کو سو کر جدید زمانے کی صبح کو نہیں بیدار ہوتے ہیں۔ نہ پیغمبر جو یہ پیش گوئی کرتے ہیں کہ کوئی نئی تبدیلی ظہور پذیر ہونے والی ہے اس تبدیلی کی نوعیت کی وضاحت کر سکتے ہیں۔ بابل یا بابرش کے باشندے سائرس کی حکومت کے زیرِ سایہ راتوں کو آرام و چین سے سوتے تھے اور صبحوں کو اس احساس کے ساتھ بیدار ہوتے تھے کہ اب ان کی پرانی دنیا میں، جس کا مرکز بابل تھا، ان پر ایک نیا بادشاہ حکمران تھا۔

ہر چند کہ ایسی کوئی بات نہ تھی۔ ہخا منشیوں کا امن و امان باختر یا سے ملی تس تک غروبِ آفتاب کے سمندر تک پھیلا ہوا تھا۔ تجارتی کاروانوں سے سمندری ساحلوں تک بین البراعظمی سفر شروع کر دیئے تھے۔ ملی تس کی آبادی خوب پھل پھول رہی تھی۔ اور اس کے سائنس دان تعلیم و تدریس کے ذریعے دولت کی کمانے کے لیے دور دراز کے علاقوں کا سفر کرنے لگے۔ ملی تس کا قابلِ فخر فرزند فیثا غورث مصر میں اپنے تجربات

مکمل کر کے کروٹونا چلا گیا۔ یہ بعد میں معرضِ وجود میں آنے والے ملک اٹلی کا ایک ساحلی شہر تھا۔ یہاں اس نے جدید طبی مرکز کی بنیاد رکھی۔ اسی اٹلی کے مغربی ساحل پر اناطولیہ کے پہلے مہاجر اترسکنی آ کر آباد ہو گئے تھے۔ وہ عرصہ دراز تک وہاں آباد رہے وہ بڑے بلند پایہ فنکار تھے انہوں نے اپنے دھات کے بڑی مہارت اور کاریگری سے بنائے گئے، برتنوں اور دیگر آرائشی اشیا کو سمندر کے ذریعے دور دراز کے ملکوں کی تجارتی منڈیوں میں پہنچایا۔ اپنے بہادر کی قصبات بالخصوص ترکوانیا میں اترسکنی ہنرمند اور فنکار ایک نشاۃ ثانیہ کے دور سے گذر رہے تھے۔ وہ پتھریلے مقابر کی دیواروں تک ہر رنگا رنگ خوبصورت تصاویر بنایا کرتے تھے۔ اور ان کی یہ تصاویر بالکل جدید اور نئے طرز کی ہوتی تھیں۔ ان ہنرمندوں نے میراث کے طور پر کریٹ کے فنکاروں جیسی نزاکت کے ساتھ زیب و زینت اور بہترین رنگ آمیزی کا شوق پایا تھا جبکہ مصریوں کی متانت اور لیڈیا اور شامیوں کا فطری پن بھی ہوئے ہوتے تھے۔ فنکار البتہ اب انسانی شکلوں صورتوں کو خاکوں کی صورت ہی بناتے تھے۔ بلکہ انہیں زندہ انسانوں کی طرح بناتے تھے اور ان میں قدرتی رنگوں کی رنگ آمیزی کرتے تھے۔ جس سے یہ تصاویر جیتے جاگتے انسانوں کی تصاویر دکھائی دینے لگتی تھیں۔

اترسکنی نو آبادیوں سے سمندر پار قرطاجنیوں کی تجارتی بندرگاہیں پھیلی ہوئی تھیں جو فونیقیوں کی اولاد تھے۔ جو شمالی افریقہ میں جا کر بس گئے تھے۔ اور ایک نئے طرزِ حیات کے خوگر ہو گئے تھے۔ قرطاجنیوں کے بحری جہاز اترسکینوں کے جہازوں کے مقابلے میں بہت اعلیٰ قسم کے ہوتے تھے۔ اور سمندر کے مغربی دروازے کی سمت سفروں میں ان پر سبقت لے جاتے تھے۔ قرطاجنی بڑے باہمت اور جیالے ملاح تھے۔ جنہیں ہر دم نئے سمندروں اور ساحلوں کی تلاش

رہتی تھی ۔

دریافتوں کا زمانہ شروع ہو چکا تھا۔ فنکائیوں جیسے ہم جولوگ جو ایرانیوں کے ایونیا پہنچنے کے بعد وہاں سے نکال دیے گئے تھے، اس نتیجے پر پہنچے کہ بحیرۂ روم یا بحیرۂ وسطی کے علاوہ دنیا میں اور بھی بہت سے سمندر موجود تھے۔ یونانی دیو مالا کی رکاوٹ، مغرب میں ہرکولیس کے ستون اور کوہستان کوکیس جو مشرق میں واقع تھے جہاں صرف فرضی داستانوں کے کردار آرگوناٹس ہی پہنچ سکتے تھے فنیقیوں کے جہازوں کو انجانے سمندروں اور سرزمینوں کی تلاش سے باز نہ رکھ سکے تھے۔

ایتھنز میں پیسس ٹراٹس اس امر سے بخوبی آگاہ تھا کہ نئی دریافتوں کا زمانہ شروع ہو چکا تھا۔ اس روشن خیال حکمران نے اس وقت تک وہ محرابی نالہ تیار کر لیا تھا جس کی بدولت پہلی مرتبہ اس کا شہر بہتے ہوئے پانی سے مستفید ہونے لگا تھا۔ اس کے علاوہ اس نے ہومر کی تمام رزمیہ نظموں کو اکٹھا کر کے انہیں ایک مجموعے "ایلیئڈ" کی صورت میں ترتیب دیا۔ اس کی بدولت اس کی رعایا اپنے ان آباؤ اجداد کے کارناموں سے آگاہ ہوئی جو بڑے بہادر اور جری واقع تھے۔ زبردست جنگ باز تاج تھے اور ٹرائے کے اناطولی یونانیوں سے زیادہ بلند پایہ کے تلوارباز تھے۔ ہر چند کہ دیوتا دونوں طرفوں کی مدد و حمایت کرنے والے ایک سے ہی دیوتا تھے۔ ایلیئڈ پڑھنے والے اور سننے والے ایتھنی باشندوں کو اس بات پر خاصی حیرت ہوا کرتی تھی کہ ایک بہتر تیکنیک طریقے سے تیار کی ہوئی لوہے کی تلوار سے وہ کام کر ڈالتا کو ناممکن ہوا کرتا تھا جسے دیوی آتھینس کی مداخلت ممکن کر دکھاتی تھی کیا ایک ہیرو انسان تقدیر کی مرضی کے خلاف کچھ نہ کر سکتا تھا

پیسس ٹراٹس نے اپنے آباؤ اجداد کی اپنی بہادرانہ روایات کی روشنی میں ہم جو فنکائیوں اور آیونیا کے کاروانوں کے نقش قدم پر چلتے ہوئے تلاش و

جستجو کی نئی مہمات تشکیل دیں۔ اور یوکزین یا بحیرہ اسود یعنی مشرقی سمندر کے بڑے جزیرہ نما کو اپنا مستقر بنا لیا۔ اس دور دراز کے سمندر میں ایتھنی جہازوں کی آمدورفت آبنائے دروانیہ یا درۂ دانیال کا کنٹرول ان کے ہاتھ میں دے سکتی تھی جسے یونانی ہیلس پونٹ کہتے تھے۔ یعنی یونانیوں کا سمندر۔ اسی آبنائے پر پیش قدمی کرتے چلے آنے والے ایرانیوں نے اپنی سرحدی چوکیاں قائم کر رکھی تھیں۔ اس وقت ایرانیوں اور یونانیوں کے مابین کسی قسم کے تصادم کی نوبت نہ آئی کیونکہ ایرانیوں کو صرف زمین پر غلبہ حاصل کرنے کی خواہش تھی۔ جبکہ ایتھنی اور سپارٹی سمندروں پر غلبہ حاصل کرنے کے خواہش مند تھے۔

خاصی عجیب بات تھی کہ اس طرح کرتے ہوئے پیسس ٹراٹس سائرس ہی کی نقل کر رہا تھا کہ وہ اپنے تندرست و توانا نوجوانوں کو ساحلی علاقوں میں کھیتی باڑی کرنے زراعت کو ترقی دینے اور دور دراز کے ساحلوں پر آبادکاری کے لیے روانہ کر رہا تھا۔ ایتھنیوں کی اس مرکزیت کی پالیسی کا ایک مقصد تھا۔ وہ یہ کہ اسکی بدولت غیر مطمئن اور آسودہ نوجوان سیاست میں ملوّث ہونے سے محفوظ رہتے تھے اور پیسس ٹراٹس کی حکومت کی پائیداری اور مضبوطی کا سبب بنا کرتے تھے۔ اس سے بھی زیادہ عجیب بات یہ تھی کہ یونانی حکمران کی یہ دو قسموں میں تقسیم پالیسی اس کے شہر ایتھنز کی شان و شوکت اور پھیلاؤ میں اضافہ کر رہی تھی جبکہ سائرس کے "دائمی پورا" کی بدولت بابل کی حیثیت گھٹتے گھٹتے ایرانی شہنشاہیت کے دوسرے شہروں کے برابر آ گئی تھی پھر یہ بھی تھا کہ یونانی اپنی شہری ریاستوں کے لیے ہر کام کرتے تھے۔ یعنی ان کی توانائیاں اور خدمات سب اپنی الگ شہری ریاستوں کے لیے وقف تھی۔ جبکہ سائرس ہخامنشی دنیا کی پہلی عظیم الشان شہنشاہیت کے قیام کی جد و جہد مسلسل و پیہم میں مصروف تھا۔

بابلیوں کی فرمانبرداری اور تملق کے باوجود سائرس کو بابل میں رہتے ہوئے کوئی لطف نہ آ رہا تھا۔ پھر بھی وہ اسے جلد نہ چھوڑ سکتا تھا۔ اس کے ہاتھوں معاشرتی ڈھانچے کی تبدیلی کے مارے یعنی بابلی امرا اور روسا کو اسکے خلاف کر دیا تھا۔ کیونکہ اب وہ غلاموں سے مشقت و بیگار لینے اور اسی قسم کی دوسری سہولتوں اور مراعات سے محروم ہو گئے تھے۔ بنونیدس جیسے ایک لاپرواہ حکمران کے زیر سایہ ان کی زندگیاں بڑے عیش و آرام سے گزر رہی تھیں۔ اور نیا بادشاہ ان سے یہ توقع رکھتا تھا کہ وہ عیش و چین کی زندگیاں گزارنا چھوڑیں اور اپنے آپ کو دوسروں کے لیے، معاشرے کے لیے سودمند ثابت کرنے کی کوشش کریں۔ اور یہ ایسی بات تھی جو عیش و آرام کے خوگر ان لوگوں کے لیے غیر متوقع اور ناممکن العمل تھی۔ ماہ بہ ماہ گزرتے کے ساتھ بابلی امرا و روسا کو بنونیدس کے بے ضرر صوفی پن اور بل شزر کی شجاعت اور جنگی شہرت کی یاد تڑپانے لگی۔ ساتھ ہی عظیم بخت نصر کا فتوحات و تعمیرات کا شاندار زمانہ یاد آنے لگا اور وہ وقت یاد آنے لگا جب بابل کو دنیا بھر کے شہروں کی عروس کہا جاتا تھا۔ گئے گزرے وقتوں کی یہ یادیں اہل بابل کے دلوں میں کسک بن کر انہیں بے چین و مضطرب رکھنے لگیں۔

اہل بابل کا یہ اضطراب اور مخاصمانہ جذبات ان شکایتوں کی صورت میں پھوٹ بہے کہ غیر ملکیوں پر ضرورت سے زیادہ ہی مہربانیاں اور نوازشات کی جاتی تھیں۔ چمڑے کے پاجامے اور کھالوں کے لباس پہننے والے ان وحشی اور غیر مہذب حکمرانوں کو صحیح معاشرتی قوانین اور ضوابط کا علم ہی نہیں تھا۔ سارگون کے قوانین کی قدر و وقعت انہوں نے ختم کر کے رکھ دی تھی "سارگون کے بعد سے انصاف و قانون کی حکمرانی ہی ختم ہو چکی تھی۔"

بابلیوں کی اس پوشیدہ مخاصمت اور باغیانہ پن سے آگاہ ہونے ہوئے

سائرس نے ریموت سے رجوع کیا کہ وہ اس سلسلے میں کوئی تدبیر کرے ۔
"ہم ایک گیت بنائیں گے" تجربہ کار ریموت نے فیصلہ دیا "اہلِ بابل کو گلیوں میں گائے جانے والے گیتوں سے زیادہ کوئی چیز متاثر نہیں کر سکتی ۔"

ان کے جوابی پراپیگنڈا قسم کے گیت میں بنونیدس کی حکومت کی خرابیوں کو بیان کیا گیا تھا " بنونیدس کو آوارہ گردی کرنے کا شوق تھا بہ نسبت اپنی رعایا پر عدل و انصاف سے حکومت کرنے اور اسکی خبر گیری کرنے کے ۔ اس نے تاجروں کی آمد بند کردی اور کسانوں سے ان کے ہل بیل سب چھین لیے ۔ اسے صرف اناج کی کٹائی پر خوشیاں منانے سے مطلب تھا ۔ اس نے نہری پانیوں کو بند کروا دیا ۔ اسطرح کھیتوں کو سیراب ہونے سے محروم کر دیا ۔ اس نے دریائی پانی کو اپنے بہاؤ پر بہنے دیا ۔ اچھے اور اچھے کام کرنے والے شہریوں پر افسوس ہے ۔ جو کھلی جگہوں پر ہنسی خوشی نہ پھر سکتے تھے ۔ ان کے چہرے مسکراہٹ سے محروم تھے ۔ نہیں اپنے آس پاس کوئی خوشی نہیں دکھائی دیتی تھی ۔

اس گیت میں بنونیدس اور اس کی حکومت کی مذمت کی گئی تھی " اس پر دراصل ایک بدروح کا سایہ تھا ۔ اسی وجہ سے وہ ایک برا آدمی بن گیا تھا ۔ اس نے اپنی رعایا سے نظریں پھیر لی تھیں ۔ اور اپنے لیے صحرا میں ایک الگ شہر بنا لیا تھا اس نے اکد کی فوج کو مفلوج کر دیا تھا ۔ اور اپنے لوگوں کی آہ و زاری کی طرف سے اپنے کان بند کر لیے تھے ۔ اس کا عہد حکومت اہل بابل کے لیے ایک عذاب تھا دکھ تھا ۔ کرب تھا "

سائرس اس امر پر خاص الجھا ہوا تھا کہ ریموت کے اس گیت میں کہیں خود اسکی تضحیک کا پہلو تو نہ نکل رہا تھا ۔ اس کے مشورے پر اس گیت میں چند مزید شعروں کا اضافہ کیا گیا اور انہیں گلیوں سڑکوں پر الاپا جائے ۔ بنونیدس

نے یہ احمقانہ الزام تراشی کی تھی کہ وہ سائرس پر فتح حاصل کرے گا۔ اس نے یہ کذب بیانی کی تھی کہ سائرس اس کی تختی پر کندہ تحریر نہ پڑھ سکے گا مگر دیوتاؤں نے سائرس کو وہ تحریر پڑھادی۔ سائرس نے بنجر زمین کو دوبارہ قابل کاشت بنا دیا۔ وہ زمین اس قابل ہو گئی کہ اس میں سے بیج پھوٹ پڑے۔ اپنے پہلے نئے سال کے موقع پر اس نے اہل بابل کی خوشیوں اور مسرتوں کو بحال کیا۔ اس نے ان کے دلوں کو مطمئن کیا اور ان کی زندگیوں کو پرمسرت بنا دیا۔ اس نے تباہ شدہ معبدوں کو پھر سے تعمیر کروایا۔ اور ان کے دیوتا وہاں لا کر آباد کر دیے۔ اس نے دکھی اور لاچار لوگوں کو پھر سے جینے کا ڈھنگ سکھایا۔ اسی لیے اب نبونیدس زندان میں پھینکا جا چکا ہے اور مردوک نے سائرس پر اپنا ہاتھ رکھتے ہوئے اسے بابل کی بادشاہی عطا کر دی ہے۔ ہماری دعا ہے کہ مردوک کا سایہ اس پر ہمیشہ قائم رہے۔

اس پراپیگنڈا گیت نے قوم پرستوں پر کوئی اثر نہ ڈالا اور نہ ہی ان کی مخاصمت کو ختم کیا۔ البتہ گلیوں، بازاروں کے لوگ اسے سن سن کر لطف لیتے رہے۔ عوام کو بخوبی یاد تھا کہ کس طرح انہیں پانی سے محروم کر دیا گیا تھا اور کس طرح وہ ٹیکسوں کے بھاری بوجھ تلے دبے ہوئے تھے۔ جو سال بہ سال بڑھتے ہی جاتے تھے۔ ان حالات میں وہ کسی بھی تبدیلی کو بہتر سمجھتے تھے۔

زریانے اپنے طور سائرس کو مشورہ دیا کہ وہ ان ماہرین نجوم سے رجوع کرے جو آسمان کے ستاروں کی چالوں کا حساب رکھتے تھے۔ یہ سائنس دان اپنے مینار کے دفتر میں اپنے آلات کے ساتھ خاموشی سے اپنے کاموں میں مصروف رہتے تھے۔ سائرس کے دل میں ان لوگوں کے لیے بڑی قدر و منزلت پیدا ہو گئی تھی۔ وہ گھنٹے کے ساٹھویں حصے تک ایک ستارے کی نقل و حرکت کا مشاہدہ کرتے اور اس کا حساب رکھا کرتے تھے۔ بابلی ساٹھ کو کنٹرول کرنے والا عدد

شمار کرتے تھے۔ انہوں نے سارو س یعنی سالوں کے اس عظیم چکر" کو بھی دریافت کیا تھا۔ جسکے بعد سورج اور چاند کے گرہنوں کا وقت ترتیب کے ساتھ آتا تھا۔ انہوں نے ازل تا ابد مرورِ ایام کا حساب رکھا ہوا تھا۔ ایک صاف ستھرے دن میں بھی وہ کسی بھی وقت ایک نشان زدہ پیالے کے مرکز میں ایک کانسی کی سوئی کھڑی کر کے صحیح صحیح وقت کا حساب لگا لیا کرتے تھے۔ اس کھڑی سوئی کی نوک کا سایہ جس جگہ پڑتا تھا۔ اس جگہ کے مطابق گھنٹے اور منٹ کا حساب لگا لیا جاتا تھا۔ یہ ستارہ بین ہندسوں کے اسرار کو بھی کھوجتے تھے۔ وہ یہ تشریح کرتے تھے کہ ہندسے درحقیقت دو سمتوں کی طرف سفر کرتے تھے۔ انہیں اوپر سے نیچے اور نیچے سے اوپر بھی گنا جا سکتا تھا۔ ہر گنتی کا آغاز دوبارہ یعنی صفر سے ہوتا تھا۔ یہ ذہین و فطین کلدانی اپنے ایرانی شہنشاہ کے لیے ایک مناسب و موزوں زائچہ بنانے پر بخوشی تیار ہو گئے۔

سائرس نے اپنا زائچہ بنوانے سے پہلے تھوڑی دیر تک کچھ سوچا۔ پھر کہا کہ وہ اپنا نہیں بلکہ اپنے بیٹے کمبی سس کا زائچہ بنوانا چاہتا تھا۔ بابلیوں کو شاید اس سے کوئی بڑی توقعات نہیں تھیں۔ لیکن انہوں نے کمبی سس سے ضرور امیدیں لگا رکھی تھی۔ جو شاہِ بابل کہلانے میں فخر محسوس کرتا تھا۔

کلدانی نجومیوں نے کمبی سس کا زائچہ بنا کر سائرس کو بتایا کہ وہ بادشاہ کا بیٹا ہلالی چاند کے نشان کے نیچے کھڑا ہوا ہے۔ اس میں تیر انداز کا نشان بھی شامل ہے۔ اس لیے یہ صاف دکھائی دیتا ہے کہ عظیم بادشاہ کے بیٹے کے عہدِ حکومت میں۔ دیوتا اسکی عمر دراز کریں۔ ایرانی سلطنت اور بھی وسیع ہو گی۔ اور جنگوں کے ذریعے اسکی شان و شوکت میں اضافہ ہو گا۔"

یک ذہین کمبی سس نے یہ پیش گوئی اپنے حافظے میں محفوظ کر لی۔ سائرس

اس پر مطلب تھا کہ وہ قربانیاں، مذہبی رسومات اور جشنوں کے مواقع پر اپنی جگہ کبھی بس کو بھیج دیا کرتا تھا۔ گوبارو نئے قوانین کے نفاذ کی کوششوں میں مصروف تھا۔ اور یہ کام بڑا مشکل اور الجھا دینے والا تھا کیونکہ طرز کہن پر اڑنے کے خوگر بابل والے کسی آئین نو کو قبول کرنے پر رضامند نہ ہوتے تھے۔ پرانے ایرانی قانون کی بیشتر شق کہ کوئی زبردست زیردست پر ظلم نہ کرے حمورابی کے زمانے سے قائم چلی آرہی تھی۔ لیکن اس وقت سے لے کر اب تک اتنی تبدیلیاں معاشرتی ڈھانچے میں رونما ہو چکی تھیں۔ اور حالات ایسے الٹ پلٹ رخ اختیار کر چکے تھے کہ ایرانی قانون برداروں کو زبردستوں اور زیردستوں طاقتوروں اور کمزوروں میں تمیز کرنے میں بہت مشکل پیش آرہی تھی۔ سائرس کا اپنے پاس لائے جانے والے تحفوں کے سلسلے میں سادہ سا نظریہ بھی عام محصولات میں کمی نہ کر سکا۔

"جو پارس کردیں کیا جا سکتا ہے" گوبارو نے اس سے کہا "بابل میں کیا جانا ممکن نہیں۔ ایک کسان اپنی پیداوار میں سے کچھ دے سکتا ہے۔ لیکن ایک سوداگر قیمت دے کر چیز لیتا ہے اور قیمت لے کر دیتا ہے۔ تم نے ابیر سے عہد کیا تھا کہ مردوک اور اسکی بیوی عشتار کے خزانے مت لوٹو تو خزانے کیا بنائے گا۔ پھر تم آخر کیوں ایسا کرنے پر تلے ہوئے ہو ٹیکسوں اور محصولات سے حاصل ہونے والی رقوم سے لو۔ اور ان رقوم کو اپنے محل میں ایک شاندار ضیافت دینی اور سلسلے میں صرف کرو۔"

سائرس نے گوبارو کی تجویز پر اپنے طریقے سے صاد کیا۔ اسے اس موقع پر ماندین کا خیال آیا جس نے اپنی زندگی کے باقی ایام ابا کے متعلق اثناء میں گزارنے کی خواہش کی تھی۔ چنانچہ اس نے فوراً ہی استیاگس کی اس بیوہ کو بابل بلوا بھیجا۔ چنانچہ عمر رسیدہ ماندینا اپنے خواجہ سراؤں

خادمۂ خاص اور اپنے خزائن کے ساتھ بابل آن پہنچی اور ان کمروں میں رہائش پذیر ہو گئی جو شمورا کی موت کے بعد خالی ہو گئے تھے۔

"میرے لیے یہ انتہائی اطمینان اور مسرت کی بات ہے کہ میں اپنے بڑھاپے کے دن اپنی اس جنم بھومی میں کاٹوں گی۔" اس نے سائرس سے کہا۔ اس وقت اس کا تخت مصنوعی جنگل میں سیب کے درختوں کے نیچے بچھا ہوا تھا۔ اور اس کے ارد گرد لوبان سلگ رہا تھا جس کی تیز مہک گلیوں سے اٹھنے والی بدبوؤں کو دبائے ہوئے تھی۔

"اب میرے بیٹے۔ تم نے دنیا کا بڑا حصہ فتح کر لیا ہے۔ سوائے مصر کے جو بڑا امیر کبیر ملک ہے۔ جہاں دنیا کے عظیم خزائن موجود ہیں۔ اور وہ صاف و شفاف آئینے جنہیں دیکھ کر میری آنکھیں خوش ہو جائیں گی۔ بلاشبہ تم نے مجھے یہاں بلوا کر میرے لیے ایک ایسا مقبرہ تعمیر کروانے کے متعلق سوچنا شروع کر دیا ہو گا جس میں سنگِ جراحت استعمال کیا جائے اور سونے کے پترے استعمال کیے جائیں۔ بہار کے موسم کی چادروں کے پھر جب نرگال مجھے زیرِ زمین دنیا میں بلا لے تو میری لاش اس مقبرے میں رکھ دی جائے۔"

ماندین کے ساتھ اس بلند باغ میں بیٹھے ہوئے سائرس کو اس کی فضا میں ایک عجیب سی شان و شوکت اور لوٹ مار کا احساس ہو رہا تھا۔ اس نے مینارِ بابل کی جگمگاتی چوٹی کی طرف دیکھا۔ پھر نیچے گلیوں کی طرف دیکھا۔ جو جالی کی مانند مینار اور معلق باغات کے ارد گرد بکھری ہوئی تھیں۔ پھر اس نے دور میدانوں میں بکھرے ہوئے ہرے بھرے کھیتوں اور باغات کی طرف دیکھا جن کی سرحدیں دور ریتیلے صحرا سے جا ملتی تھیں۔ اس کے نیچے بابل کی آبادی اپنی روزمرہ کی مصروفیات میں لگی تھی۔ زندگی کا میلہ اسی طرح جاری و ساری تھا جیسا کہ صدیوں پہلے رواں

ہو اکرتا تھا۔ لوگ محنت کر رہے تھے۔ مشقت کر رہے تھے۔ انہوں نے طرح طرح
مشینوں پر، جانوروں کے ذریعے، صدیوں سے اس شہر کے یہی خدو خال چلے آ رہے
تھے۔ ان خدو خال کو دیکھتے ہوئے اسے بابل سے بیک وقت محبت بھی محسوس ہوتی
تھی اور نفرت بھی۔

سائرس نے بعد میں تاریخ مرتب کرنے والوں کو بتایا کہ عظیم تخت نصر کی بیٹی
اس کی ماں تھی۔ اسے ریکارڈ میں لکھ لیا گیا اور اس ناطے سے کبھی سس کو تخت
بابل کا حق دار ثابت کر دیا گیا۔ حالانکہ سب جانتے تھے کہ یہ بس جھوٹ تھا۔

پھر سائرس نے اپنے اپاہج دوست مہرداد کو گیتانا سے بلا بھیجا۔ اور مالیات
کا تمام انتظام اس کے ہاتھ میں دے دیا۔ اس نے حکومتی مسائل سب گو بارد کے
حوالے کر رکھے تھے۔ اب اس نے اسے ان معاملات کا مختار کل بنا دیا۔ پھر اس
نے اپنے بیٹے کبی سس کو بابل کا حکمران بنا دیا۔ اس کے بعد اپنے مخصوص پانچ ہزار سواروں
کو بیرکوں سے باہر نکل آنے کا حکم دیا۔ اور انہیں ساتھ لے کر دریا کے ساتھ ساتھ
اپنی اس نئی ستراپی کے مغربی صحرا کو کھوجنے چل کھڑا ہوا۔

ایرانی فوج سورج غروب ہوتے ہوتے عظیم میدان کو عبور کر گئی۔ جرسپاہی
کے ہمراہ پیرنے کے مشکیزے تھے۔ اور اونٹوں کی بھاری تعداد پر ان کا سامان رسد
لدا ہوا تھا۔ اب انہوں نے اس صحرا میں داخل ہونا تھا۔ جہاں کوئی زندگی موجود
نہ تھی جو بالکل بے آب و گیاہ تھا۔ جہاں آسمان پر کوئی بادل نہ دکھائی دیتا تھا۔
ایرانی فوج کے ہمراہ جو آرامی گائیڈ تھے انہوں نے سائرس کو بتایا کہ اس سے قبل
کسی بھی بڑے بادشاہ نے اس صحرا میں داخل ہونے کی ہمت نہ کی تھی۔ نہ اشور یہ
نہ بابل کے کسی بادشاہ نے نہ حتیوں کے کسی حکمران نے اور نہ ہی مصر کے کسی
فرعون نے۔ وہ جلد ہی تیما کی ان نامکمل فصیلوں کو اپنے پیچھے چھوڑ آئے جنہیں

بنونیدس نے تعمیر کروانا شروع کیا تھا تاکہ وہاں گوشۂ تنہائی میں زندگی بسر کر سکے اب یہ ہیم مکمل فصلیں ریت دفن ہوتی جارہی تھیں۔ اور وہاں جو بالی آبادکار بسائے گئے تھے انہیں قبائلی حملہ آوروں نے وہاں سے مار بھگایا تھا۔ سائرس کے خیال میں ان آباد کاروں کو دوبارہ بابل جانے کے لیے ایک بہانہ ہی چاہیے تھا۔

پھر وہ گرمی سے جھلستی ہوئی سرخ سرزمین میں داخل ہوگئے۔ یہاں جگہ جگہ کنویں کھدے ہوئے تھے جن کے گرد چھوٹے چھوٹے دیہات آباد تھے جو شہد کی مکھیوں کے چھتوں کے مانند دکھائی دیتے تھے۔ یہاں کے لوگ سیاہ پہاڑی پتھروں کے سامنے عبادت کیا کرتے تھے۔ ایک دیہات سے دوسرے دیہات تک تمام تجارتی نباتی کاروان خوشبوئیں، سونا، عرب کا نام کا بر لیے شمالی جانب سفر کیا کرتے تھے۔ یہ یا دمشق جاتے تھے یا فونیقیوں کی بندرگاہوں کی طرف۔ ان بنجر اور ویران صحراؤں میں بسنے والے لوگوں کے لیے ان تجارتی کاروانوں کا دم غنیمت تھا کیونکہ انہی کی لائی ہوئی چیزوں پر ان کی حیات کا دارومدار تھا۔

ایک گھاٹی کے محفوظ سائے میں نباتی تاجر ان معبدوں کے پیچھے پیرلمین بناکر رہا کرتے تھے جو انہوں نے پہاڑ کی دیواریں کاٹ کاٹ کر بنائے ہوتے تھے یہاں پہنچکر سائرس نے سرخ سرزمین کے آرامی اور اسماعیلی دونوں طرفوں کے سرداروں کو اپنے سامنے حاضر ہونے کا حکم بھیجا۔ اور اعلان کیا کہ اب وہ اس کی رعایا تھے۔ اور اس کے اطاعت گزار بن کر رہنا ان کا فرض ہوگا۔ اس کا قانون اس امر کی اجازت نہیں دیتا کہ ایک قبیلہ دوسرے قبیلے سے جنگ کرے اور جارحیت کا مرتکب ہو۔ ہر قبیلے کو آپس میں محبت اور دوستی سے بھائی بھائی بن کر رہنا ہوگا۔ اس کی سلطنت کی زبان آرامی ہے لہٰذا وہاں سبھی آرامی زبان مروج ہوگی۔ اس کی حکومت کا مقصد یہ ہوگا کہ وہ لوگ بھی

عظیم ایرانی سلطنت کے باشندے کہلائیں ۔ اور ان آبادیوں میں شامل ہو جائیں جو کاروانی راستوں کے ذریعے دور دریاؤں کی سرزمین سے لے کر غروب آفتاب کے سمندر تک مربوط تھیں ۔ اس طرح ایک نیا صوبہ یا سترایی وجود پا جائے گا جس کا نام عرب ہوگا ۔

ان خانہ بدوش سرداروں کی کونسل میں غیر متوقع مہمان آموجود ہوئے ۔ یہ فونیقی سوداگر تھے جو ہلکے پھلکے رتھوں میں جنہیں اونٹ کھینچ رہے تھے اپنا مال تجارت لیے سفر کر رہے تھے ۔ انہوں نے سر پر تنگ ٹوپیاں سی رکھی تھیں اور جسموں پر ارغوانی لبادے اوڑھ رکھے تھے ۔ انہوں نے اپنے آپ کو سائرس کے قدموں میں ڈال دیا ۔ اور ان کے غلاموں نے نادر و بیش و بہا تحائف لا لا کر سائرس کے قدموں میں ڈھیر کرنے شروع کر دیے ۔ شیشے کے ظروف جن پر دھنک کے رنگ بھرے ہوئے تھے ۔ کانسی کے منقش پیالے ۔ تانبے کی صراحیاں ۔ پیتل کے برتن جن پر دیو مالائی پرندے اور جانور بنے ہوئے تھے جن کے سر انسانوں کے دھڑ جانوروں اور پرندوں کے ہوتے تھے ۔ انہوں نے سائرس کو متاثر کرنے کے لیے اس کی خدمت میں ایسے زمردیں پروں کی تصویر پیش کی جو سونے کی پلیٹ میں جڑے ہوئے تھے ۔ یہ پَر ہنا نشینوں کے علامتی پروں جیسے تھے ، البتہ انہیں قدیم مصری نقاشوں نے بنایا تھا ۔ ان فونیقی سوداگروں نے سائرس کی خدمت میں سات ایسی نوخیز لڑکیاں بھی پیش کیں جن کے حسن و جمال کی نظیر نہ تھی ۔ جو ایک دوسرے سے یکسر مختلف تھیں انہیں مصر ، اتھیوپیا ، کریٹ اور ڈیلوس سے لایا گیا تھا ۔ ان میں یونانی لڑکیاں بھی تھیں ۔ ان لڑکیوں نے اپنے ہاتھوں میں چاندی کے آئینے ، خوشبودان سنگِ جراحت کے شمعدان اٹھا رکھے تھے ۔ جو انہوں نے ہمیشہ فتحیاب رہنے

بادشاہ سائرس کی خدمت میں پیش کیے۔

فونیقیوں کو امید تھی کہ ان حسن کے شاہپاروں کی جھلک عظیم ہخامنشی بادشاہ کو مغرب میں واقع ان کے وطنوں کو فتح کرنے پر ابھارے گی۔ سائرس یہ سمجھ گیا تھا۔ اس نے ہر لڑکی کو ایک ایک قیمتی پتھر انعام کے طور پر دیا۔ ایسا کرتے ہوئے اسکی نظریں کریٹ کی لڑکی پر کچھ دیر تک ہی ٹکی رہیں۔ جس کے بال سیاہ تھے۔ اور کھلے ہوئے تھے۔ ان گھنگھور جیسے سیاہ بالوں کے ہالے میں اس کی سفید رنگت چمکتی ہوئی دکھائی دے رہی تھی۔ پھر اس نے ان تمام لڑکیوں کو ان کے مالکوں کی طرف بھیج دیا اور کہا ان کی بے پناہ خوبصورتی سے مجھے خوف محسوس ہوتا ہے۔ عقلمندوں کا قول ہے کہ خوبصورتی وفاداری سے حاصل ہوا کرتی ہے۔ بلاشبہ میرے جیسے بادشاہ کے لیے یہ مناسب نہیں کہ وہ یوں خوفزدہ ہو جائے۔"

پھر اس نے ایک اور قول حکیمانہ سنا کر ان فونیقیوں کو شدید الجھن میں مبتلا کر دیا جو ایک دروغ گو کے لیے ایک تختہ بچھایا گیا تھا۔ لیکن جب اس کے جھوٹوں نے اس پر غلبہ پالیا تو انہوں نے اس کے منہ پر تھوکنا شروع کر دیا۔ زیرک و فہیم فونیقیوں نے اس کی تیز فہمی اور ذہانت پر تحیر بھرے الفاظ کہے۔ اور اس کی بات سمجھنے سے معذوری ظاہر کی۔ اس پر اس نے سیدھے سادے لفظوں میں کہا میں سچ بولنے کو ترجیح دیا کرتا ہوں۔

وہ لوگ ایک ہفتہ تک سائرس کے مہمان رہے اور اسکی صحبتوں کا لطف اُٹھاتے رہے۔ وہ اس جستجو میں لگے ہوئے تھے کہ آخر اس کے مغرب کی جانب سفر کا کیا مقصد تھا۔ وہ سرخ سرزمین سے نکلنے والے تمام راستوں سے واقف تھے۔ انہوں نے وضاحت کی کہ چونکہ گئے گزرے

وقتوں میں یہ سرزمین ان کا وطن ہوا کرتی تھی۔ اسی لیے وہ اپنے تجارتی کاروانوں کے ساتھ یہاں سے گذر کر سمندر تک اور سمندر کے پار کے سمندر تک پہنچ جاتے تھے۔ تقریباً تمام کاروانی راستے کسی نہ کسی سمندر تک ہی جاتے تھے۔ اب انہوں نے باربرداری کے جانوروں کی بجائے تجارتی بحری جہازوں کا استعمال شروع کردیا تھا۔ طائروالوں کے سیاہ جہاز مصریوں اور یونانیوں کے جہازوں سے ہزار درجے بہتر ہوتے تھے۔ اور یہ بھی تھا کہ صرف انہی کے ملاح سمندری راستوں سے اچھی طرح سے واقف تھے۔ اور ستاروں سے راہنمائی حاصل کرنا جانتے تھے۔

ہفتہ گزرنے کے بعد وہ سائرس کے پاس ایک زبانی معاہدہ کرنے کے لیے آئے۔ بابلیوں کے برعکس فونیقی کوئی بات درطۂ تحریر میں لانے تھے۔ ہرچند کہ وہ بہترین قسم کے پاپیرس کے ذخائر کے مالک تھے۔ زبانی معاہدے کے خدوخال یہ تھے کہ فونیقیا بشمول فلسطین کو بابل کی سترابی میں شامل کرلیا جائے گا۔ ان ساحلی علاقوں کے باشندے انہی قوانین وضوابط کے تابع ہوں گے جو بابلیوں پر عاید تھے۔ وہ بابل کے گورنر کے زیرِاطاعت ہوں گے۔ یعنی کمبی سس کے۔ لیکن انہیں اپنی معاشرتی و مذہبی رسومات کی ادائیگی کی آزادی ہوگی۔ اور وہ تجارتی منافع زیادہ ہونے کی صورت ہی میں اخراج ادا کیا کریں گے۔ اور زیادہ تر تجارت بابل کے ساتھ ہی کیا کریں گے۔ وقت پڑے پر فونیقی جہاز عظیم بادشاہ کی خدمت کے لیے بھی وقف کیے جائیں گے۔

سائرس اس کی ابھی کوئی ضرورت محسوس نہ کرتا تھا۔ لیکن یونانی شہروں کے ساتھ اس کی محاذ آرائی اُس کے لیے مہم مصر کا راستہ کھول چکی تھی۔ اور کمبی سس کی بڑی خواہش تھی کہ مصر پر حملہ آور ہوا جائے۔ اور یونانی جزائر کو بھی فتح کرلیا جائے۔

فونیقیوں سے جدا ہوتے وقت سائرس نے انہیں ایک دوسری ضرب المثل سنائی۔ اب وہ اس کی سنائی ہوئی کہانیاں زیادہ سے زیادہ توجہ کے ساتھ سننے

لگے تھے وہ سب سے بڑی خرابیاں دو تھیں ۔ ایک یہ کہ ایک کسان جو زمین میں ہل چلاتا ہے ۔ اپنی فصل پر محنت کرتا ہے سمجھو کا رستے لگے ۔ دوسری یہ کہ ایک طاقتور آدمی کمزور سے اس کی محنت کی کمائی ہتھیا لے یہ پھر اس نے کہا ہے میں نے ان دو خرابیوں کے خاتمے کا بیڑا اٹھا رکھا ہے ۔"

یوں ہخامنشیوں بادشاہ کا اعلان امن تمام سمندری ساحلوں تک پہنچ گیا ۔ چونکہ ساحل کے قدیم لوگوں نے اس کی حکومت سے کچھ زیادہ ہی امیدیں وابستہ کر لی تھیں ۔ اس لیے اس کے خلاف اتحاد کا خاتمہ ہو گیا ۔ نیل کے اماسس اور ایکرو پولس کے پیسس ٹراٹس نے اب ایرانیوں کے حملوں کی جانب سے فکر مند رہنا چھوڑ دیا ۔

سائرس نے سمندر کی جانب سفر نہ کیا ۔ بلکہ وہ واپس لوٹ پڑا ۔ صحرا میں سفر کے دوران اس کے لشکر کو طرح طرح کے سراب دھوکا دیتے رہے ۔ سورج کی تیز روشنی میں انہیں اپنے سامنے ایک سفید بلند و بالا فصیلوں والا شہر بیت کے سینے پر ابھرتا دکھائی دیا ۔ اس قلعہ بند شہر کے نیچے صاف و شفاف پانی کی نہر رواں تھی جس کے کنارے سایہ دار درختوں کے جھنڈ کے جھنڈ پھیلے ہوئے تھے یہ نظارہ دیکھتے ہی ایرانی بے اختیار پکار اٹھے بستند بزا یہ ہے دیوتاؤں کی رہائش گاہ جو ہمارے سامنے دکھائی دے رہی ہے !

آرامی صحراؤں میں اس قسم کے سرابوں کے عادی تھے ۔ انہوں نے ایرانیوں کو بتایا کہ اس قلعے اور پانی کی نہر اور جنگلات کا درحقیقت کوئی وجود نہ تھا ۔ جوں جوں وہ آگے بڑھتے جائیں گے ۔ انہیں یہ چیزیں غائب ہوتی معلوم ہوں گی ۔ صحرا کی ریت اکثر مسافروں کو اسی طرح کے دھوکے دیا کرتی ہے ۔ ایرانی ان میدانی سرزمینوں کی ناقابل تبدیل گرمی سے تنگ آئے ہوئے تھے ۔ اور انہیں یہ فرضی تصویریں ان دیکھے خطرات سے خبردار کرتی معلوم ہو رہی تھیں ۔ انہوں نے سائرس سے اپنے پہاڑی علاقے کی طرف لوٹ چلنے کی درخواست کی ۔ جو اس نے مان لی ۔ وہ اپنے دل میں مشرق کی جانب سفر

کرنے کی خواہش دباتے ہوئے تھا مغرب کی جانب نہیں۔ زندگی بھر کے سفروں اور جدوجہد کے باوجود اسے آریاؤں کے اصل وطن کا کوئی سراغ نہ مل سکا تھا۔ آریاؤں کا وطن ان مغربی ساحلوں کی طرف ہرگز نہ ہو سکتا تھا۔ آرین وینجہ کی دریافت کی خواہش عمر گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کے دل میں شدت پکڑتی جارہی تھی اور اب وہ اپنی عمر کے ساٹھویں سال سے بھی گزر چکا تھا۔

بابل سے اس نے اگبتانا کا رخ کیا جہاں سے وہ مہرداد کو بابل بھیج چکا تھا۔ وہاں شاہی ہرکارے زیربابل کی جانب سے مدد کی درخواست لے کر اس کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ سائرس زیربابل سے واقف نہیں تھا۔ کاتبوں نے اسے بتایا کہ یہ زیربابل یا زیربابیل جس کا مطلب اکدی زبان میں بابل کا بیج تھا، یہود کا جلا وطنوں کا لیڈر بن چکا تھا۔ اس نے لکھا تھا کہ بخت نصر کی تباہ کاریوں کے بعد سے یروشلم کی سرزمین کو بھی آباد کرنے کی کوشش نہ کی گئی تھی۔ گاؤں کے گاؤں اجڑ چکے تھے۔ کھیت ویران و بانجھ ہو چکے تھے۔ بھیڑ بکریاں چند ایک تھیں۔ سمریتی بابل سے آنے والے یہودیوں سے شدید دشمنی رکھتے ہوئے تھے۔ یہودیہ کے باشندے زیربابیل اور اس کے آدمیوں سے ہیکل سلیمانی کو اس کی بلندی پر تعمیر کروانے کے سلسلے میں ان سے پوچھ کچھ کر رہے تھے۔ اور اس عبادت گاہ کو از سرِنو اس کی گذشتہ شان و شوکت کے ساتھ تعمیر کرنے کے لیے خاصی دولت چاہیے تھی۔ جو اگر عظیم بادشاہ عنایت خسروانہ سے کام لیتے ہوئے انہیں عنایت کر دے تو یہوا کی اس پر رحمت ہوگی۔

اس درخواست پر تھوڑی دیر تک غور و خوض کرنے کے بعد سائرس نے کاتبوں کو اپنا جواب لکھوایا "جہاں تک خدا نے اس گھر کا تعلق ہے جو یروشلم میں موجود ہے۔ جہاں یہود کی عبادت کرتے ہیں۔ اور قربانیاں دیتے ہیں۔ تو اسے ضرور تعمیر ہونا چاہیے۔ اس کی بلندی نوّے فٹ اور وسعت بھی نوّے فٹ ہونی چاہیے

اس کی دیواروں میں بڑے پتھروں کی تین تہیں لگانی چاہییں ۔ اور ایک بیرونی تہہ لکڑی کی ہو ۔ اس کی تعمیر کے لیے تمام اخراجات بادشاہ کے خزانے سے وضع کیے جائیں گے ۔" اس موقع پر اسے وہ مقدس تبرکات یاد آئے جنہیں بابل سے جانے والے یہودی اکابرین اپنے ساتھ لے گئے تھے ۔ اور وہ سونے اور چاندی کے برتن جنہیں بخت لفروہاں سے اٹھا لایا تھا اس عبادت گاہ میں رکھے جائیں اور اپنی اپنی جگہوں پر سجائے جائیں

پھر اس نے بابل میں مہرداد کے نام ایک پیغام لکھوایا ۔ کہ وہ یروشلم زیروبابیل کو اس کی ضرورت کے مطابق چاندی کے ٹیلنٹ بھیج دے ۔ اس کا خیال تھا کہ صحرا پار کر کے جانے والے مہاجرین کی حالت اب تک بہت خراب ہو چکی ہوگی ۔ لیکن پھر بھی وہ اپنے وطن تو پہنچ ہی گئے تھے ۔ اب ان کا اپنا معبد تعمیر کرنا ایک امر لازم تھا سائرس اپنے آپ کو مغرب کی طرف سے لاتعلق ہرگز نہ رکھ سکتا تھا ۔ اگبتانا اس کی سلطنت کا مرکزی مقام تھا ۔ اور وہاں اسے مسائل کے بھاری انبار کا سامنا تھا ۔ آرمینا کی سرحدوں کا تعین ۔ کیسے روشیا جانے والے راستوں کا کھولنا ۔ حسب وعدہ گشتاسپ کو جنگی امداد بھیجنا ۔ کھلی سرزمین کے امیرلوں کی تربیت و تعلیم ۔

ان مسائل سے اکتا کر اس نے کروئی سس کو تلاش کیا جیاکہ وہ ساردیس میں کیا کرتا تھا ۔ اس نے اس لیڈی کو محل کے باغ کے رخ کھلنے والی کھڑکیوں والے کمرے میں ایک پلنگ پر نیم دراز سنگ مراحت کے بنے ہوئے ایک مرتبان کا مطالعہ کرتے ہوئے پایا جس پر خوبصورت گل بوٹے اور اشکال بڑی مہارت اور نفاست سے بنے ہوئے تھے ۔ کھڑکی کے راستے آتی ہوئی دھوپ میں یہ مرتبان جگمگا رہا تھا ۔ جس سے اس پر بنی اشکال اور نقوش بالکل اصلی معلوم ہو رہے تھے ۔" جس کسی نے بھی یہ مرتبان بنایا ہے " اس نے ایزاد کیا ۔ اس کا مقصد یہی تھا کہ اب

اسے دھوپ میں نہ رکھتے ہوئے دیکھا جائے۔ اسے بنانے والا واقعی عظیم درجے کا فنکار ہے جو روشنی کے اسرار کو سمجھتا ہے۔"

کرونی سس اس جار کا مطالعہ کرتے ہوئے ہر طرح سے مطمئن و مسرور دکھائی دے رہا تھا۔

"مثال کے طور پر ڈیلفی کے جو مہا پجاری وغیرہ ہوتے تھے؟" سائرس نے پوچھا۔ "وہ کیا تم اپنے مسائل کے حل کے لیے ان سے رجوع کیا کرتے تھے اور ان کے مشوروں کو درخور اعتنا سمجھ لیتے تھے؟ سارڈیس میں؟"

کرونی سس مرتبان ہاتھ میں لیے لیے بولا۔ "بڑی حد تک عظیم بادشاہ۔" پھر اس نے اپنے ماتھے پر سوچ و فکر کی تیوریاں چڑھالیں "ہاں۔ مہا پجاری نے پیش گوئی کی تھی کہ میرا بیٹا بولنے لگے گا۔ اب وہ اور میں مل کر آپس میں باتیں کرلیتے ہیں۔"

سائرس نے کمرے میں چاروں طرف نگاہ دوڑائی۔ وہاں صرف چند ہی چیزیں موجود تھیں۔ جو آرائش سے زیادہ استعمال کے لیے رکھی گئی تھیں "کیا تم نے یہاں آرام سے ہو؟" اس نے کرونی سس سے پوچھا۔

کرونی سس نے لمحہ بھر کے لیے سوچا پھر بولا۔ شاید نہیں۔ لیکن پھر بھی میں اپنے آپ کو مطمئن ہی پاتا ہوں۔ میں روزانہ سورج کی زد میں آبیٹھتا ہوں۔ سارڈیس میں ایسا کرنا ممکن نہ تھا۔ یہاں پہاڑوں میں سورج کی دھوپ بڑی حیات بخش معلوم ہوتی ہے۔ دیکھو تو سہی یہ اس مرتبان پر کیا جادو کیے دے رہی ہے۔"

سائرس کمرے سے باہر نکل گیا۔ وہ اس لیڈی کو کبھی نہ سمجھ سکتا تھا۔ کرونی سس ہر حال میں اور ہر جگہ پر مطمئن و مسرور رہنے کا ڈھنگ جانتا تھا۔ وہ پجاریوں پر یقین رکھنے کے باوجود ان پر بھروسہ نہ کرتا تھا۔ اور وہ اس چیز میں اطمینان و راحت محسوس کرتا تھا جسے یونانی فلسفہ کہتے ہیں۔

پھر جب سائرس نے پارس گرد واپسی کا سفر اختیار کیا۔ وہاں وہ دریا کے کنارے بنے ہوئے عالی شان محل کو بمشکل ہی پہچان سکا۔ اس کی کھردری دیواروں پر اب ٹائلیں جڑی ہوئی تھیں۔ اور فرش چکیلے سنگِ مرمر کے بنے ہوئے تھے۔ معبد میں جس جگہ پر ویدِ آتش شینک کا بد صورت اور کریہہ المنظر مجسمہ رکھا تھا وہاں سونے کے پتروں کا استعمال بڑی فراوانی سے کیا گیا تھا۔ باغات کی دیواروں کے ساتھ ساتھ بابل سے لائے ہوئے کھجور کے درختوں کی قطاروں کی قطاریں پھیلی ہوئی تھیں۔ گوبارو نے بلاشبہ اپنے اس محل کو ایسے شاہانہ اور مسرفانہ طریقے سے آراستہ کرنے کے لیے اساگیلہ والوں سے محصولات کی صورت میں خوب رقومات کھینچی تھیں۔ اس خیال سے سائرس نے شدید غصہ محسوس کیا۔ اس نے سوچا کہ اسے گوبارو کو واپس عیلام بلا لینا چاہیے اور اس کی جگہ مہرداد کو دے دینا چاہیے جو خزانے سے کوئی چیز نہ لیتا تھا۔ لیکن پھر اس نے اس خیال کو ذہن سے جھٹک دیا۔ بلاشبہ ایک پرندے کو اپنا گھونسلا تیار کرنے کے لیے ہر قسم کی چیزیں اکٹھی کرنے کا حق ہوتا ہے۔

گوبارو نے شوشال اور اس کے آس پاس کی زمینوں کی دوبارہ آباد کاری اور انہیں قابلِ کاشت اور قابلِ رہائش بنانے کے لیے دو نسلوں تک شدید محنت کی تھی۔ اب یہ سرزمین ہر طرح سے شاداب اور آباد تھی۔ اس کے کسانوں کے پاس لوہے کے نئے ہل آ چکے تھے جو سائرس نے اساگیلہ کے اجارہ داروں سے چھین لیے تھے۔ دیہاتوں کے رہنے والے اب جوق در جوق اپنے سنہرے معبد کا معجزہ دیکھنے آیا کرتے تھے۔ اب گوبارو کے لیے اطمینان کا سانس لینے کا وقت تھا۔ اور وہ اب سکون سے اپنے مقبرے میں دائمی نیند کے مزے لوٹ سکتا تھا۔ سائرس پر البتہ یہ راز نہ کھل سکا کہ اس دانا حکیم عیلامی نے جو کچھ بھی کیا تھا خود اسی کے وسیلے سے کیا تھا۔ گوبارو کے کاموں پر اظہار اطمینان کرتے

کے بعد سائرس نے اپنے پہاڑوں کا رخ کیا۔ جب وہ دریا تک پہنچا تو اس نے اپنے گھوڑے کی لگام کھینچ لی۔ اور کافی دیر تک دریا کے بہنے کی آواز سنتا رہا اور ٹھنڈی اور صاف تازہ ہوا میں گہرے گہرے سانس لیتا رہا۔ خیالوں ہی خیالوں میں اسے دیوی اناہیتا کے چھینٹے اڑانے اور قہقہے لگانے کی مسرور آوازیں سنائی دیتی رہیں۔ درحقیقت اپنے گھر ـــ اپنے گوشۂ عافیت میں پہنچتے ہی تیس سالہ جدوجہد کی تھکاوٹ نیند بن کر اس کے حواسوں پر طاری ہونے لگی تھی۔ اپنے اس ارادے کے باوجود کہ وہ مشرق کی جانب مزید پیش قدمیاں کرے گا اور آریاؤں کے آبائی وطن آرین وریج کی دریافت کرنے کی کوشش کرے گا۔ وہ چھ سال تک پارس گرد ہی میں رہا۔

تاریخ خاموش ہے۔

نئی ایرانی شہنشاہیت کے باشندے نہ جانتے تھے کہ یہی سال ہی دراصل امن چین کے سال تھے۔ یہاں تک کہ یہ سال گزر گئے۔ طارس سے لے کر مراکنڈا تک یا سیدان، ہخامنشی بادشاہ کی مزید فتوحات کی آس لگائے رہے۔ تاجر یہ امید باندھے رہے کہ اتنی بڑی سلطنت کے صرف ایک ہی آدمی کے زیرِ حکومت رہنے کی خرابی کی بدولت ضرور کسی نہ کسی علاقے سے بغاوت کے شعلے بلند ہو پڑیں گے۔ کسانوں کو یہ توقع رہی کہ پہلے والے وقتوں کی مانند کسی نہ کسی وقت اب بھی ضرور کہیں نہ کہیں سے لٹیرے اور ڈاکو نمودار ہوں گے اور انہیں ان کی تمام پیداوار اور مال و متاع سے محروم کر جائیں گے۔ یا پھر مالیہ اور محصولات وصول کرنے والے کارندے ان کے پاس آکر بادشاہ کے حکم سے ان سے پہلے کی مانند بھاری مالیہ اور لگان وصول کر کے انہیں مفلس و نادار کر جائیں گے۔ لیکن ان سب لوگوں کی توقعات کے برعکس کچھ بھی رونما نہ ہوا۔ سائرس کی حکومت کے ان آخری چھ سالوں میں بابل کے تاریخ دان صرف اہم واقعات ہی کو ربطِ تحریر میں لاتے رہے جن کی کوئی اتنی تاریخی اہمیت نہیں تھی۔ یہودی اپنے ہیکل کی تعمیر کے سلسلے میں ہونے والے جھگڑوں میں

الجھے ہوئے تھے "ہر آدمی اپنے ہی گھر جایا کرتا ہے"۔ سلطنت میں پھیلے ہوئے اس امن وسکون کے ماحول کی بے شمار وجوہات تھیں۔ وہ خانہ بدوش لیٹرے جو ہخامنیشوں کی امیر کبیر سلطنت پُر جاری مال غنیمت اور پیداوار کے لالچ میں حملہ کرتے تھے انہیں ڈرپوک اور بزدل کسانوں اور آبادکاروں کی بجائے اب تربیت یافتہ گھڑسوار سپاہیوں کے دستوں کا سامنا کرنا پڑتا تھا اور جو انہیں بڑی تعداد میں قتل کر دیتے تھے اور مار بھگاتے تھے۔ اور جہاں تک حکمرانوں اور سپاہیوں کی آپس میں جنگوں اور منافقتوں کا تعلق تھا۔ سائرس نے اس قسم کی صورتِ حال کو دبانے کا سختی سے حکم دے رکھا تھا۔ وراثتوں کے جھگڑات بھی ختم ہو چکے تھے کیونکہ اب حکمرانیاں موروثی نہ رہی تھیں۔ اور نہ ہی کوئی تخت وتاج باقی رہ گئے تھے۔ بلکہ اب تمام علاقوں میں صرف ایک بادشاہ کی حکمرانی تھی یعنی سائرس کی۔ بابل میں بوڑھے گوبارو کے سبکدوش ہونے کے بعد اب کیمبی سس نے اسکی حکومت سنبھال لی تھی اور بڑی سختی سے شخصی حکومت کرنے لگا تھا۔ اس کی کمان میں ایسے سپاہی تھے جو اس سے بڑی امیدیں لگائے بیٹھے تھے۔ اس کلدانی بابل کی حیات کا دارومدار ہمیشہ سے تجارت پر رہا تھا۔ اور اب سائرس کے زیرِ سرپرستی تجارت خوب ترقی کر رہی تھی۔ ان حالات میں بابلی قوم پرستوں کو بغاوت کا کوئی جواز نہ نظر آتا تھا۔

زبانوں کا پیچیدہ مسئلہ یوں حل کر لیا گیا تھا کہ آرامی زبان کو تمام ایرانی سلطنت کی قومی زبان قرار دے دیا گیا تھا۔ حتیٰ کہ یروشلم میں بھی۔ اب ساردیس میں کوئی کروئی سس کے لیے آنسو نہ بہاتا تھا۔ وہاں یونانیوں کی آزادی کے خواہاں لیڈر اس سوال کا جواب دینے میں دشواری محسوس کرتے تھے کہ آخر آیونی یونانیوں کو کس سے آزاد کروایا جائے؟ انتہائی مغرب میں واقع سپارٹا اور ایتھنز کے شہر اب بھی آیونی ساحل پر اپنا ورثہ تلاش کرتے تھے۔ انتہائی زیرک وہوشیار

قسم کے سیاسی مبصرین یعنی ڈیلفی میں اپا دیوتا کے معبد کے پجاری ابھی بھی ایرانیوں کے بارے میں قسم قسم کی پیش گوئیاں کر رہے تھے۔ (انہوں نے قیدیوں کو رفتہ رفتہ فراموش کر دیا تھا)، لیکن اس امن و چین کی خفیہ وجوہات جو تھیں، وہ تاریخ دانوں کے علم میں نہ تھیں۔ جبکہ عام لوگ انہیں بڑی حد تک سمجھ بوجھ رہے تھے۔ یہ بادشاہ کا تحمل اور روا داری تھی۔

سائرس ایک نئی قسم کا حکمران تھا۔ اسکا نظریہ بادشاہت اشوری، دربابلی، بادشاہوں سے بالکل جداگانہ اور انوکھی قسم کا تھا۔ اور لوگوں کو اس پر بڑی حیرت بھی تھی۔ انہوں نے ایک بادشاہ کے بارے میں ہمیشہ سے یہ نظریہ قائم کر رکھا تھا کہ "ایک بادشاہ کی زبان دو دھاری تلوار سے زیادہ تیز ہوتی ہے۔ اسکی خدمت میں حاضری دیتے ہوئے ہمیشہ یہی سمجھو کہ تم کسی عفریت کے سامنے حاضر ہونے جا رہے ہو۔ بادشاہ کا غضب برقِ عاطف کی مانند ہوتا ہے۔ اس سے ہمیشہ پناہ مانگو۔ بادشاہ کا ہر حکم آگ کے شعلے کی مانند ہوتا ہے اسے سنتے ہی اس کی تعمیل کے لیے لپک پڑو۔ اپنے ہاتھوں پر ٹاٹ کا ٹکڑا لپیٹ لو۔ کیونکہ بادشاہ کی زبان سے نکلا ہوا ایک ایک لفظ دل کا غصہ ہوتا ہے "

تیس سالوں میں سائرس ہخامنشی نے لوگوں کے دلوں سے اپنا خوف بالکل مٹا دیا تھا۔ میدی اور ایرانی دونوں اسے " باپ " کہتے تھے۔ اور دہقانوں کے نزدیک وہ عوام کا بادشاہ تھا۔ وہ بخت نصر سے زیادہ طاقتور اور بابرکت تھا۔ اس کے ساتھ ہی وہ سخت گیر یا ظالم حکمران ہونے کی بجائے متحمل مزاج بردبار انصاف پسند اور روادار بھی تھا۔ وہ زیردستوں اور ظالموں کے لیے ظالم تھا سزا دینے والا تھا۔ اور مظلوموں کی داد رسی کرنے والا تھا۔ وہ کسی بھی جرم کو معاف نہ کرتا تھا۔ اور اس پوری سزا دیتا تھا۔ رحم کرنے

اور سزا دینے کا یہ خصوصی پہلو قدیم مستبد حکومتوں کی خصوصیات کے مقابلے میں لوگوں کے نزدیک حیرت ناک تھا۔

یہاں ایک ایسے ماردی قبیلے کی کہانی سنائی جاتی ہے جو ان بنجر بلندیوں پر آباد تھا جہاں بعد میں پرسی پولس یا تخت جمشید کی بنیاد پڑی۔ اس قبیلے کے سردار اور بڑے سائرس کی خدمت میں ایک درخواست لیکر حاضر ہوئے۔ انہوں نے کہا کہ ان کی زمینیں بہت خراب قسم کی تھیں اور وہ انہیں قابل کاشت بنانے کی ہر ممکن کوشش کرتے تھے۔ لیکن پھر بھی نتیجہ حسب دلخواہ نہ نکلتا تھا۔ انہوں نے درخواست کی کہ انہیں کسی اور جگہ پر زرخیز زمینیں عطا کردی جائیں۔ جو عظیم بادشاہ نے کسی بھی علاقے میں فتح کی ہوں۔ وہ ان زمینوں کی طرف ہجرت کرنے کے لیے تیار تھے۔ وہاں انہیں اتنی زیادہ جان توڑ محنت نہ کرنا پڑے گی اور ان کی پیداوار میں بھی حسب دلخواہ ہوسکیں گی۔ عظیم بادشاہ صرف ایک حکم ہی دے دے۔

سائرس نے ان کی درخواست پر تھوڑی دیر کے لیے غور و خوض کیا۔ پھر بولا ”تمہیں اختیار ہے۔ تمہیں جو بھی زرخیز زمین پسند ہو تم اس کی طرف ہجرت کر جاؤ۔“

جب ماردیوں نے اس کا شکریہ ادا کیا تو سائرس نے کہا: ”لیکن یہ یاد رکھو کہ تم کسی بھی زرخیز زمین کی طرف چلے جاؤ تمہیں کسی نہ کسی حاکم کی اطاعت گزاری کرنی پڑے گی۔ جبکہ اپنی زمینوں پر تم خود مختار، و آزاد ہو اور کسی کے زیر اطاعت یا غلام نہیں ہو۔“

اس کے ان الفاظ پر کچھ دیر غور و فکر کرنے کے بعد ماردیوں نے کہا کہ ایسی حالت میں وہ اپنی اپنی زمینوں پر ہی رہنا زیادہ پسند کریں گے۔

ایک ماسپانی سردار نے جو ہزار سواروں کا کماندار تھا۔ سائرس سے یہ کہا کہ اپنے گھر رہتے ہوئے اسے اپنے خاندان کے لیے نان اکثر اکٹھا کرتا تھا کھانے

پینے کی چیزیں مہیا کرتی ہوتی تھیں۔ وہ انہیں اپنی مرضی سے کھا پی سکتا تھا اور اب ایک رسالے کے کماندار کی حیثیت سے جو اپنی مرضی کے مطابق نہ کچھ لا کر دے سکتا تھا۔ نوکروں کو شراب، پھل اور دوسری چیزیں لانے کا حکم دے سکتا تھا جبکہ وہ ہلکی لکڑی کے بنے ہوئے پلنگ پر دراز ہوتا تھا۔ اس کی بات سننے کے بعد سائرس نے اس سے کچھ سوالات کیے۔

سائرس: "دو میں نے دیکھا ہے۔ تم اپنے گھوڑے کی اچھی دیکھ بھال کرتے ہو۔"

ماسپیانی: "جی ہاں۔"

سائرس: "تم اسے کھلانے پلانے سے پہلے اسے اچھی طرح ورزش کراتے ہو؟"

ماسپیانی: "جی ہاں۔"

سائرس: "کیوں؟"

ماسپیانی: "اس لیے کہ وہ چاق و چوبند رہے۔ ورنہ اس کے بیمار پڑنے کا ڈر رہے۔"

سائرس: "اگر تم اپنے گھوڑے کی ایسی دیکھ بھال کرتے ہو تو تم اپنے آپ کو دن بھر کے کاموں سے پہلے کیوں کھلانا پلانا چاہتے ہو؟ اگلی بار مجھ سے ملو تو مجھے یہ بتانا کہ تم نے خود کھانے پینے سے پہلے کون کون سے کام کر ڈالے ہیں۔"

ایک کام وہ کبھی نہ کر سکا۔ وہ کبھی اپنے لوگوں کو سمندری سفر کے لیے تیار نہ کر سکا۔ ایک ہخامنشی سردار نے وضاحت کی "آدمیوں کی تین قسمیں ہوا کرتی ہیں۔ زندہ۔ مردہ۔ اور وہ جو سمندروں میں بھٹکتے پھرتے ہیں۔"

سائرس نے ایرانیوں کے آبائی رسوم و رواج میں کوئی تبدیلیاں نہ کی تھیں۔ لیکن خود اس نے عرصۂ دراز سے تین قبیلوں کی مشاورتی مجلس بلوانی بند کر رکھی تھی۔ اس نے کبھی دس قبیلوں کی مشاورتی کونسل بلوانے کی بھی ضرورت

محسوس نہ کی تھی ۔ یہ ایرانی اب اس ایرانی قوم کا ایک حصہ بن گئے تھے جو اس کے زیر حکومت تھی ۔ یہ اس کی وسیع شہنشاہیت کا ایک جزو بن گئی تھی ۔ یہ بابلی آبادی کا ایک چوتھائی حصہ بنتے تھے ۔ اس نے دیکھ لیا تھا ۔ کہ ایرانیوں کی برتری کا کمپنیوں کے علاوہ دوسری اقوام پر بکھراؤ کسی طور مناسب ثابت نہ ہو سکتا تھا ۔ بلکہ اس میں نقصان ہی نقصان تھا ۔ ایک ایرانی ستراب کو ہیرکانی نہرادیات پر کوئی برتری نہ تھی اور وہ یہی چاہتا تھا کہ ہر علاقے پر اسی علاقے سے تعلق رکھنے والا ہی حاکم رہے ۔ اور یہ سب کے سب لوگ صرف اور صرف اسی کو جواب دہ ہوں ۔ منقسم اقوام کی اس سیماب کی آمیزش کی مدد کے لیے اس نے بابل ۔ اکبتانا اور سارڈیس کے روایتی خطابات کو اختیار کئے رکھا تھا ۔ تاہم اس نے کسی بھی شہر کو اپنا دارالخلافہ نہ بنایا تھا ۔ پارس گرد ۔ جو دور دراز کے پہاڑوں میں واقع تھا ۔ ہخامنشوں کا ٹھکانہ تھا ۔ وہاں کا انتظام و انصرام اس کے چھوٹے بیٹے باردیہ کے ہاتھ میں تھا ۔ اور اس کے پوتے بھی اس کے کاموں میں اس کا ہاتھ بٹاتے تھے ۔ ابھی نس ابھی تک بحیرۂ ہیرکانیہ کے قریب زرما کرتا میں رہ رہی تھی ۔ اس کی بیٹی گشتاسپ اور ہاتوسہ کے بیٹے داریوش کی بیوی بن چکی تھی ۔ جو ایک بلند پایہ فوجی افسر بن چکا تھا ۔ اور اچھی شہرت کا مالک تھا ۔

سائرس کے مشیر اور صلاح کار اس کے ستراب تھے ۔ اور مختلف اقوام کے سربراہوں سے بھی وہ صلاح و مشورہ کر لیا کرتا تھا ۔ اس کے پاس کوئی باقاعدہ فیلڈ آرمی نہیں تھی ۔ جس کے سربراہ سے اسے خطرہ لاحق ہو سکتا ۔

قدیم دنیا کی اس پہلی اور سب سے بڑی شہنشاہیت کو سائرس کی شخصیت نے متحد و مربوط کر رکھا تھا ۔ وہ اس کا سپریم جج تھا ۔ محافظ تھا ۔ بانی اور رکھوالا تھا ۔ اس سلطنت کی ذمہ داریوں کا بوجھ کردوٹسس کے خزائن

کے بوجھ سے کہیں گنا زیادہ تھا۔ جس کے بدلے میں ایک مرتبہ اس نے مضحکانہ تبصرہ کیا تھا۔ لیکن صرف ایک فردِ واحد کی حکومت کا جو خطرہ تھا وہ غالباً سائرس نہ بھانپ سکا۔ وہ اس کے سلسلے میں کچھ نہ کر سکا۔ اپنی زندگی کے آخری سالوں میں وہ تمین ایرانی قبائل کی مشاورت سے اپنی بادشاہت کی ذمہ داریاں پوری کر رہا تھا۔ اس کی رعایا کی تعداد ایک پارسی تاریخ کے مطابق بڑھ چکی تھی۔ اس کے زیرِ حکومت سب کو کھانا کو مل جاتا تھا۔ ایک چرواہے کا اولین یہ فرض ہوا کرتا ہے کہ اپنے ریوڑ کا خیال رکھے۔

اس کی خدمت میں دور دراز کے علاقوں کے وفود ہر دم آتے رہتے تھے۔ دربارِ عام کی غلام گردشوں میں ملاقاتیوں کا ایسا ہجوم رہتا تھا جو اس کی خدمت میں حاضری دینے کے متمنی ہوتے تھے۔ ان حالات میں وہ کافی عرصہ تک کرمانیوں کے مقابلے سے رکا رہا، اور بلوچیوں پہاڑوں سے آگے نئی مہمات پر نہ جا سکا۔

ہزاروں لوگوں میں گھرے رہنے کے باوجود وہ اپنے آپ کو بے حد تنہا محسوس کرتا تھا۔ اب اس کے گھوڑے کی لگامیں تھامنے کے لیے ایمانذدہ نہ رہا تھا۔ کسندان بھی انتقال کر چکی تھی۔ اس نے اس کا مقبرہ اناہیتا کے غار کی پہاڑی پر بنوایا تھا۔ اپنی متلون مزاجی اور خودسری کے باوجود کسندان ایک بہترین ماں ثابت ہوئی تھی۔ اس نے اس کے بچوں کو بھرپور محبت اور توجہ دی تھی۔ اس کی دوسری بیوی ایمی تس بڑی گہری عورت ثابت ہوئی تھی۔ وہ ہمیشہ اپنے راز اپنے تک ہی محدود رکھتی تھی۔ اس سے سب کچھ چھپا جاتی تھی۔ اس نے اپنے جاسوسوں سے سنا تھا کہ اس کی یہ اعلامی بیوی زرتشتی مذہب کی پیروکار بن چکی تھی اور اس نے اپنی بیٹی کو

کوگشتا سپ کے بیٹے داریوش سے بیاہ دیا تھا۔ جوزرتشبیت کا پیرو کار تھا۔ اس کی اس حرکت کی وجہ سائرس نہ سمجھ سکا تھا۔ مگر وہ جانتا تھا کہ اس کے پاس اس کی کوئی نہ کوئی وجہ ضرور موجود ہوگی۔ اس کے پوتے پوتیاں اس سے خوفزدہ رہتے تھے۔ کیونکہ وہ اسے ہر دم بڑے بڑے لوگوں میں گھرا ہوا پاتے تھے اور اس کے شاہانہ ٹھاٹ باٹ دیکھتے تھے۔ وہ دیکھتے تھے کہ کس طرح فوجی جرنیل اور قبیلوں کے سردار اس کی خدمت میں آکر رکوع میں جھکتے تھے اور اظہارِ عجز کرتے تھے۔ دربار میں اس کے داخلے کے وقت کس طرح نقیب آواز لگاتا تھا، ہو خاموش! باادب! ملاحظہ ہوشیار۔ شاہی وقار کے سامنے سرنگوں ہو جاؤ!"

سائرس کو ان بھانت بھانت کے لوگوں کے ساتھ میز پر بیٹھنے کی کوئی خواہش نہ تھی اس کی رہائش گاہ کے گرد جہاں ایک زمانے میں اس کا خاندان رہا کرتا تھا۔ ستونوں کی چار چار بڑی قطاریں تعمیر ہو چکی تھیں۔ ان ستونوں کی بلندی حاضری کے ٹیے دربار کی چھت کی بلندی جتنی تھی۔ جو بڑا وسیع و عریض تھا۔ جس کے سنگِ مرمر کے فرش پر چھت کو سہارا دینے کے لیے اٹھانوے مرمریں ستون کھڑے تھے۔ ان ستونوں کو سنگِ موسلی کے پیڈسٹلوں پر کھڑا کیا گیا تھا۔ سائرس استیاگس کی مانند ایک بلند چبوترے پر الگ کھانا کھایا کرتا تھا۔ باقی درباری اور دوسرے لوگ اس سے کچھ فاصلے پر نیچے بیٹھا کرتے تھے۔ اپنے سامنے وہ شفاف دیوار پر اپنا عکس لرزتا ہوا دیکھا کرتا تھا۔ کھانے کا آغاز سائرس کے شروع کرنے کے بعد ہوتا تھا۔ اس کے بعد تمام افسرانِ دربار اور ملازم کھانا شروع کرتے تھے۔ سائرس کے عقب میں بلندی پر ہخامنشیوں کی نشانی اڑتے ہوئے بڑے بڑے پروں کی شبیہہ دیوار پر ابھری ہوتی تھی۔ یہ ہر ہر آنے والے کو یہ احساس دلاتے تھے کہ اب وہ شاہی دربار میں داخل ہو چکا تھا اسی طرح سیاہ چبوتروں سے اٹھتے ہوئے مرمریں ستون، جن کا نظارہ آنکھوں کو فرحت بخشتا تھا، برائی پر اچھائی کے غلبے کی علامت تھے۔ سائرس نے البتہ ایک چیز کو سنجتے

روک رکھا تھا۔ یعنی اس کے کھا کھانے وقت کسی آدار گرد شاعر کو یہ اجازت نہ تھی کہ وہ اس کے ہخانمشی آباؤ اجداد کے کارناموں کے گیت الاپ سکے ۔

ستونوں کی قطاروں کے آگے بے ترتیب سے باغات جو نیم جنگل سے دکھائی دیتے تھے اب خوشنما اور خوبصورت باغات بن چکے تھے ۔ وہاں اب جابجا گلاب کے پھول بہار دیتے دکھائی دیتے تھے ۔ اور پانی کی نہروں کے دو رویہ سرو کے درخت لہرایا کرتے تھے ۔ ان خاموش باغات میں بہت سی ایسی جگہیں موجود تھیں جہاں درباری آپس میں ملاقاتیں کیا کرتے تھے ۔ انہوں نے اپنے عہدوں کے مطابق اپنے علامتی نشانات لگا رکھے ہوتے تھے ۔ ان ملاقاتوں کے دوران وہ بادشاہ کی آمد کی طرف سے بھی محتاط رہتے تھے ۔ آگ کی قربان گاہوں کی بلندیوں پر زرتشتی مذہب کے پیروکار بھاری تعداد میں اپنے خالق آہورہ مزدا کی عبادت کے لیے آتے تھے ۔ ان لوگوں کے حمد و مناجات پڑھنے کی آوازیں سائرس کو کبار نہر کے کنارے آباد یہودیوں کے حمد وثنا گانے کی آوازوں کی مانند معلوم ہوتی تھیں ۔

"اپنے ہمسائے کے تندرست و توانا بیل یا گدھے پر کبھی حریصانہ نگاہ مت ڈال ۔ اور نہ ہی اس شے کی تمنا کر جو تیرے ہمسائے کی ملکیت ہے "۔ یہودیوں کا کہنا تھا کہ یہ اللہ تعالیٰ کے وہ دس احکامات تھے جو اس نے ان کے نبی حضرت موسیٰ کو صحرائے سینا میں کوہ طور پر عطا کیئے تھے ۔ مغرب کے یہودی زرتشتیوں سے کوئی میل ملاپ نہ رکھتے تھے پھر بھی ان میں بہت سی چیزیں مشترک تھیں ۔ کیا کبھی ایسا دن آ سکتا تھا جب ان دو نوں مذہبوں کے پیروکار آپس مل کر عبادت کرنے لگیں ؟ اور آگ کی قربان گاہوں پر نذرانے گزارنے لگیں ؟ کیا ایسا وقت آ سکتا ہے کہ ملیتس کے سائنس دان اور فلسفی جو ہر دم کائنات کے اسرار و رموز کی گتھیاں سلجھانے میں غرق رہتے تھے ، ستاروں کی چالوں اور اثرات کا حساب رکھنے والے کلدانی ستارہ شناسوں کے ساتھ مل کر کام کرنے لگیں ؟ ایک ہی قسم کی سچائیوں اور صداقتوں کی جستجو ،

کرنے والے بالعموم مختلف قسم کے نتائج پر پہنچا کرتے تھے۔ وہ چند کلدانی ماہرینِ نجوم کو ان کے آلات کے ساتھ اپنے ہمراہ پارس گردلے آیا تھا۔ انہوں نے وہاں پہنچتے ہی وقت کا حساب رکھنے کے لیے آبی گھڑی تیار کرلی تھی۔ سائرس کے کیمپ کے ملازموں کو وقت کا کوئی خیال کا احساس نہ تھا۔ وہ لبس طلوعِ آفتاب کے وقت کو اپنے کاموں کا نقطۂ آغاز اور غروبِ آفتاب کے وقت کو دن بھر کی محنت شاقہ کا نقطۂ اختتام سمجھتے تھے۔

سائرس جو اب سب کا مالک اور آقا تھا اب یہ محسوس کر رہا تھا کہ اس کی زندگی اپنے اختتام کی طرف بڑھتی جا رہی تھی۔ وہ اب اس وقت کے بارے میں سوچنے لگا تھا جب وہ واقعی منہارہ جانا۔ یعنی دارِ فانی سے دارِ جاودانی کی طرف کوچ کر جاتا۔ اس نے ایک دن اپنے ماہرینِ تعمیرات کو جن میں اساگیلہ سے لائے ہوئے ماہرینِ تعمیرات بھی شامل تھے بلوا بھیجا۔ اور انہیں حکم دیا کہ وہ اس کے مقبرے کا ڈیزائن تیار کریں۔

"دیوتا ایسا وقت نہ لائیں" وہ اپنی الگ الگ زبانوں میں چلا اٹھے "عظیم بادشاہ تا بہ ابد زندہ سلامت رہیے"

"میں اپنے لیے کوئی بڑا اور شاندار مقبرہ نہیں بنوانا چاہتا" سائرس نے کہا "میں ایک سادہ سا مقبرہ چاہتا ہوں"

جب وہ اپنا کوئی کام کروانا چاہتا تھا تو وہ اس کے لیے انتہائی ماہر اور لائق آدمیوں کو بلوایا کرتا تھا۔ اور ان کے سامنے کبھی یہ وضاحت نہ کرتا تھا کہ وہ کس طرح کام کروانا چاہتا تھا ایک چاند گزرنے کے بعد شاہی ماہرینِ تعمیرات اس کے پاس اس کے مقبرے کا نقشہ لے کر حاضر ہوئے۔ اسے ایک صاف وشفاف مرمریں تختی پر رنگوں سے بنایا گیا تھا۔ یہ ایک بلند و بالا مینار تھا۔ جس پر ایک پروں والا عفریت پہرہ دے رہا تھا۔ اس مینار کی چوٹی پر خادم پجاریوں کے لیے ایک کمرہ بنا ہوا تھا۔ اس کمرے کے اوپر آگ کی قربان گاہ بنی ہوئی تھی "اس مقبرے کے پیتل کے دروازے کو اگر اگرا دیا جائے تو

یہ ہمیشہ کے لیے بند ہو جائے گا، ماہرین نے سائرس کو بتایا۔ انہوں نے یہ دروازہ نیچے سے اوپر کھلنے والا رکھا تھا۔

سائرس نے اس نقشے پر ایک نظر ڈال کر اسے ایک طرف کر دیا۔ دس سال پہلے اگر اس قسم کا کوئی نقشہ اس کے سامنے لایا جاتا تو وہ اس کا ڈیزائن بنانے والوں پر بری طرح سے گرجنے برسنے لگتا۔ لیکن اب وہ ان ماہرین تعمیرات کو سمجھنے لگا تھا۔ وہ سب انہی طریقوں سے اپنا اپنا کام کرتے تھے جن کے مطابق انہیں یہ علم سکھایا گیا تھا۔ ایک ماہر تعمیرات جو کوئی محراب یا محرابی چھت بنانا چاہتا تھا۔ انہیں اس طرح بنانا تھا کہ وہ اوپر کی چھت کا بوجھ سہار سکیں۔ اس لیے ہر ماہر تعمیرات سے اپنی مرضی کے مطابق کام لینے کے لیے اسے سمجھانا پڑتا تھا۔ سائرس نے کہا "میں اپنے مقبرے میں ہمیشہ کے لیے بند ہو جانا پسند نہیں کروں گا۔ آؤ ہم اس جگہ پر چلیں۔ وہاں چل کر میں تمہیں بتاؤں گا کہ میری آخری آرام گاہ کیسی ہونی چاہیئے"

اتنا کہہ کر سائرس انہیں ساتھ لیے حاضری کے دربار سے نکل کر داخلی دروازے کے قدمچے اترتا ہوا اس راستے پر ہو لیا جو دریا کی طرف جا نکلتا تھا۔ دریا کے کنارے پہنچ کر وہ اس کے بہتے کی مسرور آواز سننے کے لیے رک گیا۔ پھر اس نے سر اٹھا کر پہاڑوں کی چوٹیوں کی طرف دیکھا۔ اور مطمئن ہو کر سر کو جنبش دی "وہ یہاں ہے"

اس نے ماہرین تعمیرات سے کہا "ہم سات قدمچوں پر چونے کے پتھر کی بنیادیں کھڑی کریں گے۔ ان قدمچوں کے اوپر چونے کے پتھر ہی کا ایک کمرہ تعمیر کیا جائے گا۔ یہ کمرہ اندر سے سات کیوبٹ لمبا اور چار کیوبٹ چوڑا ہو گا۔ اس کی چھت کسی گھر کے چھت کی مانند ڈھلوان ہو گی۔ لمحہ بھر کے لیے اس نے اس چھوٹے سے گھر کے بارے میں سوچا۔ اس قسم کے گھر اس کے آباؤ اجداد پہاڑوں کی ترائیوں اور جنگلوں میں بنایا کرتے تھے "اس کے دروازے ہوں گے" ایک بیرونی اور ایک اندرونی

اور یہ دونوں دروازے سنگی ہوں گے؟" اس نے تھوڑی دیر رک کر کچھ سوچا۔ لیکن اپنے مقبرے کے لیے اور کوئی تجویز اس کے ذہن میں نہ آئی "یہ اب کیا میرے مقبرے کی ہیئت تمہاری سمجھ میں آگئی ہے؟ تمہارے پاس کرنے کے لیے کوئی سوال ہے؟"

"اس پر کس قسم کے نقش ونگار بنانے چاہئیں؟" ایک نے پوچھا۔

"یہ نقش ونگار سونے کے ہونے چاہئیں۔ اسے عظیم بادشاہ ہمیں بتائیے۔ یہ کہاں بنائے جانے چاہئیں؟" دوسرے نے پوچھا۔

"سفید پتھر کے نقش ونگار سے بڑھ کر اور کونسی چیز اچھی ہو سکتی ہے؟" سائرس نے کہا "یہ تم لوہا بھی استعمال کر سکتے ہو۔ لوہے اور پتھر کے نقوش ونگار بنا کر تم ان کے سروں پر سونے کے پترے چڑھا دو۔ اس طرح لوہا زنگ لگنے سے محفوظ رہے گا۔"

پھر اہلِ ہنر نے استفسار کیا کہ وہ اپنے مقبرے میں نصب کی جانے والی یادگاری تختی کے لیے کس قسم کے اقوال اور اقتباسات کندہ کرانے پسند کرے گا۔ سائرس نے اس کے متعلق کچھ سوچا۔ وہ جانتا تھا کہ اس کی موت کے بعد دور دراز تک کے لوگ اس کے مقبرے کی زیارت کے لیے آیا کریں گے۔ اس نے کہا "تختی پر یہ تحریر کندہ ہونی چاہیے" "اے شخص۔ میں سائرس ہخامنشی ہوں۔ عظیم بادشاہ۔ "اور بس"

ماہرینِ تعمیرات نے اس کی ذہانت و فطانت کی تعریف کی۔ لیکن اپنے دلوں میں وہ مقبرے کے ڈیزائن کے بارے میں غیر مطمئن تھے۔ سائرس کا بنایا ہوا نقشۂ مقبرے کو ایک کسان کے گھر کے پتھر کے تہہ خانے سے زیادہ کوئی اچھی چیز ثابت نہ کر سکتا تھا وہ ہرگز کوئی شاہی مقبرہ نہ دکھائی دے سکتا تھا۔ نہ یہ شاہی رعب و وقار کا عکس ثابت ہو سکتا تھا۔

اپنا ہی گردن سے ٹپکنے والے قطرات پر نگاہ رکھتے ہوئے کلدانی ماہر بخوم سنے کہانسی کا ایک گولہ کانسی کے ایک پیالے میں گرا یا۔ اس گولے کے گرنے کی سنناہٹ نے نئے سال کے نسان کے مہینے میں آغاز کے گھنٹے، منٹ، سیکنڈ اور لمحے کا اعلان کیا۔ یہ سال ۲۶ ق قبل مسیح کا سال تھا۔

حسبِ معمول سائرس صبح سویرے اپنے رہائشی محل سے باہر نکلا۔ اور اس پھاٹک میں داخل ہو کر جس کے دونوں طرف پروں والے محافظ جنوں اور اس کے فرواشی کے مجسمے نصب تھے، سیڑھیاں پڑھتا ہوا آگ کی قربان گاہوں تک جا پہنچا۔ جہاں پجاری اپنی بالسان کی چھڑیوں کے ساتھ اس کے منتظر کھڑے تھے۔ سیڑھیوں کے قریب سنگِ مرمر کے چبوترے پر زرتشتیوں کا ایک بڑا ہجوم کھڑا تھا سائرس نے ان میں بہت سے سفید سے پوش آوارہ گرد راہبوں کو پہچان لیا۔ اس خیال سے اسے کافی کوفت ہوئی کہ مشرق سے آنے والے یہ زائرین کبھی اس کے حاضری کے دربار میں حاضر نہ ہوئے تھے۔ اور نہ انہوں نے اسے، عظیم بادشاہ کو تعظیم دینے کی کوئی ضرورت محسوس کی تھی۔ حالانکہ باختر یا کی آتش مقدس کے سامنے انہوں نے اس کی بڑی عزت و توقیر کی تھی۔ اس نے انہیں آ ہورامزدا کی شان میں مناجات گاتے سنا۔ جو نادیدہ تھا۔ اور ہر جگہ موجود تھا۔ انہوں نے اس کے سوا کسی اور خدا یا طاقت کا نام نہ لیا اس طرح یہودی بھی اس ایک ان دیکھے اور ہر جگہ وجود رکھنے والے خدا یہوا کی عبادت کرتے تھے۔ اور مصری اپنے خدا آمن کی

جب سائرس نے اپنے بازو بلند کئے تو سب لوگ جو اس جگہ بکھرے پڑے تھے فوراً خاموش ہو گئے۔ پجاری یہ جانتے کے لیے ہمہ تن گوش تھے۔ کہ وہ کیا کہنا چاہتا تھا۔ ہر خاص و عام یہ بات جانتا تھا کہ ان کا بادشاہ کسی بھی مذہب کا پیروکار نہ تھا۔ اور نہ کسی خدا پر یقین رکھتا تھا۔ اس نے بابل کے سرکے ہاتھ اپنے ہاتھ میں

سے بیے تھے۔ اور اب وہ آہورا مزدا کی قربان گاہ پر بھی حاضر تھا۔ سائرس جانتا تھا کہ لوگ اس کے بارے میں، اس کے مذہبی رجحانات کے بارے میں سب کچھ جانتے تھے۔ اس وقت اس کی سمجھ میں نہ آرہا تھا کہ وہ کونسی باتیں کہے جو مبنی پر صداقت ہوں۔ جو سچ کی طرف راہنمائی کرتی ہوں۔ مقابر و معبدوں کے پجاری پروہت ہمیشہ سنے ہوئے الفاظ کو زیادہ اہمیت دیا کرتے تھے۔ اس سے قطع نظر کہ کہنے والے کے دل میں کیا ہوتا تھا۔ ایسے الفاظ کی بھلا اہمیت ہی کیا ہونی چاہیے جنہیں دل کی سچائی کے ساتھ نہ کہا جائے؟

سائرس نے کچھ دیر تک غور و فکر کیا۔ پھر دعا کی: "میں آہورا مزدا کی حمد و ثنا کرتا ہوں۔ اور ان تمام معبدوں کی بھی جو دنیا میں موجود ہیں۔

لوگوں نے اس کی باتیں سنیں اور انہیں باآوازِ بلند دہرایا۔ بعد میں انہوں نے اس امر پر خوب شور و غوغا کیا کہ بادشاہ ان تمام معبودوں کے شاید نام و مقام تک نہیں جانتا تھا جو دنیا میں موجود تھے۔ مگر پھر بھی اسے ان سے عقیدت دانشینت کا دعویٰ تھا۔

وہ سال سائرس کے لیے ارد گرد میں بھاری مسائل کا انبار لے کر آیا۔ بابل میں کمبی سس نے شہر کی غیر مطمئن سیاسی پارٹیوں کو خوفزدہ کرنے کے لیے عظیم فوج تیار کر لی تھی۔ شہر چونکہ پوری طرح اس کے کنٹرول میں تھا۔ وہاں ہر طرح سے امن و سکون تھا۔ اس لیے کمبی سس نے اب سائرس سے درخواست کی کہ وہ اسے یروشلم کے راستے مصر پر حملہ آور ہونے کی اجازت دے دے۔ اس کا دعویٰ تھا کہ تسخیرِ مصر سے اس کے ساتھ سرحدی جھگڑات کا خاتمہ ہو جائے گا۔ دوسری طرف فرعونِ مصر بوڑھے اماسس نے سائرس کی خدمت میں ایک وفد بھیجا جس نے فرعون کی طرف سے قیمتی تحفے تحائف اس کی نظر کیے اور فرعون کی معاہدہ

اتحاد کی درخواست اس کی خدمت میں پیش کی یعنی ایک بوڑھا بیل ایک تنومند و توانا شیر سے دوستی کا متمنی ہوا۔

بحیرہ روم یا وسطی سمندر میں فونیقی جنگی جہازوں نے یونانی تجارتی جہازوں پر حملہ کر دیا۔ اس حملے کا جواز انہوں نے یہ پیش کیا کہ وہ اپنے بحری تجارتی راستوں کو بحری قزاقوں سے محفوظ کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ اس سمندر میں دشمن بھی بحری قزاق بن جایا کرتا تھا۔ درحقیقت چالاک و عیار فونیقی اپنے حریفوں کے جہازوں کو تباہ کر ڈالنا چاہتے تھے۔ یونانی بحری تجارت کے میدان میں فونیقیوں کے سب سے بڑے حریف تھے۔

مراکنڈا سے سغدیانہ کے ستراپ نے سائرس کو لکھا کہ وحشی حملہ آور نہ قبائلی دریا کی حدِّ فاصل کو عبور کر کے ہخا منشی سلطنت کی حدود میں تاخت و تاراج میں مصروف تھے۔ اس دریا یعنی سیر دریا پر محافظ چوکیاں بھی چند ایک ہی تھیں۔ ستراپ نے درخواست کی کہ اسے شاہی خزانے سے کچھ رقم عطا کی جائے تاکہ وہ دریا کے کنارے چند نئے محافظ چوکیاں بنا کر وہاں فوجی دستے متعین کر سکے۔ سائرس کو ایسی سرحدی چوکیاں ان وحشی خانہ بدوش حملہ آوروں کے خلاف تعمیر کروانے میں اب کوئی فائدہ نظر نہ آتا تھا۔ بخت نصر نے بابل کی حفاظت کے لیے کیسی ناقابل تسخیر قسم کی فصیلیں تعمیر کروائی تھیں۔ لیکن کیا یہ فصیلیں بابل کو تسخیر ہونے سے بچا سکی تھیں؟

گرمیوں کی ایک اونگھتی شام کو اس نے تمام درخواست دہندگان کو اپنے دربار سے رخصت کر دیا۔ اور تخت سے اتر کر اپنے محافظوں کو ہمراہ لیے بغیر محل کے عقب میں بنے چوڑے برآمدے کی طرف چلا گیا۔ اس برآمدے میں بلند و بالا ستونوں کی قطار دور تک چلی گئی تھی۔ اس قطار نے برآمدے کی اونچی چھت کو سہارا رکھا تھا۔ اس جگہ وہ بغیر کسی مداخلت کے

پہروں غور و فکر کرسکتا تھا۔ برآمدے میں ستونوں کی قطار کے سائے میں ٹہلتے ہوئے۔ وہ اس آخری رپورٹ پر غور کرنے لگا جو اس کے مبصر نے سارڈیس سے اسکی خدمت میں بھیجی تھی۔ یہ مسحانیانیوں کے بارے میں تھی۔ جو آیونی آریں تھے۔ اور ٹرائے کے کھنڈرات کے آس پاس سے ساحلی دردانیہ پر آباد تھے۔ درحقیقت مسحانیانیوں نے ٹرائے کے دفاع میں بڑے دلیرانہ کارنامے انجام دیئے تھے۔ ان کی شجاعت و دلاوری کی یہ کہانی کروئی سس نے سائرس کو سنائی تھی۔ اب وہ دوانیال سے بحیرہ اسود جانے آنے والے ہر جہاز سے ٹیکس وصول کرتے پھر رہے تھے۔ چاہے یہ جہاز غلام، کھالیں، غلہ اور اناج لے کر جا رہے ہوتے یا صرف مسافر بردار ہی ہوتے۔ سارڈیس کے ستراپ نے ان کے اس کام کی حوصلہ افزائی کی تھی۔ کیونکہ اس طرح سارڈیس کو ان محصولات سے بھاری آمدنی ہونے لگی تھی۔ لیکن اس امر نے سائرس کو بہت مضطرب کر دیا تھا۔ کیونکہ مسحانیانی یہ سراسر شرانگیزی کا کام کر رہے تھے۔ پھر انہیں سمندری پانیوں پر کونسا اختیار تھا۔ درحقیقت وہ تھوڑی سی رقومات کی خاطر بڑے خطرات سے کھیل رہے تھے۔

ستونوں کے سائے میں چہل قدمی کرتے ہوئے سائرس نے فیصلہ کیا کہ اسے مسحانیانیوں کے معاملے میں کچھ نہ کرنا چاہیے اور نہ سارڈیس میں ستراپ کو حکم بھیجنا چاہیئے کہ وہ مسحانیانیوں کو اس حرکت سے باز رکھنے کی کوشش کرے۔ کیونکہ مسحانیانی پھر دوسرے شرانگیز طریقوں سے مال بنانے لگ جائیں گے۔ انہیں کنٹرول رکھنے کا مناسب طریقہ یہ تھا کہ ایک نئی مسحانیانی ستراپی بنائی جائے۔ اور مسحانیانیوں ہی کے کسی بزرگ شخص کو اس کا ایک ستراپ بنا دیا جائے۔ اور وہ آبنائے میں ہونے والی تمام خلافِ قانون حرکتوں کے خاتمے کا ذمہ دار قرار دے دیا جائے۔ صرف ایسی ہی صورت میں اس علاقے میں مکمل امن و امان اور قانون کی حکمرانی ہو سکتی تھی۔

اس فیصلے پر پہنچ کر اس نے کچھ اطمینان محسوس کیا۔ ساتھ ہی اس نے محسوس کیا کہ وہ

اس جگہ تنہا نہیں تھا بلکہ ایک شخص بھی اس جگہ موجود تھا جو خاموشی سے اسکی چہل قدمی پر نظر رکھے ہوئے تھا۔ یہ شخص ایک چوڑے ستون کے عقب میں کھڑا تھا۔ اس اجنبی کا چہرہ سائرس کے لیے جانا پہچانا تھا۔ وہ شاید طویل سفر کرکے آیا تھا جب ہی اس کا لباس دھول اور کیچڑ سے اٹا ہوا تھا۔ شاید وہ خاموشی سے اس جگہ پر آن پہنچا تھا۔ کیونکہ کسی ملازم نے اسے اسکی آمد کی خبر نہ دی تھی۔ سائرس اس کے سامنے جاکر کھڑا ہو گیا۔ اس شخص نے اپنا ہاتھ اس کی جانب دراز کیا "اے عظیم بادشاہ" اس نے التجائیہ لہجے میں کہا "زرتشت کی وادی تمہیں مدد کے لیے پکار رہی ہے!"

اس کی آواز سنتے ہی سائرس نے اس ماگی کو پہچان لیا۔ جو اگبتانا کے پتار کی تعمیر کے وقت وہاں غلام تھا جسے اس نے آزاد کروایا تھا اور جو بعد میں اس پیغمبر زرتشت کا ترجمان اور پیروکار بن گیا تھا۔ اب اب اسکی قبر پہ مجاوری کر رہا تھا وہ ماگی "اس نے متحیرانہ لہجے میں کہا مجھ تمہیں کیا پھاٹک میں سے گزرتے ہوئے کسی نے دیکھا نہیں؟" ماگی مسکرایا "تمہارے پھاٹک پر زبردست پہرہ لگا ہے وہاں افسر استقبالیہ نے مجھ سے مطالبہ کیا تھا کہ میں کون ہوں۔ کسی افسر یا سردار کی طرف سے بادشاہ کی خدمت میں عرضداشت لے کر آیا ہوں۔ ظاہر ہے میں ان سوالوں کا جواب کہاں دے سکتا تھا۔ اس لیے میں چپکے سے عقبی دروازے سے محل میں داخل ہو گیا۔

"پھر بھی میں تمہیں اپنے گھر میں خوش آمدید کہتا ہوں۔ مجھے یاد نہیں کہ تم نے اس وقت مجھے اپنی وادی میں عقبی راستے سے داخل ہوتے وقت خوش آمدید کہا تھا یا نہیں۔" ماگی نے اس پر اثبات میں سر ہلایا۔ اس پر سائرس نے دریافت کیا۔ "وہ اب تمہاری وادی کو میری کیا ضرورت پیش آگئی ہے؟ کیا وہاں ہمیشہ کی مانند امن چین کی حکمرانی نہیں؟"

مہ آگ اور تلوار سے تباہ و برباد کر دیں گی۔ شمال کے وحشی حملہ آور اب اس کی سرحدوں پر دندناتے پھر رہے ہیں۔ ہمارے پاس ان کے حملوں کے خلاف مدافعت کے کوئی ذرائع نہیں۔ سائرس۔ تمہیں یاد ہے کہ تم نے باختر یا کی حفاظت کا عہد کیا تھا؟"

ماگی اس طرح بول رہا تھا جیسے وہ سائرس کو کوئی بھولی بسری چیز یاد دلانا چاہتا ہو۔ یہ ژائر جنگ کے بارے میں کچھ بھی نہ جانتا تھا۔ سائرس کو مراکنڈا سے بھیجی ہوئی اطلاع یاد آئی۔ اور اس نے ماگی کو سمجھانا شروع کیا کہ اپنے علاقے میں امن و امان کے قیام کی اور حفاظت کی ذمہ داری وہاں کے ستراپ کے ذمے تھی۔ سغدیانہ کا ستراپ باختر یا کی حفاظت کا بھی ذمہ دار تھا۔ شمال مشرقی سرحد پارس گرد سے ایک مہینے کی مسافت پر تھی وہ کئی سالوں تک باوجود دلی چاہنے کے باختر یا نہ جا سکا تھا۔ اگر وحشی لٹیرے وہاں ادھم مچا رہے تھے تو وہ ہزار پات کو حکم بھیج سکتا تھا کہ وہ ان کی سرکوبی کے لیے پارتھیا اور کوراسمیا سے فوجی دستے بھیج دے۔ اس نے ماگی کو یہ باتیں سمجھانی شروع کیں جو طویل سفر طے کرنے کے بعد بذاتِ خود مدد کی درخواست لے کر اس کی خدمت میں حاضر ہوا تھا۔ اس نے کہا "ماگی، تم بہت دور سے سفر کر کے آئے ہو۔ آؤ میرے ساتھ چل کر شریک طعام ہو۔ اس کے بعد آرام کرو۔ اور اطمینان رکھو بھلے آدمی۔ میں سائرس ہوں۔ اور میں تم سے کیا ہوا وعدہ بہر حال پورا کروں گا۔"

سرد صحراؤں کی جنگ

جب سائرس نے وحشی قبائلیوں کی سرکوبی کرنے کے لیے سیر دریا کی جانب سفر کا اعلان کیا تو اس کے مشیروں نے اس کی مخالفت کی۔ پھر انہوں نے اس سے درخواست کی کہ وہ کمبی سس اور اس کی فوج کو بابل سے بلوا لے اور اسے اپنے ہمراہ لے جائے اس کے بجائے سائرس نے اپنے بیٹے کو حکم بھیجا۔ کہ وہ پارسس گرد چلا آئے اور اس کی عدم موجودگی میں معاملاتِ حکومت سنبھالے رہے۔ اس نے اپنے مشیروں کو ایرانیوں اور میدیوں کا وہ "قانون" یاد دلایا کہ بادشاہ اور اس کا ولی عہد بیک وقت ملک نہیں چھوڑ سکتے تھے۔ پھر اس نے اعلان کیا کہ وہ صبح ہوتے ہی شمال مشرق کے سفر پر روانہ ہو جائے گا۔

اس رات اس نے بستر پر لیٹے ہوئے اپنے دائیں پہلو کی طرف سے اپنے فراواشی کی آواز سنی۔ کہ اس کے لیے اپنے آبائی وطن کی جانب سفر کرنا اچھا تھا

پھر اس نے دریا کے بہنے کی آوازوں میں انا ہیتا کے مسرور قہقہے کی آواز سنی اس کا دل بے اختیار اس دیوی کو دیکھنے اور اس کے وجود کو اپنے بازوؤں میں سمیٹنے کے لیے مچل اٹھا۔ پھر اس نے اپنے آپ کو سمجھایا کہ اسے ایک ہوشکار بوڑھا بننے کے خیال سے کبھی باز نہیں رہنا چاہیے۔

ایرانی لشکر نے موسم گرما کے وسطی حصے کے ایک دن صبح ہوتے ہی اپنی وادی کو خیرباد کہا۔ اس وقت ہر سو سحر آنکھوں کو فرحت بخشنے والا سبزہ بکھرا ہوا تھا جس میں لالے کے پھول بہار دے رہے تھے۔ اپنے نسایانی گھوڑوں پر سوار وہ ہر کاروں جیسی تیز رفتاری سے رغانی اور بلوندین پہاڑوں کی طرف جانے والی شاہی سڑک پر ہو لیے۔ بلوندین پہاڑوں کی چوٹیاں برف سے ڈھکی دھوپ میں جگمگاتی دکھائی دے رہی تھیں۔ بادشاہ کے پانچ ہزار محافظ سواروں میں سے ایک ہزار اس کے ہمراہ تھے۔ اور کوئی حاجب۔ نقیب۔ کاتب۔ کرسیاں اٹھانے والے اور مگس راں لشکر کے ہمراہ نہ تھے۔ اس لیے ایرانی لشکر کے اس سفر کے حال کے بارے میں تاریخ کے اوراق خاموش ہیں۔ صرف بعد ہی کی خبریں اوراق تاریخ میں محفوظ ہو پائی ہیں۔

سڑک کے کنارے پر واقع دیہاتوں کی عورتیں اناروں۔ خربوزوں اور میووں کی ٹوکریاں سنبھالے سائرس کی خدمت میں پیش کرنے کے لیے بھاگی آتی رہیں۔ سائرس نے ان کے تحفے دیکھتے ہوئے اندازہ لگایا کہ اس موسم گرما میں پھلوں کی فصل بہت اچھی ہوئی تھی۔ اس نے جواب میں پھلوں کا تحفہ پیش کرنے والی ہر عورت کو سار دیس کی ٹکسال میں ڈھلے ہوئے سونے کے سکے دیے۔ اور ان سے وعدہ کیا کہ وہ ژاہائی یا دشمنوں کو سزا دینے کے بعد جب واپس آئے گا تو ان کے گاؤں میں فرد قیام کرے گا۔ بحیرۂ ہیرکانیہ کی گھاٹی میں ہیرکانی جنگجو گشتاسپ کے بیٹے داریوش

کو دیکھتے ہوئے اندازہ لگایا کہ یہ خاموش طبع آدمی اپنے آپ کو واقعی اپنی ذمہ داری کا اہل سمجھتا تھا ۔ کوار کی سرخ سرزمینوں سے آگے پارتھی بہادر بھی لشکر سے آن ملے ۔ یہ نوجوان تلوار باز عظیم بادشاہ کے زیر کمان جنگ میں بہادری کے جوہر دکھاتے ہوئے شہرت و عزت کمانا چاہتے تھے ۔ اب سائرس کو افسوس ہوا کہ وہ مشرقی سرزمینوں کی طرف سے عرصۂ دراز تک غیر حاضر رہا تھا ۔ مغربی سرزمینوں کی سازشوں اور جھگڑوں نے اسے طویل عرصہ تک چلنے ہی نہ دیا تھا ۔

تیزی سے سفر کرتے ہوئے اس نے نئی رجمنٹوں کو جانچا اور ان کے افسروں میں عہدے تقسیم کرنے کے لیے رکنا بے کار سمجھا ۔ آمو دریا تک پہنچتے پہنچتے کورا سیانی بھی اس سے آن ملے ۔ اور اس نے مراکنڈا سے پیدل فوج کے پہنچنے کا کا انتظار نہ کیا ۔ پھر پیدل سپاہی سواروں کا چلنے میں ساتھ بھی نہ دے سکتے تھے اس کے لیے واپسی پر مراکنڈا کے باغات میں ٹھہرنے کے لیے کافی وقت تھا ۔

اس وقت تک وہ تباہ شدہ علاقے تک پہنچ چکے تھے ۔ مٹی کے مکانوں والے دیہات سب اجڑے ہوئے تباہ حال اور ویران پڑے تھے ۔ وحشی لیٹرے فصلیں یا تو لوٹ کر لے گئے تھے ۔ یا انہیں آگ لگا گئے تھے ۔ سائرس چلتے چلتے اس جگہ آن پہنچا جہاں مردوں کے جسم ابھی تک بے گور و کفن پڑے ہوئے تھے ۔ یہ کسانوں ، بوڑھے اور بچوں کے مردہ اجسام تھے ۔ عورتیں اور مال اسباب سب لیٹرے اٹھا لے گئے تھے ۔ مقتولین کو حملہ آوروں نے اپنے تیر بچانے کے لیے تیز دھار ، ہتھیاروں سے قتل کیا تھا ۔ یہ حملہ آور شمالی سرد صحراؤں سے تعلق رکھنے والے سرماتی تھے ، عام خانہ بدوش حملہ آوروں کی طرح وہ بھی مہذب اور تربیت یافتہ فوج کی آمد کی اطلاع سنتے ہی بھاگ کھڑے ہوئے تھے ۔

سرحد پر سائرا کے قلعہ بند شہر کی تمام آبادی بھاگ چکی تھی اور شہر کی دیواریں

منہدم کردی گئی تھیں۔ سیر دریا کے کنارے کہیں کوئی انسانی آبادی نہ دکھائی دے رہی تھی۔ ہر چند کہ مردار خور پرندے شکار کی تلاش میں آسمان پر اُڑتے دکھائی دے رہے تھے۔ سائرس نے حکم دیا کہ دریا پر کشتیوں کا پل بچھایا جائے تاکہ مفسدوں کا تعاقب شروع کیا جائے۔ وہ ان وحشی لٹیروں کو ان کے کرتوتوں کی سزا دیئے بغیر اتنی بڑی اور طاقتور فوج کے ساتھ یونہی واپس نہ لوٹنا چاہتا تھا۔

ایرانی لشکر کشتیوں کا پل عبور کر کے ایک وسیع میدان میں آگیا۔ جہاں گرد کے بگولے دہرا رہے تھے۔ اس جگہ انہیں ایک جگہ آگ جلتی دکھائی دی۔ اور دو قیدی ملے جو کمزور اور لاچار ہونے کی وجہ سے حملہ آور اپنے پیچھے چھوڑ گئے تھے۔ شاید کچھ دیر قبل وہ یہاں پڑاؤ ڈالے ہوئے تھے۔ فوج نے اپنی رفتار تیز کر دی۔ جلد ہی پہاڑوں کو افق کی طرف وحشی حملہ آور اندھا دھند فرار ہوتے ہوئے دکھائی دیئے گئے۔ ان وحشیوں کا رخ ان پہاڑوں کی طرف تھا جو سرخ زمین پر سر اٹھائے کھڑے تھے۔ سورج کی تپش نے ان کا رنگ جلا کر سیاہ کر دیا تھا۔ سکاؤٹوں نے بتایا کہ ان فرار ہونے والوں کے گھوڑے بھگانے کے سبب میدان میں گرد وغبار کے بگولے اٹھ رہے تھے۔ اور وہ بڑھتی ہوئی فوج سے صرف ایک گھنٹے کی مسافت پر رہ گئے ہیں۔ یہ سنتے ہی سائرس نے حکم دیا کہ تھکے ماندے اور کمزور سپاہی وہیں پڑاؤ ڈال لیں۔ اور اس پڑاؤ کی حفاظت کے لیے اس نے سپاہیوں کا ایک دستہ متعین کر دیا۔ پھر اس نے باقی جنگجوؤں کو ساتھ لیا۔ اور دشمن کے تعاقب میں لپک پڑا۔ ایرانی سپاہی سیاہ پہاڑیوں کی طرف تیزی سے بڑھنے لگے۔ ان کے قدموں کے نیچے زمین آگے چل کر ایک تنگ وادی کی صورت میں پہاڑیوں کی دیواروں کے درمیان سے گزرتی تھی۔ اس گزرگاہ کے دونوں طرف پہاڑیوں کی بلندیوں پر حملہ آور خانہ بدوش وحشی ایرانی لشکر کی گھات میں بیٹھے تھے۔ جو نہی

ایرانی لشکر گزرگاہ میں داخل ہوا۔ یہ وحشی اس کے پہلوؤں پر ٹوٹ پڑے اور لشکر کے سامنے ان وحشی قبائلیوں کا ایک اور جتھا نمودار ہو گیا۔

"یہ میاگیتی ہیں!" سکاتوڈوں نے سائرس کو خبردار کیا۔ فرار ہوتے ہوتے سراتی انہیں جان بوجھ کر اس وادی میں گھیر لائے تھے۔ جہاں میاگیتی ان کی تاک میں بیٹھے ہوئے تھے۔ یوں ایرانی انجانے میں میاگیتوں سے ٹکرا گئے۔ گھوڑے برق رفتاری سے دوڑتے ہوئے، بدکتے ہوئے گرد و غبار کا طوفان اٹھانے لگے جن سے سپاہیوں کے دم گھٹنے لگے۔ تیروں کے اڑنے اور ہتھیاروں کے ٹکرانے کی آوازوں کے درمیان وحشی لیٹروں کے مجنونانہ نعرے بلند ہونے لگے۔ وہ بھیڑیوں کی طرح آوازیں نکالتے ہوئے جھپٹ جھپٹ کر ایرانی لشکر پر حملہ کر رہے تھے۔ سائرس کے محافظ ہزار سواروں نے اسے اپنے حفاظتی حصار میں لے رکھا تھا۔

سائرس نے دیکھا کہ اسکی فوج بدنظمی اور افراتفری کا شکار ہو چکی تھی۔ اور اس پوزیشن میں نہ رہی تھی کہ اس تنگ سی وادی میں رہتے ہوئے دشمن پر جوابی حملہ کر سکتی۔ وہ مدافعانہ پوزیشن میں آ گئی تھی۔ چنانچہ اس نے پیچھے دستوں کو پسپائی کا حکم دیا۔ اور اگلے دستوں کو بھی پچھلے دستوں کو تقلید کی ہدایت بھجوائی اس نے ہزار سواروں کے کماندار کو حکم دیا کہ دستوں کی پسپائی تک وہ دشمنوں کو وادی ہی میں روکے رکھے۔

سراتی اور میاگیتی پہاڑیوں کی گھاٹیوں اور دروں سے نکل نکل کر ایرانی لشکر پر حملہ آور ہو رہے تھے۔ ایرانی لشکران کا مقابلہ کرتا ہوا آہستہ آہستہ ان پر فریب سیاہ پہاڑیوں سے پیچھے ہٹ رہا تھا۔ گھوڑے اور ان کے سوار گر رہے تھے۔ لیکن تربیت یافتہ ہزار سوار اپنا ڈسپلن قائم رکھا ہوئے تھے۔ پھر سائرس کے اپنے سپاہیوں کو حکم دیا کہ وہ پیچھے ہٹتے ہوئے کھلے میدان میں

میں آجائیں۔ اس کا خیال تھا کہ وحشی قبائلی ایرانی لشکر کا تعاقب کرنے کرنے اس کے پڑاؤ تک آجائیں گے اور لوٹ مار کرنے کی کوشش کریں گے۔ چنانچہ وہی ہوا جس کی اسے توقع تھی۔ میاگیتی اور سرماتی ایرانی لشکر کا تعاقب کرتے کرتے مڑ کر اس کے کیمپ کی طرف بھاگ اُٹھے۔ اور خیموں پر اس طرح حملہ آور ہوئے جیسے بھیڑیوں کے غول مردار جانور پر ٹوٹ پڑا کرتے ہیں۔

میدان میں ایرانی سپاہی اپنے کمانداروں کے حکم سے اکٹھے ہو گئے تھے۔ انہوں نے تیزی سے سینکڑوں اور ہزاروں کی تعداد کے اپنے دستے ترتیب دیے۔ سائرس انہیں اور ان کے گھوڑوں کو سستانے کا موقع نہ دینا چاہتا تھا۔ وہ ان سب کے سامنے نمودار ہوا۔ اس نے اپنے سر کی پٹی میں سفید پر لگا رکھے تھے۔ تاکہ آسانی سے شناخت کیا جا سکے۔ پھر اس نے تمام دستوں کو حکم دیا کہ وہ اس کے پیچھے پیچھے روانہ ہو پڑیں۔

یہ اس کی ایک ایرانی چال تھی۔ وہ اُس ڈھلوان وادی میں موت کے دہانے کے قریب جا پہنچے تھے۔ اور اب اس کھلے میدان میں بڑی آسانی سے گھوڑے دوڑا سکتے تھے۔ اب انہیں امید تھی کہ اپنے بادشاہ کی راہنمائی میں وہ پہلے کی مانند اپنے دشمنوں کا ستھراؤ کر ڈالیں گے۔ سائرس کو اس وقت کوئی تھکاوٹ محسوس نہیں ہو رہی تھی۔ اس نے چلا کر سپاہیوں کو حکم دیا۔ جواباً ایرانیوں کے نعروں اور نسوانی گھوڑوں کی تیز ہانپوں کی آوازوں سے فضا تھرتھرانے لگی۔ پھر اچانک ہی سائرس کو کسی طرف سے ایک تیر آ کر لگا۔ پھر ایرانی پڑاؤ کے خیموں کی طرف بڑھتے بڑھتے ایک نیزے نے اسے شدید زخمی کر دیا۔ اس کے محافظ اس کو گھیرے میں لیے بے جگری سے لڑ رہے تھے۔ وہ اسے میدانِ کارزار سے نکال لے گئے۔ اور دریا کے قریب اسے ایک کچی اینٹوں کی بنی ہوئی جھونپڑی میں لیجا کر لٹا دیا۔ وہاں تیسرے دن اس کا انتقال ہو گیا۔

چونکہ ایرانی فوج کے ہمراہ اس مرتبہ کوئی کاتب اور وقائع نگار وغیرہ نہیں تھے اس لیے دریا کے کنارے جو کچھ پیش آیا تھا اس کا حال کبھی نہ لکھا جا سکا۔ بابل کے وقائع نگاروں نے صرف اتنا ہی لکھا کہ سائرس اعظم شمال مشرقی سرد صحراؤں میں زرہائی یعنی دشمنوں کا مقابلہ کرتے ہوئے جنگ میں مارا گیا تھا۔ جب کہ یونانی شاعروں نے یہ حاشیہ آرائی کی کہ سائرس سرماتیوں کی ملکہ تانی میرس کے سحر میں پھنس کر ان سرد صحراؤں کی طرف نکل گیا تھا۔ تانی میرس نے اسے جنگ لڑنے کا چیلنج دیا۔ کیونکہ اس کا شوہر پچھلی کسی جنگ میں سائرس کے ہاتھوں مارا گیا تھا۔ جنگ میں تانی میرس نے سائرس کو قتل کر کے اپنا انتقام لے لیا۔ اس نے سائرس کا سر کاٹ لیا اور اسے اپنے نیزے پر بلند کر کے اپنا انتقام پورا ہونے کا اعلان کیا۔ اس وقت سائرس کے کٹے ہوئے سر سے خون بہہ رہا تھا۔ ظاہر ہے یونانی شاعروں نے اپنے طور سائرس کی موت کے واقعہ میں اپنی عادت کے مطابق رومانی رنگ بھرنے کی کوشش کی تھی۔ ہو سکتا ہے اس میں کچھ صداقت موجود ہو۔ لیکن سائرس کی موت کے سچے اور صحیح واقعہ پر شاید تا قیامت لاعلمی کے پردے پڑے رہیں۔

سائرس کی موت کی خبر پہلے مراکندا پہنچی۔ اس کے بعد اس نے باختر یا کا سفر کیا۔ اس کے بعد یہ خبر شاہی سڑک کے ساتھ ساتھ سفر کرتی ہوئی دو ہزار میل دور طیفون اور سمندری ساحلوں تک پہنچ گئی۔ ساری سلطنت کے طول و عرض میں لوگ اس آدمی کے لیے ماتم و زاری کرنے لگے جس نے بیس سال تک ان پر حکومت کی تھی اس جنگ سے بچ نکلنے والے فوجی افسروں نے سائرس کی لاش پر موم چڑھا کے اسے ایک تابوت میں رکھوایا اور پارس گرد روانہ ہو گئے۔ باختر یا میں بلند پہاڑ کی چوٹی پہ آتش مقدس بجھ چکی تھی۔ اور پارس گرد میں آگ کی دوہری قربان گاہیں بھی ٹھنڈی پڑی تھیں۔

پارس گرد کی وادی کے شمالی دروازے پر کمبی سس اپنے باپ کی لاش کا انتظار کر رہا تھا۔ جب فوجی افسر سائرس کے تابوت والی گھوڑا گاڑی کے ساتھ وہاں پہنچے

تو کمبی سس نے اس گھوڑا گاڑی میں بیٹھ کر قبائلی گھوڑوں کی لگامیں خود سنبھال لیں اور انہیں وادی میں جانے والے راستے پر ڈال دیا۔ وہاں تمام قبائل کے سردار اور عظیم ایرانی سلطنت کے تمام صوبوں کے ستراپ جمع تھے۔

دریا کے کنارے سات قد بچوں پر بنایا جانے والا مقبرہ اس وقت تک مکمل ہو چکا تھا۔ اس لیے کسی نے یہ سوال کھڑا نہ کیا کہ بادشاہ کی لاش کے ساتھ کیا کیا جائے۔ لیکن ہخامنشیوں کو وہ چھوٹا سا کوٹھڑی نما کمرہ سائرس کی آخری آرام گاہ کے طور پر انتہائی ناموزوں معلوم ہوتا تھا۔ سائرس تو دنیا کی سب سے بڑی بادشاہت کا مالک تھا۔ عظیم فاتح تھا۔ ایک عہد ساز شخصیت تھا۔ اس کے لیے تو کوئی ایسا مقبرہ تعمیر ہونا چاہیے جو اس کے شایانِ شان ہوتا۔ انہوں نے کمبی سس اور قانون برداروں کو مجبور کیا کہ وہ سائرس کے لیے مصری فرعونوں جیسا خالص سونے کا تابوت بنوائیں۔ اس تابوت میں انہوں نے سائرس کی لاش رکھی۔ اس کے سر پر جواہرات جڑا تاج رکھا ہوا تھا۔ اور اسے کوٹے ہوئے سونے کا لباس پہنایا ہوا تھا۔ اسے لباس پہناتے اور اسے تابوت میں لٹاتے وقت سرداروں اور پجاریوں نے ایک مشعل جلا رکھی تھی۔ کیونکہ مقبرے کا اندرونی دروازہ اس وقت نہ کھل سکتا تھا۔ جب تک اس کا بیرونی دروازہ نہ بند کیا جاتا۔ تابوت کو ایک سونے کے بنے ہوئے سونے کے پایوں والے بلند کاؤنٹر پر رکھا گیا تھا۔ اس کے قریب ہی ایک سونے کی بنی ہوئی میز رکھی ہوئی تھی۔ جس پر سائرس کی تلوار جسے وہ کبھی کبھار استعمال کرتا تھا، اس کا بابلی کتان کا لبادہ، اس کا ارغوانی رنگ کا رنگا ہوا چمڑے کا سواری کا پاجامہ، اس کی جواہرات جڑی پیٹی اور نرم چمڑے کے بوٹ رکھے ہوئے تھے۔ اس مختصر سے کمرے کی دیواروں پر سارڈیس کے بنے ہوئے پردے تنے تھے۔

یہ سب سمجھ گئے تھے کہ سائرس نے اپنی یہ استعمال کی چیزیں اپنے مقبرے

میں سب سے پہلے داخل ہونے والے شخص کے لیے چھوڑی تھیں ۔ اور ظاہر ہے وہ شخص اس کی عظیم سلطنت کا ولی عہد ہی ہو سکتا تھا ۔ یعنی کمبی سسس ۔ چنانچہ جب کمبی سسس سب سے پہلے اپنے باپ کی آخری آرام گاہ میں داخل ہوا تو اس نے اپنے باپ کے کپڑے جوتے پہنے اور اس کی تلوار سجا کر باہر نکل آیا ۔ اس کے باہر نکلتے ہی ہخامنشیوں نے اسے گھیر لیا اور اسے ساتھ لیے ہوئے بلندی پر بنی ہوئی آگ کی دوہری قربان گاہوں کی طرف لے گئے ۔ وہاں اس سے بادشاہ کی حیثیت سے حلف لیا گیا ۔ اس نے وعدہ کیا کہ وہ اپنے باپ کی عظیم سلطنت کے لیے ایک اچھا حکمران بن کر دکھائے گا اور اپنی رعایا کا ہر ممکن خیال رکھے گا ۔ پھر اس نے سب لوگوں اور پجاریوں کے ساتھ انجیروں، کھٹے دودھ اور خشک ترمیووں کی ضیافت میں شرکت کی ۔ اس قسم کے کھانے سے کمبی سسس کو یہ باور کرانا تھا کہ وہ ایک بڑا بادشاہ ہوتے ہوئے بھی ایک ادنیٰ سے دہقان سے ہرگز مختلف نہ تھا ۔ اس ضیافت کے بعد کمبی سسس نے اپنا پہلا حکم دیا یعنی قربان گاہوں کی مقدس آگ دوبارہ روشن کر دی جائے ۔

سائرس کے غم میں سوگ مناتے ہوئے مختلف اقوام حتیٰ کہ بابلی اور باختریا کے لوگوں نے بھی کمبی سسس کے اس تخت پر حق کے بارے میں کوئی سوال کھڑا نہ کیا جس پر بیٹھ کر اب اسے کیا انتہائی وسیع و عریض سلطنت پر حکومت کرنا تھی ۔

کمبی سسس کی تاج پوشی کے بعد ایک عجیب واقعہ رونما ہوا ۔ یہ ایرانیوں اور میدیوں کی روایات کے بالکل خلاف تھا ۔ لوگوں نے دیکھا کہ سائرس کے آخری قدمچے پر ایک بوڑھا ماگی بیٹھا مقبرے کی نگہبانی کر رہا تھا ۔ وہ ایک زائر تھا لیکن اس نے بتایا کہ اس جگہ پہنچ کر اس کی زیارت اختتام کو پہنچ گئی تھی ۔ اس کے ہاتھ میں ایک بیلچہ تھا ۔ اس نے کہا کہ وہ عظیم بادشاہ کے مقبرے کے آس پاس

ایک خوبصورت باغ بناتے گا۔

ہخامنشیوں نے اس بوڑھے ماگی کو اس کی اجازت دے دی کہ وہ قریبی ندی سے پانی کی چھوٹی چھوٹی نہریں نکال لے۔ اور اپنی مرضی کے مطابق مقبرے کے آس پاس باغ بنا دے۔ اس نے اسے دریا کے کنارے رہنے کے لیے ایک مکان بنا دیا۔ اور اسے ہر ہفتے ایک بھیڑ، آٹے، پھلوں اور شراب کا راشن دینے لگے۔

وہ لوگ جو دور دراز کے علاقوں سے سائرس اعظم کے اس عجیب و غریب مقبرے کی زیارت کے لیے آتے تھے۔ وہ اس پر جڑی یادگاری تختی پر کندہ تحریر کو نہ پڑھ سکتے تھے۔ انہیں یہ بوڑھا ماگی وہ تحریر پڑھ کر سناتا تھا۔

"اے شخص، تو جو کوئی بھی ہے۔ جان لے کہ یہ سائرس کی آخری آرام گاہ ہے جس نے ایک عظیم ایرانی شہنشاہیت کی بنیاد رکھی۔ اور دنیا کے ایک بڑے حصے پر حکمران رہا۔ اس کے مرتبے کو دیکھ اور اس سے حسد نہ کر۔"

حرفِ آخر

سائرس اعظم بالضرورت ہی مرگیا۔ ممکن تھا کہ اس کی موت کے بعد کمبی سس یا کوئی اور جرنیل سرمایتوں اور میساگیتوں کے خلاف سیر دریا کے پار کے پہاڑوں میں جنگ جاری رکھتا۔ لیکن کمبی سس نے ایسا کرنا بے کار سمجھا۔ پارس گرد سائرس کی عظیم الشان سلطنت کا مرکز تھا۔ اور وہاں کمبی سس کو اپنی تخت نشینی کے وقت کسی مخالفت یا محاذ آرائی کا سامنا نہ کرنا پڑا تھا۔ اس نے اب شاہِ بابل کی جگہ تمام سرزمینوں کے بادشاہ کا خطاب اختیار کر لیا تھا۔ ایرانی اس وقت تک بے حد مضبوط اور متحد قوم بن چکے تھے۔ اس نے اپنے چھوٹے بھائی باردیہ کو میڈیا کے شمالی حصے، آرمینیا اور کردو سیا (کردستان) کی حکومت عطا کر دی۔ اس کی اس حکومت کا مرکز اگبتانا تھا۔ اس نے ایرانی رواج کے مطابق اپنی دو چھوٹی بہنوں سے شادی بھی کر لی۔

سائرس کی موت کے ساتھ ہی، عوام کے بادشاہ، کا بھی انتقال ہو گیا تھا۔ اس نے اپنے دورِ حکمرانی میں حکمرانی کے ایسے اصولوں کو روشناس کرایا تھا جو اس سے قبل کسی کے علم میں نہ تھے۔ پھر بھی وہ اپنی سلطنت کی مکمل تنظیم نہ کر سکا تھا۔ یہ کام آگے چل کر اس کے داماد داریوش نے کیا۔ جو گشتاسپ کا بیٹا تھا۔ اگرچہ اس

نے یہ کام مختلف طریقے سے کیا۔ پھر بھی سائرس نے حکمرانی کے جو اصول وضع کیے تھے۔ وہ اس نے بھی اختیار کیے رکھے۔ پھر آگے چل کر یہی اصول مقدونیوں اور رومنوں نے بھی اختیار کیے۔ یعنی سائرس کا نظریۂ بادشاہت مغربی دنیا میں مقبولِ عام کی سند حاصل کر گیا۔

عوام کی اپنے حکمرانوں کے بارے میں رائے ان کی ایک مکمل اور جامع تصویر پیش کیا کرتی ہے۔ عوامی رایوں ہی کی بدولت کسی حکمران کے نقائص و محاسن پر روشنی پڑا کرتی ہے۔ ایرانی عوام کہتے تھے: "سائرس ایک باپ تھا۔ ایک آقا تھا۔ اور داریوش محض اُٹھائی گیرا تھا۔"

مختلف اقوام کا ایک تاج کے سائے تلے اتحاد اور وفاداری، اور اپنے حکمران پر اظہارِ اعتماد نے کمبی سس کے دل میں تسخیرِ مصر کی پرانی خواہش کو ہوا دی۔ سائرس نے مصر فتح کرنے کی کوشش کیوں نہ کی تھی۔ اس کی وجوہات نامعلوم ہیں۔ شاید اس کی خانہ بدوشوں کی جبلت نے اسے افریقہ کی طرف جانے والے بے آب و گیاہ صحراؤں کے پلوں کی طرف پیش قدمی کرنے سے باز رکھے رکھا تھا۔ وہ اناطولیوں اور یونانیوں کے درمیان گرم لیڈی ساحلوں پر بھی سکون و چین نہ پا سکا تھا۔ اسے دراصل آریاؤں کی سرزمین کی طرف زیادہ کشش محسوس ہوتی تھی۔ یہ عین ممکن تھا کہ وہ آرین دیوتا کی تلاش میں انتہائی شمالی علاقوں کی طرف بھی بڑھتا چلا جاتا جہاں وحشی اور خونخوار سیدیوں کا علاقہ شروع ہوتا تھا۔ تاہم اسے اس کا ایک قابلِ قدر کارنامہ سمجھنا چاہیے کہ اس نے شمال کے وحشی لٹیروں کے حملوں اور تاخت کو لگام دے دی تھی جو قدیم شہنشاہیتوں کی رعایا تھے۔ جن کا وجود عرصہ ہوا ختم ہو چکا تھا۔ اور اب ان لوگوں کی حیثیت آوارہ گرد لوٹ مار کرنے والوں سے زیادہ نہ رہ گئی تھی۔)

کمبی سس نے اپنی تمام تر توانائیاں مہم مصر کی تیاری کے لیے وقف کر دیں فرعونوں کی سرزمین، جو اسرار و فنون کی سرزمین کہلاتی تھی۔ اس وقت دنیا کی ایک بڑی

طاقت شمار ہوتی تھی۔ وہاں خوشحالی و فارغ البالی کا دور دورہ تھا۔ بوڑھے اماسس کے زیر سایہ ملکی تجارت خوب پھل پھول رہی تھی مصریوں کی تجارت زیادہ تر یونانیوں اور فونیقیوں کے ساتھ تھی۔ ان کے جہاز ناکریٹیس کی یونانی بندرگاہ کی طرف اور طائر سیدون اور قرطاجنہ کی فونیقی بندرگاہوں کی طرف مال تجارت لے کر جاتے تھے۔ اور بھاری منافع کما کر آتے تھے۔ تجارت زیادہ تر مال کے بدلے مال کے اصولوں پر ہوتی تھی۔ کیمبی سس اپنی سلطنت کی حدود کو مصر کی آخری سرحدوں تک وسعت دینا چاہتا تھا۔ اس کے حملے میں اپنے باپ کی جنگی حکمت عملی کی کچھ خصوصیات موجود تھیں۔ یونانیوں کی بھاری تعداد اسکی فوج میں شامل تھی۔ اسکے ہمراہ بہترین جنگی مشیر تھے اور مختلف اقوام کے جنگجو بھی اس کی فوج میں شامل تھے۔ مصری جرنیلوں نے خفیہ طور پر کیمبی سس سے سازباز شروع کر دی۔

پھر بھی کیمبی سس اپنے باپ کی مانند بغیر کسی کشت وخون کے بابل کو فتح کرنے کی مثال مصر میں نہ پیش کر سکا۔

اس دوران اماسس انتقال کر گیا۔ اس کا جانشین سانتیک ایک کمزور اور نا اہل حکمران تھا۔ کروئی سس بھی اس مہم میں کیمبی سس کے ہمراہ تھا۔ وہ اسے بہترین مشورے دے سکتا تھا۔ عرب سرداروں نے غزہ سے آگے تک ریگستانوں میں سفر کرنے کے لیے، ایرانی لشکر کو اونٹ مہیا کیے۔ غزہ کو ان دنوں براعظم افریقہ کا دروازہ کہا جاتا تھا۔ یہ ایشیا اور افریقہ کے درمیان حدِ فاصل بنا تا تھا۔ اماسس کے اتحادی جزیرہ ساموس کے حکمران پولی کریٹیس نے مصر پہنچنے کے لیے کیمبی سس کو جہازوں میں بھر کر افرادی قوت اور سامان حرب فراہم کیا۔ فونیقیوں نے بھی جو فرعونوں کے دوست اور اتحادی تھے، اسی طرح خفیہ طور پر کیمبی سس کی ہر طرح سے مدد کی۔ کیمبی سس کی افواج اور مصری افواج کا ٹکراؤ پیلوشیم کے مقام پر ہوا۔ طرفین کی صفوں میں

یونانی بھاڑے کے سپاہیوں کی بھی بڑی تعداد موجود تھی۔ مصری فوج میں جو یونانی کرائے کے سپاہی موجود تھے ان کے کماندار فینس نے مصری سالاروں سے تنخواہوں اور دیگر مراعات کے سلسلے میں جھگڑا کیا اور اپنے تمام سپاہیوں کولے کر ایرانی فوج میں جا شامل ہوا۔ ایرانیوں نے ہیلوشیم کی جنگ جیت لی۔ یوں مصر کی تقدیر کا فیصلہ ہو گیا۔

جب ایرانی نیل کے ساحل پر نمودار ہوئے تو مصری بحری کماندار نے غداری سے کام لیتے ہوئے سائس کا شہر ان کے حوالے کر دیا۔ سا تیک بھاگ کر ممفس چلا گیا۔ اسے ۵۲۵ ق۔م میں وہاں گرفتار کر لیا گیا۔ اب یونانیوں نے اپنی نوآبادیاتی بندرگاہ ناکریٹیس کے دروازے ایرانیوں پر کھول دیئے۔ کمبی سس نے ان یونانیوں کو اس قدر مراعات عطا کیں کہ برکہ اور سائرینی کی مغربی یونانی بندرگاہوں نے بھی اپنے وفود کمبی سس کی خدمت میں بھیج کر اس کی اطاعت قبول کر لی۔ یوں کمبی سس ایشیا اور شمالی افریقہ کے تمام یونانی تجارتی مراکز کے علاوہ فونیقیوں کے بحری بیڑوں کا بھی مالک بن گیا۔ یوں پہلی مرتبہ ایرانیوں کا مشرقی بحیرۂ روم کی بحری تجارت اور جہاز رانی پر کنٹرول ہو گیا۔

زیریں مصر کے اپنے ہاتھوں میں آتے ہی کمبی سس نے سائرس کی بابل میں مثال کی نقل کی یعنی اس نے مصر کے خداؤں کی عزت و توقیر کی۔ اس زمانے کی اکثر تصاویر میں کمبی سس کو مقدس ناگ والا شاہی تاج پہنے دکھایا گیا ہے اور اس کے پیچھے یہ الفاظ کھدے ہوئے دکھائے گئے ہیں "یہ کمبی سس۔ حیات و دہمات کا مالک خوش بختی، صحت اور مسرت عطا کرنے والا۔ اور اقوام عالم کا نجات دہندہ"۔

اس باغی امیر البحر نے، جسے طبیب خاص کے عہدے سے نوازا گیا تھا۔ اپنی یادداشت میں تحریر کیا تھا۔ کہ وہ تمام سرزمینوں کے بادشاہ عظیم دیا جبروت حکمران۔ عظیم شہنشاہ مصر کمبی سس کے محل کا منتظم اعلیٰ بن گیا تھا: بابل کی مانند مصر بھی پہلے

آپ کو دنیا کا مرکز اور دوسری سرزمینوں کے باسیوں کو غیر ملکی اور اجنبی کہا کرتا تھا۔ ہخامنشی سلطنت اب دو براعظموں میں پھیل چکی تھی۔

پھر جیسا کہ سائرس کے ساتھ بابل میں ہوا تھا، کمبی سس گوناگوں قسم کی مشکلات میں گھر گیا۔ اسے ایک فرعون کا لقب اختیار کرنے کے باوجود اس اجنبی ملک کا نظم و نسق چلانے میں بڑی دشواریاں پیش آنے لگیں۔ (اور دو صدیاں بعد سکندر مقدونی کو مصر فتح کرنے کے بعد مصریوں ہی کے طور طرائق کی نقل کرنی پڑی تھی۔) اکثر اوقات مبصر سائرس کی بعض کارروائیوں کو اس کی دیوانگی سے تعبیر کرتے تھے۔ اب انہوں نے کہا کہ مصر پہنچ کر اسکا بیٹا واقعی پاگل ہو گیا تھا۔ اس سلسلے میں وہ کمبی سس کے ہاتھوں آپس کے مقدس بیل کی ہلاکت کا حوالہ دیتے ہیں، جسے اس نے خود جنون سے ہلاک کر دیا تھا۔ وہ مزاج کا تیز اور طبیعت کا سخت تھا۔ پہلے پہل اس نے قیدی فرعون سانتیک سوکم (سام ٹیکس سوکم) کے ساتھ بڑا روادارانہ سلوک کیا۔ پھر جب اسے یہ خبر ملی کہ سانتیک ایرانیوں کے خلاف سازش میں مصروف تھا تو اس نے اسے قتل کروا دیا۔ کمبی سس نے کارتھیج (قرطاجنہ) کی فتح کے لیے شمالی افریقی ساحل کے ساتھ ساتھ ایک بڑی فوج روانہ کی۔ قرطاجنہ ان دنوں ایک بہت طاقتور اور خوشحال شہر تھا۔ لیکن کمبی سس کے بحری بیڑے کے فونیقی ملاح اپنے ہم وطنوں پر ایرانیوں کا حملہ نہ ہونے دینا چاہتے تھے۔ وہ اس بیڑے کو بھٹکا کر ایک ویران سے ساحل پر لے گئے۔ جہاں ایرانی سپاہی ادھر ادھر بھٹکتے رہے۔ بالآخر اس مہم کو ناکام واپس آنا پڑا۔ (یہ کہانی بھی سنائی جاتی ہے کہ ایرانی فوج افریقی صحرا میں بھٹک گئی۔ اور اس کا ایک سپاہی بھی زندہ نہ بچ سکا۔ لیکن یہ کہانی محض کہانی ہی ہے۔ اس کا حقیقت سے کوئی واسطہ نہیں۔) مہم قرطاجنہ کی ناکامی نے کمبی سس پر برا اثر ڈالا۔ اب تک ایرانی ہر مہم میں کامیاب ہوتے رہے تھے۔ اپنی آخری مہم میں بھی سائرس نے وحشی حملہ آوروں کو ان کی سرحدوں کے پار مار بھگایا تھا۔

اسی وقت کمبی سس مذہبی معاملات کی مشکلات میں پھنس گیا۔ اس کے امیر البحر طبیب خاص نے اسے اس امر پر آمادہ کیا کہ وہ سائس کے معبدوں میں فیتی نخنے گذارے لیکن ان معبدوں میں اور کسی بھی جگہ کے معبدوں میں مذہبی اکابرین نے جو مصریوں کی زندگیوں میں اہم کردار ادا کرتے تھے، اس کی طرف سے کوئی تحفہ قبول نہ کیا۔ درحقیقت کمبی سس نے معنس اور سائس کے علاوہ ہر جگہ معبد کے عہدیداروں کی بھاری آمدنیوں پر محصولات عاید کر دیے تھے۔ اور یوں انہیں عوام کا خون چوسنے سے روک دیا تھا۔ اور انہیں حکم دیا تھا کہ وہ مذہبی عہدیدار ہونے کی حیثیت سے دینا داری کے بکھیڑوں اور آلائشوں سے اپنے آپ کو دور رکھا کریں۔ اپنا ہر کام خود کیا کریں۔ اس نے انہیں مرغیاں پالنے کا حکم دیا تھا۔ (یہ ایرانی پرندہ اس وقت تک مصریوں کے لیے اجنبی ہی تھا۔) کمبی سس نے حکم دیا تھا کہ مویشیوں پر فرعون اماسس کے لگائے ہوئے محصولات آدھے وصول کیے جائیں۔ اس کے ان اقدامات کی بنا پر مصری مذہبی عمائدین نے یہ پراپیگنڈا کرنا شروع کر دیا تھا کہ ایرانی فاتح پاگل ہو چکا تھا۔ وہ دماغی توازن سے محروم یوں اوٹ پٹانگ حرکتیں کر رہا تھا۔ انہوں نے اس کے ہاتھوں معبدوں کی تباہی کی ہوائیاں بھی اُڑانی شروع کر دیں۔ لیکن تاریخ میں یہ شہادت نہیں موجود ہے کہ مذہبی عمائدین کی اس شر انگیزی کا مصریوں پر بہت کم اثر ہوا تھا۔ کسان کمبی سس کے زمانے سے اماسس کے عہد کی نسبت زیادہ مطمئن اور خوشحال تھے۔

قدیم استحقاق کی اس سرزمین پر حکومتی سائل کے انبار سے نمٹنے کی مشکلات کے باوجود کمبی سس نے اپنی حکومت کو بالائی مصر میں تھیبس سے لے کر ایتھوپیا میں نیل کے پہلے عزبندہ آب تک وسعت دے دی۔ اس ہاتھیوں، ہاتھی دانت اور سونے کے ذخائر سے بھر پور غیر ملکی سرزمین میں ایرانیوں کے لیے بڑی کشش موجود تھی۔ انہوں نے کہا کہ انہوں نے ایتھوپیا میں جو قیدی دیکھے تھے۔ وہ سونے کی بیڑیاں پہنے ہوئے

تھے۔ اپنی پیش قدمی کے دوران وہ ایک یہودی نو آبادی ایلفن ٹائن سے گزرے تھے۔ جو ان کی اطاعت گزار بن گئی تھی۔ اور یہ واقعہ بڑی اہمیت اور معنی خیزی کا حامل تھا۔ کئی صدیوں بعد اس نو آبادی کے کھنڈرات سے آرامی زبان میں لکھی ہوئی تختیاں برآمد ہوئی تھیں۔ جن سے ہخامنشیوں کے عہد حکومت پر روشنی پڑتی تھی۔ اور ان تختیوں پر داریوش کی فتوحات اور کارناموں کا ذکر تھا جو کمبی سس کے بعد ایران کا بادشاہ بنا تھا۔

سائرس کا بیٹا، پاگل نہ ہوا تھا۔ لیکن وہ اپنی سلطنت کے مرکز سے عرصۂ دراز تک غیر حاضر رہا تھا۔ جب وہ پانچ سال بعد مصر میں ایک ستراپ مقرر کرکے اور وہاں کا انتظام و انصرام اس کے حوالے کرکے واپس ہوا۔ تو اس وقت تک بہت دیر ہو چکی تھی۔ اس عرصہ کے دوران اسے کبھی مشرقی سرزمینوں اور اناطولیہ میں نہ دیکھا گیا تھا۔ وہ ان علاقوں میں پہلے بھی کبھی نہ گیا تھا۔ اس کے ستراپ جو ہزاروں میلوں کے فاصلوں پر تھے۔ مشکلات میں گھرے ہوئے تھے۔ اکثر صوبوں میں محب وطن عناصر کی بدولت بغاوتوں کے آثار نمودار ہو چکے تھے۔ بابل کے لوگ گومگو کے عالم میں تھے۔ اور مصر سے آنے والی خبروں کے بارے میں غیر مطمئن تھے۔ ان کے درجنوں لیڈر باردیہ کو ترغیب دے رہے تھے۔ کہ وہ اپنی بادشاہت کا اعلان کر دے۔ پھر جب باردیہ نے اپنے مضبوط پہاڑی قلعے میں اپنی بادشاہت کا اعلان کیا تو بابلیوں نے اس کی پرجوش پذیرائی کی۔ تاریخ دانوں نے ۵۲۲ ق م کے سال کو باردیہ کی حکومت کا پہلا سال لکھا۔ (اسے یونانی مورخ بالعموم سمردیس کہتے ہیں) باردیہ نے اعلانِ بادشاہت کے بعد تین سال تک محصولات اور ٹیکس معاف رکھے۔ اس طرح اس نے بابل اور دوسرے علاقوں کے لوگوں میں ہر دلعزیزی ضرور حاصل کر لی۔ لیکن وہ ایرانی جاگیرداروں اور امراء کا اعتماد اور وفاداریاں حاصل کرنے میں ناکام رہا۔

کمبی سس کو وطن واپس آتے وقت کوہ کارمل کے قریب اپنے بھائی کی بغاوت

کی اطلاع ملی۔ کہا جاتا ہے کہ وہاں گھوڑے پر سوار ہوتے ہوئے ایک زخم کی وجہ سے اس کا انتقال ہوگیا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس نے اپنے بھائی کی بغاوت کی خبر سن کر فرطِ غم سے خودکشی کرلی۔ بہرکیف کچھ بھی کہا جائے۔ وطن واپسی کے سفر کے دوران کیمبسس کا انتقال ہوگیا۔ اس کے سات ماہ بعد باردیہ بھی میڈیا کے پہاڑوں میں ایک باغی قبیلے کی سرکوبی کے دوران قتل ہوگیا۔ اب سائرس کا کوئی وارث اس کے تخت کا دعویٰ کرنے والا باقی نہ رہا تھا۔

اس پورے سال ہخامنشی شہنشاہت کے حالات پر گمنامی کے پردے پڑے رہے پھر اگلے سال کے آغاز کے ساتھ گشتاسب کا بیٹا اور سائرس کا داماد داریوش صفحاتِ تاریخ کی ایک اہم شخصیت بن کر نمودار ہوا۔ اور ہخامنشی سلطنت پھر اپنی پہلے والی عظمت اور شان وشوکت کے ساتھ تاریخ کی پوری روشنی میں آگئی۔ ۵۲۱ ق م میں پرسی پولس یا تختِ جمشید کی تعمیر کا آغاز ہوا۔ اس کے بعد پارس گرد کی بجائے تختِ جمشید ہی ہخامنشی سلطنت کا پایہ تخت بن گیا۔ داریوش کے زیرِ حکومت زرتشتی مذہب ایرانیوں میں خوب پھیلا۔ پھلا پھولا۔ اور تمام ایرانی زرتشتی مذہب کے پیروکار بن گئے۔ میڈیا اور ایرانیوں کے قوانین کو آگے چل کر پہلی مغربی حکومت کے مجموعۂ قوانین کی صورت میں مدون کیا گیا جو ہندوستان سے لے کر ایتھوپیا تک پھیلی ہوئی تھی۔ جیساکہ آہاسورس یعنی زرکسس (کیخسرو) کے عہد میں جو داریوش کا بیٹا تھا۔ کتاب استھر میں تحریر کیا گیا تھا۔

عجیب بات یہ ہے کہ اس عظیم ایرانی شہنشاہیت سے ہم یورپ کے ایک چھوٹے سے صوبے میں لڑی جانے والی مراتھون اور سلامس کی جنگوں کی بدولت آگاہ ہوئے۔ ان جنگوں میں ایشیا کی اس عظیم ترین شہنشاہیت کا مشکل کوئی تذکرہ ملتا ہے۔